أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا

بھلا کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے، یا دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں

نقوشِ قرآن

قرآن کریم کی جملہ سورتوں، رکوعات اور منتخب آیات کا آسان، عام فہم اور دلنشین خلاصہ

جلد 2

سورۃ التوبہ تا سورۃ القصص



تالیف
شیخ الحدیث حضرت مولانا زبیر احمد صدیقی

مکتبہ رشیدیہ
جامعہ فاروقیہ شجاع آباد

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا (محمد: 24)

بھلا کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے، یا دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں

نقوشِ قرآن

قرآن کریم کی جملہ سورتوں، رکوعات اور منتخب آیات کا آسان، عام فہم اور دلنشین خلاصہ

جلد 2

سورۃ التوبہ تا سورۃ القصص



تالیف

شیخ الحدیث حضرت مولانا زبیر احمد صدیقی

مکتبہ رشیدیہ
جامعہ فاروقیہ شجاع آباد

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا (محمد: 24)

بھلا کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر انہی کے تالے پڑے ہوئے ہیں

نقوشِ قرآن

قرآن کریم کی جملہ سورتوں، رکوعات اور منتخب آیات کا آسان، عام فہم اور دلنشین خلاصہ

جلد 2

سورۃ التوبہ تا سورۃ القصص

تالیف

شیخ الحدیث حضرت مولانا زبیر احمد صدیقی حفظہ اللہ

مکتبہ رشیدیہ
جامعہ فاروقیہ شجاع آباد

نام کتاب: نقوشِ قرآن جلد 2

تالیف: شیخ الحدیث حضرت مولانا زبیر احمد صدیقی حفظہ اللہ

اشاعتِ اوّل: شعبان 1443ھ

ناشر: جامعہ فاروقیہ شجاع آباد، ملتان، پاکستان

ملنے کا پتہ: جامعہ فاروقیہ، پرانا ملتان روڈ، شجاع آباد، ضلع ملتان

رابطہ نمبرز: 0322-6102570, 061-4396067,

0300-4396067, 0301-6361990,

محترم قارئین! اپنی بساط کے مطابق بھرپور توجہ سے پروف ریڈنگ کی گئی ہے کہ غلطی نہ رہے، پھر بھی انسان کمزور ہے اور غلطی کا امکان موجود ہے، قارئین مطلع فرمادیں تو آئندہ درستگی ہوسکتی ہے۔ (ادارہ)

اللّٰهم

صلِّ علىٰ محمدٍ وعلىٰ آلِ محمدٍ

كما صليت علىٰ إبراهيم وعلىٰ آلِ إبراهيم

إنك حميدٌ مجيد

اللّٰهم

بارك علىٰ محمدٍ وعلىٰ آلِ محمدٍ

كما باركت علىٰ إبراهيم وعلىٰ آلِ إبراهيم

إنك حميدٌ مجيد

رائے گرامی شیخ الاسلام حضرت اقدس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

شیخ الحدیث حضرت مولانا زبیر احمد صدیقی شجاع آبادی حفظہ اللہ کو باری تعالیٰ نے بڑی توفیق سے نوازا ہے۔ قرآن کریم کی خدمت سے بھی انکو حظِ وافر عطا فرمایا ہے۔ ہر سال مدارس کی چھٹیوں میں وہ دورۂ تفسیر کراتے رہے ہیں، اور تراویح میں مقتدیوں کو تلاوت کی گئی آیات کا خلاصہ بھی بیان فرماتے رہے ہیں۔ اب یہ خلاصہ تین جلدوں میں شائع ہو رہا ہے۔ اسمیں قرآن کریم کی تمام سورتوں، رکوعات اور منتخب آیات کا آسان اور عام فہم مطلب بیان فرمایا گیا ہے۔ بندہ نے اسکی ورق گردانی کے دوران متعدد جگہوں کو دیکھا، تو نظر آیا کہ ماشاء اللہ نہایت دلنشین اور واضح انداز میں منتخب آیات کی تفسیر اس طرح بیان کی گئی ہے کہ پڑھنے والے کو ان آیات کا مفہوم، انکا پس منظر اور اس سے حاصل ہونے والے فوائد بہ آسانی سمجھ میں آجاتے ہیں۔

خاص طور پر وہ حضرات جو مختصر وقت میں قرآن کریم کے پیغامات کو سمجھنا چاہتے ہیں۔ انکے لئے یہ نہایت مفید تحفہ ہے۔ دل سے دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اسکو نافعِ خلائق بنائیں، اور یہ فاضل مؤلف کے لئے بہترین ذخیرۂ آخرت ثابت ہو۔ آمین۔

بندہ

محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۶ر شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ

واردِ حال دفتر وفاق المدارس العربیہ

ملتان

اجمالی فہرست

محمد رسول الله

اللهم صل على محمد النبي الأمي
وعلى آله وسلم تسليما

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

قرآنِ کریم حق تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی جانب آخری پیغام اور زندگی گزارنے کا بہترین دستور ہے، دُنیا وآخرت کی جملہ فوز وفلاح اسی سے وابستہ ہیں۔ قرآنِ کریم ہی آئین وقانون، دستور ومنشور، علم وعمل، موعظت وہدایت، شفا اور سکون ہے۔ عقیدہ وفکر سے لے کر عمل وآداب اور حُسنِ معاشرت تک سبھی کچھ قرآنِ کریم میں ہے۔ اسی سے عبادات، معاملات، اخلاق وآداب، انفرادی، گھریلو اور اجتماعی زندگی وابستہ ہے۔ نظامِ مملکت، نظامِ عدل، نظامِ معیشت، نظامِ معاشرت، نظامِ اُسرَۃ (خاندانی نظام)، قوموں کا عروج وزوال، تاریخِ عالم، انسانیت کا ماضی، حال اور مستقبل، دُنیا، برزخ، آخرت، حیوانات، نباتات، جمادات، نُوری، خاکی، ناری، جنّت، جہنّم، خوفِ خدا، تقویٰ، پرہیزگاری، انبیاء ورُسل علیہم السلام کے حالات، صالحین وابرار، سیئین وفجار، اسبابِ ترقّی اور اَسبابِ تنزّلی وغیرہ کے تذکرے بھی اسی میں موجود ہیں۔

قرآنِ کریم وحیِ اِلٰہی بھی ہے اور کلامِ اِلٰہی بھی۔ یہ حق تعالیٰ کی شانِ جلال اور شانِ جمال کا مظہر ہے۔ بصورتِ قرآن، اللہ تعالیٰ بندوں سے ہم کلام بھی ہے اور تنبیہ وتسلی کناں بھی۔ قرآن ذِکر، فکر، لذّت آشنائی، معرفتِ اِلٰہی، حقوق العباد، باعثِ رحم انسانیت اور اِطمینانِ قلب ہے، تبھی تو حق تعالیٰ نے جابجا اس کتاب کو پڑھنے، سمجھنے، وابستہ ہونے، عمل کرنے اور اس کتاب کو اَپنانے کا حکم دیا۔ اسی کے ساتھ عزّتوں اور علم وعمل کے نُور کو وابستہ کیا، جبکہ اس سے اِنحراف کی صورت میں ذِلتیں اور جہالت کے اندھیرے مقدّر فرمائے۔ اسی سے علم کے موتی اور عمل کے سانچے نمودار ہوتے ہیں۔ اسی سے مفلوک الحال طبقات کی ڈھارس اور خوش حال لوگوں کی خوش حالی جڑی ہوئی ہے۔ اسی لیے اس کا حق ہے کہ اسے بار بار پڑھا جائے، سمجھا جائے، اس کی گہرائیوں میں اُترا جائے، عمل کیا جائے، اپنایا جائے، اس وفادار کلام سے دوستی کرکے قبر وحشر میں اسی کی رفاقت حاصل کی جائے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین قرآنِ کریم کے ساتھ حریص تھے، ہر مَرد وزَن نے قرآنِ کریم کو اَپنا اوڑھنا بچھونا بنایا ہوا تھا۔ ان کا سب سے بڑا مشغلہ اِشتغال بالقرآن تھا۔ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جب گھروں کو لوٹ کر آتے تو ان کی اَزاوج واَولاد ان سے یہ سوال کرتی کہ آج وحی کا کون سا حصّہ اُترا ہے؟ سیّدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا تفصیلی قصہ ''صحیح بخاری'' میں مذکور ہے:

آپ نے ایک انصاری صحابی سے یہ معاہدہ کیا ہوا تھا کہ جب کسی وجہ سے وہ انصاری خدمتِ نبوی میں

> نہ جاسکتا تو حضرت عمرؓ اس دِن حاضرِ خدمت ہوتے، اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ خدمتِ نبوی میں حاضری سے معذور ہوتے تو انصاری دوست مجلسِ رسول میں حاضر ہوتے اور پھر دونوں ایک دوسرے کو اس دِن اُترنے والا قرآنِ کریم کا حصّہ سکھاتے۔ (صحیح بخاری: ۵۱۹۱)

اسی قرآنِ کریم کو سُن کر عتبہ بن ربیعہ جیسا متعصب کافر کا دِل بھی اسلام کی جانب مائل ہونے لگا تھا۔ لیکن ابوجہل اس کے اسلام کے راستے میں رُکاوٹ بن گیا تھا۔ سیّدنا اصحمہ نجاشی رضی اللہ عنہ پر قرآنِ کریم کی تلاوت سُن کر گریہ وزاری کی کیفیت طاری ہوگئی۔ حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا معمول مبارک تھا کہ وہ قرآنِ کریم سے راہنمائی کے حصول کے لیے میدانِ جہاد میں آیاتِ جہاد بالخصوص سورتِ اَنفال کی تلاوت کرتے، کاروبار میں آیاتِ تجارت، عبادت میں آیاتِ خشوع وخضوع، عدالتوں میں آیاتِ عدل وانصاف، موعظت میں آیاتِ خوف ورجاء، اور اسی طرح ہر موقع پر اس کی مناسبت سے آیاتِ قرآنیہ کی تلاوت فرماتے، ان کا عمومی مزاج گھروں میں تلاوتِ قرآنِ کریم اور تفکر وتدبر قرآنِ کریم کا تھا۔

رات بھر میں ختمِ قرآنِ کریم ان کا محبوب مشغلہ ہوتا۔ قرآنِ کریم سے اس گہرے تعلق کی وجہ سے ان کی زندگیاں مبارک ہوگئیں۔ اس زمانے کا عمومی ماحول خیر وبرکت کا تھا، وہ حضرات ایک دوسرے سے ملاقات میں قرآنِ کریم کی تلاوت کی مقدار کا سوال کرتے۔ جُوں جُوں زمانہ بدلتا گیا، اہلِ ایمان کا قرآنِ کریم سے تعلق بھی کمزور ہوتا گیا، جس کی وجہ سے آج نہ تو عمل بالقرآن رہا اور نہ ہی مسلمانوں کی عزّت وعظمت باقی رہی!

اہلِ سلام کو اپنی عظمتِ رفتہ کے حصول کے لیے پھر سے اِنفرادی واِجتماعی طور پر قرآنِ کریم کو اَپنانا ہوگا، اپنے اِنفرادی وجود سے لے کر اپنی ریاست تک کو قرآنِ کریم کی برکات سے آراستہ کرنا ہوگا۔ قرآنِ کریم سے صحیح معنوں میں استفادہ تبھی ممکن ہے، جب اسے خوب سمجھا جائے، اس میں تدبر کیا جائے، اس کے علوم ومعارف تک رسائی حاصل کی جائے۔

''نقوشِ قُرآن'' اسی اہم مقصد کی جانب ایک قدم ہے۔ یہ کتاب نہ تو باقاعدہ تفسیر ہے، اور نہ ہی نکات سے لبریز کوئی علمی تحقیق، بلکہ عوام الناس میں بیان کیے گئے دُروس کا مجموعہ ہے۔ ۱۴۴۱-۴۲ھ بمطابق 2020-21ء کرونا کی صورتِ حال اور اپنی علالت کی وجہ سے مسلسل دو سال رمضان المبارک میں گھر میں قیام کا موقع ملا تو اسی فرصت کو غنیمت جانتے ہوئے مسجد الرشید، جامعہ فاروقیہ، شجاع آباد میں عوام الناس کے سامنے، رمضان المبارک کی راتوں میں روزانہ کی تلاوت کی گئی منزل کا خلاصہ بیان کرنے کی سعادت نصیب ہوتی۔

عزیزم مولانا محمد عمیر صدیقی زِید شرفہٗ اور ان کے رُفقاء نے حد درجہ محنت کرتے ہوئے ان دُروس کی نہ صرف ریکارڈنگ کروائی، بلکہ آن لائن نشر بھی کیا۔ شوال المکرم ۱۴۴۱ھ میں کرونا کی وجہ سے تعلیم وتدریس کا سلسلہ موقوف تھا، اَحباب کو ریکارڈنگ سے کاغذ پر منتقل کرنے کی ترغیب دی۔ چنانچہ جامعہ کے بعض طلبہ واساتذۂ کرام نے یہ کام شروع کیا۔ اس تحریری کام کا ایک حصّہ مولانا مفتی محمد عامر شعیب زِید مجدہٗ، اور دوسرا حصّہ حضرت مولانا مفتی محمد وقاص زِید مجدہٗ نے دیکھنا شروع کیا۔ یہ حضرات تحریر کو دُرست کرتے، عناوین دیتے اور حوالہ وغیرہ کی تخریج کرکے عاجز کو پیش کرتے، عاجز

نظرِ ثانی کرتا۔ یوں رفتہ رفتہ کام جاری رہا۔ عید الاضحیٰ ۱۴۴۱ھ کے بعد تعلیم کا آغاز ہوا تو کام میں تعطل آ گیا۔ شوال المکرم ۱۴۴۲ھ سے جامعہ کے فاضل مولانا مفتی محمد ہارون خان سلّمہٗ کی صرف اسی کام کے لیے تقرّری کی گئی۔ انہوں نے ماشاء اللہ آخری حصے کا بقیہ کام مکمل کیا، اور عاجز نے اسے حرف بہ حرف دیکھا، اور مناسب ترامیم و اضافے کیے۔ پہلے حصے پر بھی دوبارہ کام شروع کیا گیا تاکہ دونوں حصوں میں موافقت پیدا ہو جائے۔ یہ کام بحمد اللہ پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

شروع میں کتاب ایک جلد میں لانے کا خیال تھا، لیکن بڑھتے ہوئے صفحات کے ساتھ خیال ہوا کہ دو جلدوں میں کتاب کی طباعت کرائی جائے۔ لیکن جب کام مکمل ہوا تو اندازہ ہوا کہ کتاب تین جلدوں میں طبع کی جائے تو مناسب ہوگا۔

چنانچہ کتاب کی **پہلی جلد** ”**سورۃ الفاتحہ تا سورۃ الانفال**“

دوسری جلد ”**سورۃ التوبہ تا سورۃ القصص**“

اور **تیسری جلد** ”**سورۃ العنکبوت تا آخرِ قرآنِ کریم**“ طبع کی جا رہی ہے۔

”نقوشِ قرآن“ عام آدمی کو پیشِ نظر رکھ کر مرتّب کی گئی ہے۔ کتاب کا اُسلوب سادہ لیکن علمی رکھا گیا ہے۔ ہر سورت کا نمبر، ضروری تعارف، فضائل اور سابقہ سورت کے ساتھ ربط ذِکر کرنے کا اِلتزام کیا گیا ہے۔ سورت کا مرکزی خیال اور عمومی مضامین چند سطروں میں اس طرح ذِکر کیے گئے ہیں کہ چند منٹوں میں سورت کا اِجمالی خلاصہ ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ اِجمالی خلاصہ کے بعد تفصیلی خلاصہ آیاتِ قرآنیہ کے ضمن میں پیش کیا گیا ہے۔ آیاتِ قرآنیہ بالاستیعاب تو مذکور نہیں، تاہم سورت کی بیشتر اور اہم و مقصودی مضامین پر مشتمل آیات اور ان کا خلاصہ پیش کر دیا گیا ہے۔ آیات کے شانِ نزول، فضائل، عبر و حکم، قصصِ قرآنیہ، علمی لطائف، بعض تحقیقی مباحث وغیرہ بھی شامل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ہر سورت کے آخر میں سورت سے حاصل ہونے والے ”اہم دُروس“ کے عنوان سے پوری سورت کے اہم مضامین کو ایک بار پھر ذِکر کیا گیا ہے۔ یہ کتاب اِن شاء اللہ! عوام الناس کے ساتھ علمائے کرام و مدرّسینِ عظام کے لیے بھی دُروسِ قرآن میں ممد و معاون ثابت ہوگی۔

حق تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اُس کی بارگاہ میں یہ کتاب قبول اور عوام الناس کے لیے نافع ہو۔ حق تعالیٰ عاجز اور عاجز کے رُفقاء کے لیے اس خدمت کو باعثِ عمل، باعثِ نجات اور آخرت کا ذخیرہ فرمائیں۔

والسلام

زُبیر احمد صدیقی عفی اللہ عنہ

خادم جامعہ فاروقیہ شجاع آباد

مدیر ماہنامہ ”صدائے فاروقیہ“ شجاع آباد

۹ رجب المرجب ۱۴۴۳ھ

بمطابق 11 فروری 2022ء


لا إله إلا الله محمد رسول الله

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَۃُ التَّوْبَۃ

سورت کا تعارف

یہ مدنی سورت ہے، قرآنی ترتیب میں نویں (۹) جبکہ نزول کے اعتبار سے ایک سو تیرہ (۱۱۳) نمبر پر ہے، سولہ (۱۶) رکوع اور ایک سو انتیس (۱۲۹) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہ تسمیہ

اس سورت کے متعدد نام ہیں:

۱۔ **توبہ**: اس سورت میں ان صحابہ کرام کی توبہ قبول ہونے کا بیان ہے جنھوں نے تبوک کی جنگ میں حصہ نہیں لیا تھا، اسی لیے اسے سورۃ توبہ کہا جاتا ہے۔

۲۔ **براءت**: اس سورت کے شروع میں مشرکین سے براءت اور بیزاری کا اعلان کیا گیا ہے، اسی وجہ سے اسے سورۃ براءت بھی کہتے ہیں۔

۳۔ **فاضحہ**: رسوا کرنے والی، یہ نام اس لیے ہے کہ اس میں منافقین کے نفاق سے پردہ چاک کیا گیا ہے اور ان کی دسیسہ کاری کا بھانڈا پھوڑا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

اس سورت کی گزشتہ سورت کے مضامین سے اس قدر گہرا ربط ہے کہ بعض مفسرین کرام ان دونوں سورتوں کو ایک ہی مانتے ہیں، اسی وجہ سے اس سورت کے شروع میں بسم اللہ نہیں لکھی گئی۔ مضامین کا ربط اس طرح ہے کہ گزشتہ سورت میں قتال و جہاد کے احکام مذکور تھے، اس سورت میں بھی وہی مضامین ہیں۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع مشرکین سے براءت اور ہر ایک کو توبہ کی تلقین ہے۔

عمومی مضامین

۱۔ اس سورت میں مسلمانوں اور کفار و مشرکین کے تعلق کی نوعیت کو بیان کیا گیا ہے، جس کے چھ درجات ہیں:

۱......کفار و مشرکین اور ان کے اعتقادات سے قلبی طور پر براءت کی جائے۔

۲......ان کے ساتھ کیے گئے معاہدے مکمل کیے جائیں۔

۳......انہیں دینِ حق کی طرف دعوت دی جائے۔

۴......ان میں سے جو حق کے خلاف سرگرم ہوں اور لوگوں کو اللہ رَبّ العزّت کے دین سے روکتے ہوں، ان سے قتال کیا جائے۔

۵......اگر قتال کے دوران ان میں سے کوئی امان مانگے تو اسے امان دی جائے۔

۶......اگر وہ لڑائی چھوڑ دیں اور مسلمانوں کے زیرِ نگیں رہنا چاہیں تو ان سے قتال نہیں کرنا چاہیے، اگرچہ وہ اپنے کفر پر برقرار رہوں۔

۲- اس سورت میں جہاد کی اہمیت بیان کی گئی ہے اور جہاد میں شمولیت کی ترغیب دی گئی ہے، نیز جہاد سے جی چرانے والوں کو تنبیہ بھی کی گئی ہے۔

۳- سورت میں نفاق اور منافقین کی مذمت بیان کی گئی ہے۔

۴- زکوٰۃ کے مصارف بیان کیے گئے ہیں۔

۵- خلافت اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے اللہ رَبّ العزّت سے سودا کرنے کا بھی ذکر ہے۔

۶- یہ سورت غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونے والوں کے لیے بطورِ تنبیہ نازل ہوئی ہے، اس میں منافقین اور مؤمنین کو الگ الگ انداز سے تنبیہ کی گئی ہے۔

سورۂ توبہ سے پہلے ''بسم اللہ'' کیوں نہیں؟

اس سورت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ دیگر سورتوں کے برعکس اس کے آغاز میں بسم اللہ نہیں لکھی گئی، حالانکہ قرآنِ کریم کی اس سورت کے علاوہ ہر سورت سے پہلے بسم اللہ مرقوم ہے اور بسم اللہ کا لکھا جانا اس بات کی علامت ہے کہ یہاں سے نئی سورت شروع ہو رہی ہے۔ اس سورت کے شروع میں بسم اللہ نہ لکھنے کی وجہ کیا ہے؟ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

قرآنِ کریم ۲۳ سال کے طویل عرصہ میں، تھوڑا تھوڑا نازل ہوا، ایک ہی سورت کی آیات مختلف اوقات میں نازل ہوتی رہیں، جبرئیل امین وحی ربانی لے کر آتے تو ساتھ ہی یہ حکمِ الٰہی بھی لاتے تھے، کہ یہ آیت فلاں سورت میں فلاں آیت کے بعد رکھی جائے، اسی کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وحی لکھنے والوں سے لکھوا دیتے تھے۔ اسی طرح جب ایک سورت ختم ہو کر دوسری سورت شروع ہوتی تھی، تو بسم اللہ نازل ہوتی تھی، جس سے سمجھ لیا جاتا تھا کہ پہلی سورت ختم ہو گئی اور دوسری سورت شروع ہوئی، قرآن پاک کی تمام سورتوں میں ایسا ہی ہوتا رہا، لیکن سورت توبہ کے شروع میں دیگر سورتوں کی

طرح بسم اللہ نازل نہیں ہوئی، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی لکھنے والوں کو یہاں بسم اللہ لکھنے کی ہدایت فرمائی، اس لیے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے عہد میں جب قرآنِ کریم کو کتابی صورت میں جمع کیا گیا تو یہ دیکھ کر کہ مضامین کے اعتبار سے سورۃ توبہ کی سورۃ انفال سے مناسبت ہے، اور دورِ نبوی میں یہ دونوں سورتیں ''قرینتین'' (ملی ہوئی) کہلاتی تھیں، اس لیے دونوں کو ساتھ ملایا گیا۔ سورۃ انفال کو پہلے رکھا گیا، سورۃ توبہ کو بعد میں کیونکہ نزول کے اعتبار سے سورۃ انفال مدنی زندگی کے آغاز میں غزوۂ بدر کے موقع پر نازل ہوئی، اور سورۃ توبہ مدنی زندگی کے بالکل آخری دور میں نازل ہوئی تھی۔

حاصل کلام یہ کہ قرآنِ کریم کی جمع وترتیب کی ایک ایک بات اللہ کے حکم کے مطابق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق وجود میں آئی، اور اسی طرح بعد کی نسلوں کو قرآنِ کریم محفوظ صورت میں ملا ہے۔ البتہ جب ہم ان دونوں سورتوں کے مضامین پر نظر ڈالتے ہیں، تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں سورتوں میں مضمون کے لحاظ سے نہایت گہرا اتصال بھی ہے اور مقصد و غایت کے اعتبار سے فی الجملہ انفصال بھی۔ ایک سورت کا رخ بالکلیہ مسلمانوں، اور دوسری سورت کا رخ اصلاً مشرکین، اہل کتاب اور منافقین کی طرف ہے۔ ایک کی نوعیت تیاری کی ہے، دوسری کی نوعیت اعلان جنگ کی۔ اشتراک وانفصال کے ان دونوں پہلوؤں کو ممتاز اور نمایاں کرنے کے لیے تقاضا یہ تھا کہ یہ سورت گزشتہ سورت سے بالکل الگ بھی نہ ہو، لیکن فی الجملہ نمایاں اور ممتاز بھی رہے۔ بسم اللہ نہ لکھے جانے سے یہ دونوں پہلو بیک وقت جمع ہو گئے۔

کیا سورۂ توبہ کے آغاز میں ''بسم اللہ'' پڑھی جا سکتی ہے؟

حضرات فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ جو شخص اوپر سے سورۂ انفال کی تلاوت کرتا آرہا ہو، اور سورۂ توبہ شروع کرے وہ ''بسم اللہ'' نہ پڑھے، لیکن جو شخص اسی سورت کی ابتدا سے تلاوت شروع کرے یا درمیان سورت سے تلاوت کا آغاز کرے، اسے چاہیے کہ ''بسم اللہ'' پڑھ کر تلاوت شروع کرے۔ عوام کا یہ سمجھنا کہ سورۂ توبہ کی تلاوت میں کسی حال میں ''بسم اللہ'' پڑھنا جائز نہیں، غلط ہے۔

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ① فَسِيْحُوْا فِي الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ
وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِي الْكٰفِرِيْنَ ② وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ
يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ۭ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ
فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ۭ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ③ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ
الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى
مُدَّتِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ④ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ
وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ
فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ⑤

مشرکینِ عرب سے براءت کے اِعلانات

سورۂ توبہ کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے مشرکین عرب سے کیے گئے تمام معاہدات کو ختم اور کالعدم کرنے کا اعلان فرمایا ہے اور اس ضمن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو چند احکام دیے ہیں، جن کا پس منظر یہ ہے کہ ۶ ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمرہ کے ارادہ سے مکہ مکرمہ کی جانب روانہ ہوئے، مشرکین مکہ نے آپ کو مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا، پھر حدیبیہ کے مقام پر ان سے دس سال تک کے لیے صلح ہوگئی، اس صلح کے نتیجہ میں قبیلہ خزاعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیف بنا اور قبیلہ بنی بکر قریش کا، ۷ ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کے مطابق عمرہ ادا فرمایا، اس کے بعد پانچ یا چھ ماہ ہی گزرے تھے کہ قبیلہ بنی بکر نے مسلمانوں کے حلیف قبیلہ خزاعہ پر حملہ کر دیا، قریشِ مکہ نے بھی معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے قبیلہ بنی بکر کا ساتھ دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان کی عہد شکنی کا علم ہوا تو قریشِ مکہ کے خلاف جنگ کی خفیہ طور پر تیاری شروع کر دی۔ قریشِ مکہ نے حالات کی نزاکت کو بھانپ کر حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو مدینہ بھیج کر معاہدہ کی تجدید کے لیے کوشش کی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کی تجدید سے انکار کر دیا، بالآخر آٹھ ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ کی جانب پیش قدمی کی اور مکہ فتح ہوگیا۔

فتحِ مکہ کے موقع پر کُفّار کی چار اقسام

جب مکہ فتح ہو چکا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ ربّ العزّت کی جانب سے دی گئی ہدایات کے تحت یہ فیصلہ کر لیا کہ جزیرۃ العرب کو ایک اسلامی قلعہ کی حیثیت سے صرف مسلمانوں کے لیے مخصوص کر دیا جائے، اور آئندہ کے لیے کسی عرب قبیلہ (خواہ مشرک ہو یا اہل کتاب) سے کوئی معاہدہ نہ کیا جائے، البتہ پہلے جن قبائل کے ساتھ معاہدات ہو چکے تھے یا بعض وہ جن کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں ہوا، ان کے بارے میں فیصلہ کرنے کے لیے اللہ ربّ العزّت نے ان آیات میں ہدایات نازل فرما دیں، چنانچہ اس موقع پر چار قسم کے کُفّار و مشرکین موجود تھے، ہر ایک کے لیے الگ حکم بیان فرمایا:

۱- پہلی قسم ان مشرکین کی تھی، جن کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر معاہدہ کیا تھا، لیکن انہوں نے بدعہدی کی اور معاہدہ توڑ دیا، چونکہ یہ مزید مہلت اور کسی رعایت کے مستحق نہیں تھے، اس لیے ان کو مزید مہلت تو نہیں دی گئی، لیکن چونکہ دست برداری کا یہ اعلان حج کے موقع پر کیا گیا تھا، جو خود حرمت والے مہینے میں شمار ہوتا ہے، اور اس کے بعد محرم کا مہینہ بھی حرمت والا ہے، اس میں جنگ کرنا جائز نہ تھا، اس لیے ان کو بھی محرم کے آخر تک مہلت مل گئی، انہیں کے بارے میں آیت نمبر پانچ میں فرمایا گیا کہ حرمت والے مہینے گزر جانے کے بعد یا تو یہ مسلمان ہو جائیں، یا جزیرۂ عرب سے نکل جائیں ورنہ ان سے جنگ کی جائے گی اور انہیں قتل کر دیا جائے گا۔

۲- دوسری قسم ان مشرکین کی تھی، جن کے ساتھ کسی خاص مدت کے لیے مسلمانوں نے جنگ بندی کا معاہدہ کر رکھا تھا اور انہوں نے کوئی بدعہدی بھی نہیں کی تھی، ایسے لوگوں کے بارے میں آیت نمبر چار میں یہ حکم دیا گیا کہ ان کے معاہدے

کی جتنی مدت باقی ہے، اس کو پورا کیا جائے، اس پوری مدت میں ان کے ساتھ کسی قسم کا تعرض نہ کیا جائے، مثلاً: قبیلہ کنانہ کے دو چھوٹے قبیلے بنوضمرہ اور بنومدلج کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا ہی معاہدہ تھا، ان کی طرف سے کوئی بدعہدی بھی سامنے نہیں آئی تھی، ان کے معاہدہ کی مدت ختم ہونے میں اس وقت نو ماہ باقی تھے، چنانچہ ان کو نو ماہ کی مہلت دی گئی۔

۳- تیسری قسم ان مشرکین کی تھی جن کے ساتھ جنگ بندی کا معاہدہ تو تھا لیکن اس کی کوئی مدت مقرر نہیں تھی۔

۴- چوتھی قسم ان مشرکین کی تھی جن کے ساتھ کسی قسم کا کوئی معاہدہ نہیں ہوا تھا۔

ان دونوں (تیسری اور چوتھی قسم) کا ایک ہی حکم آیا جو سورۂ توبہ کی پہلی اور دوسری آیت میں ذکر کیا گیا ہے کہ ایسے مشرکین کو چار ماہ کی مہلت دی گئی، ان چار ماہ میں اگر وہ اسلام لانا چاہیں تو اسلام لے آئیں، اگر جزیرۂ عرب سے باہر کہیں جانا چاہیں تو اس کا انتظام کرلیں، اگر یہ دونوں کام نہ کرسکیں تو ان کے خلاف ابھی سے اعلان کردیا گیا کہ ان کو جنگ کا سامنا کرنا ہوگا۔

مشرکین عرب سے متعلق ان احکامات اور اعلانات دستبرداری سے متعلق ایک مزید حکم یہ دیا گیا کہ ان احکامات پر عمل کرنے سے پہلے تمام عرب میں ان کا اعلان کروادیا جائے، خاص طور پر حج کے موقع پر چونکہ دور دور سے لوگ اور تمام قبائل عرب حاضر ہوتے ہیں، اس لیے اس موقع پر ان اعلانات کی تشہیر کا خاص اہتمام کیا جائے، چنانچہ ۹ ہجری کے ایام حج میں منیٰ و عرفات کے عام اجتماعات میں ان احکامات کا اعلان اور تشہیر کی گئی۔

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ۭ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝

مشرکین کی عہد شکنی کے اسباب

ان آیات میں اللہ رب العزت نے ان مشرکین کی جنہوں نے صلح حدیبیہ کو توڑ دیا تھا، عہد شکنی کے اسباب بیان فرمائے ہیں کہ ان لوگوں کی صلح اور معاہدہ پر تو اعتبار ہی نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ ان کی فطرت اور طبیعت ہی ایسی ہے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف موقع کی تلاش میں رہتے ہیں، جہاں کہیں کوئی موقع نظر آتا ہے وہاں نہ وہ قرابت کا لحاظ رکھتے ہیں اور اور نہ کسی معاہدہ کا پاس، بس مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں، ان کے معاہدوں کی حقیقت یہ ہوتی ہے کہ زبانی طور پر تو یہ آپ سے صلح کا معاہدہ کرکے آپ کو خوش کرتے ہیں جبکہ دل ہی دل میں اس معاہدہ کے خلاف کرنے کا

موقع ڈھونڈتے ہیں۔ انہوں نے اللہ رَبّ العزّت کے احکام اور اس کے دین کے بدلے میں فانی اور عارضی دنیا کو ترجیح دی ہے، یہ لوگ نہایت سرکش اور حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

لیکن اس سب کے باوجود اگر یہ اسلام لے آئیں اور صدقِ دل سے توبہ کر کے کفر اور شرک کو چھوڑ دیں اور نماز پڑھنے لگیں زکوٰۃ دینے لگیں تو اس صورت میں یہ تمہارے دینی بھائی ہوجائیں گے اور ان کے پچھلے سارے گناہ اللہ رَبّ العزّت معاف فرمادیں گے، اور ان سے قتال و جہاد روک لیا جائے گا، ورنہ ان کی بدعہدی اور ایذا رسانیوں کی وجہ سے ان سے قتال کیا جائے گا۔

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝

”جہاد“ کفّار کی رُسوائی اور مسلمانوں کا امتحان ہے

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے جہاد کی علت اور وجہ بیان فرمائی کہ جہاد کا حکم کیوں دیا گیا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ جہاد کا حکم نازل کرنے کا ایک سبب یہ ہے کہ یہ اللہ رَبّ العزّت کی طرف سے کفّار کے لیے عذاب کی ایک شکل ہے۔ پچھلی قوموں پر عذاب یوں آتا تھا کہ وہ خنزیر بن جاتے، بندر بن جاتے اور کسی پر پتھر برستے، جس سے وہ ہلاک ہوجاتے۔ اس اُمتِ محمدیہ پر اس قسم کے عذاب نہیں آئیں گے، بلکہ اللہ تعالیٰ منکرین کو اس طرح عذاب دیں گے کہ ان پر مسلمانوں کو مسلط فرمادیں گے، جو ان سے قتال کریں گے، جس سے وہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے جہاد میں قتل ہوکر رسوا ہوں گے، اور مسلمان فتح یاب ہوکر خوش ہوجائیں گے۔

جہاد کے حکم کا دوسرا سبب یہ ہے کہ یہ مسلمانوں کا امتحان ہے کہ وہ اللہ رَبّ العزّت کے دیگر احکام کی طرح اس حکم پر بھی عمل کرتے ہیں یا اس سے جی چراتے ہیں، اسی لیے اہلِ ایمان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ تم ایسے چھوڑ دیے جاؤ گے اور اللہ تعالیٰ (راہِ خدا میں) جہاد کرنے والوں کو اور ان لوگوں کو جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول اور مؤمنین کے سوا کسی کے ساتھ خصوصی تعلق نہیں رکھا، ظاہر نہیں فرمائیں گے؟ یقیناً اللہ تعالیٰ ظاہر فرمائیں گے کہ کون وفادار اور فرمانبردار ہے اور کون احکامِ شرعیہ سے جی چراتا ہے۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ

وَعِمَارَۃَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰھَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ۭ لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰہِ ۭ وَاللّٰہُ لَا یَہْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝

مشرکین کو مساجد اور حرم کی تعمیر کا کوئی حق نہیں

مشرکینِ مکہ کو بڑا زعم تھا کہ ہم مسجد حرام کے متولی ہیں، ہم نے کعبہ اور مسجد حرام کی تعمیر کی ہے، اس پر اللہ رَبّ العزّت نے یہ آیات نازل فرمائیں کہ مشرکین کو یہ حق نہیں کہ وہ اللہ رَبّ العزّت کی مساجد (جس میں مسجد حرام بھی شامل ہے) کی تعمیر کریں، اس کے متولی اور منتظم بنیں، کیونکہ مسجد ایک اللہ رَبّ العزّت کی عبادت کے لیے بنائی جاتی ہے، جبکہ شرک اور کُفر توحید باری تعالیٰ کی ضد ہیں اور یہ لوگ خود اپنے کُفر کے اقراری ہیں، اس لیے مساجد کی تعمیر اور ان کا انتظام سنبھالنے کا انہیں کوئی حق نہیں۔ اگر انہوں نے یہ نیکی کی بھی ہے، تو چونکہ ہر نیکی کی قبولیت کے لیے اولین شرط ایمان ہے، جس سے یہ محروم ہیں، اس لیے اللہ رَبّ العزّت نے ان کی یہ نیکی برباد کردی ہے، اور آخرت میں بھی یہ ہمیشہ کے لیے جہنم کی آگ میں جلتے رہیں گے۔

مساجد بنانا اور آباد کرنا اہلِ ایمان کا حق ہے

اگلی آیت میں ارشاد فرمایا کہ مسجدِ حرام اور اسی طرح دیگر مساجد بنانے کا حق، ان کی تولیت اور انتظامی ذمہ داری اور ان کو آباد رکھنے کا حق صرف ان لوگوں کو ہے جو عقیدہ اور عمل کے اعتبار سے اَحکامِ الٰہی کے پابند ہوں، اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہوں، نماز قائم کرتے ہوں، زکوٰۃ دیتے ہوں اور اللہ کے علاوہ کسی سے نہ ڈرتے ہوں، یعنی دین کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی پرواہ نہ کرتے ہوں اور کسی کے ڈر سے اللہ رَبّ العزّت کے کسی حکم کو ترک نہ کرتے ہوں، یہی مسجدیں بنائیں، یہی مسجدوں کے متولّی بنیں، کیونکہ یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مساجد کی تعمیر اور اس کی آبادی صرف نیک مسلمان کا کام ہے، لہٰذا جو شخص مساجد کی حفاظت، صفائی اور دوسری ضروریات کا انتظام کرتا ہے اور جو عبادت اور ذِکر اللہ یا علمِ دین کے لیے مسجد میں آتا جاتا ہے، اس کے یہ اعمال اس کے کامل مؤمن ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔ ایک حدیث میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ مسجد کی حاضری کا پابند ہے تو اس کے ایمان کی گواہی دو۔ (سنن ترمذی: ۳۰۹۳)

ایمان کے بغیر کوئی نیک عمل مقبول نہیں!

بہت سے مشرکین مکہ مسلمانوں کے مقابلے میں اس پر فخر کیا کرتے تھے، کہ ہم مسجدِ حرام کی آبادی اور حاجیوں کو پانی پلانے کا انتظام کرتے ہیں، اس سے بڑھ کر کسی کا کوئی عمل نہیں ہوسکتا، اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری "اَجَعَلْتُمْ سِقَایَۃَ الْحَآجِّ وَعِمَارَۃَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ" جس کا حاصل یہ ہے کہ حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجدِ حرام کی تعمیر کرنا،

اگر ایمان کے بغیر ہے تو اس عمل کی کوئی حیثیت نہیں ہے، یہ ایمان کا مقابلہ نہیں کر سکتے، سب سے افضل عمل اللہ پر ایمان لانا ہے اور ایمان کے بعد سب سے افضل عمل اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے، ایمان و جہاد فی سبیل اللہ کے بغیر کسی بھی عمل سے یہ لوگ مسلمانوں کے برابر نہیں ہو سکتے۔ ایسے ظالم لوگ جب تک اپنی کج فکری کا علاج نہیں کرتے، اس وقت تک اللہ انہیں ہدایت نہیں دیتا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

مسلمانوں کی عزت اللہ ورسول کی محبت اور جہاد کے ساتھ وابستہ ہے

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کا ذکر فرمایا ہے، جن کی محبت کی وجہ سے لوگ جہاد اور ہجرت سے گریز کرتے ہیں، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے ایمان والو! اگر تمہارے باپ دادا اور تمہارے بھائی ایمان پر کفر کو ترجیح دیں تو تم انہیں رفیق مت بناؤ یعنی ان کے تعلق کو اللہ اور اس کے رسول سے تعلق پر ترجیح نہ دو، اسی طرح تمام دُنیوی تعلقات اور دُنیوی ساز وسامان جن کی محبت انسان کو اندھا کر دیتی ہے، ان سب کو اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کے سامنے ہیچ جانو، کیونکہ اگر تمہارے باپ، تمہاری اولادیں، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارے قبیلے اور تمہارا کمایا ہوا مال اور تمہاری وہ تجارت جس کی کساد بازاری کا تمہیں اندیشہ ہے، تمہارے پسندیدہ محل، بنگلے اور کوٹھیاں تمہیں اللہ اور اللہ کے رسول سے اور جہاد سے زیادہ پسندیدہ ہیں، تو پھر اللہ کے عذاب کا انتظار کرو، کیونکہ اللہ ربّ العزّت ایسے ظالموں اور گنہگاروں کو ہدایت نہیں دیتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ اور اس کے نبی کا حکم اور اللہ کی راہ میں جہاد اور ہجرت سب سے مقدم ہیں، انہیں کے ساتھ ہی مسلمانوں کی عزت وابستہ ہے۔ ماں باپ، مال واسباب، کاروبار، بزنس وتجارت وغیرہ ان سب کا مقام ومرتبہ بعد میں ہے۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝

غزوۂ حنین

ان آیات میں غزوہ حنین کا تذکرہ کیا گیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار کا لشکر لے کر مکہ پہنچے، رمضان المبارک سن آٹھ ہجری میں مکہ مکرمہ فتح ہوا، مکہ فتح ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم پورا رمضان مکہ میں رہے۔ شوال المکرم کے آغاز میں آپ کو پتہ چلا کہ قبیلہ ہوازن اور بنوثقیف جو عرب کے بہادر اور جنگجو قبیلے تھے، حنین کے مقام

پر لشکر جمع کر رہے ہیں، نیز مکہ مکرمہ اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں، ان کی تعداد کے متعلق مختلف روایات ہیں، راجح قول یہ ہے کہ ان کی تعداد چوبیس یا اٹھائیس ہزار تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے خطرناک عزائم کی خبر ملی تو آپ نے ان کے مقابلے کے لیے حنین جانے کا عزم فرمالیا، مکہ مکرمہ پر حضرت عتاب بن اسید کو امیر بنایا اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو ان کے ساتھ لوگوں کو اسلامی تعلیمات سکھانے کے لیے چھوڑا، بارہ ہزار صحابہ کا لشکر لے کر آپ نے ان کی طرف پیش قدمی فرمائی، جن میں دس ہزار لوگ مدینہ سے آئے ہوئے انصار و مہاجرین تھے جو فتح مکہ کے لیے آپ کے ساتھ آئے تھے، اور دو ہزار مکہ کے طلقاء شامل ہوئے، طلقاء سے مراد وہ لوگ ہیں جو مکہ اور اطراف مکہ کے لوگوں میں سے بوقت فتح نئے نئے ساتھ جڑے تھے، ان میں سے کچھ نو مسلم تھے، اور کچھ ویسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں چل پڑے۔ تو یہ بارہ ہزار کا لشکر جرار چل پڑا، مسلمانوں کا یہ پہلا جہاد تھا جس میں اتنی بڑا لشکر مقابلہ کے لیے نکلا تھا، اور سامانِ جنگ بھی ہمیشہ سے زیادہ تھا، اسی وجہ سے بعض مسلمانوں کی زبان پر بے ساختہ یہ لفظ آیا "لن نُغلَبَ الیومَ بقلة" یعنی آج تعداد کی کمی کی وجہ سے ہم شکست نہیں کھائیں گے، آج تو مقابلے کی دیر ہے کہ دشمن فوراً بھاگ جائے گا۔

بڑائی کا بول اور اہلِ ایمان کا اِمتحان

اللہ ربّ العزّت کو یہ جملہ پسند نہ آیا، کیونکہ اس جملہ میں اللہ ربّ العزّت سے نظر ہٹ کر اسباب پر جم گئی تھی، اور پروردگارِ عالم کو یہ چیز ناپسند ہے کہ کوئی اپنی طاقت پر بھروسہ کرے، اسی وجہ سے اللہ ربّ العزّت نے مسلمانوں کو اس جملے کا سبق اس طرح دیا کہ جب مسلمانوں کا لشکر حنین میں گھاٹیوں سے گزر رہا تھا، تو قبیلہ ہوازن کے لوگوں نے جو جنگ کے بڑے تجربہ کار اور ماہر تیر انداز تھے، اور انہوں نے اپنی فوج کے چند دستوں کو مختلف گھاٹیوں، پوشیدہ جگہوں، اور دروں میں چھپایا ہوا تھا، اچانک حملہ کر دیا، ہر طرف سے تیر برسنا شروع ہو گئے، مسلمانوں پر اچانک حملہ ہوا تو سنبھل نہ سکے، پاؤں اکھڑ گئے، بھگدڑ مچ گئی، گرد و غبار کی وجہ سے کوئی اِدھر بھاگ رہا تھا تو کوئی اُدھر، صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سفید خچر پر سوار شجاعت و بہادری اور استقلال و استقامت کے پہاڑ ثابت ہوئے، آپ پیچھے ہٹنے کے بجائے مسلسل آگے بڑھ رہے تھے، آپ کے ساتھ چند صحابہ کرام جن کی تعداد تین سو یا ایک سو تھی، جمے رہے۔ حضرت عباس اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ابوسفیان بن حارث انہوں نے آپ کے خچر کی لگام پکڑی ہوئی تھی اور آپ لوگوں سے فرما رہے تھے "اِلَیَّ عِبادَ اللہ اِلَیَّ عِبادَ اللہ" اللہ کے بندو! میرے پاس آؤ اور آپ یہ رجزیہ کلمات پڑھ رہے تھے: "انا النبی لا کذب انا ابن عبد المطلب" میں اللہ کا نبی ہوں کوئی جھوٹ نہیں، میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔

پھر حضرت عباس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے آواز دی "یا اَصحابَ الشَّجَرَۃِ" درخت کے نیچے نبی کے ہاتھ پر بیعت کرنے والو! "یا مَعشَرَ الانصارِ" او جان کی بازی لگانے کا عہد کرنے والا گروہ انصار! آجاؤ، رسول اللہ یہاں ہیں۔ جب یہ آواز پہنچی تو سب واپس آگئے، اور پھر جم کر لڑے، بڑی دلیری کے ساتھ دشمن کا پورا مقابلہ کیا، اسی حالت میں

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی مدد بھیج دی، مسلمانوں کو فتح ہوئی، کفّار کا کمانڈر مالک بن عوف اپنے اہل وعیال اور سب مال چھوڑ کر بھاگا، اور طائف کے قلعہ میں جا چھپا، باقی پوری قوم بھی بھاگ کھڑی ہوئی، ان کے ستر سردار مارے گئے، ان کا سارا مال مسلمانوں کے قبضہ میں آیا، چھ ہزار جنگی قیدی، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں، چار ہزار اوقیہ چاندی غنیمت میں حاصل ہوئی۔ (معارف القرآن)

اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ:

اللہ ربّ العزّت نے کئی مقامات پر تمہاری مدد کی، حنین کے دن بھی تمہاری مدد کی، جب تم اپنی تعداد کی کثرت کی وجہ سے غرور میں آ گئے، اور تم نے اللہ ربّ العزّت کو چھوڑ کر اپنی تعداد پر بھروسا کیا تو وہ تعداد تمہارے کسی کام نہ آئی، اور تمہارے قدم ایسے اکھڑے کہ زمین اپنی تمام تر کشادگی کے باوجود تمہیں تنگ لگنے لگی، اور تم پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگے، پوری فوج تتر بتر ہو چکی تھی، پھر اللہ ربّ العزّت نے تمہیں حوصلہ دیا، تم پر سکینت اور اطمینان نازل فرمایا، اور آسمان سے فرشتے نازل فرما کر تمہاری مدد فرمائی اور کفّار کو شکست فاش سے دوچار کیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ۝

مشرکین کو مسجدِ حرام کے قریب نہ بھٹکنے دو

ان آیات میں ایک مرتبہ پھر جزیرۃ العرب کو مرکزِ اسلام بنانے کا اعلان ہے۔ اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ چونکہ مشرکین معنوی اور روحانی طور پر پلید اور نجس ہیں، یعنی ان کا عقیدہ گندہ ہے اور وہ ظاہری نجاستوں سے بچنے کا بھی عموماً خیال نہیں کرتے، لہٰذا آج کے بعد کوئی مشرک مسجدِ حرام کے قریب بھی نہیں آئے گا، یعنی آج (۹ ہجری) کے بعد کوئی کافر اور مشرک حج یا عمرہ کرنے نہیں آئے گا۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس آیت کی رو سے کسی کافر یا مشرک کے لیے مسجدِ حرام میں حج یا عمرہ کے لیے داخل ہونا جائز نہیں، البتہ کسی وقتی ضرورت کے تحت مسلمان حاکم کی اجازت سے بقدرِ ضرورت جا سکتا ہے۔

جب مسجدِ حرام میں کفّار و مشرکین کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا گیا تو مسلمانوں کو معاشی مسئلہ درپیش ہوا، کیونکہ مکہ مکرمہ میں اپنی کوئی پیداوار نہیں، اہل مکہ کا سارا انحصار تجارت پر تھا، جس کی ایک بڑی صورت موسم حج میں آنے والے قافلوں کے ساتھ لین دین کرنا تھا، اب ان کے داخلہ پر پابندی کے بعد معاشی طور پر کمزوری کا خدشہ لاحق ہو گیا، اس کے

جواب میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ گھبراؤ نہیں، اور نہ ہی تنگدستی کا خوف کرو، کیونکہ معاش کا سارا نظام اللہ ربّ العزّت کے قبضۂ قدرت میں ہے، وہ تمہیں ان سب کفّار سے مستغنی کردیں گے۔ چنانچہ تاریخ گواہ ہے، اس کے بعد مکہ والوں نے کبھی تنگ دستی نہیں دیکھی۔

اہلِ کتاب سے ''جہاد'' کا حکم اور اس کی حد

کفّار و مشرکین سے جہاد کے بعد اللہ ربّ العزّت نے اہل کتاب سے جہاد کرنے کا حکم فرمایا اور اس کی چار وجوہات بیان فرمائیں:

۱۔ پہلی وجہ یہ کہ وہ اللہ ربّ العزّت پر ایمان نہیں رکھتے، یعنی جس طرح کا ایمان مطلوب ہے کہ اس میں ذرا بھی شرک کی آمیزش نہ ہو وہ ایسا ایمان نہیں رکھتے۔

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔

۳۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ ربّ العزّت کی حرام کردہ چیزوں کو حرام نہیں سمجھتے۔

۴۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ وہ سچے دین کو قبول نہیں کرتے۔

ان چار وجوہات کی بنا پر مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ اہل کتاب سے جہاد اور قتال کریں، اور اس کی حد یہ بیان فرمائی کہ ان سے اس وقت تک قتال کرتے رہیں جب تک وہ ماتحت ہو کر جزیہ دینا قبول نہ کرلیں۔ جزیہ سے مراد وہ رقم ہے جو اسلامی حکومت کفّار سے قتل کی سزا کے بدلہ میں لیتی ہے۔ (معارف القرآن)

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ
قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ڑ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ
اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝
يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِــــُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ
رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَي الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا
مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ
الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يُحْمٰي عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ
فَتُكْوٰي بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝

اہلِ کتاب کے کفریہ عقائد و افعال

گزشتہ آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا تھا کہ اہل کتاب اللہ پر ایمان نہیں رکھتے، ان آیات میں اسی کی تفصیل بیان فرمائی ہے۔ ان کا کفریہ عقیدہ تو یہ ہے کہ یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں، اور عیسائی حضرت

عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ گردانتے ہیں، جو کہ واضح شرک ہے، اس میں اشارہ فرمایا کہ مشرکین عرب کی طرح ان کو بھی عرب سے نکال دیں، جزیرۃ العرب میں نہ رہنے دیں۔ بعض مفسرین کرام نے اہلِ کتاب کے مذکورہ بالا عقیدہ فاسدہ کو ان سے جہاد کی علت قرار دیا ہے۔

اوران کے کفریہ اعمال یہ ہیں کہ انہوں نے اپنے علماء اور عبادت گزار بندوں کو اپنا رَبّ بنا رکھا ہے، یعنی وہ اپنے علماء اور راہبوں کی ایسے اطاعت کرتے تھے، جیسی اطاعت صرف اللہ رَبّ العزّت کا حق ہے، وہ ان کی ہر بات مانتے تھے چاہے ان کی بات اللہ رَبّ العزّت کے احکامات کے بالکل خلاف ہو، اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی اپنا رَبّ بنالیا ہے۔ ان کی دوسری گمراہی یہ ہے کہ یہ لوگ نہ صرف خود گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں بلکہ دین حق کو مٹانے اور ختم کرنے کی کوششوں میں بھی مصروف رہتے ہیں، حالانکہ دین حق کو مٹانا اور ختم کرنا ان کے بس میں نہیں، اللہ رَبّ العزّت یہ طے فرما چکے ہیں کہ وہ اپنے دین کو مکمل اور پورا ہی فرمائیں گے، خواہ کافر لوگ کتنے ہی تلملائیں۔

نُورِ خدا ہے کُفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

یہود و نصاریٰ کے علماء و مشائخ کی دین فروشی اور تارکینِ زکوٰۃ کا انجام

یہود و نصاریٰ کے علماء و مشائخ کا حال بیان کرتے ہوئے اللہ رَبّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ ان میں سے اکثر ایسے تھے جو ناحق اور باطل طریقوں سے لوگوں کا مال کھاتے تھے، مثلاً لوگوں سے پیسے لے کر تورات کے حکم کے خلاف فتویٰ دیتے تھے، یا پیسے لے کر احکامات الٰہی کو چھپاتے تھے، اور ان کا دوسرا بڑا جرم یہ تھا کہ وہ صرف خود گمراہ نہیں تھے بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی اللہ رَبّ العزّت کے راستے سے روکتے تھے۔

یہود و نصاریٰ میں یہ بیماری (ناحق مال جمع کرنا) چونکہ مال اور دنیا کی محبت کی وجہ سے پیدا ہوئی، اس لیے اللہ رَبّ العزّت نے اس کے فوراً بعد مال کی محبت میں غلو کا انجام بیان فرمایا کہ جو لوگ اس بیماری (مال کی محبت میں غلو) میں مبتلا ہو جائیں اور وہ سونے اور چاندی کو جمع کرنے لگ جائیں اور صاحب نصاب ہونے کے باوجود اللہ رَبّ العزّت کی راہ میں خرچ نہ کریں یعنی زکوٰۃ ادا نہ کریں تو ایسے لوگوں کو اللہ رَبّ العزّت کی طرف سے دردناک عذاب کی خوشخبری ہے۔ اور وہ عذاب یہ ہے کہ قیامت کے دن ان کے جمع کیے ہوئے سونے اور چاندی کو جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا، اور جب وہ مکمل گرم ہو کر دہکنے لگیں گے تو اس سے ان کی پیشانیوں، پہلوؤں اور پیٹھ پر داغ دیے جائیں گے، اور انہیں کہا جائے گا کہ یہ وہ خزانہ اور مال و دولت ہے جسے تم نے ناجائز طور پر جمع کیا تھا، یا جائز مال میں سے اللہ رَبّ العزّت کا حق ادا نہیں کیا تھا تو آج یہ مال و دولت تمہارے لیے وبالِ جان ہو گئی ہے۔

فائدہ:- اس آیت میں تین جگہوں پر داغنے کا حکم ہے۔ پیشانی پر، پہلو پر اور پشت پر۔ مفسرین اس کی وجہ یہ لکھتے

ہیں کہ جب کوئی ضرورت مند کسی مال دار کے پاس آتا ہے تو جس نے نہ دینا ہو، سب سے پہلے اس کے ماتھے پر شکن آتی ہے، تیوری چڑھاتا ہے، پھر جب غریب اصرار کرتا ہے تو یہ منہ پھیر لیتا ہے، جس سے اس کا پہلو سائل کی طرف ہوتا ہے، پھر جب وہ غریب مزید اصرار کرتا ہے تو یہ پیٹھ پھیر کر چلا جاتا ہے، اب اس کی پشت سائل کی طرف ہوتی ہے، اس لیے پیشانی، پہلو اور پشت پر داغ دیے جانے کا حکم فرمایا۔

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ۚ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ ۚ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ ۚ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝ إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ ۖ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِّيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ ۚ زُيِّنَ لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالِهِمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ۝

کفار کا قمری کلینڈر کے ساتھ کھلواڑ

ان آیات میں کفار و مشرکین کی گمراہی و بداعمالی اور ان کی ایک جاہلانہ رسم بد کو بیان فرمایا، جسے وہ "نسیء" کہا کرتے تھے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ عہد قدیم سے تمام انبیاء سابقین کی شریعتوں میں سال کے بارہ مہینے مانے جاتے تھے، ان میں سے چار مہینے ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب بڑے متبرک اور ادب و احترام کے مہینے سمجھے جاتے تھے۔ زمانہ قدیم سے ان چار مہینوں کا احترام چلا آرہا تھا، عرب میں بھی ان چار ماہ میں جنگیں رک جاتی تھیں، لوگ مامون ہو جاتے تھے اور قافلے بھی آتے جاتے تھے، جنگجو معاشرہ میں اس کی ضرورت بھی تھی، کہ کچھ ایام اور دن ایسے ہونے چاہئیں جن میں امن ہو، تاکہ نظام حیات چل سکے، تو ان چار ماہ میں جنگیں رک جاتی تھیں، لیکن مشرکین مکہ ایک گڑبڑ کرتے تھے اور وہ یہ کہ بسا اوقات اَشہرِ حرم کے کسی مہینے میں جنگ کی ضرورت پیش آتی یا لڑتے لڑتے شہر حرام آجاتا تو کہہ دیتے کہ اس سال یہ مہینہ حرام نہیں ہوا، اگلا مہینہ حرام ہوگا، مثلاً: اس دفعہ جو محرم ہے وہ صفر بن گیا ہے اور جو صفر ہے وہ محرم۔ سال بھر چار مہینے تو پورے کر لیتے تھے، لیکن اللہ کی متعین کردہ ترتیب اور تعیین کا لحاظ نہ کرتے، جس مہینہ کو چاہتے ذی الحجہ کہہ دیتے اور جس کو چاہتے رمضان کہہ دیتے، جس کو چاہتے مقدم کر دیتے اور جس کو چاہتے موخر کر دیتے، یوں مہینے آگے پیچھے کر دیتے تھے اور طرح طرح کی تاویلیں کر کے اپنی نفسانی اغراض کو پورا کرتے۔ اسی طرح کبھی کبھی ایسا بھی کرتے تھے کہ اگر لڑتے لڑتے سال کے دس مہینے گزر جاتے اور صرف دو مہینے ہی رہ جاتے، تو ایسے موقع پر سال کے مہینوں کی تعداد بڑھا لیا کرتے تھے اور کہتے کہ اس سال، چودہ مہینوں کا سال ہوگا۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس زمانہ میں اس کا امتیاز ہی دشوار ہو گیا تھا کہ کون سا مہینہ رمضان یا شوال کا ہے اور کون سا ذی الحجہ یا رجب کا؟ اس سے حج جیسی عبادت میں بھی تقدم و تاخر ہو جاتا۔

ہجرت کے آٹھویں سال جب مکہ مکرمہ فتح ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اگلے سال نو ہجری میں حج نہیں فرمایا، بلکہ

دس ہجری میں حج فرمایا، اس کی ایک وجہ مفسرین نے مہینوں کی ترتیب کا الٹ پلٹ ہونا لکھا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس ہجری میں جب حج فرمایا تو قدرتی طور پر حج ہزار گردشوں کے بعد اپنے اصلی ایام تک پہنچ چکا تھا، اصل مہینہ بھی ذی الحجہ کا تھا، اہل جاہلیت کے حساب میں بھی وہ ذی الحجہ ہی قرار پایا، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منیٰ کے خطبہ میں ارشاد فرمایا: "ان الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق اللہ السموات والارض" زمانہ پھر پھرا کر اپنی اسی اصلی ہیئت پر آگیا ہے، جس پر اس کو اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی پیدائش کے وقت رکھا تھا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن "نسیء" کی رسم کے خاتمے کا اعلان فرمایا۔

مذکورہ بالا آیات میں اللہ ربّ العزّت نے یہی مضمون ارشاد فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت کے نزدیک آسمان وزمین کی تخلیق کے وقت سے سال کے مہینوں کی تعداد بارہ ہے، جن میں سے چار (أشہرِ حرم) خصوصی ادب واحترام کے ہیں (جن کا ذکر پہلے ہو چکا)، ان مہینوں کے احترام میں کوئی کمی نہ چھوڑو، اور ان میں کوئی تبدیلی نہ کرو، کیونکہ مہینوں کو آگے پیچھے کر دینا کافروں کا عمل ہے، جس سے ان کی گمراہی میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ۭ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ڏ
وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَـيْـــًٔا ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ
اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ
سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۭ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِىَ الْعُلْيَا ۭ وَاللّٰهُ
عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ
اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۭ
وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝

غزوۂ تبوک کے اَحوال

ان آیات میں غزوہ تبوک کا بیان ہے، جو ماہ رجب سن ۹ ہجری میں پیش آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جاسوسوں کے ذریعے اطلاع ملی کہ ہرقل روم نے شام میں بہت بڑا لشکر جمع کر لیا ہے، اور اپنے ہراول دستوں کو مشہور مقام "بلقاء" تک پھیلا دیا ہے، پوری فوج کو سال بھر کی تنخواہیں بھی تقسیم کر دی ہیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ کیا کہ بجائے اس کے کہ وہ مدینہ پر حملہ کرے، ہم خود ہی پہلے کیوں نہ ان پر حملہ کر دیں۔ چنانچہ آپ نے صحابہ کرام کو تیاری کا حکم فرمایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگی حکمتِ عملی

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ یہ تھی کہ صحابہ کرام کو جنگ کی تیاری کا حکم فرماتے تو یہ نہ بتاتے کہ کہاں

جاتا ہے، معاملہ خفیہ رکھتے، لیکن غزوۂ تبوک کے موقع پر آپ نے معاملہ راز میں نہ رکھا، اس لیے کہ رُومیوں کا لشکر بہت زیادہ فاصلے پر تھا، راستے کی تکالیف کا اندازہ کیے بغیر چل پڑنا مناسب نہ تھا، دشمن کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی، موسم سخت گرم تھا اور فصل اور پھل بھی پکے ہوئے تھے جو صحابہ کرام کا اہم ذریعہ معاش تھا۔ مقابلہ بھی ایسی سلطنت سے تھا، جسے اپنے وقت کی سپر پاور ہونے کا دعویٰ تھا۔

صحابہ کرامؓ کا جذبۂ اِنفاق

طویل مسافت، سخت گرم موسم، زمانہ قحط اور گرانی، فقر و فاقہ اور بے سروسامانی کے ایسے نازک وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے چندہ بھی مانگا۔ سب سے پہلے صدیق اکبرؓ نے گھر کا سارا سامان لا کر آپ کے سامنے پیش کر دیا، جس کی مقدار چار ہزار درہم تھی، حضرت فاروق اعظمؓ نے نصف مال پیش کیا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے دوسو اوقیہ چاندی لا کر پیش خدمت کی، عاصم بن عدیؓ نے ستر وسق کھجوریں (تقریباً پونے چار ٹن) پیش کیں، سیّدنا عثمان غنیؓ نے تین سو اونٹ مع ساز و سامان کے اور ایک ہزار دینار لا کر بارگاہ نبوی میں پیش کیے، آپ نہایت مسرور ہوئے، بار باران کو پلٹتے تھے اور یہ فرماتے جاتے تھے کہ اس نیک عمل کے بعد عثمان کو کوئی عمل نقصان نہیں پہنچا سکے گا، اے اللہ! میں عثمان سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا۔ اکثر صحابہ کرام نے اپنی اپنی حیثیت کے موافق اس مہم میں امداد کی، مگر پھر بھی سواریاں اور زادِ راہ کم پڑ گیا، کیونکہ اس جہاد کے موقع پر مسلمانوں کے لشکر کی تعداد تقریباً تیس ہزار تھی، کئی صحابہ ایسے تھے جن کے پاس سواریاں نہیں تھیں اور وہ بے چارے پریشان تھے کہ ہمیں بھی سواریاں ملیں اور ہم بھی جہاد میں جائیں۔

منافقین کے بہانے

آخر کار جنگ کے لئے لشکر کی تیاری مکمل ہو گئی، آپ تیس ہزار کے لشکر کے ساتھ روانہ ہوئے، حضرت محمد بن مسلمہؓ کو مدینہ منوّرہ میں اپنا قائم مقام بنایا، یہ مہم چونکہ بہت دشوار تھی، طویل فاصلے والی تھی، بعض مسلمانوں نے سستی کی جن کا ذکر آگے آئے گا۔ اکثر منافقین تو شروع ہی سے ساتھ نہیں دیتے تھے، پھر جانے والوں میں سے بہت سوں کی ہمتیں جواب دے گئیں، اور وہ مختلف حیلے اور بہانے بنا بنا کر واپس لوٹ گئے، اس طرح منافقوں کا پول کھل گیا۔ اللہ نے منافقین کو بے نقاب کر دیا، ان کی ایک ایک جماعت جس نے بہانہ بنایا ان کا تذکرہ کیا اور ان کے جھوٹ، دجل و فریب اور دھوکوں کو اللہ نے کھول دیا، جو مؤمن مخلص نہ جا سکے، اللہ نے انہیں بھی سخت تنبیہ کی، لیکن ان کی توبہ کو قبول فرمایا اور ان کے لیے اعلان توبہ آیا۔

کافروں کی مرعوبیت

تبوک پہنچ کر آپ نے بیس روز قیام فرمایا، رومی اسلامی لشکر سے خوف زدہ ہو گئے تھے، اس لیے مقابلے پر نہ آئے، اس طرح تبوک کے مقام پر جنگ نہ ہو سکی، لیکن دشمن مرعوب ہو گئے، آس پاس کے قبائل نے حاضر ہو کر سر تسلیم خم کیا۔ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے خیریت کے ساتھ تشریف لے آئے۔ جب مدینہ پہنچے تو یہ سارے حالات منکشف کیے گئے اور یہ آیات نازل ہوئیں۔

ترکِ جہاد پر تنبیہ

پہلی آیت میں اللہ رَبّ العزّت نے ان لوگوں کو تنبیہ فرمائی جو اس جہاد میں بغیر کسی صحیح عذر کے محض اپنی سستی اور کاہلی کی بنا پر شریک نہیں ہوئے، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ:

> اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا کہ جب تمہیں اللہ رَبّ العزّت کے راستے میں نکلنے کے لیے کہا جاتا ہے تو تم زمین سے لگ جاتے ہو، (جہاد میں نہیں جاتے) کیا تمہیں آخرت کے بدلے میں دُنیا کی زندگی عزیز ہے؟ حالانکہ دُنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں بالکل تھوڑی اور فانی ہے۔ لہٰذا اگر تم جہاد کے لیے نہ نکلے تو اللہ تعالیٰ تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا کر دیں گے اور تمہاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئیں گے (جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے گی) اور تم جہاد میں نہ جا کر اللہ یا اللہ کے رسول کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکو گے، صرف اپنا نقصان کرو گے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے موقع پر اللہ رَبّ العزّت کی مدد

ترکِ جہاد پر تنبیہ کرتے ہوئے اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا واقعہ بیان فرما کر یہ بتا دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دینِ اسلام کو کسی کی نصرت اور مدد کی ضرورت نہیں ہے، اللہ رَبّ العزّت خود ہی آپ کی براہِ راست غیب سے مدد فرما سکتے ہیں، جیسے ہجرت کے موقع پر اللہ رَبّ العزّت نے اپنے نبی کی مدد فرمائی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ غارِ ثور میں پناہ گزین تھے، دشمنوں کے پیادے اور سوار آپ دونوں کے تعاقب میں تھے، جن میں سے بعض اس غار کے دہانے تک پہنچ چکے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پریشان تھے کہ دشمن آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا دیں، لیکن اس موقع پر اللہ رَبّ العزّت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر اطمینان اور سکون نازل فرمایا اور آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو تسلی دی کہ "لا تحزن ان اللہ معنا" آپ غمگین نہ ہوں، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پھر اللہ رَبّ العزّت نے آپ کی مدد و نصرت فرمائی، دشمن ناکام و نامراد لوٹا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیر و عافیت سے مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ اور کچھ عرصہ میں اسلام کو پوری دنیا میں غلبہ حاصل ہو گیا۔ تو جو رَبّ ہجرت کے موقع پر اپنے نبی کی حفاظت اور مدد کر سکتا ہے وہ دوسرے اوقات میں بھی آپ کی حفاظت پر قادر ہے۔

صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے کمالات

ان آیات میں سوائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوری اُمت کو ہجرت کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عدمِ نصرت پر تنبیہ کی گئی ہے۔ آیت میں سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو "صاحب" یعنی صحابی کہا گیا ہے، یہ

حضرت سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خصوصیت ہے کہ انہیں خود اللہ تعالیٰ نے صحابی اور صاحب کہا، نیز سیّدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فکرمندی اور اضطراب پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کو بیان فرمایا۔ آیت میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ''ثانی اثنین'' میں داخل فرما کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ثانی قرار دیا گیا ہے۔

دعوتِ جہاد

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے تمام اہلِ ایمان کو جہاد میں شمولیت کی دعوت دی اور جہاد میں سستی کی وجہ سے شریک نہ ہونے والوں کے عذر کو نامناسب قرار دیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ جب تمہیں جہاد کا حکم دیا جائے تو تم جس حال میں بھی ہو، جہاد میں لازمی نکلو، اور اپنی جان و مال کے ذریعہ اللہ ربّ العزّت کے راستے میں جہاد کرو، اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔

منافقین کی ایک جماعت کا ذِکر

اور جو لوگ جہاد میں اس عذر کی بنا پر شریک نہیں ہوئے کہ سفر لمبا اور مسافت بہت زیادہ تھی، تو ان کا یہ عذر قابلِ قبول نہیں، وہ اگرچہ قسمیں کھا کر اپنا یقین دلائیں لیکن اللہ ربّ العزّت جانتے ہیں کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے تبوک میں نہ جانے والے منافقین کی چار جماعتوں کا الگ الگ ذِکر فرمایا، یہاں پہلی جماعت کا ذِکر ہے، یہ وہ جماعت ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غزوۂ تبوک سے واپسی پر قسمیں کھانے لگی کہ قسم بخدا ہم جانے کی استطاعت نہیں رکھتے تھے، ورنہ ہم ضرور اس جنگ میں آپ کے ہم رکاب ہوتے، اللہ تعالیٰ نے ان کی دروغ گوئی کو ذِکر کیا اور فرمایا کہ یہ لوگ جھوٹ بول کر اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں، اللہ جانتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ۝ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاَاوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ ۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ۗ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ۗ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ۝ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ۝

محبوبانہ تنبیہ

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ان منافقین کا تذکرہ فرمایا جنہوں نے جھوٹے عذر پیش کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونے کی اجازت حاصل کر لی تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عذر کو قبول فرماتے ہوئے انہیں اجازت تو دے دی لیکن اللہ ربّ العزّت کو یہ پسند نہ آیا، اس لیے نہایت لطیف پیرائے اور محبت بھرے انداز میں آپ کو تنبیہ فرمائی، لیکن محبت بھرا انداز ملاحظہ کیجیے کہ تنبیہ کرنے سے پہلے ہی معافی کا اعلان فرما دیا، کیونکہ اگر پہلے تنبیہ کی جاتی، اور معافی کا اعلان بعد میں آتا تو اس درمیانی وقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ جانے کیا کیفیت طاری ہوتی۔ چنانچہ فرمایا: اللہ نے آپ کو معاف فرمایا، آپ نے ان کو کیوں رخصت دی کہ انہیں عدم شمولیت کا بہانہ مل گیا، آپ کو منافقین کو رخصت دینے میں جلدی نہیں کرنی چاہیے تھی، اگر آپ انہیں اجازت دینے سے پہلے ذرا تحقیق کر لیتے تو آپ کو سچے اور جھوٹے کی پہچان ہو جاتی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ منافقین کسی حالت میں بھی جہاد میں شریک ہونے پر آمادہ نہیں تھے، مگر آپ کی طرف سے اجازت، ان کی عدم شرکت کا معقول بہانہ بن گیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے عزائم اور باطنی کیفیات کو جانتا ہے، یہ لوگ بہانوں کی تلاش میں تھے، جو انہیں میسّر آ گئے، اور انہوں نے اپنے آپ کو کسی حد تک الزام سے بری کر لیا۔

اہلِ ایمان کا ایمانی جذبہ

یہ تو منافقوں کی حالت ہے کہ حیلے بہانے سے جہاد سے گریز کرتے ہیں، مگر ایمان والوں کی یہ حالت ہے کہ وہ جہاد سے جی نہیں چراتے، اور کبھی بھی ایسے موقع پر بہانے بنا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت طلب نہیں کرتے، جن لوگوں کے دلوں میں نورِ ایمان راسخ ہو چکا ہے، وہ کیسے برداشت کر سکتے ہیں کہ اللہ کا رسول تو سفر کی صعوبتیں برداشت کرے اور وہ پیچھے بیٹھے رہیں، اس لیے وہ ہمیشہ اپنی جان و مال کے ساتھ جہاد میں شرکت کے لیے تیار رہتے ہیں۔

منافقین کے لچر اعذار

اللہ تعالیٰ نے منافقین کے حیلوں کو رد کر کے ان کی مذمت بیان کرتے ہوئے بعض نمایاں منافقوں کا حال خصوصی طور پر بیان کیا، کہ ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جنہوں نے مضحکہ خیز عذر پیش کر کے اپنے لیے استثناء حاصل کرنے کی کوشش کی۔ مثلاً بنی سلمہ قبیلے کے سردار ''جد ابن قیس'' نام کا ایک منافق کہنے لگا: ''یا رسول اللہ! میں دل کا بڑا کمزور ہوں، رُومیوں کی عورتیں گورے رنگ کی اور خوبصورت ہوتی ہیں، مجھے ڈر ہے کہ اگر میں جہاد میں گیا تو انہیں دیکھ کر فتنہ میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ یہ بے وقوف ایک موہوم فتنے کا بہانہ کر کے یقینی فتنہ یعنی اللہ ربّ العزّت کے رسول کی نافرمانی اور جہاد سے انکار کے گناہ میں مبتلا ہو چکا ہے۔

منافقین کا طرزِ عمل

اس کے بعد منافقین کی ایک اور کم ظرفی کو بیان فرمایا۔ یہ لوگ اگرچہ ظاہر میں مسلمانوں کے ساتھ ملے رہتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے دلوں میں مسلمانوں کے لیے بغض وحسد کے سوا کچھ نہیں، اگر مسلمانوں کو فتح حاصل ہو یا مال غنیمت ہاتھ آئے تو انہیں بہت ناگوار گزرتا ہے، اور اگر اس کے برعکس مسلمانوں کو کسی حادثے یا مصیبت کا سامنا کرنا پڑے تو خوش ہو کر کہتے ہیں کہ ہم تو پہلے ہی جانتے تھے کہ تمہارا کیا انجام ہوگا، اس لیے ہم نے پہلے ہی اپنا معاملہ سنبھال لیا تھا، اور اچھا کیا جو ہم مسلمانوں کے ساتھ شریک نہ ہوئے، ورنہ ہم بھی ان کے ساتھ مصیبت میں گرفتار ہو جاتے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۖ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝

مصارفِ زکوٰۃ کا بیان

زکوٰۃ کی تقسیم کے سلسلے میں منافقین اکثر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرتے تھے کہ آپ زکوٰۃ وصدقات کی تقسیم میں انصاف نہیں کرتے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں زکوٰۃ کے مصارف متعین فرما دیے تاکہ انہیں یہ بات سمجھ آجائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زکوٰۃ اور صدقات اللہ ربّ العزّت کے حکم کے مطابق تقسیم فرماتے ہیں، اپنی رائے سے کچھ نہیں کرتے۔

زکوٰۃ کے کل آٹھ مصارف بیان کیے گئے ہیں، اور ان کے شروع میں کلمۂ حصر ''انما'' ذکر کیا، جس سے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ صدقات کے جو مصارف آگے بیان ہو رہے ہیں، تمام صدقات واجبہ صرف انہیں مصارف میں خرچ ہونے چاہئیں، اس کے علاوہ کسی دوسرے مصرف میں صدقات واجبہ صرف نہیں ہو سکتے۔ پھر آیتِ کریمہ میں لام تملیک کا ہے، یعنی فقراء اور مساکین کو اس طرح مالک بنانا ضروری ہے کہ اس مال میں تمہارا تصرف ہر طرح سے منقطع اور ختم ہو جائے۔

اب ان مصارف کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے، پہلا مصرف فقراء اور دوسرا مصرف مساکین ہیں۔

''فقیر''، ''مسکین'' سے مُراد

''فقیر'' اور ''مسکین'' اپنے اصل معنی کے لحاظ سے باہم مختلف ہیں۔ فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو، جبکہ مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ کچھ موجود ہو مگر اس کی ضروریات پوری نہ ہوتی ہوں، لیکن زکوٰۃ کے حکم میں فقیر اور مسکین دونوں یکساں ہیں، جس کا حاصل یہ ہے کہ جس شخص کے پاس اس کی ضروریات اصلیہ سے زائد نصاب کے بقدر مال نہ ہو، اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

''عاملین'' سے مُراد

تیسرا مصرف عاملین ہیں، اس سے مراد وہ لوگ ہیں، جو اسلامی حکومت کی طرف سے صدقات، زکوۃ، عشر وغیرہ وصول کر کے بیت المال میں جمع کرنے کی خدمت پر مامور ہوتے ہیں، یہ لوگ چونکہ اپنے تمام اوقات اس خدمت میں خرچ کرتے ہیں، اس لیے ان کی ضروریات کی ذمہ داری اسلامی حکومت پر عائد ہے، لہٰذا ان کا حق الخدمت ان کی محنت و عمل کے مطابق اسی مدِ زکوٰۃ سے دیا جائے گا۔

''مؤلفۃ القلوب''

چوتھا مصرف مؤلفۃ القلوب ہیں، جو تالیف قلب سے ماخوذ ہے۔ تالیف قلب کے معنی ہیں ''دل موہنا''۔ اس مصرف سے مقصود یہ ہے کہ جو لوگ اسلام کی مخالفت میں سرگرم ہوں اور مال دے کر ان کے جوش عداوت کو ٹھنڈا کیا جاسکتا ہو یا جو لوگ کفار کے کیمپ میں ایسے ہوں کہ اگر مال سے انہیں توڑا جائے تو ٹوٹ کر مسلمانوں کے مددگار بن سکتے ہوں یا جو لوگ نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہوں، ان کی سابقہ عداوت یا ان کی کمزوریوں کو دیکھتے ہوئے اندیشہ ہو کہ اگر مال سے ان کی کفالت نہ کی گئی تو پھر کفر کی طرف پلٹ جائیں گے، ایسے لوگوں کو مستقل وظائف یا وقتی عطیے دے کر اسلام کا حامی و مددگار یا مطیع و فرماں بردار یا کم از کم بے ضرر دشمن بنالیا جائے، اس مد پر غنائم اور دوسرے ذرائع آمدنی سے بھی مال خرچ کیا جاسکتا ہے، اگر ضرورت ہو تو زکوٰۃ کی مد میں سے بھی انہیں نوازا جاسکتا ہے، چاہے وہ فقیر و مسکین کے بجائے مالدار و رئیس ہی کیوں نہ ہوں۔

''مؤلفۃ القلوب'' کا مصرف اب بھی باقی ہے یا نہیں؟

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا مذہب اور امام احمد بن حنبلؒ کی ایک رائے یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمرؓ کے زمانے سے یہ مد ساقط ہوگئی، اب مؤلفۃ القلوب کو کچھ دینا جائز نہیں۔ امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ فاسق مسلمانوں کو تالیف قلب کے لیے زکوٰۃ کی مد سے مال دیا جاسکتا ہے، مگر کافر کو نہیں۔ محققین کی ایک بڑی جماعت اس بات کی قائل ہے کہ مؤلفۃ القلوب میں کافر کبھی بھی داخل نہ تھے، نہ ہی کبھی اس مصرف کے تحت انہیں زکوٰۃ دی گئی، یہ مصرف صرف مسلمانوں کی تالیف قلب کے لیے تھا، اور جس طرح زکوٰۃ کے آٹھ مصارف میں سے اکثر مصارف میں فقر کی شرط ملحوظ ہے، اسی طرح اس میں بھی ہے اور یہ حکم پہلے کی طرح آج بھی منسوخ نہیں، چنانچہ اب بھی ایسے فقرائے مسلمین کو بالاتفاق زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، جن کی تالیف قلب مقصود ہو۔

''رقاب''

پانچواں مصرف ''غلاموں کی گردنیں چھڑانا'' ہے، یعنی غلاموں کی آزادی میں زکوٰۃ کا مال صرف کیا جائے۔ اس کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ جس غلام نے اپنے مالک سے یہ معاہدہ کیا کہ اگر میں اتنی رقم ادا کردوں تو تم مجھے آزاد کردو، اسے

آزادی کی قیمت ادا کرنے میں مدد دی جائے۔ دوسرے یہ کہ خود زکوٰۃ کی مدد سے غلام خرید کر آزاد کیے جائیں، ان میں پہلی صورت کے جواز پر تو سب فقہا متفق ہیں، لیکن دوسری صورت میں اختلاف ہے۔

''قرض دار''

چھٹا مصرف ''قرض داروں کی معاونت ہے'' یعنی ایسے قرض دار جن کے پاس اتنا مال نہ ہو جس سے وہ قرض ادا کر سکیں۔ مگر بعض فقہاء کی رائے یہ ہے کہ جس شخص نے بداعمالیوں اور فضول خرچیوں میں اپنا مال اُڑا کر اپنے آپ کو قرض داری میں مبتلا کیا ہو، اس کی مدد نہ کی جائے، تاکہ اس کی معصیت اور اسراف بے جا کی حوصلہ افزائی نہ ہو۔

''مجاہدین'' اور ''طلبہ کرام''

ساتواں مصرف ''فی سبیل اللہ'' یعنی اللہ کی راہ میں دینا ہے۔ اس سے خصوصیت کے ساتھ وہ اہلِ حاجت مراد ہیں، جو جہاد اور دینی تعلیم کے حصول میں لگے ہوئے ہوں۔ یہ مصرف پہلے سب مصارف سے افضل اور بہتر ہے۔ کیونکہ اس میں دو فائدے ہیں: ایک تو غریب مفلس کی امداد، دوسرے دینی خدمت میں اعانت۔

''مسافرین''

آٹھواں مصرف مسافرین ہیں۔ یعنی وہ لوگ جو اصلاً تو زکوٰۃ کے حق دار نہ ہوں، لیکن سفر کی حالت میں ضرورت مند ہو گئے ہوں، یہ زکوٰۃ لے سکتے ہیں، مگر اتنی ہی لیں جتنے سے کام چل جائے اور ضرورت پوری ہو جائے۔

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ۭ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۭ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۝ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ۝

منافقین کی گستاخی رسول صلی اللہ علیہ وسلم

ان آیات میں ایک بار پھر منافقین اور ان کی ایک جماعت کی ایذا رسانیوں اور ان کے بیہودہ اعتراضات کو بیان کیا جا رہا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ ہر ایک کی بات سن لیا کرتے تھے، اس لیے منافقین آپ کے بارے میں کہتے تھے کہ آپ تو ''نرے کان ہیں'' یعنی آپ کو کانوں کا کچا قرار دیتے کہ آپ جو کچھ کسی سے سن لیں اس پر یقین کر لیتے ہی۔ اللہ ربّ العزّت نے ان کے اس بے ہودہ اعتراض کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً ہر ایک کو بات کرنے کا موقع دیتے اور کسی کی عزت نفس کو مجروح کرنا پسند نہیں فرماتے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ ہر طرح کی باتوں کو قبول کر لیتے ہیں، وہ تو محض اپنے مکارم اخلاق کی وجہ سے خاموش رہتے ہیں، وگرنہ ان کو تمہاری حقیقت کا بخوبی علم

ہے، یہ تو ان کی رحمت وشفقت ہے کہ وہ تمہارے منہ پر تمہاری تردید نہیں فرماتے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو سراپا رحمت بنایا ہے، اس لیے اگر تم یہ چاہتے ہو کہ تمہیں اس رحمت سے حصہ ملے تو تمہیں اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیے، سچے مومن بن کر اپنے لیے رحمت خرید لو ورنہ توہینِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے عذاب الیم کے مستحق بن جاؤ گے۔

منافقین کی ایک بیماری یہ تھی کہ وہ جھوٹی قسمیں کھا کر مسلمانوں کو اپنی بے گناہی اور معصومیت کا یقین دلاتے تھے، اور مسلمانوں کو خوش کرنا چاہتے تھے، جبکہ ان کے دل میں مسلمانوں اور اسلام کے خلاف بغض ہی بھرا ہوتا تھا، اس لیے اللہ ربّ العزّت نے انہیں تنبیہ فرمائی کہ اگر وہ واقعی اسلام اور مسلمانوں کے خیر خواہ ہیں تو صدقِ دل سے اللہ ربّ العزّت اور اس کے رسول پر ایمان لا کر ان کی اطاعت کریں، کیونکہ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے اور دل سے اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت پر کمر بستہ رہیں گے تو اس بات سے آگاہ رہیں کہ اللہ ربّ العزّت نے ان کے لیے جہنّم کا دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ۭ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ۭ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ هِىَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝ كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۭ فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ۭ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ڏ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ۭ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝

منافقین کی صفاتِ قبیحہ

مذکورہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بعض اوصاف قبیحہ بیان کر کے عبرت کے لیے پہلے لوگوں کا حال بھی بیان فرمایا اور ان لوگوں کے انجام سے باخبر کر کے یہ بات سمجھائی ہے کہ اگر تم بھی ان کے نقشِ قدم پر چلو گے تو تمہارا انجام بھی پہلے لوگوں سے مختلف نہیں ہوگا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک ہی طرح کے ہیں، جو بُرے افعال ان کے مرد سرانجام دیتے ہیں ان افعال میں ان کی عورتیں بھی پیچھے نہیں رہتیں، وہ برائی کی تلقین کرتے ہیں اور بھلائی سے روکتے ہیں اور اپنے ہاتھوں کو بند رکھتے ہیں یعنی انتہائی درجے کے کنجوس ہیں، ضروری مواقع پر خرچ کرنے سے بھی کتراتے ہیں۔ انہوں نے اللہ کو بھلا دیا ہے تو اللہ نے بھی ان کو بھلا دیا، حقیقت یہ ہے کہ یہ منافق بڑے نافرمان ہیں، اسی لیے اللہ ربّ العزّت نے منافق مردوں، عورتوں اور تمام کفار کے لیے دوزخ کا عذاب تیار کر رکھا ہے، جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، ان پر اللہ کی لعنت ہوگی اور اٹل عذاب ہوگا۔

مزید فرمایا کہ یہ منافق گزشتہ امتوں کی طرح ہیں جو ان سے پہلے گزریں، مثلاً قومِ نوح، قومِ عاد، قومِ ثمود، قومِ ابراہیم، قومِ لوط اور اصحابِ مدین وغیرہ، یہ سب قومیں طاقت میں تم سے مضبوط تر اور مال واولاد میں تم سے کہیں زیادہ تھیں، لیکن جب انہوں نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی تو اللہ رَبّ العزّت نے انہیں تباہ و برباد کر دیا اور ان منافقین کے اعمال دنیا اور آخرت میں خسارہ برباد ہو گئے۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

اہلِ ایمان کی صفات

منافقین کے تذکرے کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے مومن مردوں اور عورتوں کا ذکر فرمایا کہ مومن مرد اور مومن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں، نیکی کی تلقین کرتے ہیں، برائی سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرتے ہیں، یہ ایسے لوگ ہیں، جن کو اللہ اپنی رحمت سے نوازے گا۔ اور انہی مومن مردوں اور مومن عورتوں سے اللہ رَبّ العزّت نے ایسے باغات کا وعدہ کیا ہے، جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اور انہیں رہائش کے لیے ایسے پاکیزہ مکانات ملیں گے جو سدابہار باغات میں ہوں گے، ان سب نعمتوں کے علاوہ سب سے بڑی نعمت اللہ رَبّ العزّت کی خوشنودی اور اس کی رضا ہے جو اہلِ جنّت کو نصیب ہوگی۔ درحقیقت یہی اصل اور بڑی کامیابی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۝

کفّار و منافقین سے جہاد میں سختی کا حکم

ان آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار و منافقین دونوں سے جہاد اور ان کے معاملہ میں شدت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ظاہری کفار سے جہاد کا معاملہ تو واضح ہے، لیکن منافقین سے جہاد سے مراد زبانی جہاد ہے کہ ان کو اسلام کی حقانیت سمجھنے کی طرف دعوت دیں، تاکہ وہ اپنے دعویٰ اسلام میں مخلص ہو جائیں۔ اور ان پر سختی کرنے سے مراد یہ ہے کہ ان پر

احکام شرعیہ جاری کرنے میں کوئی رعایت اور نرمی نہ برتی جائے، زبان وکلام میں سختی کرنا مراد نہیں، کیونکہ یہ سُنّت انبیاء کے خلاف ہے کہ وہ کسی سے سخت کلامی اور سب وشتم کریں۔(معارف القرآن)

منافقین کا دوغلا پن

منافقین کا یہ وطیرہ تھا کہ وہ اپنی مجلسوں میں کافرانہ باتیں کہتے رہتے تھے، لیکن جب ان سے پوچھا جاتا تو وہ صاف انکار کردیتے اور قسم بھی کھالیتے کہ ہم نے یہ بات نہیں کہی، اللہ تعالیٰ نے ان کی گستاخیوں کا پردہ چاک کیا، کہ اسلام لانے کے بعد بھی یہ منافق کُفر کے مرتکب ہوئے ہیں، انہوں نے کُفر کی بات کہی ہے۔ اگر یہ توبہ کرلیں تو ان کے حق میں بہتر ہوگا اور اگر یہ منہ موڑیں گے تو اللہ ان کو دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب دے گا اور روئے زمین پر ان کا نہ کوئی دوست ہوگا نہ مددگار۔

مفسرین کرام نے اس قسم کے متعدد واقعات ذکر فرمائے ہیں جن میں منافقین نے توہین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یا اسلام کا مذاق اڑایا اور پھر انکار کرکے جھوٹی قسمیں کھالیں۔

رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبیّ کی موجودگی میں ایک انصاری اور ایک جہنی کا جھگڑا ہوگیا، اس پر ابن اُبیّ نے انصار سے کہا کہ اپنے بھائی کی مدد کیوں نہیں کرتے، قسم بخدا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کی مثال ایسے ہے" کتّے کو پالو اور وہ پل کر تمہیں کاٹ لے" اور کہا کہ ہم مدینہ جاکر عزّت دار لوگ ان ذلیلوں (مہاجر صحابہ کرامؓ) کو نکال دیں، ایک شخص نے یہ واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا، آپ نے اس منافق سے دریافت کیا تو یہ جھوٹی قسمیں کھاکر مکر گیا۔ اس طرح کے متعدد واقعات مذکور ہیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾

حرصِ مال کی وجہ سے ایمان سے محرومی

ثعلبہ بن ابی حاطب انصاری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اللہ رَبّ العزّت سے میرے حق میں دولت مند ہوجانے کی دعا فرمادیجیے، آپ نے فرمایا: ثعلبہ تھوڑی چیز جس پر تو خدا کا شکر ادا کرے، اس زیادہ چیز سے اچھی ہے، جس کے حقوق ادا نہ کرسکے۔ اس نے پھر وہی درخواست کی، آپ نے فرمایا: اے ثعلبہ! کیا تجھے پسند نہیں کہ تو میرے نقش قدم پر چلے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر میں چاہتا تو مدینہ کے پہاڑ سونا بن کر میرے ساتھ پھرا کرتے، مگر مجھے ایسی مالداری پسند نہیں، وہ شخص مسلسل اصرار کرتا رہا، اس نے وعدہ کیا کہ اگر خدا مجھے مال دے گا تو میں پورے حقوق ادا کروں گا، بالآخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مسلسل اصرار پر اس کے لیے دعا فرمادی، جس کی وجہ سے اس کی بکریوں میں اس قدر برکت ہوئی کہ مدینہ کی جگہ اس کے لیے تنگ ہوگئی اور اسے شہر سے باہر ایک گاؤں میں رہنے کی

ضرورت پڑی، وہاں بھی اس کی بکریاں مسلسل بڑھتی رہیں جن میں مشغول ہو کر رفتہ رفتہ جمعہ و جماعت کی نمازیں بھی چھوڑنے لگا، کچھ دنوں بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پاس اپنا نمائندہ زکوٰۃ کی وصولی کے لیے بھیجا تو کہنے لگا کہ زکوٰۃ اور ٹیکس تو ایک ہی چیز ہے، ایک دو دفعہ ان صحابہ کو ٹال کر بالآخر زکوٰۃ دینے سے صاف انکار کر دیا۔ آپ نے تین مرتبہ فرمایا: "ویح ثعلبة" "ثعلبہ پر سخت افسوس ہے، اور یہ آیات نازل ہوئیں۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں یہ کلمات کہے تو اس کے کچھ رشتہ دار بھی اس مجلس میں موجود تھے، انہوں نے یہ بات اس تک پہنچا دی، اس پر وہ بادلِ نخواستہ زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا: اللہ نے مجھے تیری زکوٰۃ قبول کرنے سے منع فرما دیا ہے، یہ سن کر اس نے بہت ہائے واویلا کی، کیونکہ حضور کا زکوٰۃ قبول نہ کرنا اس کے لیے بڑی عار کی بات تھی، بدنامی کے ڈر سے سر پر خاک ڈالتا تھا، مگر دل میں نفاق چھپا ہوا تھا۔ پھر حضور کے بعد سیدنا ابو بکر صدیق کی خدمت میں زکوٰۃ لے کر حاضر ہوا، انہوں نے بھی قبول کرنے سے انکار فرما دیا، اور فرمایا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہیں کی تو میں کیسے قبول کر سکتا ہوں، پھر حضرت عمرؓ اور ان کے بعد حضرت عثمان غنیؓ کی خدمت میں زکوٰۃ پیش کی، دونوں نے انکار فرما دیا، بالآخر خلافت سیدنا عثمانؓ کے زمانے میں ناکام و نامراد ہو کر مر گیا۔ اس کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ (معارف القرآن)

ان آیات کا حاصل یہ ہے کہ اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ ان میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ سے وعدہ کرتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ انہیں رزق و دولت عطا فرما دیں تو وہ صدقہ کرے گا اور صالح بن جائے گا، جب اللہ تعالیٰ نے رزق عطا فرما دیا تو بخیل ہو کر اطاعتِ خداوندی سے نکل گیا، جس کے انجام کی وجہ سے دل میں نفاق نے جنم لیا، یہ سب اللہ تعالیٰ سے عہد شکنی کا نتیجہ ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۭ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

نیکی کرنے والوں پر طعن اور اس کا انجام

ان آیات میں منافقین کی ایک اور قبیح حرکت کا ذکر ہے۔ غزوۂ تبوک کے سلسلے میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے چندے کی اپیل کی تو ہر مخلص مسلمان نے اپنی حیثیت کے مطابق اس کار خیر میں حصہ لیا، مگر جن کے دلوں میں نفاق تھا، انہوں نے صدقہ کرنے والوں کو مختلف قسم کے طعن کا نشانہ بنایا، جن لوگوں نے بڑھ چڑھ کر مال پیش کیا، ان کے متعلق کہنے لگے کہ یہ لوگ ریاکاری کر رہے ہیں، اور اپنا نام پیدا کرنا چاہتے ہیں، اور جس غریب آدمی نے مزدوری کر کے نصف صاع کھجوریں پیش کیں، اس کے متعلق کہنے لگے، یہ انگلی کٹوا کر شہیدوں میں نام لکھوانا چاہتا ہے۔ حالانکہ حضور کے صحابہ میں نہ تو ریاکاری تھی اور نہ ان کی نیت میں کوئی خرابی تھی، بلکہ وہ تو محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے حسب توفیق خرچ کرتے تھے،

مگر منافقین ان پر طرح طرح سے طعن کرتے تھے، اللہ ربّ العزّت نے ان منافقین کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا کہ آج یہ بدطینت، بدخصلت، بداخلاق اور بدنیت منافق مخلص مسلمانوں کا مذاق اڑا رہے ہیں، عنقریب اللہ ربّ العزّت انہیں ان کے مذاق کا بدلہ دردناک عذاب کی صورت میں ضرور دے گا۔ اسی سے یہ قانون بھی معلوم ہو گیا کہ نیکی کرنے والے آدمی کا مذاق نہیں اڑنا چاہیے، یہ منافقوں کا کام ہے، اس کے بجائے نیکی کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔

''منافق''، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا سے بھی نہیں بخشا جائے گا!

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ان منافقین کے لیے آپ استغفار کریں یا نہ کریں، برابر ہے، اور آپ چاہے کتنی ہی مرتبہ استغفار کریں، ان کے حق میں بالکل بے کار اور بے فائدہ ہے، خدا ان بدبخت کافروں اور نافرمانوں کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔ اس کی مزید تفصیل آگے آ رہی ہے۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عامی اخلاق اور منافق کی نمازِ جنازہ سے ممانعت

جب رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبَیّ کا انتقال ہوا، تو اس کے صاحبزادے عبداللہ جو مخلص مسلمان اور صحابی تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ آپ اپنی قمیص عطا فرمائیں تاکہ میں اپنے باپ کو اس کا کفن پہنا سکوں، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قمیص انہیں عطا فرما دی، پھر انہوں نے آپ سے اس کا جنازہ پڑھانے کی درخواست کی تو آپ نے وہ بھی قبول فرمالی، جب آپ جنازہ پڑھانے گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ اس منافق کی جنازہ پڑھا رہے ہیں حالانکہ اللہ رب لعزت نے آپ کو ان کی نماز جنازہ سے منع فرمایا ہے، آپ نے فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت نے مجھے اختیار دیا ہے کہ میں مغفرت کی دُعا کروں یا نہ کروں، مجھے منع تو نہیں فرمایا، اس لیے میں اس کے لیے دُعائے مغفرت کروں گا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منشا یہ تھی دوسروں کے حق میں میرا یہ طرزِ عمل نافع ہو جائے، دوسرے لوگ سب سے بڑے موذی دشمن کے حق میں اس کی بداخلاقی، بدسلوکی اور ایذا رسانی کے باوجود میرے حسنِ اخلاق، مروّت اور میرے حلم کو دیکھیں گے، میرے حوصلہ، شفقت اور میرے کرم کو دیکھیں گے اسلام اور پیغمبرِ اسلام کے گرویدہ ہو جائیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، آپ کے حسن سلوک اور جنازہ پڑھانے کا یہ اثر ہوا کہ عبداللہ بن اُبَیّ کے قبیلے کے ایک ہزار افراد مسلمان ہو گئے، انہوں نے جان لیا کہ اتنے کریمانہ اخلاق کا مالک ایک نبی ہی ہو سکتا ہے، جس نے اتنے خطرناک دشمن پر مہربانی فرمائی، جو ہمیشہ آپ کی عیب جوئی کرتا تھا اور دین کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتا تھا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھی، نماز جنازہ کے بعد یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ ربّ العزّت نے آپ کو منافقین کا جنازہ پڑھانے سے منع فرما دیا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی منافق کا جنازہ نہیں پڑھا۔

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۱﴾ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ ۪ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾

حقیقی معذور جہاد سے مستثنیٰ ہیں!

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان مخلص مسلمانوں کا ذکر فرمایا جو واقعتہً جہاد سے معذور تھے، اور انہیں جہاد سے مستثنیٰ قرار دیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ تین قسم کے لوگ جہاد سے مستثنیٰ ہیں، ان پر جہاد میں شریک نہ ہونے کا کوئی گناہ نہیں۔

۱۔ کمزور لوگ: عورتیں، بچے، بہت بوڑھے مرد، یا جسمانی طور پر معذور لنگڑے، اندھے وغیرہ۔

۲۔ مریض: جو جسمانی طور پر اتنے بیمار ہوں کہ جہاد کی مشقت برداشت نہ کر سکتے ہوں۔

۳۔ مفلس ونادار: یعنی وہ لوگ جن کے پاس خرچ کرنے کو کچھ نہیں، یعنی مالی طور پر نادار لوگ ہیں جن کے پاس سواری نہیں ہے یا زادِ راہ میسر نہیں اور وہ جہاد کے سفر پر جانے سے قاصر ہیں۔ ایسے لوگوں کو جہاد میں شمولیت سے استثنیٰ حاصل ہے۔

مگر یہ استثنیٰ ایک شرط کے ساتھ مشروط ہے، اور وہ ہے "اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِه" جب یہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ مخلص ہوں، اسلام کے خلاف پروپیگنڈا نہ کریں، افواہیں نہ پھیلائیں، پوری طرح دین کی سربلندی کے خواہش مند ہوں۔

کچھ لوگ سواری طلب کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ان کے جذبات کا یہ عالم تھا کہ جہاد میں شرکت نہ کر سکنے کی وجہ سے ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، کہ وہ سواری نہ ہونے کی وجہ سے جہاد کے عظیم الشان عمل سے محروم ہو جائیں گے، ان نیک بخت لوگوں کے آنسو اللہ کے ہاں اس قدر قیمتی ثابت ہوئے کہ اللہ نے ان کی تعریف کرتے ہوئے ان کا ذکر قرآن پاک کی آیت کے طور پر کر دیا، جو ابدالآباد تک تلاوت ہوتی رہے گی اور فرمایا کہ ایسے بے سروسامان لوگوں پر کوئی الزام اور مؤاخذہ نہیں ہے۔

الزام اور مواخذہ ان لوگوں پر ہے جو دولت مند ہو کر آپ سے اجازت مانگتے ہیں، مالدار ہونے کے باوجود جہاد میں شریک نہیں ہونا چاہتے، اور اس بات پر خوش ہیں کہ گھروں میں بیٹھنے والی عورتوں کے ساتھ بیٹھے رہیں اور انہیں جہاد کی مشقت برداشت نہ کرنی پڑے، چنانچہ اللہ ربّ العزّت نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی، جس کی وجہ سے وہ گناہ وثواب اور اس بات کی سمجھ سے ہی محروم ہو گئے کہ جہاد میں شریک نہ ہو کر کس قدر نقصان کا سودا کر رہے ہیں۔ جہاد سے گریز کرنے کا انجام یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول لیں گے اور پھر یہ ذلیل وخوار ہوں گے۔

پارہ نمبر ۱۱

یہ پارہ سورۂ توبہ کے بقیہ حصے، سورۂ یونس اور سورۂ ہود کے آغاز پر مشتمل ہے۔

يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ ۚ قُل لَّا تَعْتَذِرُوا لَن نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّأَنَا اللَّهُ مِنْ أَخْبَارِكُمْ ۚ
وَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ ثُمَّ تُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۞
سَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ إِذَا انقَلَبْتُمْ إِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوا عَنْهُمْ ۖ فَأَعْرِضُوا عَنْهُمْ ۖ إِنَّهُمْ رِجْسٌ ۖ وَمَأْوَاهُمْ
جَهَنَّمُ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ۞ يَحْلِفُونَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۖ فَإِن تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يَرْضَىٰ
عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ۞

جھوٹے عُذر پیش کرنے والے منافقین کے بارے میں تین اَحکام

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تبوک سے واپسی پر مدینہ منورہ پہنچنے سے پہلے اس بات کی اطلاع دی ہے کہ جب آپ مدینہ پہنچیں گے تو منافقین آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عذر بہانے تراشیں گے اور اپنے آپ کو سچا اور معذور ظاہر کرنے کے لیے جھوٹی قسموں کا سہارا لیں گے، اس سلسلے میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے پہلا حکم یہ ہے کہ آپ ان کی بات کا یقین نہ کیجیے گا اور انہیں صاف فرما دیجیے گا کہ جھوٹے عذر پیش نہ کرو، اللہ رَبّ العزّت نے تمہارے سارے حالات اور خیالات سے ہمیں آگاہ کر دیا ہے، اس لیے ہم تمہاری کسی بات کا یقین نہیں کریں گے۔ البتہ اگر تم توبہ کر لو اور نفاق چھوڑ کر سچے دل سے مسلمان ہو جاؤ تو تمہارے گناہ معاف ہو جائیں گے، وگرنہ آخرت میں بھی تمہیں تمہارے نفاق کی سزا بھگتنی پڑے گی۔

دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ یہ لوگ جھوٹی قسمیں کھا کر آپ کو مطمئن کرنا چاہیں گے اور ان کا مقصد یہ ہوگا کہ آپ ان کی جہاد سے غیر حاضری کو نظر انداز کر دیں، تو ہمارا حکم یہ ہے کہ آپ ان کی یہ خواہش پوری کر دیں اور ان سے اعراض کریں، نہ ان کو فوری طور پر کوئی سزا دی جائے اور نہ ان سے وعدہ کیا جائے کہ ان کی معذرت قبول کر لی گئی ہے اور انہیں معاف کر دیا گیا ہے۔

تیسرا حکم یہ ہے کہ یہ جھوٹی قسمیں کھا کر آپ کو اور مسلمانوں کو راضی کرنے کی کوشش کریں گے لیکن آپ ان کی یہ خواہش پوری نہ کیجیے گا اور ان سے ہرگز راضی نہ ہوں، کیونکہ اللہ رَبّ العزّت بھی ایسے فاسق اور منافق لوگوں سے راضی نہیں ہوتے۔

الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا وَأَجْدَرُ أَلَّا يَعْلَمُوا حُدُودَ مَا أَنزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۞
وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَن يَتَّخِذُ مَا يُنفِقُ مَغْرَمًا وَيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَائِرَ ۚ عَلَيْهِمْ دَائِرَةُ السَّوْءِ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ
عَلِيمٌ ۞ وَمِنَ الْأَعْرَابِ مَن يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنفِقُ قُرُبَاتٍ عِندَ اللَّهِ وَصَلَوَاتِ
الرَّسُولِ ۚ أَلَا إِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ۚ سَيُدْخِلُهُمُ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۞

دیہاتیوں کے مختلف اَحوال

نزولِ قرآن کے زمانہ میں جس طرح شہروں میں منافق لوگ رہتے تھے، اسی طرح دیہاتوں میں بھی کچھ منافق آباد تھے، ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے دیہاتی منافقین کے قبیح کارنامے بیان کرکے ان کی مذمت بیان فرمائی، البتہ چونکہ دیہات میں رہنے والے سارے لوگ ایک جیسے نہیں ہوتے، بلکہ جہاں دیہات میں نفاق وکفر میں مبتلا لوگ رہتے تھے، وہاں اچھے اور مخلص مسلمان بھی تھے، اللہ نے ان کی تعریف فرمائی اور ان کا انجام بھی ذکر فرمایا۔

پہلی حالت

فرمایا: ''اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا'' جو دیہاتی منافق ہیں، وہ کفر اور منافقت میں شہر والوں سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جو لوگ دیہاتوں میں رہتے ہیں وہ سخت خو ہوتے ہیں، ان کی طبیعت اور زبان میں سختی ہوتی ہے، ادب وآداب سے بھی دور ہوتے ہیں، تعلیم اور شائستگی کی بھی کمی ہوتی ہے، ان کو علمی مجالس نصیب نہیں ہوتیں، اللہ کے ذکر کی مجالس سے عموماً محروم رہتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کے اندر سختی، ترش روئی اور ان کی طبیعتوں کے اندر جہالت اور ناشائستگی غالب ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا ''مَنْ سَكَنَ الْبَادِيَةَ جَفَا'' جو دیہات میں رہتا ہے وہ طبیعت کا سخت ہو جاتا ہے۔ (سنن ترمذی: ۲۲۵۶)

دوسری حالت

اور بعض بدو (دیہاتی) ایسے ہیں جن سے جب زکوٰۃ کا مطالبہ کیا جاتا تو وہ زکوٰۃ اور ٹیکس میں فرق نہیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ حکومتی ٹیکس ہے، اسی لیے وہ مسلمانوں کے بارے میں اس انتظار میں رہتے تھے کہ کوئی حادثہ انہیں پیش آئے اور یہ حوادثِ زمانہ کا شکار ہو جائیں، تاکہ انہیں اس قسم کے احکام سے آزادی مل جائے، جن پر عمل انہیں بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اللہ ربّ العزّت نے ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ لوگ مسلمانوں کا برا چاہتے ہیں، عنقریب خود ان پر برے حالات آنے والے ہیں، اور یہ اپنے اقوال وافعال کی بنا پر مزید ذلیل ورسوا ہوں گے۔

تیسری حالت

جس طرح ہر فرقے اور جماعت میں سب لوگ یکساں نہیں ہوتے، اسی طرح دیہات کے سارے لوگ بھی گنوار نہیں ہوتے بلکہ وہاں پر بھی بعض لوگ تہذیب یافتہ، عقلمند اور مخلص مسلمان بھی ہوتے ہیں۔ چنانچہ ان کی تعریف ومدح کے متعلق اللہ رَبّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ انہیں دیہاتیوں میں وہ بھی ہیں، جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، اور جو کچھ اللہ کے نام پر خرچ کرتے ہیں، اسے اللہ کے پاس قرب کے درجے حاصل کرنے اور رسول کی دعائیں لینے کا ذریعہ

سمجھتے ہیں، ہاں! یہ ان کے لیے یقیناً تقرب کا ذریعہ ہے، اللہ رَبّ العزّت ان کو اپنی رحمت میں داخل کرے گا، وہ بہت زیادہ بخشش کرنے والا اور از حد مہربان ہے۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

مہاجرین وانصار صحابہ کرامؓ کا مقام ومرتبہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان مومنین کی تعریف فرمائی، اور انہیں بطور نمونہ پیش کیا، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صدقِ دل اور اخلاص کے ساتھ ایمان لائے اور انہوں نے دینِ اسلام کے فروغ کے لیے قربانیاں دیں، اور وہ دو جماعتیں ہیں۔ پہلی جماعت: ''وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَار'' وہ مومن جو سابقین اولین ہیں، بہت پہلے مسلمان ہوئے، چاہے وہ مہاجر ہوں یا انصار، دوسری جماعت ''وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَان'' ان لوگوں کی ہے جو ان سابقین اوّلین کے بعد مسلمان ہوئے اور نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کی۔ اللہ رَبّ العزّت نے ان دونوں جماعتوں کے بارے میں فرمایا کہ یہ دونوں جماعتیں کامیاب ہیں ان کے لیے میری طرف سے رضاء کا تمغہ ہے، اللہ ان سے راضی ہے اور یہ اللہ سے راضی ہیں۔ دوسرا انعام اور تمغہ یہ ہے کہ اللہ رَبّ العزّت نے ان کے لیے ایسی جنتیں تیار کی ہیں، جن کے نیچے نہریں رواں دواں ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ ان کی بہت بڑی کامیابی ہے۔

''سابقینِ اوّلین'' کون ہیں؟

''سابقینِ اوّلین'' سے کون مراد ہیں؟ اس بارے میں علماء ومفسرین کے مختلف اقوال ہیں، ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ سابقینِ اوّلین سے مراد وہ لوگ ہیں، جنہوں نے دونوں قبلوں (بیت المقدس اور خانہ کعبہ) کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی یعنی قبلہ بیت المقدس کے منسوخ ہونے سے پہلے جو لوگ ایمان لائے۔ بعض اہلِ علم فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو جنگِ بدر میں شریک ہوئے، امام رازی رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر کے تحت لکھا ہے، میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اس جگہ سابقین اوّلین سے مراد وہ لوگ ہیں، جو ہجرت اور نصرت میں سابق واوّل ہیں، کیونکہ سابقین اوّلین کا لفظ مجمل ہے، جس میں یہ نہیں فرمایا کہ کس چیز میں سابق واوّل ہیں؟ پھر ان کو مہاجرین اور انصار کے ساتھ موصوف فرمایا، معلوم ہوا کہ صفتِ ہجرت اور صفتِ نصرت میں سبقت اور اوّلیت مراد ہے۔

''وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ'' سے کون مراد ہیں؟

اس سے مراد وہ لوگ ہیں، جو سابقین اوّلین کے بعد آئے اور ان کے نقشِ قدم پر چلے، خواہ وہ صحابہ ہوں، تابعین،

تبع تابعین یا ان سے بھی بعد، جو بھی مہاجرین وانصار کی پیروی کریں، خواہ وہ کسی زمانے میں ہوں وہ سب جنّت کے مستحق ہیں، خدا ان سے خوش ہے، وہ خدا سے خوش ہیں۔

اِتباعِ صحابہ میں رضائے الٰہی ہے!

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کی اتباع وپیروی کے بغیر خدا کی رضا اور جنّت نہیں مل سکتی۔ اہلِ سنّت والجماعت کا یہی طریقہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت اور جماعتِ صحابہ کے طریقے پر چلتے ہیں، اس لیے انہیں ''اہلِ سنّت والجماعت'' کہا جاتا ہے۔

الغرض! اس آیت میں اللہ جل شانہ نے مہاجرین وانصار کی مدح فرمائی، انہیں جنّت کی خوش خبری دی، اپنی خوشنودی کا پروانہ عطا کیا کہ اللہ ان سے راضی ہوا، یہ وہ عظیم فائز المرامی ہے کہ اس کے بعد کامیابی کا کوئی درجہ باقی نہیں رہتا۔ اس آیت نے تمام مہاجرین وانصار کا ایمان ثابت کر کے منکرین صحابہ کے لیے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی اور ان کے عقیدے کو خاک میں ملا دیا، اس لیے کہ آیت میں جس قدر وعدے ہیں، وہ سبقت ہجرت اور نصرت پر موقوف ہیں، ایمان اور اعمال صالحہ کا ذکر نہیں۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۚ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۛ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۟ لَا تَعْلَمُهُمْ ۖ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۚ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ إِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۝

''عالم الغیب'' صرف اللہ ہے!

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مزید دو طرح کے منافقین کا ذکر فرمایا:

۱- اردگرد دیہاتوں کے منافقین

۲- مدینہ منورہ میں رہنے والے ایسے منافقین جو نفاق کے پختہ ہیں، ان کے متعلق بطور خاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا گیا کہ آپ انہیں نہیں جانتے، ہم انہیں جانتے ہیں۔

یہ سورت قرآنِ کریم کی تقریباً آخری سورت ہے، جس کا نمبر ایک سو تیرہ (۱۱۳) ہے، اس میں بطور خاص اعلان کر دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غیب دان نہیں، اللہ ہی غیب دان ہیں۔

''عذابِ قبر'' حق ہے!

ایسے منافقین کے متعلق فرمایا انہیں دو مرتبہ عذاب دیا جائے گا، اہل علم نے دو مرتبہ سے مراد دنیا اور برزخ وقبر کا عذاب لیا ہے، کیونکہ آخرت کے عذاب کے متعلق تو الگ سے فرما دیا ''ثُمَّ يُرَدُّوْنَ إِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ'' کہ اس کے بعد تم بڑے عذاب کی جانب لوٹائے جاؤ گے۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ وَقُلِ اعْمَلُوْا فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

''غزوۂ تبوک'' میں شریک نہ ہونے والے چند مخلص صحابہ کرامؓ کے اَحوال

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ان مخلص مؤمنین کا ذکر فرمایا ہے جو عذر نہ ہونے کے باوجود محض سستی اور کاہلی کی وجہ سے جہاد میں شریک نہیں ہوئے۔ یہ تقریباً دس لوگ تھے۔ ان میں سے ایک جماعت سات افراد کی تھی جن میں ایک نام حضرت ابولبابہؓ کا بھی ہے۔ ان سب نے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کا سنا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو کر منافقین کی طرح کوئی بہانہ نہیں بنایا، بلکہ اپنے آپ کو مجرم گردان کر اور قصوروار سمجھ کر مسجد نبوی میں چلے گئے اور مسجد نبوی کے ستون کے ساتھ اپنے آپ کو باندھ دیا اور عہد کیا کہ جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں معاف کر کے خود ہمیں نہ کھولیں گے، ہم اسی طرح بندھے رہیں گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب پتہ چلا تو آپ نے فرمایا کہ میں انہیں اس وقت تک نہیں کھولوں گا جب تک اللہ تعالیٰ مجھے انہیں کھولنے کا حکم نہ دے دیں، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں، اللہ ربّ العزّت نے ان کی توبہ قبول فرمائی، جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے ان کو کھول دیا۔

جب ان لوگوں کی توبہ قبول ہوئی تو ان حضرات نے شکرانہ کے طور پر اپنا سارا مال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صدقہ کرنے کے لیے پیش کر دیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا مال قبول کرنے سے انکار فرمادیا کہ مجھے مال لینے کا حکم نہیں ہے، اس پر اللہ ربّ العزّت نے یہ آیت نازل فرما کر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان سے صدقہ قبول کرنے کا حکم فرمایا، کیونکہ صدقہ کرنے سے گناہوں کی ظلمت اور کدورت دور ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ بھی اشارہ فرمادیا کہ سارا مال نہ لیا جائے بلکہ اس کا ایک حصہ لے لیا جائے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایک تہائی مال کا صدقہ قبول فرمالیا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم بھی دیا گیا کہ جب آپ ان سے صدقہ وصول کرلیں تو ان کے حق میں دُعائے خیر بھی فرمادیں۔

ان سات حضرات صحابہ کرامؓ جنہوں نے اپنے آپ کو ستونوں سے باندھ دیا تھا، ان کی توبہ تو قبول ہو چکی، البتہ جو باقی تین صحابہ کرامؓ تھے جو سستی کی وجہ سے غزوۂ تبوک میں شریک نہیں تھے اور ان کے پاس اپنی غیر حاضری کا کوئی معقول عذر بھی نہیں تھا، اور نہ ہی ان سات صحابہ کرام کی طرح مسجد میں اپنے آپ کو ستونوں سے باندھا، ان کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حکم دیا کہ مسلمان ان کا مقاطعہ (بائیکاٹ) کریں، ان سے سلام وکلام

بند کردیں، چنانچہ مسلمانوں نے ان کا بائیکاٹ کردیا، کچھ عرصہ یہ بائیکاٹ رہا، پھر اللہ ربّ العزّت نے ان کو بھی معاف فرمادیا۔ اس کی مکمل تفصیل آگے آئے گی۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۞ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۞

مذکورہ آیات کا پس منظر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ منورہ میں تشریف آوری سے پہلے مدینہ منورہ میں ایک شخص تھا جس کا نام ابو عامر تھا، یہ عیسائی ہوگیا تھا، اور تارک الدنیا ہوکر راہب بن گیا اور آبادیوں سے دور عبادت میں مشغول رہنے لگا۔ قبیلہ اوس اور خزرج کے لوگ اس کے معتقد بن گئے، وہ اس کو ابو عامر راہب کہتے تھے، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو ابو عامر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام پر اعتراضات کیے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اعتراضات کے جواب دیے، لیکن اس کو اطمینان نہ ہوا، اس نے کہا کہ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہو وہ مردود اور احباب و اقارب سے دُور ہوکر مسافرت میں مرے اور کہا کہ آپ کے مقابلہ میں جو بھی دشمن آئے گا میں اس کی مدد کروں گا، چنانچہ غزوۂ حنین تک تمام غزوات میں مسلمانوں کے دشمنوں کے ساتھ مل کر جنگوں میں شریک رہا، بالآخر مایوس ہوکر شام بھاگ گیا، اور جب تک زندہ رہا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں لگا رہا۔

فتنہ و فساد کے لیے مسجد کا قیام

انہی سازشوں کی ایک کڑی یہ تھی کہ اس نے مدینہ کے منافقین کو جن کے ساتھ اس کی ساز باز تھی، خط لکھا کہ میں اس کی کوشش کررہا ہوں کہ روم کا بادشاہ مدینہ پر حملہ کردے، مگر تم لوگوں کی کوئی اجتماعی طاقت ہونی چاہیے جو اس وقت اس کی مدد کرے، اس کی صورت یہ ہے کہ تم مدینہ میں ہی ایک مکان بناؤ اور ظاہر یہ کرو کہ ہم مسجد بنارہے ہیں تاکہ مسلمانوں کو شبہ نہ ہو، پھر اس مکان میں تم اپنے لوگوں کو جمع کرو، اور جس قدر اسلحہ اور سامان جمع کرسکتے ہو وہ بھی کرو، اور یہی مکان آپس کے مشورے اور میٹنگ وغیرہ کے بھی کام میں لایا کرو۔ اس پر ان منافقین نے مدینہ میں ایک مسجد بنائی اور مسلمانوں کو دھوکا اور فریب دینے کے لیے یہ منصوبہ بنایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس جگہ ایک نماز پڑھوادیں تاکہ سب مطمئن ہوجائیں، چنانچہ ان کا ایک وفد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ قباء کی موجودہ مسجد بہت سے لوگوں سے دور ہے، کمزور اور بیمار لوگوں کو وہاں تک پہنچنے میں مشکل ہوتی ہے، اس لیے ہم نے ایک دوسری مسجد اس نیت سے بنائی ہے کہ ضعیف اور بیمار مسلمانوں کو فائدہ پہنچے، آپ اس میں ایک نماز پڑھ لیں تاکہ برکت ہوجائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت غزوۂ تبوک کی تیاری میں مصروف تھے، آپ نے وعدہ فرمایا کہ اس وقت تو سفر درپیش ہے، واپسی پر اس مسجد میں نماز پڑھ لیں

گے۔ جب آپ تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے تو اللہ ربّ العزّت نے یہ آیات نازل فرما کر ان منافقین کی سازش کھول دی۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جن میں عامر بن سکن اور حضرت وحشی رضی اللہ عنہما وغیرہ بھی شامل تھے، کو حکم دیا کہ اس مسجد کو گرا دو اور اس میں آگ لگا دو، انہوں نے آپ کے حکم کی تعمیل کی اور وہ مسجد گرا دی گئی۔ (معارف القرآن)

اس پس منظر کے بعد اب مذکورہ بالا آیات کا حاصل یہ ہے کہ اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ ان منافقین نے مسجد تین وجوہات کی بنا پر تعمیر کی، جو کہ درج ذیل ہیں:

۱- پہلی وجہ یہ تھی کہ وہ اس کے ذریعہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانا چاہتے تھے۔

۲- اور دوسری وجہ یہ تھی کہ اس مسجد کے ذریعہ وہ مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنا چاہتے تھے کہ مسلمان دو حصوں میں بٹ جائیں۔

۳- اور تیسری وجہ یہ تھی کہ وہ اس مسجد کے ذریعہ یہ بھی چاہتے تھے کہ یہاں اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کو پناہ ملے اور وہ یہاں سے مسلمانوں کے خلاف سازشیں کیا کریں۔ لیکن وہ ظاہری طور پر قسمیں کھا کر اپنی نیک نیتی ظاہر کرنا چاہتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ جھوٹے ہیں، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی مسجد میں ہرگز تشریف نہ لے جائیں، نہ وہاں نماز پڑھیں۔

اِخلاص پر بنائی گئی مسجد (قباء) اور انصار کی مدح

منافقین کی بنائی گئی مسجد ضرار (جو در حقیقت مسجد نہیں تھی) میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جانے اور وہاں نماز پڑھنے سے منع فرمانے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت فرمائی کہ آپ کا نماز پڑھنا ایسی مسجد میں درست ہے جس کی بنیاد روزِ اول سے تقویٰ پر رکھی گئی ہو اور اس میں ایسے لوگ نماز پڑھتے ہیں جن کو پاکی اور طہارت میں پوری احتیاط محبوب ہے اور اللہ ربّ العزّت بھی ایسے پاک لوگوں کو پسند فرماتا ہے۔ اکثر مفسرین کرام کے نزدیک اس آیت میں جس مسجد کا ذِکر کیا گیا ہے وہ مسجد قباء ہے، بعض حضرات مسجد نبوی کو اس کا مصداق قرار دیتے ہیں، وہ بھی اس آیت کے منافی نہیں ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ۫ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۞ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۞

اللہ ربّ العزّت کا مؤمنین سے سودا

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے مسلمانوں سے کیے ایک سودا کا ذِکر فرمایا۔ اکثر مفسرین کرام کے نزدیک یہ

آیات بیعت عقبہ کے شرکاء کے متعلق نازل ہوئی ہیں جو ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں انصار مدینہ سے لی گئی تھی، بیعت عقبہ تین مرتبہ ہوئی، پہلی مرتبہ میں چھ لوگ مسلمان ہو کر مدینہ واپس ہوئے، پھر مدینہ میں اسلام کا تذکرہ ہونے لگا، تو اگلے سال حج کے موقع پر بارہ حضرات اسی جگہ جمع ہوئے اور دوسری مرتبہ بیعت ہوئی، اب رفتہ رفتہ مدینہ میں اسلام پھیلنے لگا، چنانچہ اگلے سال حج کے موقع پر تقریباً ستر مرد اور عورتیں اسی جگہ جمع ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی، اس بیعت میں اسلام کے اصولی عقائد و اعمال کے ساتھ کفار سے جہاد اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا وعدہ لیا گیا، انہوں نے ان سب چیزوں کا وعدہ اور عہد کر لیا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر ہم ان سب باتوں پر عمل کر لیں تو ہمیں کیا ملے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں جنت ملے گی، اس پر ان سب نے خوش ہو کر کہا کہ ہم اس سودے پر راضی ہیں۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ اللہ رَبّ العزّت نے مؤمنین سے ان کی جانیں اور مال خرید لیے ہیں کہ جب اللہ رَبّ العزّت کی راہ میں کوئی موقع آئے تو اس کے دین کی خاطر اپنی جان اور مال خرچ کرنے سے دریغ نہیں کریں گے، اور بدلے میں ان سے جنّت کا وعدہ فرمایا، جس کی نعمتیں لازوال اور ہمیشہ رہنے والی ہیں، یہ سودا مؤمنین کے لیے نہایت نفع کا سودا ہے، کیونکہ انہوں نے فانی چیز جان و مال دے کر ہمیشہ باقی رہنے والی چیز یعنی جنّت حاصل کر لی۔ یہ اللہ رَبّ العزّت کا سچا وعدہ ہے اور اللہ رَبّ العزّت اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتے۔ یہ آیات اگرچہ بیعت عقبہ کے شرکاء کے متعلق نازل ہوئی ہیں، لیکن اس کے الفاظ عام ہیں، لہٰذا قیامت تک آنے والے مؤمنین اگر اللہ رَبّ العزّت سے یہ سودا کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں، ان کے لیے بھی یہی اجر و ثواب ہوگا۔

مؤمنین کی علامات و نشانیاں

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کی کچھ نشانیاں بیان کیں کہ مومن کون ہیں؟ چنانچہ درج ذیل نشانیاں اور اوصاف جن لوگوں میں پائی جائیں گی وہ حقیقی مؤمن کہلائے جانے کے حق دار ہیں:

۱- التائبون: جو اللہ رَبّ العزّت سے سچی توبہ کرنے والے ہوں۔

۲- العابدون: جو اخلاص کے ساتھ اللہ رَبّ العزّت کی عبادت کرتے ہوں۔

۳- الحامدون: جو اللہ رَبّ العزّت کی حمد و ثناء اور اس کے ذکر سے اپنی زبانوں کو تر رکھتے ہوں۔

۴- السائحون: جو اپنی نفسانی خواہشات کو چھوڑ کر اللہ رَبّ العزّت کے لیے روزہ رکھتے ہوں۔ بعض حضرات کے نزدیک اس سے مراد دین کا علم حاصل کرنے والے طلبہ ہیں۔

۵- الراکعون: جو اللہ رَبّ العزّت کے سامنے رکوع کرتے ہوں۔

۶- الساجدون: جو اپنی جبین اللہ رَبّ العزّت کے سامنے رکھتے ہوں۔

۷-آمرون بالمعروف: جو نیکی کا حکم کرتے ہوں۔

۸-الناھون عن المنکر: جو برائی سے روکتے ہوں۔

۹-الحافظون لحدود اللہ: جو اللہ ربّ العزّت کی قائم کردہ حدود اور احکام پر جمنے والے ہوں اور اس سے سرِ مو انحراف نہ کرتے ہوں۔

جن مؤمنین میں یہ سب صفات پائی جاتی ہیں وہ حقیقی مؤمن ہیں، اور ایسے مؤمنین کو اللہ ربّ العزّت ایسی نعمتوں کی خوشخبری سناتے ہیں جو کسی کے وہم وخیال میں بھی نہیں ہوں گی، یعنی جنّت کی نعمتیں عطا فرمائیں گے۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ۝ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ ۚ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ ۝

شانِ نزول

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا جناب ابوطالب اگرچہ مسلمان نہیں ہوئے تھے لیکن ساری زندگی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت اور حفاظت کرتے رہے، اور اس معاملہ میں برادری کے کسی فرد کا کہنا نہیں مانا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس بات کی بڑی خواہش تھی کہ وہ کسی طرح کلمہ پڑھ لیں اور ایمان لے آئیں تاکہ قیامت میں آپ ان کی شفاعت کر سکیں اور وہ جہنم کے عذاب سے بچ جائیں۔ جب ان کا آخری وقت آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی فکر تھی کہ اس وقت بھی کلمہ پڑھ لیں تو کام ہو جائے گا، چنانچہ آپ ان کے پاس تشریف لے گئے، مگر ابوجہل وغیرہ مشرکین مکہ کے بڑے سردار پہلے سے وہاں موجود تھے، آپ نے فرمایا کہ چچا کلمہ پڑھ لیں تو میں آپ کی شفاعت کروں گا، مگر ابوجہل بول اٹھا کہ کیا آپ عبدالمطلب کا دین چھوڑ دیں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل اپنی بات دہراتے رہے مگر ابوجہل ہر مرتبہ ابوطالب کو یہی بات کہہ دیتا، بالآخر ابوطالب نے کہا کہ میں عبدالمطلب کے دین پر ہوں، اور اسی حالت میں وفات ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑا افسوس ہوا اور آپ نے قسم کھائی کہ میں ان کے لیے مسلسل استغفار کرتا رہوں گا جب تک اللہ ربّ العزّت مجھے منع نہ فرما دیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ ربّ العزّت نے آپ کو منع فرما دیا۔

اور ان آیات میں اس بات کا بھی جواب دے دیا جس سے مسلمانوں کو شبہ ہو سکتا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی تو اپنے کافر والد کے لیے دُعائے مغفرت کی تھی، اس کے جواب میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کے لیے اس وقت دُعا کی تھی جب تک انہیں یہ علم نہیں تھا کہ یہ آخر تک کُفر پر رہے گا اور کُفر پر ہی مرے گا، جب ان پر یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ اللہ کا دشمن ہے تو انہوں نے اس سے بے تعلقی اختیار کر لی اور استغفار کرنا چھوڑ دیا۔

لَقَدْ تَابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ

قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝

غزوۂ تبوک میں بغیر عُذر شریک نہ ہونے والے تین صحابہؓ کی توبہ کی قبولیت کا اِعلان

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے غزوۂ تبوک میں بغیر عذر شریک نہ ہونے والے تین صحابہ کرام کی توبہ کی قبولیت کا اعلان فرمایا، جن کا گزشتہ سطور میں ذِکر ہوا، یہ تین حضرات حضرت کعب بن مالکؓ، حضرت ہلال ابن امیہؓ اور حضرت مرارہ ابن ربیعؓ تھے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ خود کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابھی راستے میں تھے اور غزوۂ تبوک سے واپس تشریف نہیں لائے تھے، میں اس سوچ میں تھا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائیں گے تو فلاں فلاں بہانے پیش کردوں گا۔ لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے اور لوگوں نے جا کر بہانے پیش کرنا شروع کر دیے تو میرے دل نے کہا کہ کعب! کوئی بہانہ نہ بنا، یہاں بہانہ چلنے والا بھی نہیں ہے، تو حضور کے سامنے بہانہ تراشے گا بھی، تو اللہ اپنے نبی کو بتا دے گا۔ لہٰذا جا کر سچی سچی بات کہہ دے، جو ہونا ہوگا ہو کر رہے گا، چنانچہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں کوئی بہانہ نہیں بناتا مجھ سے غلطی ہوگئی، میرا ارادہ حاضری کا تھا اور روایات میں آتا ہے کہ ان کے پاس ایک نہیں دو گھوڑے تھے اور ارادہ یہی تھا کہ آج یہ کام نمٹا لوں، شام کو چلا جاؤں گا، پھر سوچا کہ شام کو فلاں کام نمٹا لوں، صبح چلا جاؤں گا۔ اسی میں صبح شام گزرتے رہے اور میں رہ گیا، اب میرے بارے میں اللہ کا جو فیصلہ ہو مجھے قبول ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہم بھی اللہ کے فیصلہ کا انتظار کریں گے، ابھی تم جاؤ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے فرما دیا کہ ان سے بول چال بند کردو۔ اسی طرح حضرت ہلال بن امیہ اور حضرت مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہما نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر ایسے ہی کہا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں بھی یہی فیصلہ فرمایا ہے، چنانچہ مسلمانوں نے ان تینوں حضرات کا سوشل بائیکاٹ کر دیا، اور ان سے بول چال بند کر دی، اس صورتحال پر کافی دن گزر گئے، باقی دو صحابہ ذرا کمزور دل کے تھے، وہ گھروں میں بیٹھ گئے اور گھروں سے نکلنا چھوڑ دیا، حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ذرا مضبوط دل کا تھا، میں مسجد آجاتا، چپکے سے نماز پڑھتا، آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتا اور پھر غور سے دیکھتا کہ حضور کے لب جواب کے لیے ہلے ہیں یا نہیں۔ اسی اثناء میں میرا ایک اور امتحان آ گیا وہ یہ کہ میں بازار میں اکیلا پھر رہا تھا، تو ایک شخص مجھے ملا، اس نے مجھے غسان کے بادشاہ کا ایک رقعہ دیا، جب میں نے اسے کھولا تو اس میں لکھا تھا کہ ہمیں پتہ چلا ہے کہ آپ کا صاحب آپ سے ناراض ہو گیا ہے، آپ مت گھبرائیں، ہمارے پاس غسان چلے آئیں، ہم آپ کا خوب اکرام کریں گے، اور آپ کو پناہ دیں گے۔ جب میں نے یہ خط پڑھا تو دل میں سوچا کہ یہ ایک اور امتحان ہے، چنانچہ اس خط کو پھاڑ

دیا۔ کچھ دن بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو بیویوں سے بھی دور رہنے کا حکم دے دیا، حضرت کعب فرماتے ہیں کہ میں نے بیوی کو اسی وقت میکے بھیج دیا۔ اسی طرح پچاس دن مکمل ہو گئے، کہ ایک صبح اللہ رَبّ العزّت نے یہ آیات نازل فرمادیں، اور ہماری توبہ قبول فرمالی لوگ دوڑے کہ جا کر ہمیں خوشخبری دیں، مجھے ایک شخص نے یہ خوشخبری سنائی، میں نے خوشی میں اپنا کرتہ اتار کر اسے ہدیہ کر دیا، پھر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تو سب سے پہلے حضرت ابوطلحہؓ نے کھڑے ہو کر مجھے مصافحہ کیا اور استقبال کیا۔ پھر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا یا رسول اللہ! اس مال نے مجھے جہاد سے روکا، اس لیے اب میں سارا مال اللہ کی راہ میں وقف کرتا ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں، پھر میں نے آدھے مال کی پیشکش کی، آپ نے انکار فرمایا، پھر میں نے تہائی مال کی اجازت مانگی تو آپ نے اس کو قبول فرمالیا۔ (معارف القرآن)

آیات کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ رَبّ العزّت نے فرمایا کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان مہاجرین و انصار صحابہ کو غزوۂ تبوک میں بلا عذر عدم شرکت کے گناہ سے محفوظ فرمادیا، اور وہ اس افلاس اور تنگدستی کے عالم میں اتنی دور جہاد کے لیے حاضر ہو گئے، اسی طرح ان تین لوگوں کی توبہ بھی اللہ رَبّ العزّت نے قبول فرمالی جو اس غزوہ سے پیچھے رہ گئے تھے اور ان کا معاملہ اللہ رَبّ العزّت نے ملتوی چھوڑ دیا تھا یہاں تک کہ ان کی پریشانی کی یہ نوبت پہنچ گئی کہ انہیں زمین اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود تنگ لگنے لگی تھی اور وہ سمجھ گئے تھے کہ اب اللہ کی پکڑ سے ہمیں کہیں پناہ نہیں مل سکتی، سوائے اسی کے دربار کے، سو وہ اللہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اس سے اپنی لغزش کی معافی مانگی تو اللہ نے انہیں معاف فرمادیا۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۭ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَاۗىِٕفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ۝

دینی تعلیم اور جہاد دونوں ضروری ہیں!

اس آیت میں اللہ رَبّ العزّت نے اہل ایمان کو یہ ہدایت فرمائی کہ اگر کبھی جہاد کی ضرورت پیش آئے اور کوئی لشکر بھیجنا پڑے تو سارے مسلمانوں کو نہیں جانا چاہیے، بلکہ ایک جماعت جو اس وقت کی ضرورت کو کافی ہو وہ جہاد میں مشغول رہے، بشرطیکہ اس موقع پر جہاد فرض عین نہ ہو، فرض کفایہ ہو، (جہاد کب فرض عین ہوتا ہے اور کب فرض کفایہ، اس کی تفصیل علماء سے دریافت فرمالیں) کیونکہ اگر سارے مسلمان جہاد پر چلے جائیں تو نظام زندگی معطل ہو کر رہ جائے گا اور دین و دنیا کے مختلف متعدد اُمور میں خلل پیدا ہوگا، جن میں سے ایک اہم کام جس کا اس آیت میں خصوصی طور پر ذکر کیا گیا ہے وہ دینی تعلیم ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ کچھ لوگ جہاد میں جائیں اور باقی لوگ علم دین حاصل کرنے میں لگیں، پھر یہ علم دین حاصل کرنے والے دوسرے مسلمانوں اور ان جہاد میں جانے والے لوگوں کو علم دین سکھائیں، یوں یہ سلسلہ جاری و ساری رہے۔ معلوم ہوا کہ جس طرح عام حالات میں جہاد فرض کفایہ ہے اسی طرح دین کا تفصیلی علم، قرآن وسنّت کے معارف و مسائل اور ان سے نکلے ہوئے احکام و شرائع کی تفصیلات کا جاننا بھی فرض کفایہ ہے۔ اس لیے ایک جماعت جہاد میں مصروف رہے تو

دوسری جماعت طلب علم میں لگی رہے، کیونکہ اگر خدانخواستہ جہاد نہ رہا تو ہماری جغرافیائی سرحدیں ختم ہو جائیں گی اور اگر علم نہ رہا تو ہماری نظریاتی سرحدیں ختم ہو جائیں گی۔

نوٹ:- اتنا علم دین حاصل کرنا جس سے ایک مسلمان اپنی چوبیس گھنٹے کی زندگی دین کے مطابق گزار سکے، اور جس کے بغیر نہ فرائض ادا ہو سکیں اور نہ حرام سے بچا جا سکے، ہر ایک پر لازم اور فرض ہے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات

سورت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات بیان فرما کر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کفار کی روگردانی پر صبر کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ تمہارے پاس تمہاری ہی جنس میں سے ایک پیغمبر تشریف لائے ہیں، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جنس کے اعتبار سے بشر اور انسان ہی ہیں لیکن عام انسانوں جیسے نہیں، بلکہ آپ انسانیت کے لیے شرف اور عزت کا ذریعہ ہیں، پوری کائنات کے انسان آپ پر قربان ہوں، اور آپ اس قدر شفیق اور نرم دل ہیں کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہر وہ بات گراں گزرتی ہے جس سے مسلمانوں کو ضرر اور تکلیف پہنچے، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہر ممکن کوشش یہی رہی کہ کسی طرح انسانیت کو زیادہ سے زیادہ نفع ہو، اور یہ خواہش آپ کی تمام انسانوں کے لیے ہے، اور مؤمنین پر تو آپ کی شفقت اور مہربانی کی کوئی حد ہی نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایمان لانے والوں پر حد درجہ مہربان ہیں۔ اس لیے ایسے مہربان اور شفیق پیغمبر کی اطاعت نہ کرنا سخت محرومی کی بات ہے اور اگر کوئی اب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو قبول نہ کرے تو اے نبی! اس میں آپ کا کوئی نقصان نہیں، آپ کہہ دیجیے کہ مجھے تو اللہ ہی کافی ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں، وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔

مذکورہ کلمات کی فضیلت

حدیث مبارکہ ہے کہ جو شخص صبح و شام یہ کلمات "حَسْبِيَ اللّٰهُ ۖ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝" سات بار پڑھ لے، اللہ تعالیٰ اس کے ہر غم سے کافی ہو جائیں گے (اس کے تمام کام آسان فرما دیں گے)۔ (سنن ابوداؤد: ۵۰۸۳)

سورت کا اِجمالی درس

۱- سورت کے آغاز میں اللہ رَبّ العزّت نے کفار و مشرکین سے کیے تمام معاہدے ختم کر کے جزیرۂ عرب کو شرک سے پاک کرنے کا اعلان فرمایا۔

۲-سورت میں مساجد کی تعمیر اوراس کے آباد کرنے کے حقیقی حق داروں کا ذکر فرمایا۔

۳-سورت میں غزوۂ حنین کے موقع پر اللہ ربّ العزّت کی نصرت ومدد کا نمونہ بیان کیا گیا۔

۴-زکوٰۃ اور صدقات کے مصارف اس سورت میں بیان کیے گئے ہیں۔

۵-منافقین کے اوصاف اوران کی مکاریوں کا اس سورت میں بہت تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

۶-سورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کا جنازہ پڑھانے اوران کے لیے دعائے مغفرت کرنے سے منع فرمایا گیا۔

۷-صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اوراہل ایمان کی تعریف اورمدح بیان کی گئی۔

۸-غزوۂ تبوک اوراس میں شرکت نہ کرنے والوں کے احوال کا تفصیلی ذکر کیا گیا۔

۹-علم دین کی فضیلت اورضرورت بیان کی گئی۔

۱۰-نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اورآپ کے اوصاف جلیلہ وجمیلہ کا ذکر کیا گیا۔

تلك عشرة كاملة

تمت سورة توبة بعون الله سبحانه وتعالىٰ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَۃُ یُوْنُس

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب میں دسویں، اور نزول کے اعتبار سے اکاون (۵۱) نمبر پر ہے، گیارہ رُکوع اور ایک سونو (۱۰۹) آیات پر مشتمل ہے۔ بعض اہلِ علم کے نزدیک یہ سورت بھی سبع طوال میں سے ہے۔

وجہ تسمیہ

اس سورت میں حضرت یونس علیہ السلام اور ان کی قوم کا تذکرہ کیا گیا ہے، یہ واحد ایسی قوم تھی جس کے سارے افراد عذاب کے آثار دیکھ لینے کے بعد ایمان لے آئے اور ان سے عذاب ٹل گیا، اسی وجہ سے اس سورت کا نام سورۂ یونس رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

۱۔گزشتہ سورت میں توحید و رسالت اور آخرت کے منکرین سے جہاد کا تذکرہ تھا، اس سورت میں انہیں دلائل و براہین سے قائل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

۲۔سورۂ توبہ میں جہاد کا بیان تھا، اس سورت میں مقصدِ جہاد یعنی توحید کا بیان ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع ’’اللہ ربّ العزّت کی قضا اور تقدیر پر ایمان لانے کا بیان‘‘ ہے۔

عمومی مضامین

۱۔سورت میں اللہ ربّ العزّت کی قدرت کے ایسے دلائل ذکر کیے گئے ہیں جو انسانی فطرت کو توحید خداوندی کی پہچان عطا کرتے ہیں۔

۲۔انسانی زندگی کے ایسے واقعات و تجربات بیان فرمائے جن سے انسانوں کو روزانہ واسطہ پڑتا ہے اور اس کے ضمن میں انسانوں کو غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے۔

۳۔گزشتہ ہلاک شدہ قوموں کے انجام کو ذکر فرما کر موجودہ لوگوں کو تنبیہ کی گئی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

الٓرٰ ۫ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝١ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؔ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ۝٢ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ
الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ
بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝٣ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ
يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ
مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝٤ هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ
مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝٥
اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ۝٦ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا
يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝٧ اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ
النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝٨ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ تَجْرِيْ مِنْ
تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝٩ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ
اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝١٠

اللہ ربّ العزّت کا مشرکین سے شکوہ!

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے مشرکین مکہ کے ایک بے جا اعتراض کو ذکر فرما کر ان سے شکوہ کیا ہے، کفار اور مشرکین یہ سمجھتے تھے کہ اللہ ربّ العزّت کی طرف سے جو رسول یا پیغمبر آئے وہ انسان نہیں ہونا چاہیے بلکہ کوئی فرشتہ ہونا چاہیے، اللہ ربّ العزّت نے اسی کو بیان فرمایا کہ ان لوگوں کو اس بات پر تعجب ہے کہ ہم نے ایک انسان پر وحی کی کہ لوگوں کو ڈرائیں اور اہل ایمان کو خوشخبری دے دیں کہ ان کے لیے اللہ ربّ العزّت کی طرف سے بہترین اجر ہے، حالانکہ اس سے زیادہ قابل تعجب بات ان کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جادوگر کہنا ہے۔ کیونکہ انسانوں کے پاس کسی انسان کو ہی نبی بنا کر بھیجنا عقل کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔

"قدم صدق" کی حضرات مفسرین کرام نے مختلف تفسیریں کی ہیں:

۱۔جزاء اور بدلہ ۲۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی

۳۔روزِ محشر ثابت قدم رہنا

قدرتِ خداوندی کے چند نمونے

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے اپنی قدرت کے چند نمونے بیان فرما کر اپنی توحید کو ثابت کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا، وہی اس پوری کائنات اور پورے عالم کا نظام سنبھالے ہوئے ہے، اس کی عظمت بے بہا ہے، اور اس کا جلال بے مثل، کسی نبی اور رسول کو بھی اس کی بارگاہ میں سفارش کرنے کی بذاتِ خود کوئی مجال نہیں جب تک کہ باری تعالیٰ خود ان کو سفارش کرنے کی اجازت نہ دے دیں، اسی کی طرف سب کو لوٹ کر جانا ہے، یہ ایک حقیقت ہے جسے کوئی جھٹلا نہیں سکتا، اور جو اسے جھٹلانے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اس بات میں غور کرلے کہ اللہ ربّ العزّت ہی نے سب کو پہلی مرتبہ پیدا فرمایا تھا، وہ سب کو دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔ اسی پاک ذات نے سورج اور چاند بنائے، سورج کی تابناکی اور آنکھوں کو خیرہ کردینے والی روشنی اور چاند کی ٹھنڈی روشنی اسی پاک ذات کی صناعی کی دلیل ہیں، اسی ذات نے چاند اور سورج کی منزلیں اور دونوں کی رفتار کے لیے خاص حدود مقرر کردی ہیں تاکہ اس کے ذریعہ دنوں اور سالوں کا حساب رکھا جاسکے۔ رات اور دن کا مرتب نظام بھی اس کی قدرت کی ایک دلیل ہے، رات آرام کا جبکہ دن کام اور معاش کا ذریعہ ہے، اور ان میں سے ہر ایک میں انسانوں کا نفع اور فائدہ رکھا گیا ہے۔

یہ سب نشانیاں چیخ چیخ کر اس پاک ذات کی وحدانیت کی گواہی دے رہی ہیں جو اس پوری کائنات اور اس کے اس جامع اور مرتب نظام کا چلانے والا ہے، لہٰذا ہر ایک کو چاہیے کہ ان نشانیوں میں غور وفکر کرکے اس خالق کو پہچانے اور اس کی اطاعت اور فرمانبرداری بجالائے۔

کُفّار اور مؤمنین کا اُخروی انجام

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے کُفّار اور اہلِ ایمان کے اخروی انجام کو بیان فرمایا اور دنیا میں ان کُفّار اور اہلِ ایمان کی حالت کو بھی ذکر فرمایا، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ جو لوگ ہماری آیات کے منکر ہیں ان کی دُنیوی حالت یہ ہے کہ وہ آخرت کی دائمی زندگی کو بھلا کر صرف دنیا کی زندگی میں خوش ہوگئے اور دنیا میں ایسے مطمئن ہوکر رہتے ہیں کہ گویا یہاں سے کہیں جانا ہی نہیں، ہمیشہ یہیں رہنا ہے، اور ہماری آیات سے مسلسل غفلت میں پڑے رہتے ہیں، تو جن لوگوں کی دُنیوی حالت یہ ہو، ان کا اخروی انجام یہ ہوگا کہ وہ جہنّم کا ایندھن بنیں گے جہاں انہیں ہمیشہ رہنا ہوگا۔

ان کے برعکس اہل ایمان دنیا میں اللہ ربّ العزّت پر ایمان لائے، اور نیک اعمال کرتے رہے، اس لیے انہیں آخرت میں اللہ ربّ العزّت جنّت عطا فرمائیں گے، جو راحتوں اور نعمتوں کا مقام ہے، یہ جنتی وہاں پہنچ کر ہر دم اللہ ربّ العزّت کی تسبیح کرتے رہیں گے، وہاں کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے، ایک دوسرے کو سلام کہیں گے اور اللہ ربّ العزّت کی نعمتوں پر اس کا شکر ادا کریں گے۔ جنّت میں حمد ہوگی لیکن بلا مشقت، جیسے دنیا میں بغیر کسی مشقت کے سانس لیا جاتا ہے ایسے ہی جنّت میں حمد بھی بغیر مشقت کی جائے گی۔

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ ؕ فَنَذَرُ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَجَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ۝ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَاۤ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَاۤ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖؗ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّاۤ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝

اِنسان کی دورُخی اور باری تعالیٰ کا کرم

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے انسان کی دورخی کا ذکر کرتے ہوئے اپنے احسان اور کرم کو بیان فرمایا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کفّار کو قیامت کے عذاب سے ڈراتے تھے تو وہ مذاق اڑاتے ہوئے کہتے تھے کہ اگر تم سچے ہو تو یہ عذاب ابھی بلالو، اللہ رَبّ العزّت نے اس کا جواب دیا کہ اگرچہ اللہ رَبّ العزّت جلد عذاب دینے پر قادر ہے، لیکن یہ اس کی رحمت ہے کہ وہ تمہارے تقاضے کے باوجود تم پر عذاب نازل نہیں فرماتا، کیونکہ اگر وہ ایسا کرے تو تم سب ہلاک ہو جاؤ گے۔

اس میں وہ مسلمان بھی داخل ہیں جو کسی رنج یا غصہ کی وجہ سے اپنے آپ کو یا اپنے مال اور اولاد کو بددُعا دے بیٹھتے ہیں، اللہ رَبّ العزّت اپنے فضل و کرم سے ان بددُعاؤں کو قبول کرنے میں جلدی نہیں فرماتے، لیکن بسا اوقات کوئی قبولیت کی گھڑی ہو سکتی ہے جس میں وہ بددُعا قبول ہو جاتی ہے۔ اس لیے اس طرح کی بددُعاؤں سے ہر ممکن اجتناب کرنا چاہیے۔

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے انسان کی دورخی اور دورنگی کا شکوہ فرمایا کہ جب ان کو کوئی مشکل پیش آجاتی ہے تو اللہ رَبّ العزّت کو پکارنے لگتے ہیں، اور جب اللہ رَبّ العزّت اپنے فضل و کرم سے ان کی وہ تکلیف دور فرمادیں تو اس سے غافل ہو جاتے ہیں۔

مؤمن و کافر میں فرق

مذکورہ آیت سے معلوم ہوا کہ مؤمن و کافر میں یہی فرق ہے مؤمن ہر وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے جبکہ کافر محض تکلیف و مصیبت کے وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے۔

گزشتہ ہلاک شدہ قوموں کا تذکرہ

پھر اللہ رَبّ العزّت نے اجمالی طور پر گزشتہ ہلاک شدہ قوموں کا تذکرہ فرمایا کہ جب انہوں نے سرکشی اختیار کی اور اللہ رَبّ العزّت کے احکامات کو پس پشت ڈالا تو اللہ رَبّ العزّت نے انہیں ہلاک فرمادیا۔ اوران کی جگہ تمہیں دے دی، اب اگر تم بھی ان کی روش پر چلو گے اور باری تعالیٰ کے احکام کی مخالفت پر کمربستہ رہو گے تو تمہارا انجام بھی انہی جیسا ہوگا۔

کیا قرآنِ کریم بدلا جاسکتا ہے؟

کفّار یہ سمجھتے تھے کہ قرآن مجید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام اور آپ کی تصنیف ہے، اسی لیے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مطالبہ کیا کرتے تھے کہ یہ قرآن تو ہمارے اعتقادات اور نظریات کے خلاف ہے، یہ ہمارے معبودوں کو غلط اور باطل قرار دیتا ہے، اس لیے آپ یا تو اس کی جگہ کوئی دوسرا قرآن لے آئیں جس میں یہ سب چیزیں نہ ہوں، یا کم از کم اسی میں ترمیم کر کے ان چیزوں کو نکال دیں۔ اللہ رَبّ العزّت نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبانی اس کا جواب دیا کہ آپ ان سے کہہ دیں کہ یہ قرآن نہ میرا کلام ہے اور نہ میں اپنی طرف سے اس کو بدل سکتا ہوں، میں تو صرف وحی الٰہی کا تابع اور پابند ہوں، اگر میں اس میں ذرا بھی تبدیلی کروں تو سخت گناہ کا مرتکب ہوں گا، اس لیے میں ایسا نہیں کرسکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اللہ رَبّ العزّت کا کلام ہے، اگر وہ نہ چاہتا تو میں یہ تمہیں پڑھ کر نہ سنا سکتا، میں نے اپنی عمر کا ایک طویل حصہ تمہارے سامنے گزارا ہے، اس مدت میں تم نے کبھی مجھے کوئی شعر یا مقالہ لکھتے ہوئے نہیں سنا، اگر میں اپنی طرف سے ایسا کلام کہہ سکتا تو اس مدّت میں کچھ نہ کچھ تو کہا ہوتا، اور تم نے اس پورے عرصہ میں میری صداقت اور دیانت بھی دیکھی ہے کہ میں جھوٹ نہیں بولتا، اس لیے اس بات پر یقین کرو کہ یہ باری تعالیٰ کا کلام ہے اور اسی کا نازل کردہ ہے۔

مشرکین کے جاہلانہ عقیدے کی تردید

قرآنِ کریم سے متعلّق مشرکین کے بے جا مطالبہ کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے توحید سے متعلّق ان کے غلط عقیدہ کی تردید فرمائی اور انہیں ڈانٹ ڈپٹ بھی فرمائی، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ یہ مشرکین ان معبودوں کی عبادت کرتے ہیں جو نفع دینے کی قدرت رکھتے ہیں اور نہ نقصان پہنچانے کی، نافع اور ضار تو صرف اللہ رَبّ العزّت کی ہی ذاتِ اطہر ہے۔

ان مشرکین کا نظریہ تھا کہ ان کے (جھوٹے) خدا اللہ تعالیٰ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں، ان کا نظریہ یہ بھی تھا کہ چونکہ ہم گنہگار ہیں، ہماری اللہ تعالیٰ تک رسائی نہیں ہوسکتی، جبکہ ان بتوں کی کوئی بات اللہ رَبّ العزّت رد نہیں کرتے، لہٰذا ہماری ان کے آگے اور ان کی خدا کے آگے۔ دراصل وہ اللہ تعالیٰ کو دنیاوی بادشاہوں پر قیاس کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس پر انہیں ڈانٹ پلائی کہ کیا تم اللہ رَبّ العزّت کو خبر دے رہے ہو، وہ نہیں جانتا اور تم جانتے ہو؟ حالانکہ وہ ان کمزوریوں سے پاک ہے اور شرک سے منزہ ہے۔ ایک اور جگہ اللہ رَبّ العزّت نے ارشاد فرمایا: "فلا تضربوا لله الامثال" اللہ تعالیٰ کے لیے مثالیں بیان نہ کرو، ایک جگہ فرمایا: "نحن اقرب اليه من حبل الوريد" "ہم تو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

اِنسانیت کی تقسیم صرف ایک وجہ سے ہے!

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد شروع میں ایک ہی اُمّت اور ایک ہی قوم تھی، سب توحید پرست تھے، شرک اور کُفر کا کہیں نام نہیں تھا، پھر لوگوں نے شیطان کے بہکاوے میں آکر توحید میں اختلاف کیا اور کُفر اور شرک اختیار کر کے مختلف قومیں اور مختلف گروہ بن گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسانوں کو باہم بانٹنے والی چیز صرف ایمان اور اسلام سے انحراف ہے، زبان اور وطن یا رنگ و نسل کی بنا پر انسانوں کو مختلف گروہ قرار دینا نامناسب ہے۔

هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُكُمْ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ ۚ وَ جَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ وَّ فَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا رِیْحٌ عَاصِفٌ وَّ جَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اُحِیْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۚ لَىِٕنْ اَنْجَیْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۲۲﴾ فَلَمَّاۤ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ یَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ ؕ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْیُكُمْ عَلٰۤی اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؗ ثُمَّ اِلَیْنَا مَرْجِعُكُمْ فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

توحید کی دلیل

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے اپنی توحید کی ایک دلیل بیان کرنے کے ساتھ ساتھ کُفّار و مشرکین کے منافقانہ رویوں کی بھی بیخ کنی فرمائی ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اللہ رَبّ العزّت وہ ذات ہے جو تمہیں خشکی اور دریا میں سیر کراتا ہے، یعنی سفر کرنے کے جتنے ذرائع ہیں مثلاً گاڑیاں، ہوائی جہاز، بحری جہاز اور کشتیاں وغیرہ سب اللہ رَبّ العزّت نے عطا فرمائی ہیں، پھر سمندری سفر کے دوران بسا اوقات ہوا بالکل موافق ہوتی ہے اور سفر نہایت آرام سے گزرتا ہے، جس پر سب لوگ خوش ہو جاتے ہیں، اور اس خوشی میں اللہ رَبّ العزّت کو بھول جاتے ہیں، پھر اچانک مخالف ہوا کا ایک جھونکا آتا ہے اور بڑی بڑی موجیں کشتی کی جانب اٹھنا شروع ہو جاتی ہیں اور لوگوں کو موت اپنی آنکھوں کے سامنے نظر آ رہی ہوتی ہے، تو وہ سب صدقِ دل سے مکمل یقین اور اعتقاد کے ساتھ اللہ رَبّ العزّت کو پکارنے لگ جاتے ہیں کہ اے اللہ! اگر آپ ہمیں اس مصیبت سے بچا لیں تو ہم آپ کی توحید پر ایمان لے آئیں گے، لیکن جب اللہ رَبّ العزّت ان کی پکار سن کر انہیں اس مصیبت سے محفوظ کر لیتا ہے تو وہ پھر سے اپنی پرانی روش پر آ جاتے ہیں اور سرکشی کرنے لگتے ہیں۔

حضرت عکرمہ بن ابی جہل کے قبولِ اسلام کا واقعہ

فتح مکہ کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عام معافی کا اعلان فرما دیا تھا، لیکن چار مرد اور دو عورتیں ایسی تھیں جن کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ یہ جہاں بھی ملیں انہیں قتل کر دیا جائے، ان مردوں میں ایک ابوجہل کا بیٹا عکرمہ بھی شامل تھا، اس کو جب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس اعلان کی خبر ملی تو وہ مکہ مکرمہ سے فرار ہو گیا اور دریا کے ذریعہ کسی

دوسرے مقام پر جانے کا ارادہ کیا، جب وہ کشتی میں سوار ہوا اور کچھ سفر گزر گیا تو اچانک دریا میں طوفان آ گیا، سب کشتی والے اللہ رَبّ العزّت کو پکارنے لگے اور اس کو بھی کہا کہ اب صرف اللہ عزوجل کو پکارو، اس لیے کہ تمہارے معبود اس جگہ کچھ نہیں کر سکتے، اس پر عکرمہ نے جواب دیا کہ خدا کی قسم اگر دریا میں مجھے اس کے علاوہ کوئی نہیں بچا سکتا تو خشکی میں بھی اس کے علاوہ مجھے کوئی نہیں بچا سکتا، پھر اس نے اللہ رَبّ العزّت سے دُعا کی کہ اے اللہ! میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر آپ نے مجھے اس مصیبت سے نجات دی تو میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کر لوں گا، اللہ رَبّ العزّت نے اس کی دُعا قبول فرمائی اور طوفان کو دور فرما دیا۔ چنانچہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کر کے شرف صحابیت حاصل کر لیا۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ (سنن نسائی: ۴۰۷۸)

إِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ
وَالْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ وَظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَاۤ ۙ اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا
لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ
يَدْعُوْۤا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا
يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ
جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَاۤ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ
الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

دُنیوی زندگی کی مثال

دُنیوی زندگی کی مثال اللہ رَبّ العزّت کے نزدیک بارش کی طرح ہے، بارش برسے، اور زمین سے انسانوں اور جانوروں کے لیے نباتات اور چارہ وغیرہ خوب گھنا ہو کر نکلے، یہاں تک کہ جب وہ مکمل طور پر اپنے عروج کو پہنچ جائے اور زمین کے مالک یہ سمجھنے لگیں کہ ہم اب اپنی فصلوں سے کسی بھی وقت مستفید ہو سکتے ہیں، اور عین اس وقت اس پر اللہ رَبّ العزّت کی طرف سے کوئی آفت آ پڑے جس سے اس کھیتی کا نام ونشان ختم ہو جائے، اسی طرح دُنیوی زندگی ہے کہ بچپن میں کمزوری سے شروع ہوتی ہے، پھر آہستہ آہستہ جوانی تک پہنچتی ہے، جوانی سے عمر تجاوز کرتی ہے، اور زندگی سے خوب تجربہ اور لطف اندوزی حاصل ہو چکی ہوتی ہے، پھر اچانک ایک وقت آتا ہے جب موت اپنے پنجے گاڑ دیتی ہے اور انسان کا نام ونشان مٹ جاتا ہے۔

اُخروی زندگی کے اَحوال

اس کے برعکس اخروی زندگی میں جب جنّت نصیب ہو تو وہ سلامتی کا گھر اور ہمیشہ باقی رہنے والی زندگی ہے، اس زندگی میں نہ کوئی تکلیف ہوگی اور نہ کوئی رنج وغم، نہ بیماری کا خطرہ ہے اور نہ فنا ہونے کی فکر۔ اللہ رَبّ العزّت اسی جنّت اور

سلامتی والے دار کی طرف ہر ایک کو بلاتا ہے اور جو لوگ اس کی پکار کو سن کر لبیک کہتے ہیں اور اس پکار کے تقاضوں پر عمل کرتے ہوئے باری تعالیٰ کے احکامات کی پابندی کرتے ہیں، انہیں اللہ ربّ العزّت دارالسلام یعنی جنّت عطا فرما دیتے ہیں، جہاں انہیں ان کے نیک اعمال کا بدلہ بھی ملتا ہے اور بدلے سے کچھ زیادہ بھی، اس زیادتی سے مراد اللہ ربّ العزّت کی زیارت اور اس کا دیدار ہے جو اہلِ جنّت کو حاصل ہوگا۔

اس کے بالمقابل اہلِ جہنّم کو ان کی برائیوں کا برابر سرابر بدلہ ملے گا، ان کے چہروں پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی، اور کوئی شخص ان کو اللہ ربّ العزّت کے عذاب سے بچانے والا نہیں ہوگا۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۖۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ۝ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْۤا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْۤ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۫ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝ وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ۝

توحیدِ باری تعالیٰ کے چند دلائل

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی توحید کے چند دلائل بیان فرمائے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے نبی! آپ ان کفّار سے کہہ دیجیے کہ آسمان اور زمین میں سے تمہیں رزق کون دیتا ہے؟ آنکھوں اور کانوں میں بینائی اور سننے کی صلاحیت کس نے رکھی ہے؟ کون ہے جو مردہ سے زندہ کو پیدا کرتا ہے جیسے مٹّی سے نباتات، نطفہ سے انسان اور انڈے سے پرندہ وغیرہ، اور زندہ سے مردہ کون پیدا کرتا ہے جیسے انسان سے بے جان نطفہ، اور اس کائنات کے نظام کو کون چلا رہا ہے؟ کیا اللہ ربّ العزّت کی ذات کے علاوہ کوئی ہے جو ان تمام صفات کا مالک ہو؟ یقیناً نہیں! تو جب اس کے علاوہ ان کوئی خالق اور مالک نہیں ہے تو اسے چھوڑ کر کسی اور کو عبادت کا لائق کیوں سمجھتے ہو؟

پھر کفّار کے معبودانِ باطلہ کا عجز ظاہر کرنے اور ان کا غیر مستحق عبادت ہونے کو بیان کرنے کے لیے ارشاد فرمایا کہ

اے نبی! آپ ان سے ذرا پوچھیے کہ کیا تمہارے ان معبودوں میں سے جنہیں تم پروردگارِ عالم کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو، کوئی ایسا ہے جس نے پہلی مرتبہ مخلوق کو پیدا کیا ہو یا قیامت میں دوبارہ ان کو پیدا کرے گا؟ اور کیا تمہارے ان معبودوں میں سے کوئی ایسا ہے جس کے اختیار میں ہدایت دینا اور حق کا راستہ بتانا ہو، اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر کیوں حق سے پھرے جاتے ہو؟ حقیقت یہ ہے کہ تمہارے ان نظریات اور عقائد کی کوئی دلیل نہیں، بلکہ تم صرف بے اصل خیالات پر چل رہے ہو، جن کا دنیا اور آخرت میں کوئی فائدہ نہیں۔

مذکورہ بالا آیات میں سے ایک آیت میں اللہ ربّ العزّت نے فرمایا: "وَمَا یَتَّبِعُ اَکْثَرُھُمْ اِلَّا ظَنًّا اِنَّ الظَّنَّ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا" یعنی کفار گمان کی پیروی کرتے ہیں، حالانکہ گمان حق کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں ہے، یہاں گمان اور ظن "اٹکل پچو" کے معنی میں ہے، قطعیت کے معنی نہیں، بعض لوگ اس وجہ سے کہہ دیتے ہیں ہیں کہ احادیث ظنی ہیں، اس لیے وہ معتبر نہیں، یہ بات درست نہیں ہے، کئی احادیث متواتر ہیں، بعض لفظی طور پر اور بعض معنوی طور پر اور بعض طبقہ اور بعض توارث کے اعتبار سے قطعی اور متواتر ہیں، جو احادیث ظنی ہیں وہ بھی "اٹکل پچو" کے معنی میں نہیں، بلکہ انہیں ظنی قطعی کے مقابلہ میں کہا گیا ہے۔

حقانیتِ قرآن کی واضح اور بے غبار دلیل اور کھلا چیلنج

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے قرآن مجید کی حقانیت کو ثابت فرمایا اور اس قرآن کو من گھڑت کہنے والوں کے شبہات اور اعتراضات کو نہایت بلیغ انداز میں رد فرمایا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ یہ قرآن گھڑا ہوا نہیں ہے بلکہ باری تعالیٰ کا کلام ہے، اور اپنے سے پہلی والی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور اللہ ربّ العزّت کے احکامات کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ قرآن گھڑا ہوا ہے تو وہ اس قرآن جیسی کوئی ایک سورت بنا کر لے آئے، اور اس کام میں جس سے چاہے مدد لے لے۔ لیکن وہ کبھی اس قرآن جیسی ایک سورت لانے پر قادر نہیں ہوں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ بغیر کسی دلیل کے اس قرآن کو جھٹلاتے ہیں جیسے ان سے پہلی امتوں نے اپنی کتابوں کو جھٹلایا، ان کو دیکھنا چاہیے کہ ان لوگوں کا کیا انجام ہوا اور اس سے ڈرنا چاہیے کہ مبادا ان کا انجام بھی ان جیسا نہ ہو جائے۔

وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـــُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ۭ اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـــًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَھُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝ وَيَوْمَ يَحْشُرُھُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ۭ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاۗءِ اللّٰهِ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝ وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُھُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُھُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰي مَا يَفْعَلُوْنَ ۝ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَاۗءَ رَسُوْلُھُمْ قُضِيَ بَيْنَھُمْ بِالْقِسْطِ وَھُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝

وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هَٰذَا الْوَعْدُ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ قُل لَّا أَمْلِكُ لِنَفْسِي ضَرًّا وَلَا نَفْعًا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۗ لِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۚ إِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً ۖ وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ ۝ قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُهُ بَيَاتًا أَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُونَ ۝ أَثُمَّ إِذَا مَا وَقَعَ آمَنتُم بِهِ ۚ آلْآنَ وَقَدْ كُنتُم بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ ۝ ثُمَّ قِيلَ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا ذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا بِمَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ۝ وَيَسْتَنبِئُونَكَ أَحَقٌّ هُوَ ۖ قُلْ إِي وَرَبِّي إِنَّهُ لَحَقٌّ ۖ وَمَا أَنتُم بِمُعْجِزِينَ ۝

کُفّار سے براءت کا اِعلان

گزشتہ آیات میں توحید باری تعالیٰ کے دلائل بیان کیے گئے، کُفّار کے معبودانِ باطلہ کا عجز ظاہر کیا گیا اور قرآن کی حقانیت کو ثابت کیا گیا، ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ اے نبی! اگر ان سب واضح دلائل کے باوجود بھی یہ لوگ اپنی سابقہ روش سے باز نہ آئیں اور بدستور آپ کی تکذیب پر ڈٹے رہیں تو آپ ان سے فرما دیجیے کہ تم اپنی روش برقرار رکھو، تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ مل جائے گا، مجھے میرے اعمال کا صلہ ملے گا، تم میرے اعمال کے جواب دہ نہیں ہو اور میں تمہارے اعمال کا جواب دہ نہیں ہوں۔ ہم میں سے ہر ایک کو اس کا انجام معلوم ہو جائے گا۔

پھر باری تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ آپ ان کے ایمان کی فکر چھوڑ دیجیے کیونکہ ان میں سے بعض اگرچہ ظاہری طور پر آپ کی طرف کان لگا کر بیٹھتے ہیں اور آپ کو دیکھ رہے ہوئے ہیں لیکن دل میں ایمان کا ارادہ اور حق کی طلب نہیں ہے، اس لیے ان کا سننا نہ سننا برابر ہے، وہ بہروں اور اندھوں کی طرح ہیں۔ اس لیے آپ ان کی پروا نہ کیجیے، وہ وقت آئے گا جب ہم ان سب کو اپنے سامنے جمع کریں گے، اس دن یہ سب سخت خسارے میں ہوں گے۔

قیامت کے متعلق کُفّار کے مطالبے کا جواب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کُفّار کو قیامت کے عذاب سے ڈراتے اور قیامت کی ہولناکی کا تذکرہ کرتے تو کُفّار استہزاء کرتے ہوئے کہتے کہ یہ قیامت کب آئے گی، اگر تم سچے ہو تو قیامت لے آؤ۔ اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ان کو جواب دیا کہ:

”مختارِ کُل“ اور ”کارساز“ صرف اللہ ہے!

اے نبی! آپ ان سے فرما دیجیے کہ میں خود اپنی ذات کے لیے بھی کسی نفع یا نقصان کا اختیار نہیں رکھتا، سارا اختیار اللہ ربّ العزّت کا ہے، اسی لیے عذاب واقع کرنا اور قیامت لانا بھی میرے اختیار میں نہیں ہے، جب اللہ ربّ العزّت کو منظور ہوگا قیامت آجائے گی، اور حقیقت یہ ہے کہ قیامت کا اور ہر اُمّت پر عذاب بھیجنے کا وقت اللہ ربّ العزّت کے ہاں مقرر ہے، جب وہ وقت آجاتا ہے تو اس سے نہ ایک لمحہ پیچھے ہٹ سکتا ہے نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔ اور تم یہ بتاؤ کہ عذاب تو جب آئے

گا آجائے گا، تم عذاب مانگنے میں اتنی جلدی کیوں کر رہے ہو؟ یعنی عذاب تو سخت چیز اور پناہ مانگنے کی چیز ہے نہ کہ جلدی مانگنے کی، تو تمہارا یوں عذاب مانگنے میں جلدی کرنا نری حماقت ہے، جب وہ عذاب واقع ہو جائے گا تب تمہیں اس کی شدّت کا اندازہ ہوگا، اس وقت تم اس قیامت کی تصدیق کرو گے، لیکن اس وقت کی تصدیق اور ایمان کوئی فائدہ نہیں دے گا، اور اس وقت تمہیں ہمیشہ کے عذاب میں جھونک دیا جائے گا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآنِ کریم نجات کا ذریعہ ہیں!

مشرکین کی بدحالی اور آخرت میں ان پر طرح طرح کے عذابوں کے بیان کے بعد ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے اس بدحالی اور گمراہی سے نکلنے اور آخرت کے عذاب سے نجات کا ذریعہ بتایا ہے اور وہ اللہ رَبّ العزّت کی کتاب قرآن مجید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے لوگو! تمہارے پاس اللہ رَبّ العزّت کی طرف سے ایک ایسی کتاب آچکی ہے جو تمہارے لیے موعظت و نصیحت بھی ہے اور تمہارے جسمانی و روحانی امراض کے لیے شفا بھی، تمہارے لیے ہدایت اور رہنمائی بھی ہے اور باعث رحمت بھی، لہٰذا اس کو لازم پکڑو، اس کے احکامات پر عمل کرو اور اس کی منع کردہ چیزوں سے باز آجاؤ۔

اسی طرح اللہ رَبّ العزّت نے تمہارے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا جو تمہاری ہدایت اور رہنمائی کا ذریعہ ہیں، ان کی اتباع کرو اور ان دونوں نعمتوں پر خوش ہو کر اللہ رَبّ العزّت کا شکر ادا کرو۔

ان آیات سے یہ معلوم ہوا کہ قرآنِ کریم شکوک و شبہات سے شفاء کا ذریعہ اور ہدایت و رحمت تو ہے ہی، قرآنِ کریم جسمانی امراض سے بھی شفاء کا ذریعہ ہے، چنانچہ اللہ رَبّ العزّت نے ارشاد فرمایا:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝ (الاسراء)

ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ ۭ (فصلت:۴۴)

سیّدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے سینے میں درد ہے، آپ نے فرمایا کہ قرآنِ کریم کی تلاوت کرو، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "شفاء لما فی الصدور" (تفسیر در منثور)

اسی طرح امام بیہقیؒ نے روایت نقل کی ہے کہ ایک شخص کے حلق میں تکلیف تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قرآنِ کریم کی تلاوت کا حکم دیا۔ (تفسیر در منثور)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قرآن اور شہد دونوں شفاء ہیں۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مشہور تھا کہ مریض کے پاس قرآنِ کریم پڑھا جائے تو اسے مرض میں خفت محسوس ہوتی ہے، میں حضرت حیثمہ کے پاس آیا وہ بیمار تھے، میں نے کہا کہ آج آپ کی طبیعت اچھی لگ رہی ہے، انہوں نے کہا کہ آج میرے پاس قرآن پڑھا گیا ہے۔ (تفسیر درمنثور)

وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَاۤ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَاۤ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۱﴾ اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۴﴾ وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۵﴾ اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۶۶﴾

اللہ رَبّ العزّت کا "علم" ہر چیز کو محیط ہے!

مذکورہ بالا آیات میں سے پہلی آیت میں اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر اپنے علم کی بے مثال وسعت کو بیان فرمایا کہ اے نبی! آپ جس کام اور جس حال میں بھی ہوتے ہیں یا قرآن پڑھتے ہیں، ہم اس سے واقف ہیں، اسی طرح تمام انسان جو بھی عمل کریں وہ ہماری نظروں کے سامنے ہوتے ہیں، زمین و آسمان کا ایک ذرہ بھی ہم سے چھپا ہوا نہیں ہے بلکہ ہر چیز لوحِ محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔

"اولیاء اللہ" کا اِنعام

اپنے علم کی وسعت بیان کرنے کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے اولیاء اللہ کی پہچان او دُنیا اور آخرت میں ان کے فضائل اور ان کے لیے بشارتوں کا ذِکر فرمایا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اولیاء اللہ دنیا اور آخرت میں خوف اور غم سے محفوظ رہیں گے، دنیا کے غموں سے محفوظ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح دنیا والے دنیا کے افکار و آلام میں ہر وقت گھرے رہتے ہیں، ذرا سی تکلیف و پریشانی پر ان کی جان جانے لگتی ہے، ان افکار و آلام سے اولیاء اللہ محفوظ رہتے ہیں، کیونکہ ان پر ہر دم اللہ رَبّ العزّت کی خشیت اور اس کی عظمت کا احساس چھایا رہتا ہے جس کی وجہ سے دُنیا کی رنج و راحت ان کی نظروں میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

"اولیاء اللہ" کون ہوتے ہیں؟

اولیاء اللہ کی پہچان اور ان کی تعریف کیا ہے؟ یہ بتانے کے لیے اللہ رَبّ العزّت نے اپنے اولیاء کی دو صفات بیان فرمائی ہیں، جو کہ درج ذیل ہیں:

۱-ایمان کے پختہ ہوں۔ ۲-ان میں تقویٰ کی صفت موجود ہو، ان کے دل میں اللہ ربّ العزّت کا ڈر موجود ہو، خشیت باری تعالیٰ سے ان کے دل آباد ہوں، وہ اللہ ربّ العزّت کے احکام بجالاتے ہوں اور اس کے منع کردہ امور سے دور بھاگتے ہوں، یہی لوگ اس کے اولیاء کہلانے کے حقدار ہیں۔ انہی لوگوں کو دنیا میں بھی اللہ ربّ العزّت کی طرف سے خوشخبری ہے اور آخرت میں بھی، آخرت کی خوشخبری سے مراد جنّت کی خوشخبری ہے اور دنیا کی خوشخبری سے مراد یہ ہے کہ عام مسلمان بغیر کسی غرض کے اس سے محبت کریں گے اور اسے اچھا سمجھیں گے۔ (معارف القرآن)

''اولیاء اللہ'' کی نشانیاں

مذکورہ آیت میں اولیاء اللہ کی دو علامات بیان کی گئی ہیں: ۱-ایمان ۲-تقویٰ۔

''تقویٰ'' کے مختلف درجات ہیں، اس لیے سیّدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے تقویٰ کے اعتبار سے اولیاء اللہ کی درج ذیل نشانیاں بیان فرمائی ہیں:

۱-شب بیداری کی وجہ سے چہرہ زرد ہو۔

۲-رونے کی کثرت کی وجہ سے آنکھوں کے اردگرد گڑھے پڑے ہوں۔

۳-بھوک و افلاس کی وجہ سے پیٹ گھسا ہوا ہو۔

سیّدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے اولیاء اللہ کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ:

۴-جنہیں دیکھ کر اللہ یاد آجائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ آپ ان کی باتوں پر غمگین نہ ہوں، اللہ ربّ العزّت آپ کے ساتھ ہے، عزت اور ذلت اسی کے ہاتھ میں ہے، وہ آپ کو عزت دے گا، زمین و آسمان کی ہر چیز کا مالک وہی ہے، اس لیے آپ تسلی رکھیں۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ۝ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓىِٕفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ۝ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَاۗءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۭ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰي قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ۝

حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ

یہاں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی اور کفار و مشرکین کو تنبیہ کرنے کے لیے کچھ انبیاء علیہم السلام اور ان کی قوموں کے تذکرے بطور نمونے ذکر کیے جا رہے ہیں جنہیں ان کی قوم نے جھٹلایا اور ان کی تکذیب کی، لیکن اللہ ربّ العزّت نے انہیں سرخرو فرمایا اور تکذیب کرنے والوں کو ہلاک کر دیا۔ سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا ذِکر فرمایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ آپ ان کو نوح علیہ السلام کا واقعہ پڑھ کر سنایئے، نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ اے میری قوم اگر تم کو میرا تمہیں وعظ و نصیحت کرنا ناگوار لگتا ہے تو اس میں میرا کوئی نقصان نہیں، میں اپنے پروردگار پر بھروسہ کرتا ہوں، تمہیں میرے ساتھ جو کرنا ہے وہ کر گزرو، میں اپنے اس کام سے باز نہیں آؤں گا جو اللہ ربّ العزّت نے میرے ذمہ لگایا ہے۔ اور میں اس تبلیغ اور وعظ و نصیحت پر تم سے کوئی معاوضہ بھی نہیں مانگتا کیونکہ میرا معاوضہ اللہ ربّ العزّت کے ذمے ہے، اس پر اثر موعظت کے باوجود ان کی قوم ان کو جھٹلاتی رہی، جس کی وجہ سے اللہ ربّ العزّت نے ان پر اپنا عذاب مسلط فرمایا، ایک طوفان آیا جس میں وہ سب ڈوب کر ہلاک ہو گئے، صرف حضرت نوح علیہ السلام اور وہ چند لوگ بچ گئے جو حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے، اور انہیں اللہ ربّ العزّت نے زمین میں آباد کر دیا۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد اللہ ربّ العزّت نے مزید کئی رسولوں کو دُنیا میں مبعوث فرمایا، وہ اپنی قوموں کے پاس واضح معجزات اور نشانیاں لے کر آئے، لیکن ان کے ساتھ بھی ان کی قوموں نے وہی سلوک کیا جو حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ کیا گیا اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب کا شکار ہوئے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ۝
فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْۤا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ۝ قَالَ مُوْسٰۤى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ
اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ۝ قَالُوْۤا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا
الْكِبْرِيَآءُ فِى الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ۝ وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِىْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ۝ فَلَمَّا جَآءَ
السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤى اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ۝ فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ
اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ۝ وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ۝
فَمَاۤ اٰمَنَ لِمُوْسٰۤى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ
فِى الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ۝ وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ
مُّسْلِمِيْنَ۝ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۝ وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ
الْكٰفِرِيْنَ۝ وَاَوْحَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا
الصَّلٰوةَ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ۝

حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا تذکرہ

پھر اللہ ربّ العزّت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا۔ انہیں فرعون اور اس کی قوم کے پاس بھیجا گیا تھا، جب یہ اس کے پاس پہنچے اور اسے اللہ ربّ العزّت کا پیغام سنایا تو انہوں نے تکبر کرتے ہوئے باری تعالیٰ کے پیغام کو ماننے سے انکار کردیا، اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے معجزات دکھائے، جسے دیکھ کر بجائے حق قبول کرنے کے وہ کہنے لگے کہ یہ تو جادو ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر الزام لگاتے ہوئے کہنے لگے کہ آپ ہمارے پاس اس لیے آئے ہیں کہ ہمیں ہمارے باپ دادا کے طریقوں سے ہٹادیں اور اس لیے کہ آپ دونوں کو دنیا میں سرداری اور ریاست مل جائے، لہٰذا ہم کبھی تمہاری اطاعت نہیں کریں گے۔

اس کے بعد فرعون نے اپنے سرداروں اور کابینہ کے اراکین سے کہا کہ میرے پاس ملک کے طول وعرض سے تمام ماہر جادوگروں کو حاضر کرو، جب وہ آگئے تو انہیں موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ پر آمادہ کیا اور انہیں بھاری انعامات کی پیشکش کی، چنانچہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ پر رضامند ہوگئے، جب مقابلہ ہوا تو موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ جو کچھ تمہیں ڈالنا ہے ڈال دو، انہوں نے رسیاں زمین پر ڈال دیں جو سانپ بن کر زمین پر دوڑنا شروع ہوگئیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ یہ جو کچھ تم بنا کر لائے ہو یہ جادو ہے، اور جادو حق کے مقابلہ میں کبھی نہیں ٹھہر سکتا، بلکہ اللہ ربّ العزّت اسے ختم کردیتے ہیں اور حق کا بول بالا فرماتے ہیں۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ ربّ العزّت کے حکم سے اپنا عصا زمین پر ڈالا تو وہ ایک بڑا اژدھا بن کر ان سب رسیوں کو جو سانپوں کی شکل میں لگ رہی تھیں کونگل گیا اور یوں حق واضح ہوگیا اور جادو اور کفر ناکام اور نامراد ہوگیا۔

''جادو ٹونے'' کا بہترین علاج!

بہت سے علمائے کرام نے سورۂ یونس کی آیت نمبر ۸۱ اور ۸۲ کو سحر اور جادو کے توڑ کا ذریعہ بتایا ہے، نیز اس آیت کے روزانہ تین مرتبہ پڑھنے سے آدمی جادو سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ اس سلسلے میں درج ذیل عمل مجرب ہے، عاجز نے بہت سے لوگوں کو یہ عمل بتایا اور وہ ٹھیک ہوگئے۔

۱۔ درود ابراہیمی (۳ مرتبہ) ۲۔ سورۂ فاتحہ (۳ مرتبہ)
۳۔ آیت الکرسی (۳ مرتبہ) ۴۔ سورۂ کافرون (۳ مرتبہ)
۵۔ سورۂ اخلاص (۳ مرتبہ) ۶۔ سورۂ فلق (۳ مرتبہ)
۷۔ سورۂ ناس (۳ مرتبہ) ۸۔ درج ذیل آیت (۷ مرتبہ)

فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ۝
وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ۝

بنی اسرائیل کا فرعون سے خوف اور باری تعالیٰ سے دُعا

یہ واضح اور صریح معجزہ دیکھنے کے باوجود ان کی قوم میں سے بہت کم لوگ ایمان لائے، وہ بھی فرعون اور اپنے دیگر حکام سے ڈرتے ڈرتے کہ کہیں ان کو ہمارے ایمان کا علم نہ ہو جائے اور وہ ہمیں تکلیف نہ پہنچائیں، کیونکہ فرعون اپنے دور کا بہت طاقتور اور ظالم حکمران تھا، وہ اپنے مخالفین کو بہت سخت سزائیں دیا کرتا تھا، ان کے ہاتھ اور پاؤں میں میخیں ٹھونک دیتا تھا، اس وجہ سے لوگ اس سے بہت زیادہ ڈرتے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب دیکھا کہ یہ لوگ فرعون سے خوفزدہ ہیں تو آپ نے انہیں تسلی دی اور فرمایا کہ اے میری قوم اگر تم سچے دل سے اللہ رَبّ العزّت پر ایمان رکھتے ہو تو خوف نہ کرو، اللہ رَبّ العزّت پر توکل اور بھروسہ رکھو، وہ سب ٹھیک کر دے گا، قوم نے جواب دیا کہ ہم اللہ رَبّ العزّت پر توکل اور بھروسہ کرتے ہیں اور اس سے دُعا بھی کرتے ہیں کہ اے پروردگار! ہمیں ان ظالم لوگوں کے لیے تختۂ مشق نہ بنا اور ہم کو اپنی رحمت کے صدقے ان کافروں سے نجات عطا فرما۔ اللہ رَبّ العزّت نے ان کی دُعا قبول فرمائی اور حضرت موسیٰ وحضرت ہارون علیہما السلام کو حکم دیا کہ آپ اپنی قوم کے لیے مصر میں نئے گھر بنوائیں جن کا رخ قبلہ کی جانب ہو اور نماز کے اوقات میں تم سب اپنے انہی گھروں میں نماز ادا کرتے رہو، عبادت خانوں میں حاضری سردست ان مخصوص حالات کی وجہ سے معاف ہے، اور انہیں خوشخبری سنا دیجیے کہ بہت جلد یہ مصیبت ختم ہو جائے گی۔

فائدہ:۔ گزشتہ تمام اُمتوں کے لیے حکم یہ تھا کہ ان کی نماز اور عبادت اپنے گھروں میں ادا نہیں ہوتی تھی بلکہ انہیں عبادت خانہ میں جا کر عبادت کرنی ہوتی تھی، بنی اسرائیل بھی اسی حکم کے پابند تھے، لیکن فرعون چونکہ ان پر ظلم کرتا تھا اور طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتا تھا، اس لیے ان مخصوص حالات کی وجہ سے عارضی طور پر ان کو یہ اجازت دی گئی کہ وہ اپنی عبادت گھروں میں ادا کر سکتے ہیں۔

اُمتِ محمدیہ کو اللہ رَبّ العزّت نے یہ خصوصی سہولت عطا فرمائی ہے کہ وہ تمام روئے ارض پر جس جگہ چاہیں نماز ادا کر سکتے ہیں، ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خصوصیات بیان فرماتے ہوئے ایک خصوصیت یہ ذکر فرمائی کہ میرے لیے ساری زمین کو مسجد بنا دیا گیا ہے۔ (صحیح بخاری: ۳۳۵)

وَقَالَ مُوسَىٰ رَبَّنَآ إِنَّكَ ءَاتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَأَهُۥ زِينَةً وَأَمْوَٰلًا فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا ۖ رَبَّنَا لِيُضِلُّوا۟ عَن
سَبِيلِكَ ۖ رَبَّنَا ٱطْمِسْ عَلَىٰٓ أَمْوَٰلِهِمْ وَٱشْدُدْ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوا۟ حَتَّىٰ يَرَوُا۟ ٱلْعَذَابَ ٱلْأَلِيمَ ۝ قَالَ
قَدْ أُجِيبَت دَّعْوَتُكُمَا فَٱسْتَقِيمَا وَلَا تَتَّبِعَآنِّ سَبِيلَ ٱلَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَجَٰوَزْنَا بِبَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ ٱلْبَحْرَ
فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُودُهُۥ بَغْيًا وَعَدْوًا ۖ حَتَّىٰٓ إِذَآ أَدْرَكَهُ ٱلْغَرَقُ قَالَ ءَامَنتُ أَنَّهُۥ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا ٱلَّذِىٓ ءَامَنَتْ
بِهِۦ بَنُوٓا۟ إِسْرَٰٓءِيلَ وَأَنَا۠ مِنَ ٱلْمُسْلِمِينَ ۝ ءَآلْـَٔـٰنَ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنتَ مِنَ ٱلْمُفْسِدِينَ ۝ فَٱلْيَوْمَ
نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ ءَايَةً ۚ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ ٱلنَّاسِ عَنْ ءَايَٰتِنَا لَغَٰفِلُونَ ۝ وَلَقَدْ بَوَّأْنَا بَنِىٓ

إِسْرَآءِيلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ
بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۳﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرعون کو بددُعا

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب فرعون کی اصلاح سے بالکل مایوس ہو گئے اور آپ کو یقین ہو گیا کہ یہ ایمان نہیں لائے گا اور حق کی مخالفت پر کمر بستہ رہے گا تو آپ نے اللہ ربّ العزّت سے دُعا کی کہ اے پروردگار! آپ نے فرعون اور اس کی قوم کو دنیا کی زیب وزینت کا ساز وسامان بہت عطا فرمایا ہے، جس کا اثر یہ ہے کہ وہ لوگوں کو آپ کے راستے سے گمراہ کرتے ہیں، اس لیے آپ ان کے اموال کی صورت بدل کر مسخ اور بے کار فرما دیں، اور ان کے دلوں کو مزید سخت کر دیں تا کہ وہ دردناک عذاب کا مزہ چکھ سکیں۔ اللہ ربّ العزّت نے ان کی دُعا قبول فرمائی اور حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو اطلاع بھی فرما دی کہ ہم نے آپ دونوں کی دُعا قبول کر لی ہے، اب آپ اپنے منصبی فرائض سر انجام دینے میں مشغول رہیں اور جاہلوں کی پیروی نہ کریں۔

اس بددُعا کا اثر یہ ظاہر ہوا کہ فرعون اور اس کی قوم کے تمام زیورات اور نقد سکے اور باغوں کھیتوں کی سب پیداوار پتھروں کی شکل میں تبدیل ہو گئے۔ (معارف القرآن)

فرعون کی ہلاکت اور بنی اسرائیل کی نجات

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ اپنی قوم کو لے کر یہاں سے ہجرت کر جائیں، آپ نے بنی اسرائیل کو ساتھ لیا اور مصر سے نکل گئے، فرعون کو جب علم ہوا تو وہ اپنا لشکر لے کر ان کے پیچھے چلا، راستے میں ایک دریا پڑتا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام جب وہاں پہنچے تو اللہ ربّ العزّت کے حکم سے اس دریا پر اپنا عصا مارا، جس سے دریا میں بارہ راستے بن گئے اور ساری قوم پار ہو گئی، اتنے میں فرعون بھی وہاں پہنچ چکا تھا، اس نے بھی اپنے لشکر کو دریا میں اتار دیا، جب سارا لشکر دریا کے درمیان پہنچا تو اللہ ربّ العزّت کے حکم سے دریا جاری ہو گیا اور فرعون اپنے لشکر سمیت دریا کی موجوں کی نذر ہو کر ڈوب گیا۔

جب فرعون ڈوبنے والا تھا تو اس وقت اس نے اللہ ربّ العزّت پر ایمان لانے کا اعلان کیا اور کہنے لگا کہ میں بنی اسرائیل کے معبود پر ایمان لاتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، لیکن اللہ ربّ العزّت نے اس کے اس ایمان کو رد فرما دیا اور ارشاد فرمایا کہ اب تم مسلمان ہوتے ہو، اب ایمان اور اسلام کا وقت گزر چکا، جب زندگی تھی اور قوت اور طاقت تھی تب زمین میں فساد کرتے رہے اور اللہ ربّ العزّت کی مخلوق کو ستاتے رہے، ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑتے رہے، تمہارا یہ ایمان اب تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا۔

اس سے ثابت ہوا کہ عین موت کے وقت کا ایمان لانا اور اس وقت توبہ کرنا شرعاً معتبر نہیں ہے۔ حدیث پاک میں

ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ اس وقت تک قبول فرماتے رہتے ہیں جب تک غرغرۂ موت کا وقت نہ آجائے۔ (مستدرک حاکم: ۷۶۶۳) غرغرہ موت سے مراد وہ وقت ہے جب نزع کے وقت فرشتے سامنے آجاتے ہیں۔ اس وقت دنیا کی زندگی ختم ہوکر آخرت کے احکام شروع ہوجاتے ہیں، اس لیے اس وقت کا کوئی عمل قابلِ قبول نہیں ہے۔

فرعون کی لاش محفوظ رہے گی!

فرعون کی ہلاکت کا واقعہ ذکر کرنے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ ہم اس کی لاش کو پانی سے نکال دیں گے تاکہ تمہارا بدن بعد والوں کے لیے عبرت کا نشان بن جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل نے جب دریا پار کرلیا تو موسیٰ علیہ السلام نے انہیں فرعون کی ہلاکت کی خبر سنائی تو وہ لوگ فرعون سے اس قدر مرعوب تھے کہ انہیں اس خبر پر یقین نہ آیا اور کہنے لگے کہ فرعون ہلاک نہیں ہوا۔ اللہ ربّ العزّت نے دریا کی ایک موج کے ذریعہ فرعون کی مردہ لاش کو ساحل پر ڈال دیا، جس کو سب نے دیکھا اور اس کے ہلاک ہونے کا یقین آیا، اور اس کی لاش سب کے لیے نمونۂ عبرت بن گئی۔ مشہور ہے کہ فرعون کی لاش آج بھی قاہرہ، مصر کے عجائب گھر میں محفوظ ہے۔

بنی اسرائیل پر خدا کے اِنعامات اور ان کی ہٹ دھرمی

فرعون کی ہلاکت کے بعد اللہ ربّ العزّت نے بنی اسرائیل کو عروج عطا فرمایا، انہیں اچھا ٹھکانہ دیا گیا، ملک مصر کی بادشاہت اور حکومت ان کو مل گئی، اس کے علاوہ اردن اور فلسطین کی مقدس زمین بھی ان کو مل گئی، انہیں پاکیزہ اور حلال رزق عطا فرمایا اور دنیا کی تمام لذائذ اور راحتیں انہیں نصیب کردیں، لیکن افسوس کہ انہوں نے اقتدار پانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر نہ کی اور اس کی اطاعت سے پھر گئے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد آپ پر ایمان لانے سے انکار کردیا، حالانکہ ان یہود کو اپنی کتابوں کے ذریعہ پہلے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا علم تھا، اس کے باوجود آپ کی بعثت کے بعد آپس میں اختلاف کرنے لگے، کچھ لوگ ایمان لائے اور باقیوں نے انکار کردیا، اللہ ربّ العزّت فرماتے ہیں کہ ہم ان کے اس اختلاف کا قیامت کے روز فیصلہ فرمادیں گے، حق اور باطل واضح ہوجائے گا، اہلِ حق جنّت میں جائیں گے جبکہ اہلِ باطل جہنّم کا ایندھن بنیں گے۔

فَلَوۡلَا كَانَتۡ قَرۡيَةٌ اٰمَنَتۡ فَنَفَعَهَاۤ اِيۡمَانُهَاۤ اِلَّا قَوۡمَ يُوۡنُسَ ۚ لَمَّاۤ اٰمَنُوۡا كَشَفۡنَا عَنۡهُمۡ عَذَابَ الۡخِزۡىِ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَمَتَّعۡنٰهُمۡ اِلٰى حِيۡنٍ ۞ وَلَوۡ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنۡ فِى الۡاَرۡضِ كُلُّهُمۡ جَمِيۡعًا ؕ اَفَاَنۡتَ تُكۡرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ ۞ وَمَا كَانَ لِنَفۡسٍ اَنۡ تُؤۡمِنَ اِلَّا بِاِذۡنِ اللّٰهِ ؕ وَيَجۡعَلُ الرِّجۡسَ عَلَى الَّذِيۡنَ لَا يَعۡقِلُوۡنَ ۞

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا تذکرہ

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا ایک حیرت انگیز واقعہ ذکر فرما کر دوسری امتوں سے شکوہ فرمایا کہ ایسا کیوں نہ ہوا کہ گزشتہ قومیں جنہوں نے ہمارے احکام کو جھٹلایا وہ ایسے وقت میں ایمان لے آتیں کہ ان کا ایمان ان کو نفع دیتا یعنی موت کے وقت یا عذاب میں مبتلا ہونے سے پہلے اپنی سرکشی سے باز آجاتیں، سوائے حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کے کہ انہوں نے ایسا وقت آنے سے پہلے ہی جب اللہ تعالیٰ کا عذاب آتا دیکھا تو فوراً توبہ کرلی اور ایمان لے آئے، جس کی وجہ سے ہم نے ان سے رسوا کرنے والا عذاب ہٹالیا۔

ان کا تفصیلی واقعہ یہ ہے کہ حضرت یونس بن متی علیہ السلام کو اللہ ربّ العزّت نے عراق میں موصل کے مشہور مقامِ نینوئی میں مبعوث فرمایا تھا، ان کی قوم کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی، انہوں نے ایمان لانے سے انکار کیا تو اللہ ربّ العزّت نے حضرت یونس علیہ السلام کو حکم دیا کہ انہیں آگاہ کر دو کہ تین دن کے اندر اندر تم پر عذاب آنے والا ہے، حضرت یونس علیہ السلام نے قوم میں اس کا اعلان کردیا، اور رات کو بستی سے چلے گئے، صبح ہوئی تو عذاب الٰہی ایک سیاہ دھوئیں اور بادلوں کی شکل میں ان کے سروں پر منڈلانے لگا، یہ دیکھ کر ان سب کو یقین ہوگیا کہ ہم ہلاک ہونے والے ہیں، یہ دیکھ کر حضرت یونس علیہ السلام کو تلاش کرنے چلے گئے کہ ان کے ہاتھ پر ایمان لے آئیں اور توبہ کرلیں، مگر حضرت یونس علیہ السلام کو نہ پایا، تو خود ہی اخلاص کے ساتھ توبہ اور استغفار میں لگ گئے اور بستی سے نکل کر ایک میدان میں آگئے، عورتیں بچے اور جانور سب اس میدان میں جمع کردیے گئے تھے، ٹاٹ کے کپڑے پہن کر عجز وزاری کے ساتھ توبہ کرنے اور عذاب سے پناہ مانگنے میں اس طرح مشغول ہوئے کہ پورا میدان آہ وبکا سے گونجنے لگا، باری تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور عذاب ان سے ہٹادیا۔

تفاسیر میں مذکور ہے عذاب کو دیکھ کر قوم نے سچے دل سے توبہ کی، گڑگڑا کر روتے رہے، ان کے رونے کی وجہ سے بے حد شور بپا ہوا، ایک دوسرے پر کیے گئے مظالم کا مداوا کیا، ایک دوسرے کے حقوق ادا کیے، حتیٰ کہ اگر کسی نے کسی جگہ سے پتھر اکھاڑا تھا، تو اسے اس مقام پر واپس جا کر رکھا، اور عذاب کے ازالے کے لیے درج ذیل دعائیں پڑھتے رہے:

دفعِ عذاب کی دُعائیں

۱- یاحی حین لاحی محیی الموتی ویاحی لا الہ الا انت۔

۲- اللھم ان ذنوبنا قد عظمت وجلت وانت اعظم منھا واجل افعل بنا ما انت اھلہ ولا تفعل بنا ما نحن اھلہ۔

اے اللہ! ہمارے گناہ بہت بڑے ہیں، لیکن تو ان سے زیادہ بڑا اور جلال والا ہے، ہمارے ساتھ وہ معاملہ کر جو تیری شان کے لائق ہے وہ معاملہ نہ کر جو ہماری حالت کے لائق ہے۔

یکم ذی الحجہ سے دس محرم تک یہ دُعائیں مانگتے رہے، اس سے عذاب ٹل گیا۔ (روح البیان)

اس واقعے سے معلوم ہوا کہ دنیا کا عذاب سامنے آنے پر بھی توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوتا بلکہ توبہ قبول ہو سکتی ہے، البتہ آخرت کے احوال شروع ہو جانے سے توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ اگر آپ کا ربّ چاہتا تو تمام روئے زمین کے لوگ سب کے سب ایمان لے آتے، مگر بعض حکمتوں کی وجہ سے ایسا نہ چاہا، اس لیے سب ایمان نہیں لائے، آپ کسی کو زبردستی ایمان لانے پر مجبور نہیں کر سکتے، ہدایت دینا اللہ ربّ العزّت کے ہاتھ میں ہے، وہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے کفر کی گندگیوں میں مبتلا رہنے دیتا ہے۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۖۚ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَۙ۝ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۝ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ۝ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۝ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍؕ۝ وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۖۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ۝

دِینِ اسلام کی حقیقت

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی دین اسلام کی حقیقت بیان فرمائی ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ اے نبی! آپ ان سے کہہ دیجیے کہ اگر تم میرے دین کے بارے میں شک اور تردد میں ہو تو میں تمہیں اس کی حقیقت بتاتا ہوں، وہ یہ ہے کہ میں صرف اللہ ربّ العزّت کی عبادت کرتا ہوں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا، اسی اللہ ربّ العزّت کے احکامات کی پیروی کرتا ہوں، اور اس نے مجھے یہ حکم دیا ہے کہ میں ایمان والوں میں سے رہوں، اور یہ حکم دیا ہے کہ میں اپنے آپ کو اس دین کی طرف ہی متوجہ رکھوں اور دوسرے سب باطل طریقوں سے منہ پھیر لوں، اس نے مجھے شرک کرنے سے اور ان باطل معبودوں کو پکارنے سے منع فرمایا ہے جو نہ کسی کو نفع پہنچانے پر قادر ہیں اور نہ نقصان پہنچانے پر، اور اگر میں نے ایسا کیا تو میں ظلم کرنے والوں میں سے ہو جاؤں گا۔

اور میرا اس بات پر یقین ہے کہ اگر اللہ ربّ العزّت کسی کو نقصان پہنچانا چاہے تو اس کو کوئی ہٹانے اور دور کرنے والا نہیں، اور اگر وہ کسی کو کوئی راحت پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اس نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے دین حق بھیج دیا ہے، لہٰذا اب جو کوئی حق کو قبول کر کے راہِ راست پر آنا چاہے تو اس میں اس کا نفع ہے، اور جو کوئی گمراہی کو اختیار کرے گا تو اس کا وبال اسی پر ہوگا، میں کسی کے کسی عمل کا ذمہ دار نہیں ہوں اور نہ ہی مجھ سے کسی کے عمل کی باز پرس ہوگی۔

سورت کے آخر میں اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لیے فرمایا کہ آپ صرف وحی کی اتباع کرتے رہیے، اور کفار و مشرکین کی ایذاؤں پر صبر کیجیے، عنقریب اللہ رَبّ العزّت ان کا فیصلہ فرمادیں گے اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں میں اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱- سورت کے آغاز میں اللہ رَبّ العزّت نے اپنی قدرت کے چند نمونے بیان فرما کر اپنی توحید کو ثابت فرمایا ہے۔

۲- سورت میں کفار کے باطل اور غلط نظریات اور عقائد کو ذکر کر کے ان کی تردید کی گئی ہے۔

۳- مختلف انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کی قوموں کا تذکرہ فرما کر کفار و مشرکین کو تنبیہ کی گئی ہے۔

۴- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جا بجا کفار کی طرف سے ملنے والی ایذاؤں اور تکالیف و مصائب پر صبر کی تلقین اور تسلی دی گئی ہے۔

۵- اولیاء اللہ کی تعریف، ان کی پہچان اور ان کے لیے دنیا اور آخرت میں ملنے والے انعامات کی خوشخبری اس سورت میں سنائی گئی ہے۔

۶- سورت میں آخرت کے احوال اور اہل ایمان و کفار کا اخروی انجام بھی ذکر کیا گیا ہے۔

تمت سورۃ یونس بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَۃُ هُوْد

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب میں گیارہویں اور نزول کے اعتبار سے باون (۵۲) نمبر پر ہے، دس رکوع اور ایک سوتیئس (۱۲۳) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہ تسمیہ

اس سورت میں حضرت ہود علیہ السلام کا قصہ جتنی طوالت سے بیان ہوا ہے، کسی اور سورت میں بیان نہیں ہوا، اور سورت میں ان کا نام پانچ مرتبہ ذکر کیا گیا ہے، اس لیے اس سورت کا نام سورۂ ہود رکھا گیا ہے۔

فائدہ:- یہاں قرآن کریم نے یکے بعد دیگرے تین سورتوں کے نام حضرات انبیاء علیہم السلام کے نام کے ساتھ موسوم فرمائے ہیں: ۱-یونس، ۲-ہود، ۳-یوسف، ان تینوں سورتوں میں واقعہ کے آخر میں ذکر کی گئی آیات پوری سورت کا پیغام ہوتا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں انبیاء علیہم السلام کے اجمالی تذکرے کیے گئے تھے، اس سورت میں ان کے تفصیلی احوال بیان کیے گئے ہیں۔ اس ضمن میں سات انبیاء علیہم السلام کے قصے مذکور ہیں:

۱-حضرت نوح علیہ السلام　　۲-حضرت ہود علیہ السلام　　۳-حضرت صالح علیہ السلام
۴-حضرت ابراہیم علیہ السلام　　۵-حضرت لوط علیہ السلام　　۶-حضرت شعیب علیہ السلام
۷-حضرت موسیٰ علیہ السلام

سورت کی فضیلت

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک میں کچھ بال سفید ہو گئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ بوڑھے ہو گئے ہیں، آپ نے فرمایا کہ ہاں! مجھے سورۂ ہود، سورۂ واقعہ، سورۂ مرسلات، عم یتساءلون اور سورۂ تکویر نے بوڑھا کر دیا۔ (سنن ترمذی: ۳۲۹۷)

اس سورت کی آیت نمبر ۱۱۲ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا "فاستقم کما امرت ومن تاب معک" آپ اور آپ کے متبعین ہمارے حکم کے مطابق استقامت اور ثابت قدمی اختیار کریں، یہ حکم شاق اور دشوار تھا کہ حق تعالیٰ کی مرضی کے مطابق استقامت ہو، اسی حکم کی وجہ سے آپ کی کمر ٹوٹنے لگی، اس حکم نے آپ کو بوڑھا کر دیا۔

مرکزی موضوع

سورت میں استقامت اختیار کرنے اور اعتدال پر قائم رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

عمومی مضامین

۱۔سورت میں حضرت نوح علیہ السلام سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک مختلف انبیاء علیہم السلام کے واقعات ذکر فرما کر یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا عقیدہ ایک رہا ہے، سب انبیاء کرام علیہم السلام نے توحید کی ہی دعوت دی ہے۔

۲۔سورت میں مختلف انبیاء کرام علیہم السلام کے اپنی قوموں کے ساتھ حالات کو ذکر کیا گیا ہے کہ کیسے ان کو اپنی قوم سے تکالیف اور مصائب پہنچیں اور انبیاء کرام علیہم السلام نے ان پر صبر واستقامت سے کام لیا۔

۳۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور آپ کے پیغام اور دعوت کی سچائی کو اس سورت میں ثابت کیا گیا ہے۔

۴۔سورت میں اللہ ربّ العزّت کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد آپ کی اُمّت کو استقامت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ نیز حد سے تجاوز نہ کرنے اور ظالموں کی جانب میلان نہ کر کے اعتدال پر قائم رہنے کی تلقین کی گئی ہے، گویا کہ تین احکام بیان کیے گئے:

۱۔استقامت ۲۔سرکشی اختیار نہ کرنا، حد سے تجاوز نہ کرنا

۳۔دشمنوں کی جانب میلان نہ کرنا

یہی تین چیزیں کامیابی کا ذریعہ ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝۱ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۝۲ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ۝۳ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۴ اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ ۙ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۵

پارہ نمبر ۱۲

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۚ كُلٌّ فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۞

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَی الْمَآءِ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۚ

وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۞

اِسلام کے بنیادی عقائد

سورت کی ان ابتدائی آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اسلام کے بنیادی عقائد کو بیان فرمایا ہے، ان میں توحید کا بھی ذکر ہے، اور رسالت کا بھی، قیامت کا بیان بھی ہے اور حقانیت قرآن بھی، سب سے پہلے قرآن کی حقانیت کو بیان فرمایا کہ یہ ایسی کتاب ہے جس کی آیات بالکل واضح اور درست ہیں، ان میں کسی غلطی کا احتمال نہیں ہے، اور اس میں تمام آیات کو کھول کھول کر اور مختلف اوقات میں نازل کیا گیا ہے تاکہ ان کو یاد کرنا بھی آسان ہو اور ان پر عمل کرنا بھی آسان ہو جائے۔

اس کے بعد توحید کو بیان فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت کے علاوہ کسی کی عبادت اور پرستش نہ کی جائے، عبادت کے لائق صرف وہی ہے، اس کے علاوہ کوئی عبادت کا حقدار اور لائق نہیں ہے۔

توحید کے بعد رسالت کو ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے نبی! آپ سارے جہان کے لوگوں سے کہہ دیجیے کہ میں تمہاری طرف اللہ ربّ العزّت کی طرف سے ڈرانے والا اور خوشخبری دینے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں، یعنی جو لوگ نافرمانی اور اپنے نفس کی خواہشات کی اتباع میں مصروف رہتے ہیں ان کو اللہ ربّ العزّت کے عذاب سے ڈراتا ہوں اور نیکی اختیار کرنے والوں کو آخرت کی نعمتوں کی خوشخبری سناتا ہوں۔

منافقین کا ''نفاق'' اور ''کفر'' اللہ ربّ العزّت سے چھپا ہوا نہیں

منافقین اپنے دل میں اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عداوت اور بغض وعناد رکھتے تھے، اور اپنی مخالفت اور حسد کو چھپانے کی کوشش کرتے تھے تاکہ ان کی اصلیت کسی کو معلوم نہ ہو سکے، اللہ ربّ العزّت نے ان آیات میں یہ حقیقت واضح فرما دی کہ ان کے اس طرح اپنے حسد اور بغض پر پردہ ڈالنے سے وہ چھپ نہیں سکتے، اللہ ربّ العزّت تو دلوں کے پوشیدہ رازوں کو بھی جانتے ہیں، باری تعالیٰ پر ان منافقین کا بغض اور عناد بھی واضح ہے اور وہ انہیں اس کا انجام بھی دکھائیں گے۔

ایک تفسیر کے مطابق آیت نمبر ۵ ''اَلَاۤ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ'' ان صحابہ کرام کے بارے میں نازل ہوئی جو حیا وشرم میں مبالغہ سے کام لیتے اور قضاء حاجت کے وقت بھی سینے موڑ کر شرم گاہ کو چھپانے کی کوشش کرتے، ان سے فرمایا گیا کہ تم لوگ اللہ سے نہیں چھپ سکتے۔

اللہ رَبّ العزّت ہی رازِق ہیں!

اللہ رَبّ العزّت کا ایک عظیم احسان یہ ہے کہ اس نے رزق کی کفالت اپنے ذمہ لے لی ہے، نہ صرف انسان کی بلکہ رُوئے ارض پر بسنے والے ہر جاندار کی، وہ جہاں کہیں بھی ہو اس کی روزی اللہ رَبّ العزّت اس کے پاس پہنچاتے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام جس وقت آگ کی تلاش میں کوہ طور پر پہنچے اور وہاں آگ کے بجائے تجلیات الٰہی سامنے آئیں اور ان کو نبوّت و رسالت سے سرفراز کیا گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خیال آیا کہ میں اپنی زوجہ کو جنگل میں تنہا چھوڑ کر آیا ہوں، اس کا خیال کون رکھے گا، اللہ رَبّ العزّت نے انہیں حکم دیا کہ سامنے پڑی ہوئی چٹان پر اپنا عصا ماریں، انہوں نے حکم کی تعمیل کی، تو وہ چٹان پھٹ گئی، اس کے اندر سے ایک دوسرا پتھر برآمد ہوا، حکم ہوا کہ اس پر بھی عصا ماریں، ایسا کیا تو وہ پتھر پھٹا اور اندر سے تیسرا پتھر برآمد ہوا، اس پر بھی عصا مارنے کا حکم ہوا تو وہ پتھر پھٹا، اس کے اندر ایک کیڑا تھا جس کے منہ میں ہرا پتہ تھا۔ (معارف القرآن)

تفسیر روح البیان میں ہے کہ سیّدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنگل گیا، ہم نے ایک پرندہ دیکھا جو اونچی اونچی آواز میں چلا رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جانتے ہو یہ پرندہ کیا کہہ رہا ہے؟ میں نے کہا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ پرندہ اللہ تعالیٰ سے کہہ رہا ہے کہ اے اللہ! تو نے مجھ سے بینائی لے لی، مجھے اندھا پیدا کیا، مجھے بھوک لگی ہے، مجھے رزق عطا فرما، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم اس پرندہ کو دیکھ ہی رہے تھے کہ ایک ٹڈی اڑتے ہوئے آئی اور اس کے منہ میں داخل ہو گئی، اس نے اسے چبا لیا، پھر پرندہ نے شور کیا اور چلانے لگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: انس! جانتے ہو یہ کیا کہہ رہا ہے؟ میں نے کہا: اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ کہہ رہا ہے کہ ”الحمد للہ الذی لم ینس عن ذکرہ“ یعنی تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جو اسے یاد رکھنا نہیں بھولتا۔

پھر فرمایا کہ اللہ رَبّ العزّت کا علم بھی کامل ہے، وہ ہر ایک کے عارضی اور مستقل ٹھکانے سے واقف ہے، ہر چیز اس کے پاس ایک واضح کتاب یعنی لوح محفوظ میں درج ہے۔ اس نے آسمان و زمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا، دو دن میں زمین بنائی گئی، دو دن میں زمین کے پہاڑ، دریا، درخت اور جانداروں کی غذا کا سامان بنایا گیا اور دو دن میں سات آسمان بنائے گئے، ان کے پیدا کرنے سے پہلے اللہ رَبّ العزّت کا عرش پانی پر تھا، اور یہ سب چیزیں اللہ رب العزت نے اس لیے پیدا فرمائیں تاکہ وہ ہمارا امتحان لے سکیں اور ہمیں جانچ سکیں کہ کون اچھا عمل کرنے والا ہے اور کون اپنے نفس کی خواہشات پر عمل پیرا ہو کر اللہ رَبّ العزّت کے احکامات سے منہ موڑتا ہے۔

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَـُٔوْسٌ كَفُوْرٌ ۝ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ۚ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ﴿۱۱﴾ فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ
عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَاۤ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۲﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ
فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۳﴾ فَاِلَّمْ
يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَاَنْ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾

اِنسانوں کی عمومی عادت

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے انسان کی فطری اور طبعی مزاج کا ذِکر فرما کر مسلمانوں کو اس سے بچنے کی ہدایت ہے، اور اشارہ کیا گیا ہے کہ انسان فطری طور پر غیر مستقل مزاج اور عجلت پسند ہے، ارشاد فرمایا کہ اگر ہم انسان کو کوئی نعمت عطا فرماتے ہیں اور پھر اس سے واپس لے لیتے ہیں تو وہ بہت جلد ہمت ہار جاتا ہے، ناامید اور ناشاکر بن جاتا ہے،، اور اگر اس کی تکلیف کو دور فرما کر کوئی نعمت عطا کر دیں تو اترانے لگتا ہے اور شیخی بگھارنے لگتا ہے، یعنی اللہ ربّ العزّت کی ذات پر نظر نہیں رکھتا، نعمت ملنے پر اس کا شکر نہیں کرتا اور تکلیف پہنچنے پر صبر نہیں کرتا، ایسے لوگ دنیا میں بھی پریشان رہتے ہیں اور آخرت میں بھی ان کا انجام خراب ہوگا، اس کے برعکس جو لوگ صبر سے کام لیتے ہیں اور نیک اعمال میں معروف رہتے ہیں، وہ اس سے مستثنیٰ ہیں، وہ دنیا میں بھی صبر کی برکت سے ان تکالیف و پریشانیوں سے محفوظ رہتے ہیں اور نیک اعمال کی وجہ سے آخرت میں بھی ان کے لیے نعمتیں اور بڑا اجر ہوگا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور کُفّار کو چیلنج

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کُفّار کی طرف سے ملنے والی تکالیف اور اذیتوں پر صبر کرنے کی تلقین کرتے ہوئے آپ کو تسلی دی۔ کُفّارِ مکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تنگ کرنے کے لیے من چاہی فرمائشیں کیا کرتے تھے، کبھی کہتے تھے کہ اس قرآن میں ہمارے معبودوں کو بُرا بھلا کہا گیا ہے، لہٰذا اس کی جگہ دوسرا قرآن لے آئیں یا کم از کم اسی میں ترمیم فرما دیں، کبھی کہتے کہ ہم آپ کی تصدیق تب کریں گے جب آپ پر کوئی بڑا خزانہ اترے یا کوئی فرشتہ آسمان سے نازل ہو اور وہ آپ کی تصدیق کرے، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی ان بے جا فرمائشوں سے بہت تنگ دل ہوئے تو اللہ ربّ العزّت نے آپ کی تسلی کے لیے ارشاد فرمایا کہ اے نبی! آپ ان کے کہنے پر تنگ دل ہونا چھوڑ دیں، آپ کو تو اللہ ربّ العزّت نے نذیر بنا کر بھیجا ہے، آپ اپنا کام کرتے رہیے اور ان کی باتوں کی پروا نہ کیجیے۔

حقّانیتِ قرآن پر چیلنج

مزید فرمایا کہ اگر ان کافروں کو معجزہ کی طلب ہے تو قرآن کی صورت میں ان کے پاس ایک بے نظیر معجزہ آچکا ہے، جس کو یہ جھٹلا نہیں سکتے، اور اگر یہ ضد اور ہٹ دھرمی کی بنا پر قرآن کو من گھڑت اور جھوٹا کہیں اور یہ دعویٰ کریں کہ محمد (صلی اللہ

علیہ وسلم) نے یہ قرآن اپنی طرف سے خود بنایا ہے تو تم بھی اس جیسی دس سورتیں بنا کر دکھا دو، اور اس کام میں دنیا کے سب لوگوں سے مدد بھی حاصل کرلو، تب بھی اس جیسی کوئی سورت نہیں بنا سکو گے، تو جب اس جیسی سورت بنانے سے عاجز آجاؤ تو یہ حقیقت تسلیم کرلینا کہ یہ اللہ ربّ العزّت کی طرف سے نازل کردہ ہے، کسی انسان کا کلام نہیں ہے، کیونکہ اگر کسی انسان کا کلام ہوتا تو دوسرے انسان بھی اس جیسا کلام بنا سکتے۔

پہلے قرآن جیسی دس سورتیں پیش کرنے کا چیلنج دیا گیا، اس کے بعد ایک سورت پیش کرنے کا بھی چیلنج کیا گیا کہ اگر قرآن اللہ ربّ العزّت کا کلام نہیں ہے تو تم بھی کم از کم قرآن جیسی ایک سورت تو پیش کردو۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ۝

کفّار ومشرکین کو تنبیہ

گزشتہ آیات میں اللہ ربّ العزّت نے کفّار و مشرکین کو قرآنِ کریم جیسی کتاب لانے کا چیلنج دیا تھا، ان آیات میں انہیں تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر تم قرآنِ کریم جیسی کتاب اور اس کی سورتوں جیسی کوئی سورت پیش نہیں کرسکتے تو پھر دو ہی راستے ہیں: ۱۔دُنیا، ۲۔آخرت، جو شخص صرف دُنیا کی زندگی اور زینت کا طالب ہے، اسے صرف دولت، شہرت، اولاد اور تعیش مطلوب ہے، آخرت اس کا مطمحِ نظر نہیں، تو اللہ تعالیٰ اسے دنیا کی مطلوب چیزیں تو دے دیں گے لیکن آخرت میں ان کو سوائے دوزخ کے اور کچھ بھی نہیں ملے گا، رہی دنیا میں کی گئی نیکیاں مثلاً صلہ رحمی، سخاوت، حسنِ اخلاق، یہ ساری نیکیاں ایمان اور اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے دنیا میں برباد ہوجائیں گی، آخرت میں ان کا کوئی نفع نہیں ہوگا۔

مومن اور کافر برابر نہیں ہوسکتے!

پھر اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ کیا منکرِ قرآن ایسے شخص کے برابر ہوسکتا ہے جو قرآن پر قائم ہو، اور قرآن سے پہلے جو کتابیں نازل کی گئی ہیں ان پر بھی ایمان رکھتا ہو، یعنی یہ دونوں ہرگز برابر نہیں ہوسکتے، پہلے کا ٹھکانا جہنّم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، جبکہ مومن اللہ ربّ العزّت کے فضل وکرم سے جنّت کی نعمتوں میں ہوگا۔

کچھ آیات کے بعد اللہ ربّ العزّت نے مؤمن اور کافر کے فرق کو ایک اور مثال سے واضح فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ "مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ۭ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ" کہ یہ دونوں فریق (مؤمن اور کافر) برابر نہیں ہوسکتے کیونکہ مؤمن دیکھنے اور سننے والے کی طرح ہے جبکہ کافر اندھے اور بہرے کی طرح ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ ۡ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ۝ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِیْنَ ۝ قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰىنِیْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّیَتْ عَلَیْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ۝ وَیٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَیْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّیْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۝ وَیٰقَوْمِ مَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْٓ اَعْیُنُكُمْ لَنْ یُّؤْتِیَهُمُ اللّٰهُ خَیْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ اِنِّیْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝ قَالُوْا یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝ قَالَ اِنَّمَا یَاْتِیْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ۝ وَلَا یَنْفَعُكُمْ نُصْحِیْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یُّغْوِیَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۫ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝ اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَیْتُهٗ فَعَلَیَّ اِجْرَامِیْ وَاَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ۝

حضرت نوح علیہ السلام کا تفصیلی تذکرہ

یہاں سے مختلف انبیاء کرام علیہم السلام کا تذکرہ شروع کیا جارہا ہے، جن میں سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ کیا گیا ہے، بلکہ قرآنِ کریم میں حضرت نوح علیہ السلام کا سب سے تفصیلی تذکرہ سورۂ ہود میں ہی کیا گیا ہے، جتنی تفصیل سورۃ ہود میں ذکر کی گئی اتنی سورۂ نوح میں بھی نہیں کی گئی، اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ کی اس سورت کے موضوع کے ساتھ گہری مناسبت ہے، سورت کا اہم موضوع استقامت فی الدین یعنی دین پر جمے رہنا ہے، اور حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال تک قوم کے مقابلہ میں دین پر جمے رہے، اس قصے سے مقصود جہاں دین کے لیے استقامت کو بیان کرنا ہے، وہاں یہ بھی بیان کرنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہ پکارو، اور حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اپنی مشکلات میں اللہ تعالیٰ کو پکارا تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ساڑھے نو سو سال تک دعوت ایمان دی لیکن قوم نے ان کی بات نہ مانی اور اپنی ہٹ دھرمی پر ڈٹی رہی، انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام پر کئی شبہات اور اعتراضات کیے، جن کا حضرت نوح علیہ السلام نے جواب دیا، ان آیات میں ان کا ذکر ہے۔

قوم کے حضرت نوح علیہ السلام پر اعتراضات

حضرت نوح علیہ السلام نے جب اپنی قوم کو ایمان کی دعوت دی تو قوم نے ان پر تین اعتراضات کیے:

۱۔ پہلا اعتراض یہ تھا کہ آپ تو ہمارے جیسے انسان اور آدمی ہیں، ہماری طرح کھاتے پیتے، چلتے پھرتے اور سوتے جاگتے ہیں، آپ نبی کیسے ہوسکتے ہیں؟ یعنی ان کے خیال میں کوئی بشر نبی اور رسول نہیں ہوسکتا، بلکہ اس کے لیے فرشتے کا آنا ضروری ہے۔

۲-دوسرا اعتراض یہ تھا کہ آپ پر ایمان لانے والے سب حقیر اور ذلیل قسم کے لوگ ہیں، کوئی بڑا آدمی ان میں شامل نہیں ہے، اگر آپ کی بات حق اور صحیح ہوتی تو قوم کے بڑے لوگ اس کو قبول کرتے، اور یہ بھی مسئلہ ہے کہ اگر ہم آپ پر ایمان لے آئیں تو ہمیں ان کے برابر سمجھا جائے گا، نمازوں وغیرہ میں ان کے برابر کھڑا ہونا پڑے گا جو ہمارے لیے ممکن نہیں، لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ پر ایمان لے آئیں تو ان غریبوں کو خود سے دور کر دیں۔

۳-اور تیسرا اعتراض یہ تھا کہ آپ کو ہم پر کوئی فضیلت نہیں ہے، آپ بھی ہم جیسے ہی ہیں، اس لیے ہمیں چھوڑ کر آپ کو نبوّت کیسے مل سکتی ہے، ہمارا خیال یہ ہے کہ آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔

اللہ رَبّ العزّت نے ان کے تینوں اعتراضات کا جواب ان آیات میں دیا اور پہلے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ رسول کا بشر اور انسان ہونا نبوّت یا رسالت کے منافی نہیں ہے، بلکہ یہ تو اللہ رَبّ العزّت کا فضل و کرم ہے وہ جسے چاہے اس سے نواز دے، اور وہ جسے نبوّت اور رسالت عطا فرماتے ہیں انہیں اپنی طرف سے کوئی واضح دلیل بھی عطا فرماتے ہیں، جیسے حضرت نوح علیہ السلام کو بھی عطا فرمائی، لیکن تمہاری ضد اور عناد کی وجہ سے تمہاری آنکھیں اسے دیکھنے سے قاصر ہیں۔

دوسرے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے اللہ رَبّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ نبی کی نظر کسی کے مال پر نہیں ہوتی، وہ کسی سے اپنی خدمت کا معاوضہ نہیں لیتا، اس کا معاوضہ اور اجر تو اللہ کے ذمہ ہوتا ہے، اس لیے اس کی نظر میں امیر اور غریب برابر ہوتے ہیں، پھر حضرت نوح علیہ السلام کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیجیے کہ تم جو ایمان قبول کرنے کے لیے یہ شرط پیش کر رہے ہو کہ میں غریبوں کو اپنے پاس سے نکال دوں تو یہ نہیں ہوسکتا، کیونکہ یہ اگرچہ غریب ہیں لیکن اللہ رَبّ العزّت کے نزدیک ان کی بہت قدر اور منزلت ہے، اگر میں تمہاری خوشنودی کے لیے ان کو نکال دوں تو اللہ رَبّ العزّت کی ناراضگی سے مجھے کون بچائے گا، اس لیے مجھ سے ایسی جاہلانہ خواہشات کو پورا کرنے کی امید نہ رکھو۔

اور تیسرے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے حضرت نوح علیہ السلام نے ان سے کہا کہ میں نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، یعنی میں مختارِ کل ہوں، نہ میں نے کبھی یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں عالم الغیب ہوں، نہ میں نے فرشتہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے، میں تو انسان ہوں لیکن مجھ پر اللہ رَبّ العزّت کا خصوصی فضل و احسان ہے کہ اس نے مجھے نبوّت سے نوازا، میں اس کا نبی اور رسول ہوں، یہی میری فضیلت ہے۔

قوم کی ہٹ دھرمی اور عذاب کا مطالبہ

جب حضرت نوح علیہ السلام نے ان کے سارے اعتراضات کے جواب دے دیے تو انہیں چاہیے تھا کہ آپ کی بات تسلیم کرتے اور حق کی راہ پر آجاتے، لیکن انہوں نے اپنی روش نہ چھوڑی اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کُفر اور عناد پر ہی ڈٹے رہے، بلکہ حضرت نوح علیہ السلام سے کہنے لگے کہ آپ نے ہم سے بہت بحث و مباحثہ اور جھگڑا کر لیا، اس سے کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہوا، اس لیے اب آپ ہمیں جس عذاب سے ڈراتے ہیں وہ لے آئیں، تاکہ ہم پر آپ کی بات کی سچائی

واضح ہوجائے، حضرت نوح علیہ السلام نے ان کو جواب دیا کہ عذاب لانا میرے اختیار میں نہیں، اللہ کے اختیار میں ہے، وہ جب چاہے گا تم پر عذاب بھیج دے گا، میں نے تمہیں بہت نصیحت کی لیکن تمہارے نصیب میں نصیحت قبول کرنا ہے ہی نہیں، جسے اللہ ہدایت نہ دینا چاہے اس کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۝ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ
بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝ وَیَصْنَعُ الْفُلْكَ ۫ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَیْهِ مَلَاٌ
مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ؕ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ۝ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ
یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَیَحِلُّ عَلَیْهِ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ۝ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِیْهَا مِنْ
كُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلٌ ۝ وَقَالَ
ارْكَبُوْا فِیْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ وَهِیَ تَجْرِیْ بِهِمْ فِیْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۫
وَنَادٰی نُوْحُ ا۟بْنَهٗ وَكَانَ فِیْ مَعْزِلٍ یّٰبُنَیَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِیْنَ ۝ قَالَ سَاٰوِیْۤ اِلٰی جَبَلٍ
یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَیْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ
الْمُغْرَقِیْنَ ۝ وَقِیْلَ یٰۤاَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَكِ وَیٰسَمَآءُ اَقْلِعِیْ وَغِیْضَ الْمَآءُ وَقُضِیَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَی
الْجُوْدِیِّ وَقِیْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ
وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ ۝ قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ ۖۗ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَیْسَ
لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ
عِلْمٌ ؕ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَتَرْحَمْنِیْۤ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝ قِیْلَ یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَیْكَ وَعَلٰۤی
اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ یَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَاۤ
اِلَیْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَاۤ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛؕ فَاصْبِرْ ۛؕ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ ۝

قومِ نوح پر عذاب

جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ہر طرح سے ایمان کی دعوت دے دی، انہیں عذاب سے بھی ڈرایا، اور اس کے باوجود انہوں نے راہِ حق کو اختیار نہ کیا تو اللہ ربّ العزّت نے حضرت نوح علیہ السلام سے ارشاد فرمایا کہ اب اس قوم کا غم نہ کریں، ان میں سے جن کو ایمان لانا تھا وہ لا چکے، اب باقی کوئی اور شخص ایمان نہیں لائے گا، تو جس عذاب کا وعدہ آپ نے ان سے کیا تھا، اس عذاب کے نازل کرنے کا وقت آن پہنچا ہے، ہم ان پر پانی کے طوفان کا عذاب بھیجنے والے ہیں، اس لیے آپ ایک کشتی تیار کریں جس میں آپ کے اہل وعیال اور جتنے مسلمان ہیں سب اپنی ضرورت کی چیزوں کے ساتھ سوار ہوسکیں، اور عذاب کے وقت نجات پاسکیں، حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ ربّ العزّت کے حکم کے مطابق کشتی

بنانا شروع کردی، قوم کے لوگوں نے جب آپ کو کشتی بناتے ہوئے دیکھا تو آپ کا مذاق اڑانے لگے، کہ پہلے نبی بنے اب نجار (بڑھئی) بن گئے، پانی کا تو نام ونشان نہیں، کشتی کیسے بنا رہے ہو؟ آپ ان کی باتوں کی پروا کیے بغیر اپنے کام میں لگے رہے، اور کشتی مکمل فرمالی۔

حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کیسی تھی؟

محققین کی تحقیق کے مطابق یہ کشتی تین سو ہاتھ (۵۵۰ فٹ) لمبی پچاس ہاتھ (تقریباً ۹۰ فٹ) چوڑی اور تیس ہاتھ (۵۵ فٹ) بلند تھی۔ اور ایک ہاتھ ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے۔ اس کی تین منزلیں تھیں۔ ایک منزل پر جانور رہتے، دوسری پر سامان اور تیسری پر انسان سوار ہوئے۔ کشتی ساگوان کی لکڑی سے بنائی گئی تھی، جب کشتی مکمل ہوئی تو اللہ رَبّ العزّت کے حکم سے طوفان کا آغاز ہوگیا، اور تنوروں سے پانی ابلنے لگا، تو اللہ رَبّ العزّت نے حضرت نوح علیہ السلام کو حکم دیا کہ اس کشتی میں ہر جوڑے والے جانوروں کا ایک ایک جوڑا ابھی سوار کر لیجیے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، اور تمام اہلِ ایمان جن کی تعداد تقریباً اسی تھی، سوار ہوگئے، تو اللہ رَبّ العزّت کے حکم اور اس کے نام کے ساتھ کشتی چل پڑی۔

حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹے سے مکالمہ

حضرت نوح علیہ السلام کے چار بیٹے تھے، سام، حام، یافث اور کنعان، ان میں سے پہلے تینوں بیٹے اور آپ علیہ السلام کے باقی سب اہل وعیال (بیوی کے علاوہ) کشتی میں سوار ہوگئے، مگر آپ کا چوتھا بیٹا کنعان سوار ہونے سے رہ گیا تو آپ علیہ السلام نے پدری شفقت سے اس کو پکارا اور کہا کہ ہمارے ساتھ کشتی میں آجاؤ، کافروں کے ساتھ نہ رہو ورنہ غرق ہوجاؤ گے، یہ بیٹا درحقیقت کافر تھا، تو اس بیٹے نے کشتی میں سوار ہونے سے انکار کردیا، اور کہا کہ آپ فکر نہ کریں میں پہاڑ پر چڑھ کر طوفان سے بچ جاؤں گا، آپ علیہ السلام نے اسے سمجھایا کہ آج کوئی اونچی عمارت یا پہاڑ کسی کو اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا، ابھی یہ گفتگو چل ہی رہی تھی کہ ایک موج آئی اور بیٹے کو بہا کر لے گئی۔

طوفان کا اِختتام اور حضرت نوح علیہ السلام کی دُعا

جب پوری قومِ نوح ہلاک اور تباہ ہوگئی تو اللہ رَبّ العزّت نے طوفان ختم فرمادیا اور زمین کو حکم دیا کہ اپنا پانی نگل لے، آسمان کو حکم دیا کہ اب برسنا بند کردے، اس طرح زمین سے نکلا ہوا پانی پھر زمین میں چلا گیا، اور آسمان سے برسا پانی دریاؤں اور نہروں کی شکل اختیار کرگیا تا کہ اس سے انسانیت فائدہ اٹھا سکے۔ جب زمین خشک ہوگئی تو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی، جو عراق میں آرمینیہ کی سرحد پر واقع ہے، بعض مفسرین کرام کہتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام رجب کی دس تاریخ کو کشتی میں سوار ہوئے تھے، تقریباً چھ مہینے تک یہ کشتی طوفان کے اوپر چلتی رہی، جب بیت اللہ کے مقام پر پہنچی تو سات مرتبہ طواف کیا، اور دس محرم کو طوفان کے ختم ہونے پر جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی۔ حضرت نوح علیہ السلام اور کشتی میں سوار سب اہلِ ایمان نے اس دن روزہ رکھا۔ (معارف القرآن)

پیچھے ذکر کیا جاچکا کہ حضرت نوح علیہ السلام کا ایک بیٹا کنعان جو کافر تھا، موجوں کی نذر ہو گیا، جب وہ ڈوب رہا تھا تو حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ ربّ العزّت سے دُعا کی کہ آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ میرے اہل کو طوفان سے بچائیں گے اور بلاشبہ آپ کا وعدہ حق اور صحیح ہے، میرے بیٹے کو طوفان سے بچا لیجیے، اللہ ربّ العزّت نے جواب دیا کہ یہ بیٹا آپ کے اہل میں داخل نہیں ہے، یہاں اہل سے مراد اہل دین اور اہل ولایت ہے، یعنی کنعان آپ کے دین اور آپ کی ولایت سے خارج ہے، کیونکہ اس کا عمل اور عقیدہ اچھا نہیں، اس لیے آپ کو نہیں چاہیے کہ اس حقیقت حال سے بے خبر رہ کر مجھ سے کوئی سوال کریں، حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی اس لغزش کی معافی چاہی، جس پر اللہ ربّ العزّت نے انہیں معاف فرما دیا اور حکم دیا کہ سلامتی کے ساتھ کشتی سے زمین پر اتر جایئے اور کوئی فکر نہ کیجیے، کیونکہ آپ کے ساتھ ہماری طرف سے سلامتی اور برکتیں ہوں گی، چنانچہ آپ علیہ السلام اور باقی اہل ایمان کشتی سے اترے اور نئے سرے سے زندگی بسر کرنا شروع کی، اور آج دنیا کی ساری آبادی حضرت نوح علیہ السلام کی ہی اولاد میں سے ہے، اس لیے آپ کو آدم ثانی بھی کہا جاتا ہے۔

قصۂ نوح علیہ السلام، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کی دلیل ہے!

پھر اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ سب غیب کی باتیں ہیں جن سے آپ اور آپ کی قوم واقف نہیں تھی، ہم نے آپ کو اس کی اطلاع دی، یہ آپ کی نبوّت کی علامت ہے۔ اس لیے اگر اب بھی یہ لوگ نہیں مانتے تو آپ فکر نہ کیجیے، انجام کار کامیابی آپ کو ہی ملے گی۔

وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۚ قَالَ يَٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا مُفْتَرُونَ ۝ يَٰقَوْمِ
لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى الَّذِي فَطَرَنِي ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝ وَيَٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ
ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ ۝
قَالُوا يَٰهُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِي آلِهَتِنَا عَن قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ۝ إِن نَّقُولُ
إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ ۗ قَالَ إِنِّي أُشْهِدُ اللَّهَ وَاشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ۝ مِن
دُونِهِ ۖ فَكِيدُونِي جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنظِرُونِ ۝ إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُم ۚ مَّا مِن دَابَّةٍ إِلَّا
هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝ فَإِن تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُم مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ ۚ
وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّونَهُ شَيْئًا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ۝ وَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا
نَجَّيْنَا هُودًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَنَجَّيْنَاهُم مِّنْ عَذَابٍ غَلِيظٍ ۝ وَتِلْكَ عَادٌ ۖ جَحَدُوا
بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهُ وَاتَّبَعُوا أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ۝ وَأُتْبِعُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ
الْقِيَامَةِ ۗ أَلَا إِنَّ عَادًا كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُودٍ ۝

قومِ عاد کا تذکرہ

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے حضرت ہود علیہ السلام اور ان کی قوم کا تذکرہ فرمایا ہے، اسی وجہ سے اس سورت کا نام سورۂ ہود رکھا گیا ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام کو اللہ رَبّ العزّت نے قوم عاد کی طرف مبعوث فرمایا تھا، یہ قوم اپنے ڈیل ڈول، جسامت اور اپنی قوت اور بہادری کے لحاظ سے پوری دنیا میں سب سے ممتاز سمجھی جاتی تھی، مگر افسوس کہ یہ قوم اپنے عقل وشعور کو کام میں نہ لاسکی اور بتوں کی پوجا شروع کردی، حضرت ہود علیہ السلام نے ان کو پیغام حق سنایا، اسلام کی دعوت دی اور انہیں وعظ ونصیحت فرمائی، آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے میری قوم شرک چھوڑ کر ایک اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت کرو، اس کے سوا کسی کو عبادت کے لائق نہ جانو، کیونکہ اللہ رَبّ العزّت کے سوا کسی کو معبود ماننا جھوٹ اور افترا ہے، اس سے باز آجاؤ، میں تمہاری ہی بھلائی کے لیے تمہیں سمجھا رہا ہوں اور میں اس دعوت اور وعظ ونصیحت پر تم سے کسی معاوضہ کا بھی مطالبہ نہیں کرتا، نہ مجھے تم سے کوئی مادی فائدہ مطلوب ہے، اس لیے توبہ کرو اور گزشتہ زندگی میں جتنے گناہ ہوچکے ہیں اللہ رَبّ العزّت سے ان کی مغفرت مانگو اور اگلی زندگی میں ان گناہوں کے نہ کرنے کا پختہ عزم کرلو، اگر تم نے ایسا کرلیا تو تمہیں آخرت کی دائمی کامیابی بھی نصیب ہوگی اور دنیا میں بھی فوائد حاصل ہوں گے، تمہاری قحط سالی دور ہوجائے گی، بارشیں اتریں گی، تمہارے رزق میں وسعت ہوگی اور تمہاری طاقت اور قوت بڑھ جائے گی۔

قوم کا جاہلانہ جواب اور باری تعالیٰ کی پکڑ

حضرت ہود علیہ السلام کی ان مخلصانہ دعوت پر ان کی قوم نے اپنی جاہلانہ روش سے جواب دیا کہ آپ ہمارے پاس کوئی واضح دلیل اور معجزہ تو لائے نہیں، صرف زبانی بات ہے، اس لیے ہم آپ کے کہنے سے اپنے معبودوں کو نہیں چھوڑیں گے اور آپ پر ایمان نہیں لائیں گے، بلکہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہنے کی وجہ سے آپ (نعوذ باللہ) کو ہمارے معبودوں نے کسی مرض میں مبتلا کردیا ہے، اس لیے ایسی باتیں کرتے ہیں۔

حضرت ہود علیہ السلام کا خطاب

حضرت ہود علیہ السلام نے ان کے جواب میں فرمایا کہ اگر تم میری بات نہیں مانتے تو سن لو! میں اللہ کو بھی گواہ بناتا ہوں اور تمہیں بھی کہ میں اللہ کے سوا تمہارے سارے معبودوں سے بیزار ہوں، تم اور تمہارے جھوٹے معبود مل کر میرے خلاف جو کرسکتے ہو کرلو اور میرا جو بگاڑ سکتے ہو بگاڑ لو، میں اپنے رَبّ پر بھروسہ کرتا ہوں، جو ہر چیز کا رَبّ ہے، اس کی اجازت اور مشیت کے بغیر کوئی کسی کو ذرہ برابر نقصان نہیں پہنچا سکتا، اور تم اگر اسی طرح حق سے اعراض کروگے تو تم پر اللہ رَبّ العزّت کا غضب اور عذاب نازل ہوگا جس سے تم سب ہلاک ہوجاؤ گے۔

قوم نے آپ کی نصیحت اور عذاب کی وعید پر کان نہ دھرا اور اپنی سرکشی پر قائم رہی تو اللہ رَبّ العزّت نے ہوا کے

طوفان کی صورت میں اپنا عذاب نازل فرمایا، جس نے مکانات اور درختوں کو جڑوں سے اکھاڑ دیا، آدمی اور جانور ہوا میں اڑ کر آسمانی فضا تک جاتے اور وہاں سے اوندھے گرتے تھے، آسمان کی طرف سے انسانوں کی چیخ وپکار سنائی دیتی تھی، یہاں تک کے یہ بے مثال قوت رکھنے والی قوم پوری کی پوری ہلاک ہوگئی، اور دنیا میں بھی لعنت یعنی اللہ کی رحمت سے دوری ان کے ساتھ رہی اور آخرت میں بھی دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے، جبکہ اہل ایمان اور پیغمبر خدا جس طرح دنیا میں سرفراز ہوئے، اسی طرح آخرت میں بھی اللہ رَبّ العزّت ان کو خصوصی انعام واکرام سے نوازیں گے۔

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ
وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ ۝ قَالُوا يَا صَالِحُ قَدْ كُنتَ فِينَا
مَرْجُوًّا قَبْلَ هَٰذَا ۖ أَتَنْهَانَا أَن نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا وَإِنَّنَا لَفِي شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ مُرِيبٍ ۝ قَالَ
يَا قَوْمِ أَرَأَيْتُمْ إِن كُنتُ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي وَآتَانِي مِنْهُ رَحْمَةً فَمَن يَنصُرُنِي مِنَ اللَّهِ إِنْ عَصَيْتُهُ ۖ فَمَا
تَزِيدُونَنِي غَيْرَ تَخْسِيرٍ ۝ وَيَا قَوْمِ هَٰذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةً فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللَّهِ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ
فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيبٌ ۝ فَعَقَرُوهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ۖ ذَٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوبٍ ۝
فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا نَجَّيْنَا صَالِحًا وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ۗ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ
الْعَزِيزُ ۝ وَأَخَذَ الَّذِينَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جَاثِمِينَ ۝ كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۗ أَلَا إِنَّ
ثَمُودَ كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا لِّثَمُودَ ۝

قومِ ثمود کا تذکرہ

قوم ثمود کی طرف اللہ رَبّ العزّت نے حضرت صالح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا تھا، انہوں نے بھی اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی اور انہیں کہا کہ صرف اللہ رَبّ العزّت کی عبادت کرو، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اسی نے تمہیں پیدا کیا اور زندگی بخشی، اس لیے اپنی سابقہ زندگی سے توبہ کرو اور اللہ رَبّ العزّت کی طرف رجوع کرو۔ قوم نے آپ کی وعظ ونصیحت سن کر آپ کو جھٹلایا اور کہنے لگے کہ پہلے ہمیں آپ سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں کہ آپ ہماری قوم کے لیے بڑے مصلح اور رہنما ثابت ہوں گے، لیکن اب جس بات کی تم ہمیں دعوت دے رہے ہو اس میں ہمیں تردد ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے جواب دیا کہ مجھے اللہ رَبّ العزّت نے واضح اور روشن دلائل دے کر بھیجا ہے اور مجھ پر اپنی خاص رحمت فرمائی ہے، جبکہ تم مجھے خسارے کی طرف بلا رہے ہو۔ قوم نے یہ سن کر ان سے کہا کہ ہم آپ کا نبی برحق ہونا اس وقت تسلیم کریں گے جبکہ ہمارے سامنے اس پہاڑ کی چٹان سے اونٹنی نکل آئے، حضرت صالح علیہ السلام نے اللہ رَبّ العزّت سے دُعا کی اور ان کا منہ مانگا معجزہ اللہ رَبّ العزّت نے ظاہر فرمادیا، پہاڑ کی چٹان پھٹی اور اس میں سے اُونٹنی برآمد ہوگئی، اللہ رَبّ العزّت نے حکم دیا کہ اس اُونٹنی کو کوئی تکلیف نہ پہنچائیں، ورنہ تم پر عذاب آئے گا، مگر وہ اس پر بھی قائم نہ رہے، اور اُونٹنی کو مار ڈالا، اس پر

اللہ رَبّ العزّت نے انہیں پکڑا اور ابتدائی طور پر انہیں تین دن کی مہلت دی گئی اور انہیں بتا دیا گیا کہ چوتھے روز تمہیں ہلاک کر دیا جائے گا، چنانچہ حسب وعدہ چوتھے دن حضرت جبرائیل علیہ السلام نے سخت آواز میں ایک چیخ ماری، جس سے ان کے کلیجے اور دل پھٹ گئے اور سب کے سب ہلاک ہو گئے۔ حضرت صالح علیہ السلام اور اہل ایمان کو اللہ رَبّ العزّت نے سرخرو فرمایا اور کفار کو عبرت کا نشان بنا دیا۔

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ۝ فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ۝ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۝ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰۤى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَىْءٌ عَجِيْبٌ ۝ قَالُوْۤا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِىْ قَوْمِ لُوْطٍ ۝ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ۝ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ۝

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ

ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چند فرشتوں کو ان کے پاس اولاد کی بشارت دینے کے لیے بھیجا، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنی زوجہ حضرت سارہ سے کوئی اولاد نہیں تھی اور ان کو اولاد کی تمنا تھی مگر دونوں کا بڑھاپا تھا، بظاہر کوئی امید بھی نہیں تھی، اللہ رَبّ العزّت نے فرشتوں کے ذریعہ خوشخبری بھیجی، جب یہ فرشتے آپ علیہ السلام کے پاس پہنچے تو چونکہ وہ انسانی شکل میں تھے اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کو عام مہمان سمجھ کر مہمان نوازی شروع کر دی، حضرت ابراہیم علیہ السلام وہ پہلے انسان ہیں جنہوں نے دنیا میں مہمان نوازی کی رسم جاری فرمائی، ان کا معمول یہ تھا کہ کبھی تنہا کھانا نہ کھاتے بلکہ ہر کھانے کے وقت تلاش کرتے رہتے کہ کوئی مہمان مل جائے تو اس کے ساتھ کھائیں، بہرحال آپ علیہ السلام نے ان کے سامنے بھونا ہوا گوشت لا کر رکھا، مگر چونکہ وہ فرشتے تھے اور کھانے پینے سے پاک تھے، اس لیے کھانا سامنے ہونے کے باوجود اس کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ دیکھ کر اندیشہ ہوا کہ یہ مہمان نہیں معلوم ہوتے، ممکن ہے کسی فساد کی نیت سے آئے ہوں، فرشتوں نے ان کا یہ اندیشہ بھانپ لیا، اس لیے انہوں نے بتا دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں، آپ خوف نہ کریں، ہم آپ کو اولاد کی خوشخبری سنانے اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب نازل کرنے کے لیے بھیجے گئے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ محترمہ پردے کے پیچھے سے یہ گفتگو سن رہی تھیں، جب انہوں نے اولاد کی خوشخبری سنی تو ہنس پڑیں اور کہنے لگیں کہ کیا میں بڑھیا ہو کر اولاد جنوں گی؟ جبکہ میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں، فرشتوں نے جواب دیا کہ آپ اللہ رَبّ العزّت کے حکم پر تعجب کرتی ہیں جس کی قدرت میں سب کچھ ہے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اطمینان ہو گیا کہ یہ اللہ کے فرشتے ہیں، اور اولاد کی خوشخبری سن کر دل میں خوشی بھی پیدا ہوئی اور ڈر اور خوف بالکل ختم ہو گیا تو فرشتوں سے حضرت لوط علیہ السلام کے بارے میں بحث و مباحثہ کرنے لگے کہ تم اس قوم کو کیسے ہلاک کرو گے، اس میں تو حضرت لوط علیہ السلام بھی رہتے ہیں، وجہ یہ تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے حلیم الطبع اور رقیق القلب تھے، فرشتوں نے اللہ ربّ العزّت کا حکم سنا کر انہیں عرض کی کہ اس معاملہ کو چھوڑ دیجیے، اس بارے میں اللہ ربّ العزّت کا حکم آچکا ہے، اس لیے ان پر ہر حال میں عذاب نازل کیا جائے گا، جو کسی بھی صورت ٹل نہیں سکتا۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا یَوْمٌ عَصِیْبٌ۝ وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ یُهْرَعُوْنَ
اِلَیْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ قَالَ یٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ
فِیْ ضَیْفِیْ ؕ اَلَیْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ۝ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا
نُرِیْدُ۝ قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْٓ اِلٰی رُكْنٍ شَدِیْدٍ۝ قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ یَّصِلُوْٓا اِلَیْكَ
فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَلَا یَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِیْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ
مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَیْسَ الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍ۝ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهَا
حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ۝ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ وَمَا هِیَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ بِبَعِیْدٍ۝

حضرت لُوط علیہ السّلام کا تذکرہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فارغ ہو کر وہ فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے، حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کافر ہونے کے علاوہ ایک ایسی بے حیائی اور بدکاری میں مبتلا تھی جو اس سے پہلے دنیا میں کبھی نہیں پائی گئی تھی، اور وہ بُرائی ہم جنس پرستی کی تھی، جس کا وبال عام بدکاری سے کئی درجہ زیادہ ہے۔ تو جب یہ فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے اور حضرت لوط علیہ السلام نے ان سے ملاقات کی تو چونکہ یہ بہت حسین و جمیل لڑکوں کی شکل میں تھے، اس لیے حضرت لوط علیہ السلام نے بھی انہیں انسان اور مہمان سمجھا اور وہ سخت فکر اور پریشانی میں مبتلا ہو گئے کہ اگر ان مہمانوں کی مہمان نوازی نہ کی جائے تو یہ نبی کی شان کے خلاف ہے اور اگر ان کو مہمان بنایا جائے تو قوم کی خباثت کا اندیشہ ہے، اسی پریشانی کے عالم میں کہنے لگے کہ آج تو سخت مصیبت کا دن ہے، بہر حال آپ علیہ السلام نے ان کو مہمان بنا لیا، حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی جو کہ کافرہ تھی، اس نے قوم کے اوباش لوگوں کو خبر کر دی کہ آج ہمارے گھر میں بہت خوبصورت مہمان آئے ہیں، قوم نے جب یہ سنا تو دوڑتے ہوئے حضرت لوط علیہ السلام کے گھر پہنچے، اور آپ کے مکان پر چڑھ دوڑے، اور مطالبہ کیا کہ یہ مہمان ہمارے حوالے کر دیے جائیں، حضرت لوط علیہ السلام نے جب دیکھا کہ ان کی مدافعت مشکل ہے تو ان کو شر سے باز رکھنے کے لیے فرمایا کہ اگر تم اس شر اور فساد سے باز آ جاؤ تو میں اپنی لڑکیوں کو تمہارے سرداروں کے نکاح میں دے دوں گا، اس زمانہ میں مسلمان لڑکی کا نکاح کافر سے جائز تھا، بعض مفسرین کے نزدیک ان لڑکیوں سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی اپنی

بیٹیاں نہیں بلکہ پوری قوم کی لڑکیاں مراد ہیں، کیونکہ پیغمبر اپنی قوم کے لیے باپ کی مثل ہوتا ہے اور پوری اُمّت اس کی روحانی اولاد ہوتی ہے، اس تفسیر کے مطابق حضرت لوط علیہ السلام کے اس قول کا مطلب یہ ہوگا کہ تم اپنی خبیث عادت سے باز آؤ، شرافت کے ساتھ قوم کی لڑکیوں سے نکاح کرو، اللہ ربّ العزّت سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں کے متعلق رسوا نہ کرو، کیا تم میں سے کوئی ایک بھی شریف آدمی نہیں ہے؟ قوم پر اس دل سوز وعظ کا کوئی اثر نہیں ہوا، اور سب نے جواب میں کہا کہ ہمیں آپ کی لڑکیوں کی کوئی ضرورت نہیں، ہم جو کچھ چاہتے ہیں وہ آپ کو معلوم ہے۔ اس وقت ہر طرح سے عاجز آ کر حضرت لوط علیہ السلام کہنے لگے کہ کاش مجھ میں اتنی قوت ہوتی کہ میں اس قوم کا خود مقابلہ کرسکتا یا پھر کوئی جماعت اور گروہ ہوتا جو مجھے ان ظالموں کے ہاتھ سے نجات دلا دے۔

فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی یہ پریشانی دیکھ کر بات کھول دی اور کہا کہ گھبرایئے مت، ہم اللہ ربّ العزّت کے فرشتے ہیں، ان کے قابو میں آنے والے نہیں، ان پر عذاب نازل کرنے آئے ہیں، اس لیے آپ اپنے گھر والوں کو لے کر رات کے آخری حصہ میں یہاں سے نکل جایئے، لیکن آپ کی بیوی چونکہ کافروں کی ہمدرد اور ان سے تعلق رکھنے والی ہے، اس لیے وہ بھی عذاب کا شکار ہوگی، اور سب اہل ایمان کو یہ ہدایت کر دیجیے کہ ان میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے، صبح ہوتے ہی ان پر عذاب آ جائے گا، حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ اور بھی جلد عذاب آئے، اس پر فرشتوں نے کہا کہ صبح بھی تو قریب ہی ہے، بس ہوا چاہتی ہے۔

جب صبح ہوئی تو اللہ ربّ العزّت کے حکم سے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنا پر ان کے تمام شہروں کے نیچے لے جا کر سب کو اوپر اٹھالیا، اور اتنا اوپر اٹھایا کہ آسمان والوں نے ان کے کتوں اور جانوروں کی آوازیں سنیں، اس کے بعد ان سب کو اوندھا کر کے پلٹ دیا گیا، اور اوپر سے پتھروں کی بارش کر دی گئی، ہر پتھر پر اس شخص کا نام درج تھا جس کو وہ پتھر لگنا تھا، یوں وہ پوری قوم ہلاک ہوگئی۔ اس قوم پر عذابوں کی تفصیل سورۂ اعراف میں گزر چکی ہے۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ
وَالْمِيْزَانَ اِنِّىْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ۝ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ
بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاۗءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ
كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ڬ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ۝ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَآ اَوْ
اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰۗؤُا ۭ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ۝ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰي بَيِّنَةٍ
مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَـنًا ۭ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ۭ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ
مَا اسْتَطَعْتُ ۭ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ
يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ۭ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ۝
وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ۝ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا

لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۫ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿٩١﴾ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ
مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿٩٢﴾ وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ
عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿٩٣﴾ وَلَمَّا
جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ
دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٩٤﴾ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿٩٥﴾

حضرت شعیب علیہ السلام کا تذکرہ

ان آیات میں حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم کا تذکرہ کیا گیا ہے، حضرت شعیب علیہ السلام کو اہلِ مدین کی جانب نبی بنا کر بھیجا گیا تھا، اہل مدین میں کفر اور شرک کے علاوہ ایک بڑا عیب اور گناہ ناپ تول میں کمی کرنے کا بھی تھا۔

خطیب الانبیاء حضرت شعیب علیہ السلام کی پُرسوز تقریر

حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو سب سے پہلے توحید کی دعوت دی اور فرمایا کہ ایک اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا کسی کو عبادت کے لائق نہ سمجھو، اور ناپ تول میں کمی نہ کرو، بلکہ انصاف کے ساتھ ناپ اور تول کو پورا کیا کرو، اور لوگوں کی چیزوں میں کمی نہ کرو، اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں ہے، بلکہ فائدہ ہی ہے کیونکہ ناپ تول پورا کرنے سے تمہارے کاروبار میں برکت ہوگی، لیکن اگر تم نے میری بات نہ مانی اور اپنی اسی روش پر ڈٹے رہے تو مجھے خطرہ ہے کہ اللہ رَبّ العزّت کا عذاب تم پہ نہ آن پڑے۔ یہ عذاب آخرت میں بھی ہوسکتا ہے اور دنیا میں بھی، دنیا کے عذاب سے مراد خوشحالی کا ختم ہوجانا، قحط میں مبتلا ہوجانا اور مہنگائی کا آجانا وغیرہ ہے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب کوئی قوم ناپ تول میں کمی کرنے لگتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو قحط اور روزگار کی تنگی اور بادشاہ کے ظلم میں مبتلا فرمادیتے ہیں۔ (سنن ابن ماجہ:۴۰۱۹)

حضرت شعیب علیہ السلام کی اس پرخلوص وعظ و نصیحت کو سن کر قوم نے وہی جواب دیا جو جاہل قومیں اپنے انبیاء اور پیغمبروں اور مصلحین کو دیا کرتی ہیں، یعنی انہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کا مذاق اڑایا، اور کہنے لگے کہ کیا تمہاری نماز تمہیں یہ بتاتی ہے کہ ہم ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی عبادت ہمارے آباؤ اجداد کرتے چلے آئے ہیں، کیا ہم اپنے مال بھی آپ کی مرضی کے مطابق خرچ کیا کریں، اور کیا ہم اپنے معاملات بھی آپ سے پوچھ پوچھ کر کیا کریں کہ کیا حلال ہے اور کیا حرام؟ آپ اپنے آپ کو بہت نیک اور عبادت گزار سمجھتے ہیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا دوبارہ خطاب

حضرت شعیب علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اے میری قوم مجھے اللہ رَبّ العزّت نے میری بات کے حق ہونے پر واضح دلیل دی ہے، اور بہترین رزق بھی عطا فرمایا ہے، یعنی ظاہری رزق جس پر معاش کا مدار ہے اور باطنی فہم و فراست بھی عطا

فرمائی ہے، اس لیے میں تمہاری طرح گمراہی اور ظلم کو اختیار نہیں کرسکتا، اور میرا عمل تمہارے سامنے ہے، میں جس چیز سے تمہیں روکتا اور منع کرتا ہوں، خود بھی اس سے باز رہتا ہوں، میرا عمل میرے قول کے خلاف نہیں ہے، اور اس ساری وعظ و نصیحت سے میرا مقصد صرف اصلاح کرنا ہے، میں جو بھی کرتا ہوں اللہ ربّ العزّت کی توفیق سے کرتا ہوں ورنہ میرے بس میں کچھ نہیں تھا، میرا اللہ ربّ العزّت کی ذات پر بھروسہ ہے، میں ہر کام میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

اس کے بعد ان کو عذاب الٰہی سے ڈراتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے میری قوم ذرا سوچ لو، کہیں ایسا نہ ہو کہ میری مخالفت اور دشمنی کی وجہ سے تم پر کوئی ایسا عذاب آن پڑے جیسا تم سے پہلے قوم نوح، قوم عاد یا قوم ثمود پر آچکا ہے، اور لوط علیہ السلام کی قوم کا عبرتناک انجام تو تم سے زیادہ دور بھی نہیں، ان سب سے عبرت حاصل کرو اور اپنی ضد و عناد سے باز آجاؤ۔

قوم کا حضرت شعیب علیہ السلام کو جواب

یہ سب سن کر قوم مزید اشتعال میں آگئی اور کہنے لگی کہ اگر آپ کے خاندان کی حمایت آپ کو حاصل نہ ہوتی تو ہم آپ کو سنگسار کردیتے، حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ کس قدر شرمناک بات ہے کہ تمہیں میرے خاندان کا تو خوف ہے مگر اللہ ربّ العزّت کا کوئی خوف نہیں، حالانکہ اس کے قبضہ قدرت میں سب کچھ ہے۔ بہرحال اگر تم اپنی ضد اور عناد سے باز نہیں آتے تو عنقریب تم پر اللہ ربّ العزّت کی جانب سے سخت عذاب آئے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اللہ ربّ العزّت کے حکم سے حضرت شعیب علیہ السلام اور اہل ایمان بستی سے نکل کر چلے گئے، کفّار پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ایک زوردار چیخ ماری، جس کی سخت ہیبت ناک آواز سے سارے ہلاک ہوگئے، اور یوں ان کو بھی نشانِ عبرت بنادیا گیا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍۙ۝ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَاۤ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ۝ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ۝ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ۝ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ۝ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَمَاۤ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ۝

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اجمالی تذکرہ فرمایا ہے کہ ہم نے ان کو اپنی واضح نشانیاں یعنی معجزات اور تورات دے کر فرعون اور اس کی قوم کے پاس بھیجا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پاس تشریف لے گئے، اسے تبلیغ کی اور ظلم و ستم کرنے سے باز آنے کی تلقین کی، لیکن اس نے آپ کی بات نہ مانی اور اس کی قوم بھی اسی کی پیروی کرتی رہی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بالآخر اللہ ربّ العزّت نے اسے اور اس کی قوم کو دریا میں غرق کرکے ہلاک کردیا، اور ان کے

اخروی انجام کو بیان کرتے ہوئے اللہ رَبّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ کل قیامت کو فرعون اپنی قوم کے آگے آگے چل رہا ہوگا، پھر ان سب کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا، اور یوں دنیا اور آخرت میں لعنت اور اللہ کی رحمت سے دوری ان پر مسلط کردی جائے گی۔

اِثباتِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا کہ یہ سب قصے غیب کی باتیں ہیں جنہیں ہم نے آپ سے بیان کیا، یہ آپ کی نبوت کی دلیل ہے، کیونکہ آپ اس وقت موجود نہیں تھے جب یہ قومیں ہلاک ہوئیں اور آپ پڑھے لکھے بھی نہیں تھے کہ کہیں سے مطالعہ کر کے ان باتوں کا علم حاصل کرلیا ہو، اس کے باوجود آپ کا ان سب واقعات کو بالکل درست اور ٹھیک ٹھیک بیان کردینا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کو ان واقعات کی خبر اور اطلاع اللہ رَبّ العزّت نے دی ہے۔

نوٹ:- انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ غیب کی باتیں وحی فرماتے ہیں، ان کے لیے "اَنباء الغیب" ثابت ہے، لیکن وہ "غیب دان" یا "عالم الغیب" نہیں ہوتے، قرآنِ کریم نے پہلی بات کو ثابت کیا اور آگے غیب دان ہونے کی نفی کی۔

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ۭ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّـيِّاٰتِ ۭ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۝ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

اللہ رَبّ العزّت کی خاص ہدایات اور سورت کا مقصد

مختلف انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کی قوموں کا مفصل تذکرہ کرنے کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین کو چند خاص ہدایات فرمائی ہیں، جن میں سب سے پہلی ہدایت یہ ہے کہ آپ اور آپ کے متبعین اہلِ ایمان دین کے راستے پر اسی طرح مستقیم اور قائم رہیے جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود سے تجاوز نہ کیجیے، کیونکہ وہ تمہارے سب اعمال دیکھ رہا ہے، اور نہ ہی ظالموں کی طرف میلان اختیار کیجیے۔

اِستقامت کیا ہے؟

اس پہلی ہدایت میں اللہ رَبّ العزّت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمنین کو ہر حال میں استقامت پر رہنے کا حکم فرمایا ہے، استقامت بظاہر ایک چھوٹا سا لفظ ہے لیکن درحقیقت یہ ایک بہت وسیع مفہوم کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، اس کا معنی یہ ہے کہ انسان اپنے تمام عقائد، عبادات، معاملات، اخلاق، معاشرت، کسبِ معاش اور اس کی آمد و خرچ کے تمام مصارف میں اللہ رَبّ العزّت کی قائم کردہ حدود کے اندر اس کے بتائے ہوئے راستہ پر سیدھا چلتا رہے، ان میں سے کسی بھی

چیز میں کسی ایک طرف جھکاؤ یا کمی زیادتی نہیں ہونی چاہیے۔ غرض استقامت ایک ایسا لفظ ہے جو دین کے تمام اجزاء وارکان اوران پر صحیح عمل کو شامل ہے۔

اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ مجھے سورۂ ہود نے بوڑھا کر دیا (سنن ترمذی:۳۲۹۷)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سورۂ ہود کی یہی آیت جس میں استقامت کا حکم ہے، آپ کے بڑھاپے اور ریش مبارک کے بالوں میں سفیدی اتر آنے کا سبب ہے۔ (معارف القرآن)

کفّار سے تعلقات رکھنا کیسا ہے؟

دوسری ہدایت یہ دی گئی کہ ظالموں یعنی کفّار و مشرکین کی جانب ذرا بھی میلان نہ رکھو، کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ ان کے ساتھ تمہیں بھی جہنم کی آگ لگ جائے۔ اس جھکاؤ اور میلان سے کیا مراد ہے؟ اس میں صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ سے مختلف اقوال منقول ہیں، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ کافروں سے دوستی نہ رکھو اور ان کا کہنا نہ مانو، بعض حضرات کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ ظالموں کے اعمال اور افعال کو پسند نہ کرو، بعض مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ کفّار کے برے اعمال پر سکوت یا رضامندی کا اظہار نہ کرو، بعض کے نزدیک ان کی صحبت میں بیٹھنے سے منع کرنا مراد ہے، ان تمام اقوال میں کوئی تعارض نہیں، یہ سب مراد ہو سکتے ہیں، ان سب کا حاصل یہ ہے کہ کفّار اور اہل معصیت وبدعت کی صحبت سے اجتناب ضروری ہے، بجز اس کے کہ کسی مجبوری سے ان سے ملنا پڑ جائے۔ (معارف القرآن)

اسی کے ساتھ حد سے تجاوز نہ کرنے کا حکم ہے، جو مجموعی طور پر تیسری ہدایت ہے، یہ دوسری اور تیسری ہدایت یعنی "لا تطغوا" اور "لا ترکنوا" اعتدال کا درس دے رہی ہیں، چنانچہ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ "سبحان الذی جعل اعتدال الدین بین الآیتین وھی: لا تطغوا و: لا ترکنوا" یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے دو آیات میں دین میں اعتدال کو بیان فرمادیا، وہ دو آیات یہی ہیں۔

نماز اور صبر کی تلقین

چوتھی ہدایت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور پوری اُمّت کو نماز قائم کرنے کی کی گئی ہے، اس سے مراد فرض نمازیں ہیں، اور اقامت صلوۃ سے مراد یہ ہے کہ نماز کو تمام آداب کی رعایت رکھتے ہوئے ادا کیا جائے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اللہ ربّ العزّت آپ کے گناہوں کو مٹا دے گا، کیونکہ باری تعالیٰ کا ضابطہ ہے کہ نیک کاموں کی برکت سے گناہوں اور برے کاموں کو مٹا دیتے ہیں۔ اس سے مراد صغیرہ گناہ ہیں، کبیرہ گناہوں کی معافی کے لیے توبہ کرنا شرط اور ضروری ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اَلصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ، وَالْجُمُعَةُ إِلَى الْجُمُعَةِ، وَرَمَضَانُ إِلَى رَمَضَانَ مُكَفِّرَاتٌ لِمَا بَيْنَهُنَّ إِذَا اجْتُنِبَتِ الْكَبَائِرُ" کہ پانچ نمازیں اور ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک اور ایک رمضان

دوسرے رمضان تک ان تمام گناہوں کا کفارہ ہوجاتے ہیں جو ان کے درمیان صادر ہوں، بشرطیکہ یہ شخص کبیرہ گناہوں سے بچا رہا ہو۔ (صحیح مسلم:۱/۲۰۹)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے کوئی وصیت فرمایئے، آپ نے فرمایا کہ اگر تم سے کوئی گناہ ہوجائے تو اس کے بعد کوئی نیک کام کرو تا کہ وہ اس کو مٹا دے۔ (سنن ترمذی:1987)

پانچویں ہدایت صبر کرنے سے متعلق ہے کہ آپ صبر اور ثابت قدمی کے ساتھ رہیے، دین کی اشاعت وتبلیغ میں پہنچنے والی مشکلات اور پریشانیوں کو برداشت کیجیے اور اپنے کام میں لگے رہیے، اپنے نفس کو بھی قابو میں رکھیے، نیکی کے کام کرتے رہیے اور برائی سے خود سے بچایئے، انجام کار بھلائی آپ کو ملے گی، کیونکہ اللہ ربّ العزّت نیک عمل کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں فرماتے۔

سورت کا اجمالی درس

۱۔سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اثبات، حقانیت قرآن اور اپنی توحید کے مضمون کو ذکر فرمایا، اور اس ضمن میں اپنی قدرت اور اپنے علم کے کمال کو بھی بیان فرمایا۔

۲۔سورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے اور کفار کو قرآن کے معارضہ اور مقابلہ کا چیلنج دیا گیا ہے۔

۳۔سورت میں مختلف انبیاء کرام علیہم السلام کے تفصیلی واقعات اور قصص ذکر کیے گئے ہیں، تا کہ ان میں غور وفکر کر کے حق کو قبول کرنے کی ہمت پیدا ہو سکے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کو تسلی اور پیغامِ استقامت مل سکے۔

۴۔سورت میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور پوری اُمت کو چند خاص ہدایات دی گئی ہیں۔

۵۔سورت کے آخر میں کفار کو ان کے انجام بد سے ڈرایا گیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کی تلقین کی گئی ہے۔

تمت سورۃ ھود بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ یُوْسُف

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب کے لحاظ سے بارہ جبکہ نزول کے اعتبار سے ترپن (۵۳) نمبر پر ہے، بارہ رُکوع اور ایک سو گیارہ (۱۱۱) آیات پر مشتمل ہے۔ یہ قرآنِ کریم کی واحد سورت ہے جو ایک طویل قصہ پر مشتمل ہے، سیّدنا یوسف علیہ السلام کا ابتدا سے اِنتہا تک مکمل قصہ اس سورت میں بیان کیا گیا ہے۔ اس قصہ کو اللہ رَبّ العزّت نے ''اَحسن القصص'' قرار دیا ہے۔ اس قصے میں زندگی کے مختلف طبقات کے لیے رہنمائی موجود ہے۔

وجہ تسمیہ

چونکہ اس سورت میں حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ تفصیل سے ذِکر کیا گیا ہے، اس لیے اس سورت کا نام سورۂ یوسف رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

۱۔ گزشتہ سورت میں مختلف انبیاءِ کرام علیہم السلام کے قصے اور واقعات ذِکر کیے گئے تھے، اس سورت میں ''اَحسن القصص'' (سب سے اچھا قصہ جو حضرت یوسف علیہ السلام کا ہے) بیان کیا گیا ہے۔

۲۔ نزول کے اعتبار سے سورۂ یوسف، سورۂ ہود کے بعد نازل ہوئی، اس لیے قرآنی ترتیب میں بھی اسے سورۂ ہود کے بعد ذِکر کیا گیا۔

۳۔ گزشتہ سورت بھی ایک نبی کے نام پر تھی، یہ سورت بھی ایک نبی کے نام پر ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع ''صبر کا انجام'' بیان کرنا ہے۔

عمومی مضامین

۱۔ گزشتہ انبیاء علیہم السلام کے قصے بیان فرما کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کو ثابت کرنا۔

۲-حسد کا انجام۔

۳-عفت اور پاک دامنی کا صلہ۔

۴-جھوٹ کا انجام۔

۵-خوابوں کی تعبیر کا علم اللہ رَبّ العزّت کسی کسی کو عطا فرماتے ہیں۔

۶-علم کی فضیلت۔

۷-نا اُمیدی اور اللہ رَبّ العزّت کی رحمت سے مایوسی کی مذمّت۔

۸-مشکلات اور مصائب ہمیشہ سے انبیاء کرام علیہم السلام اور اہلِ حق پر آتی رہی ہیں۔

۹-معاف کردینے کی فضیلت بیان کی گئی ہے، نیز یہ کہ معاف کردینا صلحاء کا طریقہ ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصے سے درس ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے انسان واقف نہیں ہوتا، انسانی سوچ وفکر قدرت کے فیصلوں کو سمجھنے سے قاصر ہوتی ہے، اس قصہ میں ہر حصہ کا ظاہر اس کے باطن سے سراسر جدا اور مختلف ہے، چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بیٹے سے محبت کا ظاہر خوبصورت جبکہ باطن بھائیوں کی عداوت اور کنویں میں پھینکنا ہے، بھائیوں کے حسد کا ظاہر بہت بُرا لیکن باطن اور نتیجہ عزیز مصر کے خوشحال گھرانہ میں پہنچ جانا ہے جو بہت ہی عمدہ ہے، عزیز مصر کے گھرانے میں پہنچنے کا نتیجہ جیل جانا ہے، اور جیل کا نتیجہ عزیز مصر اور پھر مصر کا بادشاہ بن جانا ہے۔ اس قصے سے درس ملتا ہے کہ جیسے بھی حالات آجائیں آدمی کو صبر کرنا چاہیے، اللہ کی تدبیر خطروں سے اوجھل ہوتی ہے جو بُرے سے بُرے حالات کا اچھا نتیجہ ہوتی ہے، انسانی زندگی میں اچھے حالات بھی آتے ہیں اور بُرے بھی، بُرے حالات پر صبر کیا جائے اور اچھے حالات پر شکر۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۱﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲﴾ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۳﴾ اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ﴿۴﴾ قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۵﴾ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۶﴾

شانِ نزول

ایک مرتبہ یہود نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آزمانے کے لیے آپ سے کہا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو ہمیں بتایئے کہ آلِ یعقوب ملک شام سے مصر کیوں منتقل ہوئے اور حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ کیا تھا، ان کے جواب میں اللہ رَبّ العزّت نے یہ پورا قصہ نازل فرمادیا۔ (معارف القرآن)

واقعے کا آغاز

سورت کے آغاز میں ہی اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ ہم آپ کے لیے سب سے اچھا اور بہترین قصہ بیان کرتے ہیں جو حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ ہے۔

قصہ کا آغاز حضرت یوسف علیہ السلام کے ایک خواب سے ہوتا ہے جو انہوں نے بچپن میں دیکھا تھا، اور اس خواب کا تذکرہ انہوں نے اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام سے بھی کیا، انہوں نے خواب دیکھا تھا کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند مجھے سجدہ کر رہے ہیں، ان گیارہ ستاروں سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کے گیارہ بھائی، اور سورج اور چاند سے مراد ان کے ماں باپ تھے۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کا یہ خواب سنا تو انہیں ہدایت فرمائی کہ بیٹا! تم اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں کو نہ بتانا، ایسا نہ ہو کہ وہ یہ خواب سن کر حسد کی وجہ سے تمہیں ہلاک کرنے کی کوئی منصوبہ بندی نہ کرلیں، کیونکہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے، وہ دنیا کے جاہ و مال کی خاطر انسان کو ایسے کاموں میں مبتلا کر دیتا ہے۔

خواب کی حقیقت اور اقسام

خواب دراصل نیند کے وقت انسان کی قوتِ خیال کے ذریعہ نظر آنے والی صورتوں کا نام ہے، اس کی تین قسمیں ہیں:

۱۔ نفسانی خواب

کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ بیداری کی حالت میں انسان جو صورتیں وغیرہ دیکھتا رہتا ہے وہی خواب میں نظر آجاتی ہیں۔

۲۔ شیطانی خواب

اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شیطان کچھ صورتیں اور واقعات خوش کرنے یا ڈرانے کے لیے اس کے ذہن میں ڈالتا ہے۔

۳۔ رحمانی خواب

جبکہ کبھی اللہ رَبّ العزّت اپنے بندہ کو خواب میں کسی بات پر متنبہ کرنے کے لیے یا خوشخبری دینے کے لیے کچھ چیزیں دکھا دیتے ہیں، ان میں سے پہلی دو صورتیں بالکل باطل ہیں، ان کی نہ کوئی حقیقت اور اصلیت ہے اور ان کی کوئی تعبیر ہو سکتی ہے، جبکہ تیسری قسم صحیح اور حق ہے، اور وہ اللہ رَبّ العزّت کی طرف سے ایک طرح کا الہام ہے جو باری تعالیٰ اپنے خزانہ غیب سے کسی شخص کو عطا فرماتے ہیں۔ (معارف القرآن)

انبیاء علیہم السلام کے خواب ایسے ہی ہوتے ہیں، اس لیے ان کے خواب وحی کا درجہ رکھتے ہیں، عام مسلمانوں کے خواب میں ہر طرح کے احتمال رہتے ہیں، اس لیے وہ کسی کے لیے حجت اور دلیل نہیں ہوتے۔ البتہ سچے خوابوں کی تعبیر ہوتی ہے جس سے رہنمائی مقصود ہوتی ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام پر پروردگارِ عالم کے اِنعامات

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے حضرت یوسف علیہ السلام سے اپنے کچھ انعامات کا وعدہ فرمایا ہے، جو کہ درج ذیل ہیں:

۱- پہلا انعام یہ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے انعامات واحسانات کے لیے منتخب فرمالیں گے، اس وعدہ کی تکمیل مصر میں حکومت اور عزّت ودولت ملنے پر ہوئی۔

۲- دوسرا انعام یہ کہ اللہ تعالیٰ آپ کو خوابوں کی تعبیر کا علم سکھادیں گے، اس سے معلوم ہوا کہ خوابوں کی تعبیر ایک مستقل فن ہے جو اللہ ربّ العزّت کسی کسی کو عطا فرماتے ہیں، ہر شخص اس کا اہل نہیں۔

۳- تیسرا انعام یہ کہ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی نعمت پوری فرمادیں گے جیسا کہ آپ کے باپ دادا حضرت ابراہیم اور حضرت اسحاق علیہما السلام پر فرمائی، اس سے مراد یہ کہ اللہ ربّ العزّت آپ کو نبوّت عطا فرمائیں گے، جیسا کہ آپ کے باپ دادا کو عطا فرمائی۔

لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖۤ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ۝ اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰۤى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِۚ۝ اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ۝ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ۝ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ۝ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۝ قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ۝ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ۝ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْۤا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۝ وَجَآءُوْۤا اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَؕ۝ قَالُوْا يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَاۤ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ۝ وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ۝ وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ؕ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ؕ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ۝ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَؒ۝

قصۂ یوسف علیہ السلام کا پہلا جزء

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کا باقاعدہ آغاز فرمایا ہے، اور اس سے پہلے اس بات پر متنبہ فرمادیا کہ اس قصہ کو محض ایک قصہ نہ سمجھیں، بلکہ اس میں اللہ ربّ العزّت کی قدرت کاملہ کی بڑی نشانیاں ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے کل بارہ بیٹے تھے، ان میں سے دس بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام کی پہلی بیوی سے تھے جن کا نام "لیا بنت لیان" تھا، ان کی وفات کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کی بہن راحیل سے نکاح کرلیا، ان کے بطن سے دو بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین پیدا ہوئے، یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے حقیقی بھائی صرف بنیامین تھے، جبکہ باقی دس بھائی باپ شریک تھے۔ (معارف القرآن)

بھائیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام سے حسد

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام سے بہت محبت کرتے ہیں، اور انہیں اتنا پیار دیتے ہیں جوان کے دوسرے بھائیوں کو نہیں دیتے، اس لیے انہیں حضرت یوسف علیہ السلام سے حسد ہوا، انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہمارے والد کو یوسف اور اس کے بھائی بنیامین سے زیادہ محبت ہے، حالانکہ ہم دس ہیں اور ان سے بڑے ہیں، گھر کا کام کاج سنبھالنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، ہمارے والد کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے تھا، مگر انہوں نے ناانصافی کی ہے، لہٰذا اپنا مقام حاصل کرنے کے لیے یا تو یوسف کو قتل کرڈالو یا کسی ایسی دور دراز جگہ پھینک آؤ جہاں سے وہ واپس نہ آسکے۔ یہ مشورہ چل رہا تھا کہ ان میں سے سب سے بڑے بھائی (جس کا نام یہودا تھا) نے رائے دی کہ یوسف کو قتل نہ کرو، اگر کچھ کرنا ہی ہے تو کسی ایسے کنویں میں ڈال دو جہاں یہ زندہ رہے اور جب کوئی مسافروں کا قافلہ اس کنویں پر آئے تو وہ اس کو اٹھا کر لے جائیں، اس طرح تمہارا مقصد بھی پورا ہوجائے گا۔ سب بھائیوں کو یہ رائے پسند آئی اور انہوں نے اسی پر عمل کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

چنانچہ وہ سب بھائی اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے اور آکر عرض کی کہ اَبّا جان! کیا بات ہے کہ آپ کو یوسف کے بارے میں، ہم پر اطمینان اور اعتبار نہیں ہے، حالانکہ ہم اس کے پورے خیر خواہ اور ہمدرد ہیں، آپ کل اس کو ہمارے ساتھ سیر و تفریح کے لیے بھیج دیں تاکہ وہ بھی تفریح کرسکے، ہم اس کی دل و جان سے حفاظت کریں گے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کی اس درخواست پر فرمایا کہ میں دو وجوہات کی بنا پر اسے تمہارے ساتھ بھیجنا پسند نہیں کرتا، ایک تو یہ کہ میں اس کی جدائی میں غمگین ہوتا ہوں، اور دوسرا یہ اندیشہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جنگل میں تم اس سے غافل ہوجاؤ اور اسے کوئی بھیڑیا کھاجائے۔ بھائیوں نے ان کا یہ جواب سن کر عرض کیا کہ ابا جان! ہم دس لوگوں کی جماعت اس کی حفاظت کے لیے موجود ہے، اگر ہم سب کے ہوتے ہوئے اس کو بھیڑیا کھاجائے تو یہ ہمارے نکمے ہونے کی دلیل ہوگی، اور پھر ہم سے کسی کام کی کیا امید کی جاسکتی ہے۔ بہرحال حضرت یعقوب علیہ السلام نے انہیں بادلِ نخواستہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی، مگر اس سے پہلے ان سے باقاعدہ وعدہ اور عہد لیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو کوئی تکلیف نہیں پہنچنے دیں گے، بھائیوں نے ان سے یہ عہد و پیمان کیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے ساتھ لے گئے۔

یہاں سے نکل کر یہ سب بھائی جنگل میں گئے، اور سب نے اس بات پر اتفاق کرلیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈال دیں گے، چنانچہ انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک ڈول میں بٹھایا اور کنویں میں لٹکا دیا، جب کنویں کے نصف تک پہنچے تو اس کی رسی کاٹ دی، اللہ ربّ العزّت نے اسی وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا، انہوں نے آپ کو بحفاظت کنویں کی تہہ تک پہنچا دیا، جہاں ایک چٹان رکھی ہوئی تھی، آپ علیہ السلام اس پر تشریف فرما ہوگئے۔ اللہ ربّ العزّت نے اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام پر وحی بھیجی اور انہیں تسلی دیتے ہوئے خوشخبری سنائی کہ ہم آپ کو یہاں سے نجات دیں گے اور ایک دن آئے گا جب یہ بھائی تمہارے سامنے پیش ہوں گے اور آپ انہیں ان کے کرتوتوں پر تنبیہ فرمائیں گے۔

بھائیوں کا مکر اور والد کی خدمت میں حاضری

حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈال کر شام کے وقت سب بھائی گھر لوٹے اور روتے روتے اپنے والد کے پاس پہنچے، حضرت یعقوب علیہ السلام نے انہیں روتے ہوئے دیکھا تو پوچھا کہ کیا ہوا؟ یوسف کہاں ہے؟ تو ان بھائیوں نے کہا کہ ہم نے آپس میں دوڑ لگائی تھی اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا، اسی دوران اس کو بھیڑیا کھا گیا، اور ہم اگرچہ سچے ہیں لیکن ہمیں علم ہے کہ آپ یقین نہیں کریں گے، اس لیے ہم ثبوت کے طور پر یوسف کا کرتہ لائے ہیں، اسے دیکھ لیجیے، اس پر اس کا خون بھی لگا ہوا ہے، مگر اللہ ربّ العزّت کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ کرتے پر جانور کا خون لگانے کے ساتھ اس کو پھاڑنا بھول گئے، جس سے ان کا جھوٹ ظاہر ہوگیا، حضرت یعقوب علیہ السلام نے کرتہ صحیح سالم دیکھ کر فرمایا کہ یہ بھیڑیا کیسا عقل مند تھا جس نے یوسف کو اس طرح کھایا کہ کرتہ کہیں سے نہیں پھٹا، مجھے علم ہے کہ یوسف (علیہ السلام) کو بھیڑیے نے نہیں کھایا، بلکہ تم نے اپنی طرف سے یہ کہانی گھڑی ہے، اب میرے پاس صبر کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں، اللہ ربّ العزّت ہی میری مدد کرنے والا ہے۔ (معارف القرآن)

حضرت یوسف علیہ السلام کنویں سے کیسے باہر آئے؟

حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں تین دن گزر گئے، بعض حضرات کے نزدیک ان کا بھائی یہودا دوسرے بھائیوں سے چھپ کر روزانہ ان کے لیے کھانا پانی لاتا اور ڈول کے ذریعہ ان تک پہنچا دیتا تھا، بہرحال جب تین دن گزر گئے تو ایک قافلہ جو ملک شام سے مصر جا رہا تھا، راستہ بھول کر اس غیر آباد علاقہ اور جنگل میں پہنچ گیا، جنگل میں پہنچ کر انہوں نے پانی لانے والے شخص کو کنویں کی تلاش میں بھیجا، وہ شخص چلتے چلتے اس کنویں کی جانب آنکلا، کنویں پر پہنچ کر اس نے ڈول لٹکایا، حضرت یوسف علیہ السلام نے اس ڈول کی رسی پکڑ لی، اس شخص نے جب ڈول اوپر کھینچا تو حضرت یوسف علیہ السلام جیسے حسین وجمیل اور کم سن بچے کو دیکھ کر بے اختیار پکار اٹھا: "یٰبُشْرٰی هٰذَا غُلٰمٌ" ارے خوشخبری سنو! یہ تو بڑا اچھا لڑکا نکل آیا

ہے، اور آپ کو لے کر قافلہ میں چلا آیا، دوسری طرف جب یہودا کھانا لے کر کنویں پہنچا اور آپ کو وہاں نہ پایا تو واپس جا کر بھائیوں کو اطلاع دی، سب بھائی جمع ہو کر وہاں پہنچے، تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ یوسف علیہ السلام قافلہ والوں کے پاس ہیں۔

اَرزاں بکے یوسفؑ!

برادران یوسف ان کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ یہ لڑکا ہمارا غلام ہے، بھاگ کر یہاں آیا ہے، قافلہ والوں نے جب یہ سنا تو ڈر گئے کہ ہم پر چوری کی تہمت لگ جائے گی، اس لیے انہوں نے بھائیوں سے حضرت یوسف علیہ السلام کے خریدنے کی بات چیت کی، بھائیوں نے آپس میں مشورہ کر کے نہایت ہی کم قیمت پر آپ کو بیچ ڈالا، کیونکہ ان کا اصل مقصد حضرت یوسف علیہ السلام کو والد سے جدا کرنا تھا، مال کمانا نہیں، اس لیے تھوڑے سے دراہم میں معاملہ کر لیا۔ بعض مفسرین کرام تحریر فرماتے ہیں کہ بیس درہم کے بدلہ میں سودا ہوا اور ہر بھائی نے دو دو درہم آپس میں تقسیم کر لیے۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِن مِّصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ أَن يَنفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا ۚ وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهُ مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۚ وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٢١﴾ وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿٢٢﴾ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَن نَّفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۚ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ ۖ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ ۖ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿٢٣﴾ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ ۖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَا أَن رَّأَىٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ ۚ كَذَٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ ۚ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ ﴿٢٤﴾ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِن دُبُرٍ وَأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَى الْبَابِ ۚ قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَن يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٢٥﴾ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَن نَّفْسِي ۚ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا إِن كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِن قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٢٦﴾ وَإِن كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِن دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٢٧﴾ فَلَمَّا رَأَىٰ قَمِيصَهُ قُدَّ مِن دُبُرٍ قَالَ إِنَّهُ مِن كَيْدِكُنَّ ۖ إِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيمٌ ﴿٢٨﴾ يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَا ۚ وَاسْتَغْفِرِي لِذَنبِكِ ۖ إِنَّكِ كُنتِ مِنَ الْخَاطِئِينَ ﴿٢٩﴾

حضرت یوسف علیہ السلام کی مصر آمد

قافلے والے حضرت یوسف علیہ السلام کو لے کر مصر آ گئے، اور وہاں لے جا کر بازار میں ان کو فروخت کرنے کا اعلان کر دیا، لوگوں نے بڑھ چڑھ کر قیمتیں لگانا شروع کر دیں، یہاں تک کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے وزن کے برابر سونا اور اسی کی برابر مشک اور ریشمی قیمتی کپڑے بطور قیمت طے ہوئے۔ لیکن اللہ ربّ العزّت نے یہ دولت عزیز مصر کے مقدر میں رکھی تھی، اس نے یہ سب چیزیں قیمت میں ادا کر کے یوسف علیہ السلام کو خرید لیا۔

عزیز مصر کون تھا؟

مفسرین کرام تحریر فرماتے ہیں کہ یہ شخص جس نے مصر میں حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدا، وہ مصر کا وزیر خزانہ تھا، جس

کا نام قطفیر یا اطفیر تھا، اور عزیز مصر کی بیوی کا نام راعیل یا زلیخا تھا، جب اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدا تو آپ کو گھر لے گیا، اور گھر لے جا کر اپنی بیوی کو یہ ہدایت کی کہ آپ کو اچھا ٹھکانا دے، عام غلاموں کی طرح نہ رکھے اور آپ کی ضروریات کا خوب خیال رکھے۔ شاید ہمیں اس بچہ سے کوئی نفع پہنچے یا شاید ہم اسے اپنا بیٹا ہی بنا لیں۔ اس طرح اللہ رَبُّ العزّت نے آپ کو ٹھکانا عطا فرمایا۔

اِقتدار کی اَمانت کی سپردگی کے لیے پہلی شرط کا اِمتحان

چونکہ مستقبل میں حضرت یوسف علیہ السلام کو اقتدار و منصب دیا جانا تھا، اور کسی کو منصب دینے کے لیے دو چیزیں ضروری ہوتی ہیں: ۱- دیانت ۲- اہلیت

تو اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی دیانت ظاہر کرنے کے لیے یوں امتحان لیا کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام بھرپور جوانی کی عمر کو پہنچے تو اللہ رَبُّ العزّت نے انہیں علم و حکمت اور نبوّت عطا فرمادی، اسی عرصہ میں آپ علیہ السلام پر ایک کڑی آزمائش آئی جس میں اللہ رَبُّ العزّت نے آپ کو سرخرو فرمایا۔ ہوا یوں کہ آپ علیہ السلام جس گھر میں رہتے تھے یعنی عزیز مصر کے گھر میں، اس کی مالکن اور عزیز مصر کی بیوی آپ پر فدا ہوگئی، اور آپ سے اپنا مطلب حاصل کرنے کے لیے آپ کو بہلانے پھسلانے لگی اور گھر کے سارے دروازے بند کر دیے اور انہیں گناہ کی دعوت دی، حضرت یوسف علیہ السلام نے سب سے پہلے اللہ رَبُّ العزّت کو یاد کیا اور اس سے پناہ مانگی، اس کے بعد حکمت کے ساتھ خود زلیخا کو نصیحت کی کہ وہ بھی خدا سے ڈرے اور اپنے ارادے سے باز آجائے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ تیرے شوہر عزیز مصر نے میری پرورش کی اور مجھے اچھا ٹھکانہ دیا، وہ میرا محسن ہے، اگر میں اس کے حرم پر دست اندازی کروں تو یہ بڑا ظلم ہے اور ظلم کرنے والے کبھی فلاح نہیں پاتے، اور آپ نے اسے یہ سبق دیا کہ جب میں تمہارے شوہر کی چند روزہ پرورش کا اتنا حق پہچانتا ہوں تو تمہیں مجھ سے زیادہ اس کا خیال رکھنا چاہیے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی اس ایمان افروز نصیحت کے باوجود زلیخا اپنے عزم پر ڈٹی رہی اور مسلسل حضرت یوسف علیہ السلام کو بہلانے پھسلانے میں مصروف رہی، اس موقع پر حضرت یوسف علیہ السلام کے دل میں بھی غیر اختیاری وسوسہ اور میلان پیدا ہونے لگا، لیکن اللہ رَبُّ العزّت نے فوراً ہی اپنی برھان اور حجت آپ کے سامنے کر دی، جس سے وہ غیر اختیاری خیال اور وسوسہ بھی دل سے نکل گیا۔

برہانِ رَبّ کیا چیز تھی؟

گزشتہ آیت میں اللہ رَبُّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ جب زلیخا مسلسل حضرت یوسف علیہ السلام کو بہلا پھسلا کر گناہ کی طرف مائل کر رہی تھی، تو حضرت یوسف علیہ السلام کے دل میں جو غیر اختیاری وسوسہ اور خیال آیا تھا اس کو دور کرنے

کے لیے اللہ رب العزت نے فوراً اپنی برہان ان کے سامنے کردی، یہ برہان کیا چیز تھی، اس میں حضرات مفسرین کرامؒ کے مختلف اقوال ہیں:

۱۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اللہ ربّ العزّت نے اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کی صورت اس طرح ان کے سامنے کردی تھی کہ وہ اپنی انگلی دانتوں میں دبائے ہوئے ان کو متنبہ کررہے ہیں۔

۲۔ بعض فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی نظر چھت کی طرف گئی تو اس میں یہ آیت قرآن لکھی ہوئی تھی "وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَآ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلًا" یعنی زنا کے قریب نہ جاؤ، کیونکہ وہ بڑی بے حیائی اور (معاشرہ کے لیے) بہت بُرا راستہ ہے۔

۳۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ زلیخا کے مکان میں ایک بت تھا، اس نے اس بت پر پردہ ڈالا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے وجہ پوچھی، اس نے کہا کہ یہ میرا معبود ہے، اس کے سامنے گناہ کی جرأت نہیں، حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا معبود اس سے زیادہ حیا کا مستحق ہے، اس کی نظر کو کوئی پردہ نہیں روک سکتا۔

بہرحال بے غبار تفسیر یہ ہے کہ جتنی بات قرآنِ کریم نے بتائی ہے صرف اسی پر اکتفاء کیا جائے، یعنی یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے کوئی ایسی چیز دیکھی جس سے ان کا وسوسہ جاتا رہا، اب وہ مندرجہ بالا چیزوں میں سے یا ان کے علاوہ کوئی بھی چیز ہوسکتی ہے۔

زُلیخا کا بہتان اور حضرت یوسف علیہ السلام کے حق میں بچّے کی گواہی

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے وہ برہانِ رَبّ دیکھا جس کا پیچھے ذکر ہوچکا تو آپ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے اور دروازے کی طرف دوڑے، عزیزِ مصر کی بیوی آپ کو پکڑنے کے لیے پیچھے دوڑی، تاکہ پیچھے سے آپ کا کُرتا پکڑ کر آپ کو باہر جانے سے روکا جائے، مگر آپ نہ رکے تو کرتہ پیچھے سے پھٹ گیا، مگر حضرت یوسف علیہ السلام باہر نکل آئے، بعض تاریخی روایات میں ہے کہ دروازہ پر تالا لگا ہوا تھا، جب آپ دروازے کے قریب پہنچے تو تالا خود بخود کھل گیا۔ بہرحال جب یہ دونوں دروازے سے باہر آئے تو دیکھا کہ عزیزِ مصر سامنے کھڑے ہیں، ان کی بیوی ڈر گئی اور الزام اور تہمت سے بچنے کے لیے کہنے لگی کہ جو شخص آپ کی بیوی کے ساتھ بُرے کام کا ارادہ کرے اس کی سزا اس کے سوا کیا ہوسکتی ہے کہ اسے قید میں ڈال دیا جائے یا کوئی دوسری جسمانی سزا دی جائے، حضرت یوسف علیہ السلام نے جب اسے یوں تہمت لگاتے ہوئے دیکھا تو ارشاد فرمایا کہ یہ جھوٹ بول رہی ہے، یہی مجھ سے اپنا مطلب نکالنے کے لیے مجھے بہلا پھسلا رہی تھی، عزیزِ مصر کے لیے اس کا فیصلہ بہت دشوار تھا کہ ان میں سے کس کو سچا سمجھے اور کس کو جھوٹا، کوئی گواہ وغیرہ موقع پر موجود نہیں تھے، مگر اللہ رَبّ العزّت نے جس طرح آپ کو گناہ سے محفوظ رکھا تھا، اسی طرح آپ کو رُسوائی سے بچانے کا بھی معجزانہ طور پر انتظام فرمادیا اور ایک چھوٹے بچے کو جو گھر میں گہوارہ کے اندر پڑا تھا، قوت گویائی عطا فرمائی، اس نے نہایت عاقلانہ انداز میں بات کی اور کہا کہ یوسف

علیہ السلام کے کُرتے کو دیکھو اگر وہ آگے سے پھٹا ہے تب تو زلیخا سچی، اور حضرت یوسف علیہ السلام جھوٹے ہوسکتے ہیں، اور اگر کُرتا پیچھے سے پھٹا ہے تو اس میں کوئی دوسرا احتمال ہی نہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام بھاگ رہے تھے اور زلیخا ان کو روکنا چاہتی تھی اور اسی کشمکش میں کُرتا پھٹ گیا، یہ بات چونکہ بالکل عام فہم اور ہر ایک کی سمجھ میں آنے والی تھی، اس لیے اس پر عمل کیا گیا، جب کُرتے کو دیکھا گیا تو وہ پیچھے سے پھٹا ہوا تھا، تو عزیز مصر کو حضرت یوسف علیہ السلام کی سچائی کا علم ہوگیا، چنانچہ اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ یہ سب تمہارا ہی مکروفریب ہے، جس میں تم نے ان کو پھنسانے کی کوشش کی ہے، تم اپنی غلطی کی معافی مانگو، اور حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا کہ آپ اس واقعہ کو نظر انداز کردیں، اور کسی کے سامنے اس کا تذکرہ نہ کریں تاکہ رسوائی نہ ہو۔

یوں اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کے کردار اور امانت کو واضح کردیا، یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے کردار کی کوئی خیانت نہیں کی، جو سب سے خطرناک خیانت ہوا کرتی ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اس سے مبرا ہیں۔

گہوارے میں بولنے والے بچّے

اللہ ربّ العزّت نے چار بچوں کو بچپن میں ہی بولنے کی صلاحیت عطا فرمائی تھی۔

۱۔ ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، جنہوں نے اپنی والدہ کی پاک دامنی کی تصدیق فرمائی۔

۲۔ دوسرا بچہ بنی اسرائیل کا تھا، جس نے ایک بزرگ جن کا نام جریج تھا، ان پر لگی تہمت کے رَدّ میں اور اس بزرگ کی براءت کے لیے گواہی دی۔

۳۔ تیسری بچی فرعون کی بیٹی کے بال سنوارنے والی عورت کی تھی، ایک مرتبہ اس عورت کے ہاتھ سے کنگھی گری تو اس نے ''بسم اللہ'' پڑھ کر اٹھالی، فرعون کی بیٹی نے اپنے والد فرعون کو اطلاع کردی، فرعون نے اس کو اور اس کے بچوں کو قتل کرنے کا حکم دیا، چنانچہ ایک ایک کرکے اس کے سب بچوں کو قتل کردیا گیا، جب اس کو قتل کرنے کی باری آئی تو اس کی گود میں موجود شیر خوار بچے نے کہا کہ اَمّی جان! صبر کیجیے، آپ ہی حق پر ہیں۔

۴۔ اور چوتھا چھوٹا بچہ یہی جس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حق میں گواہی دی۔ (مستدرک حاکم: ۳۸۳۵)

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۭ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ۡ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا ھٰذَا بَشَرًا ۭ اِنْ ھٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ۝ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ۭ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ۭ وَلَىِٕنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ وَاِلَّا

تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۳۳﴾ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَیْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ
هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۴﴾ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰیٰتِ لَیَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِیْنٍ ﴿۳۵﴾

شہر کی خواتین میں واقعے کا چرچا

عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو تو اس واقعہ کی تشہیر سے منع کر دیا تھا، لیکن کسی طرح دیگر وزراء کی خواتین تک یہ بات پہنچ گئی، تو انہوں نے زلیخا کو بہت ملامت کی اور کہنے لگیں کہ عزیز مصر کی بیوی اپنے غلام کی محبت میں گرفتار ہو گئی ہے اور اس سے اپنا مطلب حاصل کرنے کے لیے اسے بہلاتی پھسلاتی ہے، یہ تو نہایت گری ہوئی حرکت ہے کہ غلام پر فدا ہو گئی۔ جب زلیخا تک ان کی یہ باتیں پہنچیں تو اس نے ایک تدبیر کی جس سے وہ ان عورتوں کی ملامت سے بچ سکے۔

اپنی مجبوری بتانے کے لیے زُلیخا کی تدبیر

زلیخا نے ان عورتوں کو کھانے کی ایک دعوت پر بلایا، اور ان کے لیے بہترین مسند اور تکیوں سے مجلس آراستہ کی، جب وہ آ گئیں تو ان کے سامنے مختلف قسم کے کھانے اور پھل پیش کیے جن میں سے بعض چیزیں چاقو سے تراش کر کھانے کی تھیں، اس لیے ہر ایک کو ایک ایک تیز چاقو بھی دے دیا، یہ سب کرنے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا کہ ذرا باہر آ جاؤ، حضرت یوسف علیہ السلام کو چونکہ اس کے اس مکر و فریب کا علم نہیں تھا، اس لیے باہر تشریف لے آئے، جب ان عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو آپ کی خوبصورتی اور حسن و جمال کو دیکھ کر دنگ رہ گئیں، اور مدہوشی کے عالم میں اپنے ہاتھ کاٹ لیے، اور بے ساختہ ان کی زبانوں سے نکلا کہ یہ شخص ہرگز انسان نہیں ہو سکتا، یہ کوئی بزرگ فرشتہ ہے، ایسا نورانی چہرہ کسی فرشتہ کا ہی ہو سکتا ہے۔

جب زلیخا نے انہیں اس طرح حیران ہوتے دیکھا تو کہنے لگی کہ دیکھ لو، یہی وہ شخص ہے جس کے بارے میں تم مجھے برا بھلا کہتی تھیں، اور واقعی میں نے اس سے اپنا مطلب حاصل کرنے کی خواہش کی تھی، مگر یہ پاک صاف رہا اور آئندہ اگر یہ میرا کہنا نہیں مانے گا تو جیل جائے گا اور بے عزت بھی ہو گا۔ اس وقت باقی عورتوں نے بھی اس کی تائید کی اور حضرت یوسف علیہ السلام سے کہنے لگیں کہ یہ عورت تمہاری محسن ہے اس کی مخالفت نہیں کرنی چاہیے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی دُعا

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب دیکھا کہ یہ عورتیں بھی اس کی موافقت اور تائید کر رہی ہیں، تو اللہ ربّ العزّت کی طرف رجوع کیا اور عرض کیا کہ اے پروردگار! یہ عورتیں مجھے جس کام کی طرف دعوت دے رہی ہیں، اس سے مجھے جیل خانہ زیادہ محبوب ہے، اگر آپ ہی ان کے مکر کو مجھ سے دور نہ کریں تو ممکن ہے کہ میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں اور نادانی کا کام کر بیٹھوں، اللہ ربّ العزّت نے آپ کی دُعا قبول فرمائی اور ان عورتوں کے مکر و فریب اور داؤ پیچ کو ان سے دور رکھا، اور

ہوا یوں کہ عزیز مصر اور اس کے دوستوں کو اگرچہ حضرت یوسف علیہ السلام کی بزرگی اور تقویٰ وطہارت اور آپ کی پاکدامنی کا یقین تھا، لیکن چونکہ شہر میں اس واقعہ کا چرچا ہونے لگا، اس لیے اس کو ختم کرنے کے لیے انہوں نے سوچا کہ آپ کو کچھ عرصہ کے لیے جیل میں بند کر دیا جائے، تا کہ لوگوں کی زبانوں سے اس کا یہ چرچا ختم ہو جائے، چنانچہ انہوں نے آپ کو جیل خانہ بھیج دیا۔

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ
خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۞ قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا
نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ؕ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ
بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۞ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ
شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۞ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَ
اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۞ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ
وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۞ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ
فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ۞ وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ
عِنْدَ رَبِّكَ ۫ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ۞

قید خانے میں حضرت یوسف علیہ السلام کا معجزہ

حضرت یوسف علیہ السلام جب قید ہو کر جیل بھیجے گئے تو آپ کے ساتھ دو مجرم قیدی اور بھی داخل ہوئے، ان میں سے ایک بادشاہ کا ساقی (شراب پلانے والا) تھا اور دوسرا باورچی، ان پر یہ الزام تھا کہ انہوں نے بادشاہ کو کھانے وغیرہ میں زہر دینے کی کوشش کی تھی، مقدمہ زیر تحقیق تھا، اس لیے دونوں کو جیل میں رکھا گیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام جیل میں اپنے پیغمبرانہ اخلاق اور رحمت وشفقت کی وجہ سے سب قیدیوں کی خبر گیری کرتے تھے، جو بیمار ہوتا اس کی عیادت کرتے، جس کو غمگین یا پریشان دیکھتے اس کو تسلی دیتے، خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کو آرام دینے کی فکر کرتے اور رات بھر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے تھے، ان کے یہ احوال دیکھ کر جیل کے سب قیدی آپ کی بزرگی کے معتقد ہو گئے، جیل کا افسر بھی متاثر ہوا، اس نے کہا کہ اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں آپ کو چھوڑ دیتا، اب اتنا ہی کر سکتا ہوں کہ آپ کو یہاں کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

یہ دو قیدی جو آپ کے ساتھ جیل گئے تھے، ایک روز انہوں نے آپ سے کہا کہ آپ ہمیں نیک اور صالح بزرگ معلوم ہوتے ہیں، اس لیے آپ سے ہم اپنے خواب کی تعبیر پوچھنا چاہتے ہیں، ساقی نے کہا کہ میں نے یہ خواب دیکھا ہے کہ میں انگور سے شراب نکال رہا ہوں اور باورچی نے کہا کہ میں نے دیکھا ہے کہ میرے سر پر روٹیوں کا کوئی ٹوکرا ہے، اس میں سے پرندے نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں، آپ ہمیں ان دونوں خوابوں کی تعبیر بتلا دیجیے۔

قیدیوں کو وعظ ونصیحت اور تبلیغ

حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کو خوابوں کی تعبیر بتانے سے پہلے تبلیغ اور دعوت دین کا فریضہ سرانجام دیا اور ان کے دلوں میں اپنا مزید اعتماد پیدا کرنے کے لیے اپنے ایک معجزہ کا ذکر فرمایا کہ تمہارے لیے جو کھانا تمہارے گھروں سے یا کسی دوسری جگہ سے آتا ہے، اس کے آنے سے پہلے میں تمہیں بتا دیتا ہوں کہ کس قسم کا کھانا اور کتنا اور کس وقت آئے گا، اور وہ ٹھیک اسی طرح نکلتا ہے، اور یہ مجھے میرا رب بذریعہ وحی بتاتا ہے، یہ کہانت اور نجوم کی طرح کوئی شعبدہ بازی نہیں ہے، اس لیے یقین کر لو کہ میں اللہ ربّ العزّت کا نبی ہوں، اس کے بعد کفر اور کافروں سے اپنی براءت کا اعلان فرمایا کہ میں ان لوگوں سے بری اور بیزار ہوں جو اللہ ربّ العزّت پر ایمان نہیں لاتے اور آخرت کا انکار کرتے ہیں، میں انبیاء علیہم السلام کے خاندان سے تعلق رکھتا ہوں، میرے آباؤ اجداد حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام ہیں، ہمارے لیے کسی طرح یہ جائز نہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو خدائی صفات میں شریک سمجھیں، پھر ان قیدیوں سے سوال کیا کہ اچھا تم ہی بتاؤ کہ انسان بہت سے خداؤں کا ماننے والا ہو، یہ بہتر ہے یا یہ کہ صرف ایک اللہ ربّ العزّت کا بندہ بنے، جس کا قہر اور قوت سب پر غالب ہے، حقیقت یہ ہے کہ جن بتوں کی تم اور تمہارے آباؤ اجداد عبادت کرتے چلے آرہے ہو یہ تو صرف نام کے خدا ہیں، جو تم نے خود گھڑ لیے ہیں، نہ ان کے اندر خود کوئی ایسی قابلیت ہے جن کی بدولت انہیں عبادت کے قابل سمجھا جائے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے ان کی عبادت کا حکم دیا ہے، بلکہ اس نے تو یہی حکم دیا ہے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے، اس کے سوا کسی کے پاس حکومت کا حق نہیں، یہی سیدھا اور سچا دین ہے، لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں جانتے۔

ملزموں کے خوابوں کی تعبیر

اس وعظ ونصیحت کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کے خوابوں کی تعبیر ارشاد فرمائی اور فرمایا کہ تم میں سے ایک (ساقی) تو رہا ہو جائے گا اور پھر اپنی ملازمت پر برقرار رہ کر بادشاہ کو شراب پلائے گا، اور دوسرے (باورچی) پر جرم ثابت ہو کر اس کو سولی دی جائے گی اور پرندے اس کا گوشت نوچ نوچ کر کھائیں گے، لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں متعین کر کے نہیں بتایا تا کہ وہ ابھی سے غم میں نہ گھلے، اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ یہ جو تمہارے خوابوں کی تعبیر میں نے بتائی ہے یہ محض اٹکل اور تخمینہ سے نہیں بلکہ یہ خدائی فیصلہ ہے جو ٹل نہیں سکتا۔ بعض مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ آپ نے جب انہیں یہ خوابوں کی تعبیر بتائی تو دونوں نے کہا کہ ہم نے تو کوئی خواب نہیں دیکھا، محض بات بنائی تھی، اس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ تم نے خواب دیکھا یا نہیں، اب ہوگا یوں ہی جیسا میں نے بتایا ہے، مقصد یہ ہے کہ جھوٹا خواب بنانے کے گناہ کا جو ارتکاب تم نے کیا تھا اب اس کی سزا وہی ہے جو تعبیر خواب میں بیان ہوئی۔ (معارف القرآن)

اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے اس شخص سے جس کے بارے میں آپ نے فرمایا تھا کہ وہ رہا ہوگا، فرمایا کہ جب تم آزاد ہو کر جیل سے باہر جاؤ اور شاہی دربار میں رسائی ہو تو اپنے بادشاہ سے میرا بھی ذکر کر دینا کہ وہ بے گناہ قید میں

پڑا ہوا ہے، مگر اس شخص کو آزاد ہونے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کی یہ بات یاد نہ رہی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی آزادی کو مزید دیر لگ گئی، اور اس واقعہ کے بعد چند سال مزید قید میں رہے، بعض مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد آپ سات سال تک مزید قید میں رہے۔

وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْٓ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ ؕ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُءْیَایَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْیَا تَعْبُرُوْنَ ۝ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِیْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِیْنَ ۝ وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِیْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ۝ یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّیْٓ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ۝ ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ یَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ۝ ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِیْهِ یُغَاثُ النَّاسُ وَفِیْهِ یَعْصِرُوْنَ ۝

بادشاہِ مصر کا خواب، حضرت یوسف علیہ السلام کی تعبیر اور اِقتدار کی دوسری شرط کی تکمیل

حضرت یوسف علیہ السلام ابھی جیل میں ہی تھے کہ ایک رات مصر کے بادشاہ نے ایک خواب دیکھا جس سے وہ بہت پریشان ہوگیا، خواب یہ تھا کہ سات تندرست اور موٹے بیل ہیں جن کو دوسرے سات کمزور اور لاغر بیل کھا رہے ہیں، اسی طرح سات خوشے گندم کے سرسبز ہرے بھرے ہیں اور سات خشک ہیں، اس نے اپنی مملکت کے تعبیر کا علم رکھنے والے حضرات اور کاہنوں کا جمع کر کے اپنے خواب کی تعبیر دریافت کی، وہ خواب کسی کی بھی سمجھ میں نہ آیا، سب نے یہ جواب دے دیا کہ یہ خواب صرف پریشان کن خیالات کا مجموعہ ہے، ہم ایسے خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے، کوئی صحیح خواب ہوتا تو ہم تعبیر بیان کر دیتے، اس واقعہ کو دیکھ کر اس رہا شدہ قیدی کو حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کی وہ بات یاد آ گئی، اور اس نے آگے بڑھ کر کہا کہ میں آپ کو اس خواب کی تعبیر پوچھ کر بتا سکتا ہوں، پھر اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے کمالات، اور خواب کی تعبیر بتانے میں مہارت اور مظلوم ہو کر قید میں گرفتار ہونے کا ذکر کیا، اور بادشاہ سے درخواست کی کہ مجھے جیل خانہ میں حضرت یوسف علیہ السلام سے ملنے کی اجازت دی جائے، بادشاہ نے اس کا انتظام کر دیا، وہ شخص حضرت یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اپنی حاضری کا مقصد بیان کر کے بادشاہ کا خواب آپ کو سنایا، اور عرض کیا کہ اگر آپ اس خواب کی تعبیر بتا دیں گے تو ممکن ہے کہ میں ان لوگوں کو جا کر یہ تعبیر بتاؤں اور اس طرح وہ آپ کے فضل و کمال سے واقف ہو جائیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب سن کر اسے تعبیر بتا دی کہ سات موٹے بیلوں اور سات ہرے بھرے خوشوں سے مراد خوشحالی کے سات سال ہیں، جن میں پیداوار حسب دستور خوب ہوگی، اور سات کمزور بیلوں اور سات خشک خوشوں

سے مراد یہ ہے کہ پہلے سات سال کے بعد سات سال سخت قحط کے آئیں گے، جس میں وہ سب غلہ وغیرہ جو ذخیرہ کر کے رکھا گیا ہوگا وہ خرچ ہو جائے گا۔

بادشاہ کے خواب میں تو صرف اتنا ہی تھا کہ سات سال اچھی پیداوار کے ہوں گے اور پھر سات سال قحط کے، مگر حضرت یوسف علیہ السلام نے اس پر یہ اضافہ فرمایا کہ قحط کے سال کے بعد پھر ایک سال خوب بارش اور پیداوار کا ہوگا، اس کا علم اللہ ربّ العزّت نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بذریعہ وحی فرما دیا تھا، تا کہ ان لوگوں پر حضرت یوسف علیہ السلام کا فضل وکمال اچھی طرح واضح ہو جائے۔ اس کے علاوہ حضرت یوسف علیہ السلام نے نہ صرف خواب کی تعبیر ارشاد فرمائی بلکہ ایک ہمدردانہ اور حکیمانہ مشورہ بھی دیا، جس سے حضرت یوسف علیہ السلام کی قابلیت اور اقتدار کی صلاحیت ظاہر ہوگئی، وہ یہ کہ پہلے سات سال میں جو زیادہ پیداوار ہو اس کو گندم کے خوشوں میں ہی رہنے دیا جائے، تا کہ گندم کو پُرانا ہونے کے بعد کیڑا نہ لگ جائے، کیونکہ تجربہ ہے کہ جب تک غلّہ خوشہ میں ہو اسے کیڑا نہیں لگتا۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ۝ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْۗءٍ ۭ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْــٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۡ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّىْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَاۗىِٕنِيْنَ ۝

حضرت یوسف علیہ السلام کی رہائی اور عفت و پاک دامنی کا اِعلان

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے قاصد کو خواب کی تعبیر بتا دی اور مستقبل کے لیے ایک تدبیر بھی ذکر فرما دی تو وہ شخص خوشی خوشی بادشاہ کے پاس لوٹا اور اسے خبر دی، بادشاہ نہ صرف اس تعبیر سے مطمئن ہو گیا بلکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے فضل وکمال کا معتقد ہو گیا، چنانچہ اس نے حکم دیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو فوراً جیل خانہ سے نکالا جائے اور دربار میں لایا جائے، جس پر بادشاہ کا کوئی قاصد یہ پیغام لے کر جیل خانہ پہنچا، اب ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جب قاصد بادشاہ کا پیغام لے کر آپ کے پاس آتا تو آپ فوراً تیار ہو کر اس کے ساتھ چل دیتے، کیونکہ ایک طویل عرصہ قید میں رہ کر انسان عاجز آ جاتا ہے، لیکن اللہ ربّ العزّت اپنے رسولوں کو جو بلند مقام عطا فرماتے ہیں، اس کو دوسرے لوگ سمجھ بھی نہیں سکتے، اس لیے آپ علیہ السلام نے اس قاصد کو یہ جواب دیا کہ تم اپنے بادشاہ کے پاس لوٹ جاؤ اور ان سے دریافت کرو کہ آپ کے نزدیک ان عورتوں کا معاملہ کس طرح ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے، کیا اس واقعہ میں وہ (بادشاہ) مجھے قصوروار سمجھتے ہیں یا نہیں؟ میرا پروردگار تو ان کے مکر سے خوب واقف ہے۔

جب قاصد آپ علیہ السلام کا پیغام لے کر بادشاہ کے پاس واپس آیا تو بادشاہ نے ان عورتوں کو جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے اور عزیزِ مصر کی بیوی کو بلایا اور ان سے سوال کیا کہ اصل واقعہ کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ

ہمیں حضرت یوسف علیہ السلام میں کوئی بُرائی نظر نہیں آئی، اس موقع پر عزیز مصر کی بیوی نے بھی اپنے جرم کا اقرار کرلیا اور کہنے لگی کہ اب تو حق بات واضح ہوگئی ہے، سو میں بھی یہ بات بتادیتی ہوں کہ میں نے خود ہی ان سے اپنے مطلب کی خواہش کی تھی، اور یقیناً وہ سچے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا فوری رہائی قبول نہ کرنے کی وجوہات

اس کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے اس عمل اور رہائی میں تاخیر کرنے کی دو حکمتیں بیان فرمائی ہیں، پہلی یہ کہ عزیز مصر کو یقین ہوجائے کہ میں نے اس کی غیر موجودگی میں اس کے حق میں کوئی خیانت نہیں کی، اور دوسری وجہ یہ تھی کہ لوگ یہ جان لیں کہ اللہ ربّ العزّت خیانت کرنے والوں کے فریب اور مکر کو چلنے نہیں دیتے، اور فرمایا کہ ان تحقیقات کروانے سے میرا مقصد اپنا تقویٰ اور پاک بازی جتلانا نہیں تھا۔

پارہ نمبر ۱۳

یہ پارہ سورۂ یوسف کے بقیہ حصے، سورۂ رعد اور سورۂ ابراہیم پر مشتمل ہے۔

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖۤ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَكِیْنٌ اَمِیْنٌ ۝ قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ۝ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ ۚ یَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَیْثُ یَشَآءُ ؕ نُصِیْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ ۝

حضرت یوسف علیہ السلام کو شاہی مل گئی

حضرت یوسف علیہ السلام نے مزید ارشاد فرمایا کہ انسان کا نفس تو ہر آن اسے گناہوں کی طرف مائل کرتا رہتا ہے، میں اگر اس موقع پر گناہ سے بچ گیا تو یہ میرا کوئی ذاتی کمال نہیں، بلکہ اللہ ربّ العزّت کا فضل وکرم ہے۔ جب ساری تحقیقات مکمل ہوگئیں، اور سچ کھل کر سامنے آگیا اور زلیخا اور دوسری عورتوں نے سب کے سامنے اپنے جرم کا اعتراف کرلیا تو بادشاہ نے حکم دیا کہ یوسف علیہ السلام کو میرے پاس لایا جائے، تاکہ میں ان کو اپنا مشیر خاص بنالوں، اس حکم کے مطابق آپ علیہ السلام کو اعزاز کے ساتھ جیل خانہ سے دربار میں لایا گیا، آپ علیہ السلام نے بادشاہ سے ملاقات فرمائی، باہمی گفتگو سے بادشاہ کو آپ کی صلاحیتوں کا پورا اندازہ ہوگیا تو بادشاہ نے کہا کہ آپ آج سے ہمارے نزدیک بڑے معزز اور معتمد خاص ہیں۔ پھر آپ علیہ السلام نے بادشاہ سے اس کے خواب کے متعلق گفتگو فرمائی اور آنے والے سالوں کے بارے میں انتظام وانصرام سے متعلق کئی مفید مشورے دیے، بادشاہ ان مشوروں سے بہت خوش ہوا مگر کہنے لگا کہ اس عظیم منصوبہ کا انتظام کون

کرے گا، اس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے آپ ملک کے خزانوں پر نگران مقرر فرمادیں، کیونکہ میں ان کی حفاظت بھی بخوبی کرسکتا ہوں اور خرچ کرنے کے مواقع اور مقدار سے بھی بخوبی واقف ہوں۔ بادشاہ نے کچھ عرصہ آپ کو شاہی مہمان کے طور پر رکھا اور اس کے بعد وزارت خزانہ سمیت سارے امور مملکت آپ کے سپرد کر دیے۔

حرام سے احتراز کی برکت سے حلال نصیب ہوا!

بعض مفسرین کرامؒ نے فرمایا کہ اسی زمانہ میں زلیخا کے شوہر کا انتقال ہوگیا تو بادشاہِ مصر نے اس کی شادی حضرت یوسف علیہ السلام سے کرادی، یوں اللہ ربّ العزّت نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دنیا میں عزت اور شان و شوکت کے ساتھ مملکت بھی عطا فرمائی اور آخرت کا اجر تو یقیناً اس سے بہتر ہوگا۔

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ۝ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ۝ وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ۚ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ۚ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ۚ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ۝ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ۝ وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ۚ وَمَآ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۚ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ۚ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ۚ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

برادرانِ یوسف کی حضرت یوسف علیہ السلام کے دربار میں حاضری

جب حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر کی بادشاہت مل گئی، تو آپ کے ابتدائی سات سالوں میں خوب بارشیں ہوئیں، پیداوار بہت زیادہ حاصل ہوئی، اور پورے ملک میں خوشحالی کا دور دورہ رہا، اس کے بعد شدید قحط کا زمانہ شروع ہوگیا، جو سات سال تک جاری رہا، حضرت یوسف علیہ السلام چونکہ پہلے ہی اس قحط اور اس کی مدت سے واقف تھے، اس لیے آپ نے پہلے سے ہی تمام پیداوار کو نہایت احتیاط سے ذخیرہ کرلیا اور مصر کی عوام کو ان کی ضروریات کے لیے کچھ مقدار دے دی، جب قحط شدید ہوگیا اور مصر کے اطراف میں دور دور تک کے علاقے اس قحط کی زد میں آگئے تو مصر کے اطراف اور دور و نزدیک

سے لوگ غلے کے حصول کے لیے مصر آنے لگے، آپ علیہ السلام نے اس وقت حکمت عملی سے غلّہ فروخت کرنا شروع کر دیا، اور ایک شخص کو ایک اُونٹ کے بوجھ سے زیادہ نہیں دیتے تھے، اور یہ سارا کام اپنی نگرانی میں کراتے تھے۔

اس قحط سے حضرت یعقوب علیہ السلام کا علاقہ کنعان اور آپ کا گھرانہ بھی متاثر ہوا، آپ کے خاندان نے جب یہ خبر سنی کہ مصر کا بادشاہ نیک اور صالح آدمی ہے اور وہ ہر ایک کو قیمتاً غلّہ دے دیتا ہے، تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے صاحبزادوں سے کہا کہ تم بھی جاؤ اور مصر سے غلّہ لے کر آؤ، چنانچہ ان کے سب صاحبزادگان سوائے بنیامین کے مصر روانہ ہوئے، جب مصر پہنچے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے دربار میں حاضر ہوئے تو آپ چونکہ اس وقت شاہی لباس میں تخت پر فروکش تھے، جبکہ بھائیوں نے آپ کو بچپن میں قافلہ والوں کے ہاتھ فروخت کیا تھا، اس لیے وہ آپ کو نہ پہچان سکے مگر حضرت یوسف علیہ السلام ان کو فوراً پہچان گئے، اور اپنے خدام کو حکم دیا کہ انہیں شاہی مہمان کی حیثیت سے ٹھہرائیں اور ضابطہ کے مطابق غلّہ دے دیں۔

آئندہ اکیلے نہ آیئے!

جب انہیں غلّہ دے دیا گیا اور انہوں نے واپسی کے لیے رختِ سفر باندھا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے کہا کہ اگلی بار جب آؤ تو اپنے سوتیلے باپ شریک بھائی کو بھی لے کر آنا، تم دیکھ رہے ہو کہ میں کس طرح پورا پورا غلّہ دیتا ہوں اور کیسی مہمان نوازی کرتا ہوں، اور اگر تم اپنے اس بھائی کو ساتھ نہ لائے تو میں تم میں سے کسی کو بھی غلّہ نہیں دوں گا، کیونکہ میں سمجھوں گا کہ تم نے مجھ سے جھوٹ بولا ہے۔ اس کے بعد اپنے خدام کو خفیہ طور پر حکم دیا کہ انہوں نے غلہ کی جو قیمت ادا کی تھی، وہ ان کے سامان میں چھپا کر رکھ دیں، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

جب یہ سب بھائی غلّہ لے کر گھر واپس آئے تو مصر کے معاملہ کا تذکرہ والد حضرت یعقوب علیہ السلام سے کرتے ہوئے عرض کیا کہ عزیزِ مصر نے آئندہ کے لیے ہمیں غلّہ دینے کے لیے یہ شرط رکھی ہے کہ اپنے چھوٹے بھائی کو ساتھ لے کر جائیں، بصورت دیگر ہمیں غلّہ نہیں ملے گا، اس لیے آپ اگلی دفعہ بنیامین کو بھی ہمارے ساتھ بھیج دیں تاکہ ہمیں غلّہ مل سکے، ہم اس کی دل و جان سے حفاظت کریں گے اور اسے کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچنے دیں گے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ کیا میں اس کے بارے میں تم پر ایسے ہی اطمینان کروں جیسے یوسف کے بارے میں کیا تھا، لیکن خیر یہ حقیقت ہے کہ اللہ ربّ العزّت کی مشیت و ارادہ کے بغیر کوئی کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ یہ باتیں چل رہی تھیں کہ اس دوران انہوں نے اپنا سامان کھولا اور دیکھا کہ ان کی وہ پونجی جو غلہ کی قیمت کے طور پر ادا کی گئی تھی، وہ بھی سامان کے اندر موجود ہے، تو انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے عرض کیا کہ ابا جان ہمیں ہماری پونجی بھی واپس کر دی گئی ہے، اس لیے ہمیں ضرور دوسری بار اپنے بھائی کو ساتھ لے کر جانا چاہیے تاکہ مزید غلّہ لا سکیں، حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کی باتیں سن کر ارشاد فرمایا کہ ٹھیک ہے، میں بنیامین کو تمہارے ساتھ بھیجنے پر تیار ہوں لیکن پہلے تم مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم اور عہد و پیمان دو کہ تم اس کو ضرور

اپنے ساتھ واپس لاؤ گے، الا یہ کہ تم سب ہی گھیرے میں آجاؤ تو الگ بات ہے، کیونکہ یہ بات واضح ہے کہ انسان ظاہری طور پر جتنی قوت اور قدرت رکھتا ہو، پھر بھی وہ اللہ رَبّ العزّت کے سامنے عاجز ہے۔ بیٹوں نے ان سے عہد و پیمان کرلیا اور اپنی حفاظت کی مکمل یقین دہانی کرادی تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کو بنیامین کو ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی بیٹوں کو نصیحت

جب دوسری مرتبہ برادرانِ یوسف غلے کے حصول کے لیے مصر روانہ ہونے لگے تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے انہیں ایک خاص نصیحت فرمائی کہ اب تم گیارہ بھائی وہاں جارہے ہو تو شہر کے ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ شہر کی حدود کے پاس پہنچ کر الگ الگ ہوجانا اور مختلف دروازوں سے داخل ہونا، اس نصیحت کی وجہ غالباً یہ تھی کہ یہ سب نوجوان صحت مند، قدآور اور صاحب جمال و صاحب وجاہت تھے، ایسا نہ ہو کہ جب لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ یہ سب ایک ہی باپ کی اولاد تو کسی کی نظر بد لگ جائے جس سے ان کو تکلیف پہنچے یا کسی کو ان سے حسد ہوجائے اور وہ انہیں تکلیف پہنچائیں۔ اور اس نصیحت کے ساتھ ہی یہ حقیقت بھی بیان فرمادی کہ میں نے جو تمہیں نصیحت کی ہے یہ محض ایک تدبیر ہے، جو اللہ رَبّ العزّت کی تقدیر کا مقابلہ نہیں کرسکتی، اس لیے اس تدبیر کے باوجود اللہ رَبّ العزّت کی ذات پر ہی بھروسہ اور اعتماد رکھنا چاہیے۔ سب بیٹوں نے ان کی نصیحت کو پلے سے باندھ لیا اور اس پر عمل کرتے ہوئے مصر میں مختلف دروازوں سے داخل ہوئے۔

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّيْۤ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ۝ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ۝ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ۝ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ۝ قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ۝ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ۝ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ۝ قَالُوْۤا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ۝ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ۝ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ۝

برادرانِ یوسف کی مصر میں دوسری مرتبہ چھوٹے بھائی کے ہمراہ آمد

حضرت یوسف علیہ السلام کے یہ سارے بھائی جب دوسری مرتبہ مصر پہنچ کر حضرت یوسف علیہ السلام کے دربار میں حاضر ہوئے، اور آپ علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ وعدہ کے مطابق بنیامین کو ساتھ لائے ہیں، تو آپ نے اپنے حقیقی بھائی

بنیامین کو تو اپنے ساتھ ٹھہرایا، اور جب تنہائی کا موقع آیا تو آپ علیہ السلام نے اپنے بھائی پر یہ راز فاش کر دیا اور بتا دیا کہ میں تمہارا حقیقی بھائی یوسف ہوں، لہٰذا تم پریشان نہ ہو اور کوئی فکر نہ کرو۔

غلے کے حصول کے بعد واپسی اور "بنیامین" کا عجیب معاملہ

اس کے بعد آپ نے انہیں غلّہ دینے کا حکم فرمایا، جب ہر ایک کو ضابطہ کے مطابق غلّہ دے دیا گیا تو اس وقت بنیامین کو اپنے پاس روکنے کے لیے آپ علیہ السلام نے یہ حیلہ اور تدبیر اختیار کی کہ اس کے غلہ میں ایک شاہی برتن چھپا دیا گیا جو بہت قیمتی تھا اور خاص حیثیت رکھتا تھا۔ جب یہ قافلہ روانہ ہوا تو کچھ دیر بعد یہ منادی کروا دی گئی کہ بادشاہ کا فلاں برتن چوری ہو گیا ہے، بعض سپاہیوں کو قافلہ کے پیچھے دوڑایا گیا جنہوں نے انہیں قریب ہی روک لیا اور انہیں کہا کہ اے قافلے والو تم چور ہو، برادران یوسف علیہ السلام نے سپاہیوں سے پوچھا کہ ہم نے کیا چرایا ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ بادشاہ کا ایک خاص برتن گم ہو گیا ہے، اور جو شخص اس کو کہیں سے برآمد کرے گا اس کو ایک اونٹ بھر غلّہ انعام میں ملے گا اور میں اس کا ذمہ دار ہوں، برادران یوسف نے یہ سن کر جواب دیا کہ ہم نہ چور ہیں اور نہ فسادی، ہم یہاں کوئی فساد کرنے نہیں آئے تھے، اس لیے ہم پر چوری کا الزام بے بنیاد ہے، شاہی ملازمین نے کہا کہ اگر تمہارا جھوٹ ثابت ہو جائے تو بتاؤ چور کی کیا سزا ہے؟ انہوں نے کہا کہ اگر ہم سے چوری شدہ مال برآمد ہو تو ہماری شریعت میں چور کی سزا یہ ہے کہ جس شخص کے مال سے وہ برآمد ہوا ہے وہ شخص اس شخص کا غلام بن کر رہے گا جس کا مال اس نے چرایا ہے۔ چنانچہ ان سپاہیوں نے ان کے سامان کی تلاشی شروع کر دی، اور اصل حقیقت پر پردہ ڈالنے کے لیے پہلے دوسرے بھائیوں کے سامان کی تلاشی لی تاکہ ان کو شک نہ ہو جائے، اور آخر میں بنیامین کا سامان کھولا گیا تو اس میں سے وہ برتن برآمد ہو گیا، اس وقت سب بھائیوں کی گردنیں شرم سے جھک گئیں اور انہوں نے بنیامین کو برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ اللہ ربّ العزّت فرماتے ہیں کہ اس طرح ہم نے حضرت یوسف علیہ السلام کے لیے اپنے بھائی کو روکنے کی تدبیر کی، کیونکہ مصر کے قانون کے مطابق وہ اپنے بھائی کو اپنے پاس نہیں رکھ سکتے تھے، مصر کا قانون یہ تھا کہ چور کو مار پیٹ کی سزا دے کر اور چوری کردہ مال سے دوگنی قیمت وصول کر کے چھوڑ دیا جائے، اس لیے انہوں نے برادرانِ یوسف سے ان کا ہی قانون دریافت کر کے اس پر عمل کر لیا۔

بھائیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام پر الزام اور عاجزانہ درخواست

جب برادران یوسف کے سامنے بنیامین کے سامان سے چوری کا برتن برآمد ہوا تو وہ کہنے لگے کہ اگر اس نے چوری کر لی تو یہ کچھ زیادہ تعجب کی بات نہیں، اس کا ایک بھائی تھا اس نے بھی اسی طرح اس سے پہلے چوری کی تھی، حضرت یوسف علیہ السلام پر چوری کے الزام میں درحقیقت ایک واقعہ کی طرف اشارہ ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بچپن میں ان کی پرورش ان کی پھوپھی نے کی، جنہیں آپ سے بے حد محبت تھی اور ایک لمحہ کے لیے بھی آپ کو اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیتی تھیں، جب آپ علیہ السلام کچھ چلنے پھرنے کے قابل ہوئے تو حضرت یعقوب علیہ السلام کا ارادہ

ہوا کہ آپ کو اپنے ساتھ رکھیں، پھوپھی سے کہا تو انہوں نے عذر کیا، پھر زیادہ اصرار پر مجبور ہو کر یوسف علیہ السلام کو ان کے والد کے حوالے تو کر دیا مگر ایک تدبیر ان کو واپس لینے کی یہ کر دی کہ پھوپھی کے پاس ایک پٹکا تھا، جو حضرت اسحاق علیہ السلام کی طرف سے ان کو پہنچا تھا، وہ پٹکا پھوپھی نے حضرت یوسف علیہ السلام کی کمر پر ان کے کپڑوں کے نیچے باندھ دیا، اور پھر کہنے لگیں کہ میرا پٹکا چوری ہو گیا ہے، جب تلاشی لی گئی تو حضرت یوسف علیہ السلام سے برآمد ہوا، اور قانون شریعت کے مطابق انہوں نے آپ علیہ السلام کو اپنے پاس رکھ لیا، اور جب تک زندہ رہیں آپ انہی کی تربیت میں رہے۔

اس کے بعد انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشامد کی اور عاجزانہ درخواست کرتے ہوئے کہا کہ اے عزیز مصر! اس کے والد بہت بوڑھے اور ضعیف ہیں، اس کی جدائی ان سے برداشت نہیں ہو گی، اس لیے آپ اس کے بدلے میں ہم میں سے کسی کو گرفتار کر لیں، ہم نے پہلے بھی آپ کو بہت احسان کرنے والا پایا ہے، اس لیے اب بھی احسان فرمادیں۔
حضرت یوسف علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ بات تو میرے اختیار میں نہیں کہ جس کو چاہوں گرفتار کر لوں، ہم تو مجبور ہیں اس بات پر کہ جس سے چوری کا مال برآمد ہوا ہے اسے ہی گرفتار کریں، اگر ہم ایسا نہیں کریں گے تو ہم ظالم ٹھہریں گے۔

فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ۭ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ
وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ
الْحٰكِمِيْنَ ۝ اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ
حٰفِظِيْنَ ۝ وَسْـَٔــلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ
اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ
وَقَالَ يٰٓاَسَفٰى عَلٰي يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ۝ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى
تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ۝ قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا
تَعْلَمُوْنَ ۝ يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔــسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يَايْـــَٔسُ مِنْ
رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا
بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ۝ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا
فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ ۝ قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ۭ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ۡ قَدْ
مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ۭ اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ
عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـــِٕيْنَ ۝ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۭ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۡ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۝ اِذْهَبُوْا
بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰي وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝

برادرانِ یوسف کا باہمی مشورہ

جب برادرانِ یوسف بنیامین کی رہائی سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے آپس میں مشورہ کرنا شروع کر دیا، ان میں

سے سب سے بڑے بھائی (یہودا یا روبیل، یہ وہی ہیں جنہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل نہ کرنے کا مشورہ دیا تھا) نے کہا کہ تمہیں معلوم ہے کہ ابا جان نے ہم سے بنیامین کے واپس لانے کا پختہ عہد لیا تھا، اور یہ بھی معلوم ہے کہ ہم پہلے بھی یوسف کے معاملہ میں انہیں تکلیف پہنچا چکے ہیں، اس لیے اب میں تو اس وقت تک یہاں سے نہیں جاؤں گا جب تک ابا جان خود مجھے واپس آنے کا حکم نہ دیں یا اللہ رَبّ العزّت کی طرف سے مجھے یہاں سے نکلنے کا حکم نہ ہو جائے، تم سب لوگ ابا جان کے پاس جاؤ اور انہیں بتاؤ کہ آپ کے صاحبزادہ نے چوری کی ہے، اور چوری کا مال ہماری آنکھوں کے سامنے اس کے سامان سے برآمد ہوا ہے، اور اگر آپ کو ہماری بات پر اطمینان نہ ہو تو قافلہ والوں سے تصدیق اور تحقیق کر لیجیے۔ چنانچہ باقی سب بھائی بڑے بھائی کو چھوڑ کر وطن واپس روانہ ہو گئے، اور گھر پہنچ کر حضرت یعقوب علیہ السلام کو سارا ماجرا سنایا، اور انہیں یقین دلانے کے لیے عرض کیا کہ آپ ہماری باتوں کی تصدیق قافلے والوں سے کر سکتے ہیں، لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام کا دل ان کی باتوں پر مطمئن نہیں ہوا، اس لیے انہوں نے فرمایا کہ یہ بات تم نے اپنی طرف سے گھڑ لی ہے، مگر میں اب بھی صبر کرتا ہوں، کیونکہ میرے لیے صبر ہی بہتر ہے۔ اس کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام نے اللہ رَبّ العزّت سے فریاد شروع کر دی اور فرمایا کہ مجھے یوسف کی وجہ سے سخت غم اور رنج لاحق ہے، اور اس رنج و غم میں روتے روتے ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں، یعنی ان کی بینائی جاتی رہی، آپ کے بیٹوں نے آپ کو اس حال میں دیکھا تو کہنے لگے کہ قسم بخدا آپ یوسف کو یوں یاد یاد کر کے اپنے آپ کو ہلاک کر لیں گے، آپ علیہ السلام نے بیٹوں کی یہ بات سن کر فرمایا کہ میں نے تو تم سے کوئی شکایت یا شکوہ نہیں کیا اور نہ ہی اپنے دکھ درد کا اظہار تمہارے سامنے کیا ہے، میں تو اللہ رَبّ العزّت کے سامنے روتا ہوں اور اسی سے فریاد کرتا ہوں، اس لیے مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔ پھر آپ علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو، اور کبھی مایوس نہ ہونا، کیونکہ اللہ رَبّ العزّت کی رحمت سے صرف کافر مایوس ہوا کرتے ہیں۔

برادرانِ یوسف کی مصر میں تیسری مرتبہ آمد

برادرانِ یوسف نے اپنے والد صاحب کے حکم کی تعمیل میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے تیسری مرتبہ مصر کا سفر کیا، کیونکہ بنیامین کا تو وہاں ہونا معلوم تھا اس لیے پہلی کوشش ان کی خلاصی اور چھٹکارے کی کرنا تھی، حضرت یوسف علیہ السلام کا اگرچہ مصر میں ہونا معلوم نہیں تھا مگر ان کی تلاش کا بھی مصر سے آغاز کرنے میں کوئی حرج نہیں تھا، اور غلے کی ضرورت بھی تھی، اس لیے انہوں نے مصر کا رخ کیا، جب مصر پہنچے اور عزیز مصر سے ملے تو ان سے اپنی محتاجی اور بے کسی کا اظہار کیا اور کہنے لگے کہ اے عزیز! ہم کو اور ہمارے گھر والوں کو قحط کی وجہ سے سخت تکلیف پہنچ رہی ہے، ہمارا سب کچھ قحط کی نذر ہو چکا ہے اور اب ہمارے پاس غلہ خریدنے کے لیے پیسے بھی نہیں ہیں، ہم آپ کے پاس کچھ نکمی اور بے قیمت چیزیں لے کر آئے ہیں، آپ کے کریمانہ اخلاق سے امید ہے کہ آپ ان کو قبول فرما کر ہمیں غلہ عنایت فرما دیں گے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب بھائیوں سے گھر کے یہ حالات سنے اور ان کی شکستہ حالت دیکھی تو طبعی طور پر

حقیقت حال ظاہر کردینے پر مجبور ہوگئے اور اللہ ربّ العزّت کی جانب سے جو اظہار حال پر پابندی تھی وہ بھی ختم ہوگئی تو آپ نے بھائیوں پر اپنے راز کو ظاہر کر دیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا بھائیوں کے سامنے اپنا تعارف

فرمایا کہ کیا تم کو یاد ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا برتاؤ کیا تھا؟ برادران یوسف نے جب یہ سوال سنا تو سوچ میں پڑ گئے کہ عزیز مصر کو یوسف کے قصہ سے کیا واسطہ، پھر انہوں نے غور وفکر کیا تو کچھ علامات سے آپ کو پہچان لیا اور مزید تحقیق کے لیے آپ سے پوچھا: ''ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ'' کیا آپ ہی یوسف ہیں؟ تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں میں ہی یوسف ہوں اور یہ بنیامین میرا حقیقی بھائی ہے، اللہ ربّ العزّت نے ہم پر اپنا خاص فضل وکرم اور احسان فرمایا ہے، اب چونکہ برادران یوسف کے پاس اپنی غلطی اور جرم کے اقرار کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا، اس لیے انہوں نے یک زبان ہو کر کہا: واقعی، اللہ ربّ العزّت نے آپ کو ہم سب پر فضیلت اور برتری عطا فرمائی ہے اور ہم نے جو کچھ کیا تھا، وہ ہماری غلطی تھی، آپ ہمیں معاف فرما دیجیے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا برادران کو معاف کرنے کا اِعلان

حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کی اس معذرت کے جواب میں اپنی پیغمبرانہ شان کے مطابق جواب دیا کہ آج تم پر کوئی ملامت نہیں، اور نہ میں تم سے ان مظالم کا انتقام لوں گا، اللہ ربّ العزّت بھی تمہاری خطاؤں کو معاف فرما دیں۔ پھر فرمایا کہ میرا یہ کرتہ لے جاؤ اور اس کو والد صاحب کے چہرے پر ڈال دینا، اس سے ان کی آنکھیں روشن ہو جائیں گی، اور وہ یہاں تشریف لا سکیں گے، اور انہیں اور باقی سب گھر والوں کو لے کر میرے پاس آؤ تا کہ ہم سب باہم ملیں اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں۔

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّىْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ۝ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِىْ ضَلٰلِكَ
الْقَدِيْمِ ۝ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مِنَ
اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِئِيْنَ ۝ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّىْ ؕ
اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ
اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۝ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَاىَ مِنْ
قَبْلُ ؗ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّىْ حَقًّا ؕ وَقَدْ اَحْسَنَ بِىْٓ اِذْ اَخْرَجَنِىْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ
نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ بَيْنِىْ وَبَيْنَ اِخْوَتِىْ ؕ اِنَّ رَبِّىْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ رَبِّ قَدْ
اٰتَيْتَنِىْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِىْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۟ اَنْتَ وَلِىّٖ فِى الدُّنْيَا
وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِىْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِىْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۝

پیراہنِ یوسفؑ کی خوشبو

حضرت یوسف علیہ السلام نے جب بھائیوں کو معاف فرما کر انہیں حکم دیا کہ تمام گھر والوں کو لے کر جلد واپس مصر آئیں اور میرا کرتا لے جا کر والد صاحب کی آنکھوں پر ڈال دیں تا کہ ان کی بینائی واپس آ جائے، تو بھائی خوشی خوشی گھر کی جانب روانہ ہوئے، ابھی مصر سے نکلے ہی تھے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے پاس والوں سے کہا کہ اگر تم مجھے بے وقوف نہ سمجھو تو میں تمہیں بتلا دوں کہ مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے، حالانکہ مصر سے کنعان کے درمیان تقریباً ڈھائی سو میل کا فاصلہ تھا، اللہ تعالیٰ نے اتنی دور سے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کی خوشبو حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچا دی، جب لوگوں نے آپ کے منہ سے یہ بات سنی تو کہنے لگے کہ آپ تو اپنے اسی پرانے خیال میں مبتلا ہیں کہ یوسف زندہ ہیں، یہ صرف آپ کا وہم ہے۔

جب یہ قافلہ کنعان پہنچا اور حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں پر ڈالی گئی تو ان کی بینائی فوراً واپس آ گئی، اس وقت آپ علیہ السلام نے ان حاضرین مجلس سے کہا کہ کیا میں نہ کہتا تھا کہ یوسف زندہ ہیں اور ایک دن دوبارہ ملیں گے، مجھے خدا نے وہ علم عطا فرمایا ہے جس سے تم محروم ہو۔ اس موقع پر تمام بیٹوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے اپنی خطاؤں کی معافی مانگی اور ان کی خدمت میں درخواست کی کہ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دُعا کریں، حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس کی حامی بھر لی اور ارشاد فرمایا کہ میں بہت جلد تمہارے لیے دُعا کروں گا، اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ رات کے آخری حصہ میں اہتمام کے ساتھ دُعا کریں کیونکہ اس وقت دُعا خصوصیت سے قبول کی جاتی ہے۔

خاندانِ یوسف علیہ السلام کی مصر آمد

جب حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی لوٹ آئی تو بیٹوں نے انہیں حضرت یوسف علیہ السلام کا پیغام سنایا، اور انہیں اور تمام خاندان والوں کو مصر چلنے کی دعوت دی، چنانچہ سب نے مصر جانے کی تیاری کی اور بہتر (۷۲) یا ترانوے (۹۳) افراد مرد و عورت پر مشتمل قافلہ مصر کی جانب روانہ ہو گیا۔ جب یہ قافلہ مصر پہنچنے کے قریب ہوا تو حضرت یوسف علیہ السلام اور ملک مصر کے لوگ استقبال کے لیے شہر سے باہر تشریف لائے اور چار ہزار سپاہیوں نے آپ کے خاندان کو سلامی پیش کی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر

جب یہ مصر پہنچے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو اپنے پاس ٹھہرایا اور اپنے ساتھ شاہی تخت پر بٹھایا، اس وقت والدین اور تمام بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے سجدہ کیا، حضرت یوسف علیہ السلام نے جب ان کو اپنے سامنے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا تو انہیں اپنا بچپن کا خواب یاد آ گیا کہ سورج اور چاند اور گیارہ ستارے مجھے سجدہ کر رہے ہیں، چنانچہ آپ نے فرمایا کہ یہ میرے اس خواب کی تعبیر اور تکمیل ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی دُعا

جب سارے مصائب ٹل گئے اور ساری پریشانیاں زائل ہوگئیں تو حضرت یوسف علیہ السلام اللہ رَبّ العزّت کی حمد وثناء اور اس سے دُعا کرنے میں مصروف اور مشغول ہوگئے اور آپ نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی کہ اے پروردگار! آپ نے ہی مجھ کو سلطنت عطا فرمائی، مجھے خوابوں کی تعبیر کا علم سکھایا، اے زمین وآسمان کے خالق آپ ہی دنیا اور آخرت میں میرے کارساز ہیں، میری عرض ہے کہ مجھے اس حال میں دنیا سے اٹھائیے گا کہ میں آپ کا فرمانبردار رہوں اور مجھے میری وفات کے بعد نیک لوگوں میں شامل رکھیے گا۔

حُسنِ خاتمہ اور حُسنِ انجام کی دُعا

سیّدنا یوسف علیہ السلام کی یہ دُعا "فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۣ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ" یعنی اے زمین وآسمان کے خالق، تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے، مجھے اسلام کی حالت میں موت عطا فرما اور وفات کے بعد نیک لوگوں میں شامل فرما، حسن خاتمہ اور حسن انجام کی دُعا ہے۔ یہی دُعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی فرمائی۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ۝ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ۝ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۭ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ حَتّٰٓي اِذَا اسْتَيْـــَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَاۗءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَاۗءُ ۭ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۭ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

مشرکینِ مکہ سے شکوہ اور تنبیہ

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کی تکمیل کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے مشرکین مکہ سے شکوہ کیا ہے اور تنبیہ فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ آسمان وزمین میں پھیلی قدرت کی ان گنت نشانیوں کا روز مشاہدہ کرتے ہیں، اس کے باوجود یہ ان میں غور وفکر نہیں کرتے اور مسلسل حق سے اعراض اور غفلت کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں، کیا یہ اس بات سے بے خوف ہوگئے ہیں کہ جس طرح گزشتہ قوموں پر اللہ رَبّ العزّت کی طرف سے عذاب آئے، ویسا عذاب ان پر نہ آپڑے، کیا انہیں قیامت کا ڈر نہیں ہے کہ وہ اچانک آجائے اور انہوں نے اس کے لیے کوئی تیاری بھی نہ کی ہو۔

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے فرمایا کہ آپ ان سے فرما دیجیے کہ تم مانو یا نہ مانو، میرا تو یہی طریقہ ہے کہ میں لوگوں کو بصیرت اور یقین کے ساتھ اللہ رَبّ العزّت کی طرف دعوت دیتا رہوں، اور میں تمہاری طرح اللہ رَبّ العزّت کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرا سکتا۔

مشرکین کے ایک اعتراض کا جواب

مشرکینِ مکہ یہ اعتراض کیا کرتے تھے کہ اللہ رَبّ العزّت کا رسول فرشتہ ہونا چاہیے، کوئی انسان نہیں، اس کے جواب میں اللہ رَبّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ ان کا یہ خیال بالکل غلط اور بے بنیاد ہے، ہمیشہ سے اللہ رَبّ العزّت کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ انسانوں کے لیے انسان کو ہی رسول اور پیغمبر بنا کر بھیجتے ہیں، البتہ عام انسانوں اور ان میں فرق یہ ہوتا ہے کہ ان پر اللہ رَبّ العزّت کی جانب سے وحی آتی ہے۔ اس لیے انہیں چاہیے کہ حق کو تسلیم کریں اور فضول شبہات اور اعتراضات کی وجہ سے حق سے روگردانی نہ کریں، اور گزشتہ قوموں کے انجام سے عبرت حاصل کریں جنہوں نے حق سے منہ پھیرا تو اللہ رَبّ العزّت نے انہیں تباہ و برباد کر دیا۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت کے آغاز میں اللہ رَبّ العزّت نے قرآن کی حقّانیت کو بیان فرمایا۔

۲۔ سورت میں حضرت یوسف علیہ السلام کا تفصیلی تذکرہ اور آپ کی زندگی کے واقعات کو ایک خاص ترتیب سے ذکر کیا گیا، جس میں تمام ضروری تفاصیل کے ساتھ ساتھ عبرت اور نصیحت کی کافی باتیں بیان کی گئی ہیں۔

۳۔ سورت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اِثبات بھی کیا گیا ہے۔

۴۔ مشرکین سے شکوہ اور انہیں تنبیہ کی گئی ہے۔

۵۔ مشرکین کے اِعتراض و شبہ کا جواب بھی دیا گیا ہے۔

تمت سورۃ یوسف بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَةُ الرَّعْد

سورت کا تعارف

اس سورت کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے، قرآنی ترتیب میں تیرہویں جبکہ نزول کے اعتبار سے چھیانوے (۹۶) نمبر پر ہے، چھ رکوع اور تینتالیس (۴۳) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہ تسمیہ

اس سورت میں اللہ ربّ العزّت کی قدرت کی نشانیاں ذکر کی گئی ہیں، جن میں بادلوں کی گرج چمک بھی شامل ہے، جسے عربی میں رعد کہا جاتا ہے، اسی مناسبت سے سورت کا نام سورۂ رعد رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت کے آخر میں اللہ ربّ العزّت نے اجمالی طور پر اپنی قدرت کی نشانیوں کی طرف اشارہ فرمایا تھا، اس سورت میں ان نشانیوں کی تفصیل ذکر کی گئی ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع ''حق کی قوت اور اس کے غلبے کا بیان'' ہے۔

عمومی مضامین

۱۔سورت میں اللہ ربّ العزّت کی قدرت کی نشانیاں ذکر فرما کر ان میں غور وفکر کی تلقین کی گئی ہے۔

۲۔گزشتہ قوموں کی ہلاکت کا تذکرہ فرما کر ان سے عبرت حاصل کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

۳۔عقل کو استعمال کرنے اور کام میں لانے کی تلقین کی گئی ہے۔

۴۔اللہ ربّ العزّت کے نبیوں اور رسولوں سے متعلق اللہ تعالی کے ضابطہ کا بیان ہے کہ انہیں ازواج واولاد دی جاتی ہے، تا کہ خدائی احکام کی ادائیگی میں وہ بعد والوں کے لیے پیشوا بنیں۔

۵۔سورت میں حق کے غلبے کو بیان کرنے کے لیے مثالیں بھی ذکر کی گئی ہیں۔

۲۔ باطل متعدد شکلیں اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بغاوت اور نافرمانی کرنے والوں کی شکل، جھوٹ بولنے والے فاجر کی شکل، ظالم اور زیادتی کرنے والے کی شکل، کمزور کا حق غصب کرنے والے کی شکل، لہٰذا لوگ ظاہر سے دھوکہ نہ کھائیں بلکہ باطن پر نظر رکھیں۔ باطل ظاہر ہی ہوتا ہے اور حق چھپا ہوا ہوتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ۭ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝١ اَللّٰهُ
الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ يَّجْرِيْ
لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاۗءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝٢ وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ
فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ۭ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝٣ وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ
صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَاۗءٍ وَّاحِدٍ ۣ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰي بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝٤
وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ڛ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ
الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝٥ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ
الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ۭ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰي ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ
الْعِقَابِ ۝٦ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝٧

’’اَحادیثِ رسول‘‘ بھی ’’وحیِ اِلٰہی‘‘ ہیں

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے قرآن کی حقانیت اور احادیث مبارکہ کی حجیت کو بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ یہ آیات جو آپ پر نازل کی گئی ہیں، یہ اللہ ربّ العزّت کا کلام ہیں، اور اس کے علاوہ بھی جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا ہے، وہ بھی حق ہے، اس سے مراد احادیث نبویہ ہیں، معلوم ہوا کہ احادیث نبویہ بھی اللہ ربّ العزّت کی وحی ہی ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے الفاظ میں بیان فرمایا ہے، لہٰذا جس طرح قرآنِ کریم ہمارے لیے حجت اور دلیل ہے، اسی طرح احادیثِ نبویہ بھی ہمارے لیے حجت اور دلیل ہیں۔

قدرتِ باری تعالیٰ کے نمونے

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے اپنے وجود اور اپنی توحید کے دلائل بیان فرمائے اور زمین و آسمان میں پھیلی قدرت کی نشانیاں ذِکر فرما کر ان میں غور و فکر کی دعوت دی ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ رب العزت ہی وہ ذات ہے جس نے اتنے بڑے اور عظیم الشان آسمان کو بغیر کسی ستون کے قائم فرمایا اور سورج اور چاند کا ایک مرتب نظام بنا دیا، ان میں سے ہر ایک معین رفتار اور متعین مدار میں چلتا ہے، ہزاروں سال گزر گئے نہ کبھی ان کے رفتار میں کمی بیشی ہوتی ہے اور نہ اپنے مدار

سے باہر آتے ہیں، یہ سب اللہ ربّ العزّت کی تدبیر کا نتیجہ ہے، اسی پاک ذات نے زمین کو پھیلایا، اس میں بڑے بڑے پہاڑ گاڑے اور نہریں چلائیں، پھر زمین سے طرح طرح کے پھل نکالے، اور ہر ایک پھل دو دو قسم کے پیدا فرمائے، چھوٹے بڑے، کھٹے میٹھے وغیرہ، رات اور دن کا مرتب نظام بنایا، دِن کی روشنی کے بعد رات کا اندھیرا وہی ربّ لے کر آتا ہے۔

اور یہ بھی اسی پاک ذات کی قدرت کی نشانی ہے کہ اس نے ایک جیسی زمین کی خاصیتیں مختلف رکھی ہیں، کوئی زمین نرم ہے تو کوئی سخت، کوئی بنجر ہے تو کوئی آباد، کوئی کھیتی اور باغات کے قابل ہے تو کوئی شور زدہ، پھر ان مختلف خاصیات والی زمینوں سے اس رب نے کئی طرح کے باغات پیدا فرما دیے، کہیں انگور کے باغات ہیں تو کہیں کھجور کے، اور کھجور کے باغات بھی مختلف قسم کے ہیں، بعض ایسے ہیں جن کے ایک تنے سے اوپر جا کر دو تنے ہو جاتے ہیں اور بعض میں ایک ہی تنا رہتا ہے، حالانکہ ان سب کو ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے، اس کے باوجود ان سب کے رنگوں کا مختلف ہونا، ذائقہ کا مختلف ہونا اور خاصیتوں کا مختلف ہونا اس پاک ذات کی قدرت کی بے مثال نشانیاں ہیں، ان میں غور وفکر کر کے کوئی بھی شخص اس حقیقت کو جان سکتا ہے کہ جو ذات اتنی قدرتوں کی مالک ہے وہی سب سے زیادہ عبادت کے لائق ہے۔

کفّار کے اِعتراضات کے جوابات

پہلا اِعتراض

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے کفّار کے چند اعتراضات اور شبہات کا جواب ارشاد فرمایا ہے، ان کا ایک اعتراض یہ تھا کہ یہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو ناممکن اور خلافِ عقل سمجھتے تھے، اور کہتے تھے کہ جب ایک شخص مٹی میں مل کر ریزہ ریزہ ہو جائے تو وہ دوبارہ کیسے زندہ ہو سکتا ہے؟ اللہ ربّ العزّت نے ان کے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ ان کا یہ کہنا کہ مٹی میں مل جانے کے بعد دوبارہ نئے سرے سے کیسے پیدا کیا جا سکتا ہے، نہایت تعجب اور بے عقلی کی بات ہے، کیونکہ ابھی گزشتہ آیات میں اللہ ربّ العزّت کی قدرت کی کئی بڑی اور عظیم الشان نشانیوں کا ذکر ہوا ہے تو جو رب ان سب نشانیوں کو پیدا کرنے پر قادر ہے اور ان سب کو عدم سے وجود میں لا سکتا ہے تو وہ ایک انسان کو موت کے بعد دوبارہ اٹھانے پر کیسے قادر نہیں ہوگا؟

اس لیے ان کا یہ انکار اللہ ربّ العزّت کی قدرت کا انکار ہے جس کی سزا یہ ہوگی کہ ان کی گردنوں میں طوق ڈالے جائیں گے اور ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

دوسرا اِعتراض

ان کا دوسرا اعتراض یہ تھا کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم واقعۃً اللہ ربّ العزّت کے نبی ہیں تو نبی کی مخالفت پر جو عذاب کی وعیدیں ہمیں سنائی جاتی ہیں وہ عذاب کیوں نہیں آتا، اس کا جواب اللہ ربّ العزّت نے یہ ارشاد فرمایا کہ اگرچہ

اللہ ربّ العزّت تم پر فوراً عذاب بھیجنے پر بھی قادر ہے جیسے اس نے تم سے پہلے والی امتوں پر عذاب بھیجے، لیکن یہ محض اس کا فضل و کرم ہے کہ وہ تمہاری چاہت کے باوجود تم پر عذاب نازل نہیں کر رہا، بلکہ تمہیں مسلسل توبہ کرنے اور اس کی طرف رجوع کرنے کی مہلت دیے جاتا ہے، اس لیے عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر اللہ ربّ العزّت کی طرف رجوع کیا جائے اور اس کے احکامات کو بجالایا جائے۔

تیسرا اعتراض

ان کا تیسرا اعتراض یہ تھا کہ اگرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے معجزات ہم کھلی آنکھوں دیکھ چکے ہیں، لیکن جن خاص معجزات کا ہم نے مطالبہ کیا ہے وہ آپ کیوں لے کر نہیں آتے؟ اللہ ربّ العزّت نے ان کے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ معجزہ ظاہر کرنا نبی کے اختیار میں نہیں ہوتا، بلکہ وہ براہ راست اللہ ربّ العزّت کا فعل ہوتا ہے جو نبی کے ہاتھ پر ظاہر کر دیا جاتا ہے، سو جب اللہ ربّ العزّت چاہیں گے وہ معجزہ ظاہر فرما دیں گے، آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام تو صرف اللہ ربّ العزّت کی طرف سے اس کے بندوں کو ڈرانے والے بنا کر بھیجے گئے ہیں، معجزہ ظاہر کرنا آپ کا کام نہیں ہے۔ (معارف القرآن)

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ۭ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ⑧ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ⑨ سَوَاۗءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ⑩ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْۗءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ⑪ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ⑫ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ ۚ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَاۗءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ۚ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ⑬

توحید باری تعالیٰ کے دلائل

ان آیات میں ایک بار پھر اللہ ربّ العزّت نے اپنی توحید کے دلائل بیان فرمائے ہیں، چنانچہ سب سے پہلے ارشاد فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت کا علم ہر لحاظ سے کامل ہے، وہ عورت کے پیٹ میں موجود حمل کی جنس سے بھی واقف ہوتا ہے کہ وہ لڑکا ہے یا لڑکی، حسین ہے یا بدشکل، نیک ہے یا بد، اور اس حمل میں جو کمی بیشی ہوتی ہے یعنی کبھی ایک بچہ پیدا ہوتا ہے اور کبھی زیادہ، کبھی بچہ جلدی پیدا ہو جاتا ہے اور کبھی دیر سے، اس سب کا علم بھی اللہ ربّ العزّت کو پہلے سے ہوتا ہے۔ وہ عالم الغیب ہے، ڈھکی چھپی اور ظاہر تمام چیزوں کا اسے علم ہے، ذات و صفات کے لحاظ سے بلند و بالا ہے۔ اس کے سامنے آہستہ آواز میں کلام کرنے والا اور بلند آواز میں کلام کرنے والا دونوں برابر ہیں، وہ دونوں کے کلام کو یکساں طور پر سنتا اور جانتا ہے، اسی طرح وہ

شخص جو رات کی اندھیری میں چھپا ہوا ہے اور جو شخص دن کے اجالے میں کھلے راستے پر چل رہا ہے، دونوں اس کے علم اور قدرت میں برابر ہیں۔

اللہ ربّ العزّت نے ہر انسان کے ساتھ فرشتوں کی کچھ جماعتیں مقرر فرمائی ہیں جن کے ذمہ یہ کام سپرد کیا گیا ہے کہ وہ انسان کی شیاطین اور دوسرے خطرات سے حفاظت کریں، ان فرشتوں کی ڈیوٹیاں بدلتی رہتی ہیں، حدیث مبارکہ میں ہے کہ فرشتوں کی دو جماعتیں حفاظت کے لیے مقرر ہیں، ایک رات کے لیے اور دوسری دن کے لیے، یہ دونوں جماعتیں صبح اور عصر کی نمازوں میں جمع ہوتی ہیں، صبح کی نماز کے بعد رات کے محافظ رخصت ہو جاتے ہیں، دن کے محافظ کام سنبھال لیتے ہیں اور عصر کی نماز کے بعد یہ رخصت ہو جاتے ہیں، رات کے فرشتے ڈیوٹی پر آجاتے ہیں۔ (صحیح بخاری: ۵۵۵)

حضرت کعب احبار فرماتے ہیں کہ اگر انسان سے یہ حفاظت خداوندی کا حصار ہٹا لیا جائے تو جنات ان کی زندگی وبال کردیں، لیکن یہ حفاظتی پہرے اسی وقت تک کام کرتے ہیں جب تک تقدیر الٰہی ان کی حفاظت کی اجازت دیتی ہے، اور جب اللہ تعالیٰ ہی کسی بندہ کو مبتلا کرنا چاہیں تو یہ حفاظتی پہرا ہٹ جاتا ہے۔ (معارف القرآن)

مصائب کب آتے ہیں؟

اللہ ربّ العزّت کسی بھی انسان یا معاشرہ پر کوئی انفرادی یا اجتماعی تکلیف اور پریشانی تب تک نہیں بھیجتے جب تک وہ قوم یا فرد خود اپنے اعمال کو برائی اور فساد میں تبدیل نہ کرلے، اور جب وہ اپنے حالات کو سرکشی اور نافرمانی میں بدل دیتے ہیں تو اللہ ربّ العزّت بھی انہیں امن و عافیت سے نکال کر تنگیوں اور پریشانیوں میں مبتلا فرما دیتے ہیں۔

قدرتِ خداوندی کی چند مزید نشانیاں

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے پھر اپنی قدرت کی چند نشانیاں ذکر فرما کر انسانوں کو غور و فکر کی دعوت دی ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت کی ذات پاک ہی ہے جو تمہیں یہ بجلی کی کڑک اور چمک وغیرہ دکھاتی ہے، اور وہی ہے جو بڑے بڑے بھاری بادلوں کو سمندر سے اُٹھا کر فضا میں بکھیر دیتی ہے اور پھر جہاں چاہتی ہے اپنے فضل و کرم سے بارش برسا دیتی ہے، اور جہاں چاہتی ہے زمین پر بجلی گرا دیتی ہے، اور رعد اور دیگر فرشتے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء اور تسبیح کرتے رہتے ہیں۔

''رعد'' کیا ہے؟

''رعد'' عرف عام میں بادل کی آواز کو کہا جاتا ہے جو بادلوں کے باہمی ٹکراؤ سے پیدا ہوتی ہے، چونکہ اللہ ربّ العزّت نے قرآن میں ارشاد فرمایا ہے کہ زمین و آسمان میں کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ کی تسبیح نہ کرتی ہو، لیکن عام لوگ یہ تسبیح سمجھ نہیں سکتے، تو یہ بادل بھی اللہ ربّ العزّت کی تسبیح کرتے ہیں۔ اور بعض مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ رعد اس فرشتہ کا نام ہے جو بارش برسانے پر مقرر ہے، اور وہ فرشتہ تسبیح کرتا ہے۔

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا
وَّلَا ضَرًّا ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِى الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ
خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَىْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ
مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِى النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ
مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ۬ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ
النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِى الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ۝

شرک کے بطلان پر عقلی دلیل

پہلی آیت میں اللہ رَبّ العزّت نے شرک کے بطلان کو واضح کرنے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی کفار سے سوال کیا ہے کہ اللہ رَبّ العزّت کے سوا جن معبودوں کو تم پوجتے ہو کیا ان کے اختیار میں کسی قسم کا نفع یا نقصان پہنچانا ہے، کیا وہ کسی کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں یا اگر کوئی ان کی عبادت نہ کرے تو کیا وہ اسے نقصان پہنچا سکتے ہیں، یا کیا ان معبودانِ باطلہ کی اللہ رَبّ العزّت کی تخلیق جیسی کوئی تخلیق ہے، کیا انہوں نے کسی چیز کو پیدا کیا ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو ان کے پیچھے بھاگنا کہاں کی دانش مندی ہے، وہ بت اور مورتیاں تو خود اپنے وجود میں بھی دوسروں کی محتاج ہیں تو وہ کسی کو کیا نفع پہنچا سکتی ہیں، جبکہ اللہ رَبّ العزّت ہر چیز کا خالق بھی ہے اور مالک بھی، سو وہی عبادت کے اصل لائق ہے۔

حق اور باطل کی خوبصورت مثال

دوسری آیت میں اللہ رَبّ العزّت نے حق اور باطل کو دو بہت خوبصورت مثالوں سے واضح فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ جیسے آسمان سے بارش ہو، جس کی وجہ سے زمین میں نالے بہنے لگیں، پھر سیلاب خس وخاشاک بہاتا ہوا لے آئے جو پانی کی سطح پر تیر رہا ہو، اور وہ چیزیں جنہیں آگ میں رکھ کر زیورات یا برتن وغیرہ بنانے کے لیے تپایا جاتا ہے، ان پر بھی میل کچیل آجاتا ہے، تو ان دونوں مثالوں میں ایک تو کارآمد چیز ہے اور دوسری بے کار، اور عارضی طور پر وہ بے کار چیز یعنی میل کچیل اور خس وخاشاک، اس کارآمد چیز کے اوپر نظر آتی ہے، لیکن بالآخر وہ پھینک دیے جاتے ہیں اور اصلی چیز باقی رہ جاتی ہے، اسی طرح باطل اگرچہ کچھ روز حق پر غالب نظر آتا ہے، لیکن آخر کار وہ ختم اور مغلوب ہو جاتا ہے جبکہ حق باقی اور ثابت رہتا ہے۔

اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ
بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۝ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ
سُوْٓءَ الْحِسَابِ ۝ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً
وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ
وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ

عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ
وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ
وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِى الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾

جنّت میں لے جانے والے اعمال

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ حق کو قبول کرنے والے اور اللہ ربّ العزّت کے احکام پر عمل کرنے والے اور کافر و مشرک کبھی برابر نہیں ہو سکتے، راہِ حق پر گامزن افراد کا اخروی انجام جنّت ہے جبکہ کفّار و مشرکین کو جہنّم کی آگ میں جلنا ہوگا۔ اس کے بعد ان دونوں فریقوں کے چند اعمال بیان کیے گئے ہیں جو درحقیقت ان کے انجام اور آخری ٹھکانے تک لے جانے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔

۱۔ اہلِ حق کے اعمال بیان کرتے ہوئے پہلا عمل اور ان کی پہلی صفت یہ بیان فرمائی کہ وہ عہد کے پکے ہوتے ہیں، یعنی اللہ ربّ العزّت سے کیے ہوئے عہد و پیمان کو بھی پورا کرتے ہیں اور بندوں سے کیے گئے معاہدوں کو بھی پورا کرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ اور کبھی ان معاہدوں کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔

۲۔ دوسری صفت یہ ذکر کی گئی کہ وہ لوگ صلہ رحمی کرتے ہیں، اور جن رشتوں اور تعلقات کو اللہ ربّ العزّت نے جوڑنے کا حکم فرمایا ہے انہیں جوڑتے ہیں، یعنی رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرتے ہیں، ان کے حقوق پورے کرتے ہیں۔

۳۔ تیسری صفت یہ ہے کہ ان کے دل اللہ ربّ العزّت کے خوف اور ڈر سے لبریز ہیں، جس کی وجہ سے وہ اس بات کی پوری کوشش کرتے ہیں کہ ہمارا کوئی بھی فعل اور عمل ایسا نہ ہو جو اللہ ربّ العزّت کے ناراضی کا سبب بن جائے۔

۴۔ چوتھی صفت یہ ہے کہ یہ لوگ روزِ محشر اللہ ربّ العزّت کے سامنے پیشی اور حساب و کتاب سے ڈرتے ہیں کہ مبادا ہمارا حساب خراب نہ نکل آئے، اس لیے وہ حتی الامکان گناہوں سے بچنے کی کوشش میں مصروف رہتے ہیں۔

۵۔ پانچویں صفت یہ ہے کہ وہ اللہ ربّ العزّت کی رضا حاصل کرنے کے لیے صبر کرتے ہیں، صبر سے مراد تکالیف اور مصائب پر صبر کرنا بھی ہے اور گناہوں سے باز آنا اور نیکیوں پر جمنا بھی، ان کا سب پر عمل ہوتا ہے۔

۶۔ چھٹی صفت یہ ہے کہ یہ نماز قائم کرتے ہیں، اور اسے پورے خشوع و خضوع اور مکمل آداب کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

۷۔ ساتویں صفت یہ ہے کہ اللہ ربّ العزّت کے دیے ہوئے رزق میں سے اعلانیہ اور پوشیدہ دونوں طرح اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، اس سے مراد زکوٰۃ بھی ہے اور نفلی صدقات بھی، زکوٰۃ کا اعلانیہ ادا کرنا بہتر ہے تاکہ دوسرے لوگوں کو بھی ترغیب اور تلقین ہو، اور نفلی صدقات کو پوشیدہ طور پر ادا کرنا افضل و بہتر ہے۔ (معارف القرآن)

۸۔ آٹھویں صفت یہ ہے کہ یہ لوگ برائی کا بدلہ بھلائی اور اچھائی سے دیتے ہیں، برائی کے بدلہ میں برائی سے کام نہیں لیتے، اور ظلم کو عفو و درگزر سے رفع کرتے ہیں۔

اَنجامِ کار

یہ آٹھ صفات بیان کرنے کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے ان کی اخروی جزا یہ بیان فرمائی کہ آخرت کی کامیابی انہی لوگوں کا مقدر بنے گی، وہ ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں قیام پذیر ہوں گے، اور ان کے آباؤ اجداد، ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے بھی جو لوگ ایمان والے اور نیک اعمال کرنے والے ہوں گے، وہ بھی جنت میں ان کے ساتھ ہوں گے، جہاں فرشتے ان کو ہر دروازے سے داخل ہو کر سلام کریں گے۔

جہنّم میں لے جانے والے اعمال

جنت میں لے جانے والے اعمال کا تذکرہ کرنے کے بعد ان اعمال کا تذکرہ فرمایا جو جہنّم میں داخلے کا سبب بنتے ہیں:

۱- پہلا عمل یہ ہے کہ وہ اللہ رَبّ العزّت سے کیا ہوا عہد توڑ دیتے ہیں، یعنی ازل میں اللہ رَبّ العزّت کی ربوبیت اور وحدانیت کا جو عہد تمام روحوں سے لیا گیا تھا اسے انہوں نے توڑ ڈالا۔

۲- ان کی دوسری صفت یہ ہے کہ یہ ان تعلقات اور رشتہ داریوں کو توڑتے ہیں جن کو قائم رکھنے کا اللہ رَبّ العزّت نے حکم دیا ہے، یعنی صلہ رحمی کرنے کے بجائے قطع تعلقی کرتا ہے، حالانکہ اللہ رَبّ العزّت نے اس سے منع فرمایا ہے۔

۳- ان کی تیسری صفت یہ ہے کہ یہ زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، یعنی ان کے اعمال و افعال دوسرے لوگوں کے لیے تکلیف اور ایذاء کا سبب بنتے ہیں، لڑائی جھگڑے اور قتل و قتال کے بازار گرم کرتے ہیں۔

تو جن لوگوں میں یہ صفات ہوں گی، ان پر اللہ رَبّ العزّت کی لعنت ہوتی ہے، وہ اس کی رحمت سے دور ہوتے ہیں، اور آخرت میں ان کے لیے برا ٹھکانا یعنی جہنّم کی آگ ہوگی۔

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ۭ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ۭ اَفَلَمْ
يَايْـــَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ لَّوْ يَشَاۗءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا
قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۝

شانِ نزول

ایک مرتبہ کفار مکہ کے سرداران جن میں ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ بھی شامل تھے، بیت اللہ کے پیچھے جا کر بیٹھ گئے، اور عبداللہ بن امیہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا، اس نے کہا کہ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کی قوم اور ہم سب آپ کو رسول تسلیم کرلیں اور آپ کی پیروی کریں تو ہمارے چند مطالبات ہیں، اپنے قرآن کے ذریعہ ان کو پورا کر دیجیے تو ہم سب اسلام قبول کرلیں گے۔ ایک مطالبہ یہ ہے کہ مکہ کے اردگرد جو پہاڑ موجود ہیں انہیں دور ہٹا دیجیے تا کہ مکہ کی زمین کشادہ

ہوجائے، دوسرا مطالبہ یہ ہے کہ جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے اللہ رَبّ العزّت نے ہوا کو مسخر فرما کر بڑے بڑے فاصلوں کو مختصر کر دیا تھا، اسی طرح ہمارے لیے بھی شام اور یمن کے سفر آسان کرا دیں، تیسرا مطالبہ یہ ہے کہ ہمارے لیے ہمارے دادا ''قصی'' کو زندہ کر دیجیے تاکہ ہم ان سے یہ پوچھ سکیں کہ آپ کا دین سچا ہے یا نہیں؟ اگر آپ نے یہ تینوں مطالبات پورے کر دیے تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ رَبّ العزّت نے ان کے مطالبات کا جواب دیا، اس موقع پر صحابہ کرامؓ کی خواہش تھی کہ ان کے یہ مطالبات پورے کر دیے جائیں تاکہ سب اہل مکہ مسلمان ہوجائیں اور اسلام کو قوت اور طاقت حاصل ہو، اللہ رَبّ العزّت نے ان کی اس خواہش کا بھی جواب دیا۔ (معارف القرآن)

اللہ رَبّ العزّت نے اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ اگر قرآن کے ذریعہ ان کے یہ تینوں مطالبات پورے کر دیے جائیں تب بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے، کیونکہ یہ ان مطالبات سے پہلے ان سے بڑے بڑے معجزات کا مشاہدہ کر چکے ہیں، جیسے چاند کا دو ٹکڑے ہوجانا، بے جان کنکریوں کا آپ کے ہاتھ میں تسبیح کرنا، معراج کی رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصی اور پھر آسمانوں کا سفر وغیرہ، تو جب یہ اتنے بڑے معجزات دیکھ کر ایمان نہیں لائے تو اب بھی ایمان نہیں لائیں گے۔

پھر صحابہ کرامؓ کی خواہش کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ کیا اہل ایمان ابھی بھی ان کے ایمان لانے سے مایوس نہیں ہوئے، حالانکہ وہ یہ جانتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو تمام انسانوں کو ہدایت عطا فرما دیتے، مگر حکمت اور مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ ہر شخص کا اپنا اختیار باقی رہے، اور وہ اپنے اختیار سے اپنے لیے اسلام یا کفر میں سے کسی ایک کو منتخب کرے۔

پھر فرمایا کہ یہ کافر اس کے مستحق ہیں کہ ان پر دنیا میں مسلسل آفات اور مصائب آئیں، جیسا کہ اہل مکہ پر کبھی قحط کی مصیبت آئی تو کبھی اسلامی غزوات میں قتل اور قید ہونے کی مصیبت، اور یہ سلسلہ چلتا رہے گا یہاں تک کہ اللہ رَبّ العزّت کا وعدہ پورا نہ ہوجائے، یعنی مکہ فتح نہ ہوجائے، کیونکہ اللہ رَبّ العزّت کا وعدہ کبھی ٹل نہیں سکتا۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَأَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ ۖ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۝۳۲ أَفَمَنْ
هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ ۗ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ۗ قُلْ سَمُّوْهُمْ ۚ أَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي
الْأَرْضِ أَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ۗ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ۗ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ
فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝۳۳ لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ أَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۝۳۴
مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۗ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ ۗ أُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ۗ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۖ
وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ۝۳۵

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ یہ حالات جو آپ کو درپیش ہیں یہ صرف آپ کو ہی پیش نہیں آئے، آپ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کو بھی اسی طرح کے حالات کا سامنا تھا، ان کے ساتھ بھی ان کی

قوموں نے استہزاء و تمسخر کیا، اور بالآخر ہم نے ان پر اپنا عذاب نازل کیا اور وہ عبرت کا نشان بن گئے، اسی طرح آپ کے دشمنوں کو بھی ہم ایک مقرر وقت پر ہلاک کریں گے۔

مشرکین کی جہالت کا نمونہ

اس کے بعد مشرکین کی جہالت اور بے عقلی کو اللہ رَبّ العزّت نے واضح فرمایا کہ یہ اتنے بے وقوف ہیں کہ بے جان اور بے شعور پتھر کے بتوں کو اس پاک ذات کے برابر قرار دیتے ہیں جو ہر نفس کے اعمال سے واقف ہے، اور ہر کسی کے اعمال کا محاسبہ کرنے والا ہے، یہ تو نری حماقت اور بے عقلی ہے، اور اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ شیطان نے ان کی اس جہالت کو ان کی نظر میں مزین کر رکھا ہے اور وہ اس کو بڑا کمال اور کامیابی سمجھتے ہیں۔ ان کو اپنی اس بے وقوفی کا انجام جلد معلوم ہو جائے گا، کیونکہ اللہ رَبّ العزّت نے ان کے لیے دنیا میں بھی عذاب تیار کر رکھا ہے یعنی جنگوں میں قتل ہونا، قید ہونا یا مصائب و تکالیف کا آنا، اور آخرت کا عذاب تو نہایت ہی سخت ہوگا۔

جنّت کیسی ہوگی؟

کفّار کے انجام کو بیان کرنے کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے مؤمنین اور متقین کے اخروی انجام کو بیان فرمایا کہ انہیں آخرت میں جنّت نصیب ہوگی، پھر اس جنّت کے اوصاف اور حالات بیان فرمائے کہ وہ جنّت کیسی ہوگی؟ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ وہ جنّت ایسی ہوگی کہ اس کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہوں گی، اس کے پھل اور اس کا سایہ ہمیشہ رہے گا، کبھی ختم ہونے والا نہیں ہوگا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ
اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ۝ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ۝ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ
الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا
مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ؕ وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ
الْمَكْرُ جَمِيْعًا ؕ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ۝

کفّار کے اعتراضات کا جواب

کفّار و مشرکین کا عام خیال یہ تھا کہ کوئی انسان اور بشر نبی و رسول نہیں ہوسکتا، بلکہ نبی کے لیے کسی فرشتہ کا ہونا ضروری ہے، اسی وجہ سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کیا جو شخص کنبہ و اولاد والا ہو وہ نبی کیسے ہوسکتا ہے؟ اللہ رَبّ العزّت نے ان کے اس اعتراض کا جواب دیا کہ تمہارا یہ خیال بالکل غلط ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم سے پہلے بھی جتنے انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں، ان سب کی ازواج اور اولاد تھی، اس لیے اسے نبوّت یا رسالت کے خلاف سمجھنا ہرگز درست نہیں۔

اسی طرح کُفّار کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی مطالبہ رہتا تھا کہ اس قرآن میں چونکہ ہمارے معبودوں کی برائی ہے اس لیے آپ اس کی جگہ کوئی اور قرآن لے آئیں یا کم از کم اسی میں ترمیم کر دیں، نیز وہ من چاہے معجزات کا مطالبہ بھی کیا کرتے تھے، اس کے جواب میں اللہ رَبُّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ نبی کے اختیار میں نہیں ہوتا کہ وہ وحیِ الٰہی میں تبدیلی کر سکے، یہ صرف اللہ رَبُّ العزّت کے اختیار میں ہے، وہی اپنی قدرت سے جس چیز کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے، اسی طرح کوئی نبی بھی اپنے اختیار سے معجزہ ظاہر نہیں کر سکتا، بلکہ جب اللہ رَبُّ العزّت چاہیں جس طرح کا معجزہ نبی کے ہاتھ پر ظاہر فرما دیں۔

سورت کے آخر میں اللہ رَبُّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ رَبُّ العزّت نے آپ سے جو بھی وعدے فرمائے ہیں، وہ سب پورے ہوں گے، آپ ان کی فکر میں مت رہیے کہ وہ کب پورے ہوں گے، ممکن ہے آپ کی زندگی میں ہو جائیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کی وفات کے بعد ہو، آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہم ان کُفّار کا گھیرا تنگ کر رہے ہیں، اور ان کے اطراف کی زمینیں مسلمانوں کے قبضہ میں آتی جا رہی ہیں، ایک دن آئے گا جب اللہ کا دین تمام ادیان پر غالب ہو جائے گا۔ اور اگر یہ کافر آپ کو تب بھی رسول تسلیم نہ کریں تو آپ رنجیدہ خاطر نہ ہوں، بلکہ ان سے کہہ دیجیے کہ میری نبوّت کا میرا رَبّ اور اہلِ کتاب کے منصف علماء گواہ ہیں۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت کے آغاز میں اللہ رَبُّ العزّت نے قرآن و حدیث کی حقانیت بیان فرمائی۔

۲۔ سورت میں جا بجا اللہ رَبُّ العزّت کی قدرت کی نشانیاں ذکر فرما کر توحیدِ باری تعالیٰ پر ایمان لانے کی ترغیب و تلقین کی گئی ہے۔

۳۔ سورت میں کُفّار کے اعتراضات کے جوابات دیے گئے ہیں۔

۴۔ مؤمنین اور کُفّار و مشرکین کے اخروی انجام کو بھی ذکر کیا گیا ہے۔

۵۔ جنّت کے حالات اور اس کی نعمتوں کا بیان بھی موجود ہے۔

۶۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جا بجا تسلی دی گئی ہے۔

تمت سورۃ الرعد بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ اِبْرٰاهِيْم

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب میں چودہ (۱۴) اور نزول کے اعتبار سے بہتر (۷۲) نمبر پر ہے، سات رُکوع اور باون (۵۲) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہ تسمیہ

عرب کے مشرکین اپنی نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کرتے تھے، اس سورت میں آپ علیہ السلام کی وہ دُعا ذکر کی گئی ہے، جس میں آپ علیہ السلام نے شرک اور بت پرستی کی مذمت کرتے ہوئے اپنی اور اپنے بیٹوں کے بت پرستی سے محفوظ رہنے کا ذکر فرمایا، اسی وجہ سے سورت کا نام سورۂ ابراہیم رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں انبیاء علیہم السلام کا مذاق اڑانے والوں اور ان کے ساتھ استہزا کرنے والوں کے انجام کا اجمالی بیان تھا، اس سورت میں ان کا نسبتاً تفصیلی ذکر ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع ''تمام انبیاء علیہم السلام عقائد میں متفق تھے'' ہے۔

عمومی مضامین

۱-سورت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام نے توحید کی دعوت اور شرک کی مذمت کی ہے۔

۲-انبیاء علیہم السلام کی ذمہ داریوں اور ان کے دعوت دینے کا انداز اور طریقہ بیان کیا ہے۔

۳-انبیاء علیہم السلام کو جھٹلانے والوں کو تنبیہ کی گئی ہے۔

۴-سورت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ شیطان انسان کے مقابلہ میں کمزور ہے، اور اس کا مکر اور تدبیر وسوسے سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

۵-سورت میں اچھے اور بُرے کلمات کی نفسِ انسانی پر تاثیر کو ذکر کیا گیا ہے۔
۶-اللہ رَبّ العزّت کی نعمتوں کو ذکر کر کے یہ ارشاد فرمایا کہ شکر کرنے سے نعمتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔
۷-کُفر اور ظلم کی مذمت بیان کی گئی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ
الْحَمِيْدِ ۝١ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ۝٢
الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۗ اُولٰٓئِكَ
فِيْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ۝٣ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ۗ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ
وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝٤ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ
اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝٥ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ
اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ
وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۗ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝٦ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ
وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝٧

قرآن کی حقّانیت کا بیان

سورت کے آغاز میں اللہ رَبّ العزّت نے نزولِ قرآن کا مقصد بیان کرتے ہوئے قرآن کی حقانیت کو بیان فرمایا کہ یہ وہ کتاب ہے جسے ہم نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل کیا ہے، اور اس کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ بنی نوعِ انسان کو کُفر و شرک اور معاصی کے اندھیروں سے نکال کر ایمان اور اعمالِ صالحہ کے نور اور روشنی میں لے آئیں، اور وہ نور درحقیقت اللہ رَبّ العزّت کا راستہ ہے جس پر گامزن ہونے والا نہ بھٹکتا ہے اور نہ اسے منزل تک پہنچنے میں کوئی ناکامی ہوتی ہے۔ مگر جو بدنصیب قرآن ہی کے منکر ہو جائیں تو وہ اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو عذاب میں ڈال دیتے ہیں، ایسے لوگوں کے لیے ہلاکت اور بربادی ہے۔

کُفّار کی تین بُری خصلتیں

کُفّار کو عذاب اور ہلاکت کی وعید سنانے کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے کُفّار کی تین بُری خصلتیں بیان فرمائی ہیں:

۱-پہلی خصلت یہ ہے کہ وہ دنیا کی زندگی کو آخرت کی بنسبت زیادہ پسند کرتے ہیں اور دُنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں، اسی لیے دُنیا کے نفع کے لیے آخرت کا نقصان گوارا کر لیتے ہیں۔

۲-ان کی دوسری خصلت یہ ہے کہ یہ خود تو اندھیروں میں رہنے کو پسند کرتے ہی ہیں، دوسروں کو بھی روشنی کے راستے یعنی اللہ ربّ العزّت کی راہ سے روکتے ہیں۔

۳-اوران کی تیسری خصلت یہ ہے کہ یہ اس فکر میں رہتے ہیں کہ ان کو اللہ ربّ العزّت کے راستے اور دین میں کوئی کمی اور کجی نظر آئے تو اس پر اعتراض کر سکیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی گمراہی میں بہت دور جا پہنچے ہیں اور ان کا اب راہِ راست پر آنا مشکل ہے۔

ہر نبی اپنی قوم کا ہم زبان ہوتا ہے!

کفّارِ مکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کیا کرتے تھے کہ چونکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام عربی ہیں اور قرآن بھی عربی زبان میں ہے، اس لیے یہ عین ممکن ہے کہ یہ آپ نے خود اپنی طرف سے بنالیا ہو، اللہ ربّ العزّت نے ان کے اس شبہ کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ (تمہارا یہ شبہ بالکل لغو ہے) کیونکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے بھی جتنے انبیاء علیہم السلام گزرے ہیں سب اپنی اپنی قوم کے ہم زبان تھے، اور یہ تو اللہ ربّ العزّت کا بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے ہر قوم میں انہی کی زبان کا پیغمبر مبعوث فرمایا، تاکہ وہ انہیں انہی کی زبان میں اللہ ربّ العزّت کے احکامات بیان کر سکیں اور ان کی قوم کے لیے ان کی بات سمجھنا آسان ہو جائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اپنی قوم کو وعظ ونصیحت

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا کہ ہم نے انہیں بھی واضح آیات اور معجزات دے کر ان کی قوم کی طرف بھیجا تھا اور انہیں تلقین کی تھی کہ اپنی قوم کو اللہ ربّ العزّت کے راستے پر لے کر آئیں اور انہیں کفر وشرک کے اندھیروں سے نکال کر ایمان کی روشنی کی جانب لے آئیں، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ ربّ العزّت کے حکم کے مطابق اپنی قوم کو وعظ ونصیحت فرمائی کہ اے میری قوم! تم اللہ ربّ العزّت کا احسان یاد کرو کہ اس نے تمہیں فرعون کے ظلم وستم سے نجات دی اور اس کی اس نعمت کا شکر ادا کرو اور اس پر ایمان لے آؤ، کیونکہ میرے ربّ کا وعدہ ہے کہ جو شکر کرے گا میں اس کی نعمتوں میں اضافہ کردوں گا اور جو ناشکری کرے گا تو اس کے لیے میرا عذاب بھی سخت ہوگا۔

نعمتوں کا شکر یہ ہے کہ اللہ ربّ العزّت نے نعمت جس کام کے لیے دی ہو اسے اسی کام میں صرف کیا جائے، اور اپنے اعمال وافعال کو اللہ ربّ العزّت کی رضا کے مطابق بنانے کی کوشش کی جائے، اور زبان، اعضاء وجوارح اور دل سے اللہ ربّ العزّت کا شکر ادا کیا جائے۔ جبکہ نعمتوں کی ناشکری یہ ہے کہ اللہ ربّ العزّت کے احسان کو دل سے نہ مانے، اس کی دی ہوئی نعمتوں کو اس کی نافرمانی کے کاموں میں صرف کیا جائے۔

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۬ۛ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْۤا اَيْدِيَهُمْ فِيْۤ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْۤا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِيْ

شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝۹ قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِيْدُوْنَ
اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝۱۰ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ
وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ
فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۱ وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ
وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝۱۲

گزشتہ انبیاء علیہم السلام کی واشگاف دعوت اور عزم

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے گزشتہ قوموں کا تذکرہ فرما کر ان کا اپنے انبیاء علیہم السلام سے رویہ بیان فرمایا ہے اور کفارِ مکہ کو تنبیہ فرمائی ہے کہ کیا تمہارے پاس ان قوموں کی خبریں نہیں پہنچیں جو تم سے پہلے اس دنیا میں گزری ہیں، یعنی قومِ نوح اور عاد و ثمود اور ان کے بعد کے لوگ، ان کے پاس بھی اللہ کے رسول آئے تھے، لیکن انہوں نے ان کی بات سننے سے انکار کر دیا اور ان کے پیغام کو جھٹلایا، انبیاء علیہم السلام نے ان کے اشکالات کے جوابات دیے اور ان کے شک کو دور کرنے کی کوشش کی، اور انہیں فرمایا کہ تمہارا اللہ ربّ العزّت کی ذات کے بارے میں شک کرنا ہرگز درست نہیں، وہ زمین و آسمان کا خالق ہے، اور وہ تو اتنی کریم ذات ہے کہ تمہیں خود دعوت دے رہا ہے کہ میرے راستے پر آؤ میں تمہارے سارے گناہوں کو بخش دوں گا، لیکن اس کے باوجود انہوں نے ان انبیاء علیہم السلام کی بات نہ مانی اور کہنے لگے کہ ہم تمہاری بات کیسے مان لیں، تم تو ہم جیسے انسان ہو، اور تم صرف یہ چاہتے ہو کہ ہمیں ہمارے آباؤ اجداد کے طریقوں سے روک دو، اور اگر تم واقعی پیغمبر اور رسول ہو تو کوئی واضح معجزہ دکھاؤ، ان کے رسولوں نے جواب دیا کہ یہ بات درست ہے کہ ہم بشر اور انسان ہیں، لیکن ہم میں اور تم میں یہ فرق ہے کہ ہمیں اللہ ربّ العزّت نے اپنے خاص فضل و کرم سے منتخب فرمایا ہے اور ہمیں نبوت سے سرفراز فرمایا ہے، اس لیے ہمیں اپنے جیسا نہ سمجھو، اور جہاں تک تعلق ہے تمہارے اس مطالبہ کا کہ ہم کوئی معجزہ دکھائیں تو یہ ہمارے اختیار میں نہیں ہے، اللہ ربّ العزّت کے اختیار میں ہے، وہ اگر چاہے گا تو ہمارے ہاتھ پر معجزہ ظاہر فرما دے گا، سو اب بھی اگر تم ایمان نہیں لاتے اور ہماری مخالفت پر کمربستہ رہتے ہو تو ہمیں تمہاری اس مخالفت سے کوئی ڈر نہیں، ہم اللہ ربّ العزّت پر بھروسہ کرتے ہیں، وہی ہمارا کارساز ہے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ
لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۳ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْ ۢ بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ۝۱۴
وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝۱۵ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ۝۱۶ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا
يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ۝۱۷ مَثَلُ الَّذِيْنَ

كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰي شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝

گزشتہ قوموں کی انبیاء علیہم السلام کو دھمکی

جب انبیاء و رسل نے ان کے اعتراضات کا تشفی بخش جواب دے دیا تو چاہیے تو یہ تھا کہ وہ اپنے غلط عقیدے سے باز آجاتے اور حق کو قبول کر لیتے، لیکن وہ لوگ اپنی ضد پر ڈٹے رہے اور اپنی سرکشی میں مزید بڑھ گئے، اور انبیاء علیہم السلام کو دھمکیاں دینے لگے کہ یا تو تم ہمارے عقیدے کو اختیار کر لو ورنہ ہم تمہیں اپنی سرزمین سے نکال دیں گے، اللہ ربّ العزّت نے ان کی دھمکیوں کے جواب میں اپنے رسولوں کو تسلی دینے کے لیے ان پر وحی نازل فرمائی اور انہیں ارشاد فرمایا کہ یہ تمہیں کیا نکالیں گے، ہم ان ظالموں کو ہلاک کر دیں گے اور تمہیں ان کی جگہ آباد کر دیں گے۔ اور میرا یہ وعدہ ہر اس شخص کے لیے ہے جس کے دل میں میرا ڈر ہو اور وہ میرے سامنے پیشی سے ڈرتا ہو۔ چنانچہ وہ کفّار دنیا میں بھی رسوا ہوئے اور آخرت میں جہنّم کے دردناک عذاب کے مستحق ہیں۔

کفّار کے اعمال راکھ جیسے ہیں!

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے کفّار کے اعمال کی حیثیت واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ انہوں نے دنیا میں جو بھی نیک اعمال کیے ہیں وہ راکھ کی طرح ہیں، جسے تیز آندھی اور ہوا اڑا کر لے جائے اور اس کا نام و نشان بھی مٹ جائے، اسی طرح ان کے اعمال بھی آخرت میں بالکل بے حیثیت ہوں گے، کیونکہ اعمال کی قبولیت اور ذخیرۂ آخرت ہونے کے لیے اوّلین شرط ایمان ہے، جو ان میں نہیں پائی جاتی۔

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ۭ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ۭ اِنِّىْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ۭ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۭ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۝ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَاۗءِ ۝ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ۝ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ِۨاجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۝ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ڐ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ ۝

روزِ قیامت شیطان کا اظہارِ براءت

قیامت کے دن جب اللہ ربّ العزّت تمام مخلوقات کا فیصلہ فرما دیں گے اور اہلِ جنّت، جنّت میں اور اہلِ جہنّم، جہنّم

میں بھیج دیے جائیں گے تو تمام جہنمی شیطان کو ملامت کرتے ہوئے کہیں گے کہ تو نے ہمیں گمراہ کر دیا اور ہمیں اس عذاب میں مبتلا کرا دیا، تو شیطان ان کی بات سن کر جواب میں کہے گا کہ مجھے ملامت نہ کرو، میں نے تم سے جھوٹے وعدے کیے تھے، جبکہ اللہ ربّ العزّت نے تم سے سچے وعدے کیے تھے، اور یہ بات واضح اور ظاہر تھی کہ اللہ ربّ العزّت کے وعدے سچے اور میرے وعدے جھوٹے تھے، اس کے باوجود تم نے میرے وعدوں کو صحیح سمجھا اور میرے پیچھے چلتے رہے، میں نے تمہیں اپنی پیروی پر مجبور نہیں کیا، نہ میرا تم پر کوئی زور ہے، میں نے تو صرف تمہیں اپنی طرف بلایا تھا، تم نے اپنے اختیار سے میری بات مانی، لہٰذا مجھے ملامت مت کرو، اپنے آپ کو ملامت کرو، اور اگر تم یہ چاہتے ہو کہ میں آج تمہاری مدد کروں اور تمہیں اس عذاب سے نجات دلاؤں تو یہ ممکن نہیں، نہ تم میری مدد کر سکتے ہو اور نہ میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں، بلکہ میں تو تمہارے شرک سے بھی بیزار اور بری ہوں اور تمہارے اس فعل کو غلط سمجھتا ہوں۔

''کلمۂ توحید'' اور ''کلمۂ کُفر'' کی خوبصورت مثال

اللہ ربّ العزّت نے کلمۂ توحید یعنی ''لا إلٰہ إلاّ اللہ'' اور کلمات کُفر کی بہت خوبصورت مثال بیان فرمائی ہے کہ کلمۂ توحید کی مثال اس پاکیزہ درخت کی سی ہے جس کی جڑیں زمین میں بہت گہری اور مضبوط ہوں اور اس کی شاخیں نہایت بلند ہوں گویا آسمان کو چھو رہی ہیں، اور اس کا پھل ہر وقت اور ہر حال میں دستیاب ہو۔

یہ درخت کون سا ہے؟ اس بارے میں مفسرین کرامؒ کے مختلف اقوال ہیں، راجح قول کے مطابق یہ کھجور کا درخت ہے، اس کی جڑیں مضبوط اور گہری ہوتی ہیں، اس کا تنا نہایت قد آور ہوتا ہے اور اس کا پھل ہر وقت اور ہر موسم میں دستیاب ہوتا ہے۔ (معارف القرآن)

ایک حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مؤمن کو کھجور کے درخت کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دن ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے، کوئی شخص آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں کھجور کا گودا لے کر آیا، اس وقت آپ علیہ السلام نے صحابہ کرامؓ سے سوال کیا کہ درختوں میں ایک ایسا درخت بھی ہے جو مؤمن کے مشابہ ہے، اس درخت کے پتے کسی موسم میں نہیں جھڑتے، بتاؤ وہ کون سا درخت ہے؟ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں آیا کہ کہہ دوں وہ کھجور کا درخت ہے، لیکن اس مجلس میں حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما اور دوسرے اکابر صحابہؓ موجود تھے، ان کو خاموش دیکھ کر مجھے بولنے کی ہمت نہ ہوئی، پھر خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ کھجور کا درخت ہے۔ (صحیح بخاری:۴۶۹۸)

اس کے برعکس کلمات کُفر کی مثال اس درخت سی ہے جس کی جڑیں زمین کے اندر گہری نہیں ہوتیں، اس لیے اسے آسانی سے زمین سے اکھیڑا جا سکتا ہے، مفسرین کرامؒ کے نزدیک اس درخت سے مراد حنظل کا درخت ہے۔

ایک حدیث مبارکہ میں بھی یہ صراحت موجود ہے کہ شجرۂ طیبہ سے مراد کھجور کا درخت اور شجرۂ خبیثہ سے مراد حنظل

کا درخت ہے۔ (سنن ترمذی:۳۱۱۹) معلوم ہوا کہ ذِکر پر مشتمل کلمات قائم اور نافع ہیں، جبکہ گندی باتیں ختم ہونے والی اور نقصان دہ ہیں۔

کلمۂ طیبہ پر ایمان رکھنے والے کو قبر میں بھی کلمہ یاد رہے گا

جو شخص دنیا میں کلمہ طیبہ پر ایمان لایا اور اس کے تقاضوں پر عمل کیا، اسے اللہ ربّ العزّت دنیا میں بھی اسی کلمہ پر قائم رکھتے ہیں اور اسے کلمہ پر ہی موت آتی ہے اور مرنے کے بعد قبر میں بھی اسے کلمہ یاد رہے گا۔

حدیث پاک ہے کہ جب مؤمن سے قبر میں سوال کیا جائے گا تو اس وقت بھی اللہ ربّ العزّت کی مدد اور فضل سے وہ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ" کی گواہی دے گا، اور پھر فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت کے اس فرمان "يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ" کا یہی مطلب ہے۔ (صحیح بخاری:۴۶۹۹) اس سے معلوم ہوا کہ قبر میں عذاب وثواب کا ہونا حق اور ثابت ہے۔

مذکورہ آیت کو حدیث مبارکہ میں عذاب وثوابِ قبر سے متعلق قرار دیا گیا ہے، معلوم ہوا کہ عذابِ قبر بھی قرآنِ کریم سے ثابت ہے۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۝ وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ۚ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ۚ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۝

توحیدِ باری تعالیٰ کے دلائل

ان آیات میں اللہ رب العزت نے اپنی قدرت کے چند نمونے بیان فرما کر اپنی توحید کو ثابت فرمایا ہے کہ اللہ ربّ العزّت ہی وہ ذات ہے جس نے آسمان وزمین کو پیدا فرمایا، آسمان سے بارش برسائی، زمین سے غلّہ اور پھل اُگائے، کشتیوں اور جہازوں کو مسخر فرمایا تاکہ وہ اللہ کے حکم سے دریاؤں میں چلتے پھریں، سورج اور چاند کو اور رات اور دن کے مرتب نظام کو تمہارے لیے مسخر کر دیا، اور تمہیں ہر وہ چیز دی جس کا تم نے اس پاک ذات سے سوال کیا، اور تم پر اپنی اتنی نعمتیں برسائیں کہ تم اگر انہیں گننا اور شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے، ان سب نعمتوں کا تقاضا تو یہ تھا کہ انسان اپنے پروردگار کا شکر بجالاتا اور اس پر ایمان لا کر اس کے احکامات کی پیروی میں مصروف ہو جاتا لیکن اس نے اس پاک ذات کا انکار کیا اور اس کے نعمتوں کی ناشکری کی، حقیقت یہ ہے کہ انسان بڑا ہی بے انصاف اور ناشکرا ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۝ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ

كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ
ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ
اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ۝ رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ۭ وَمَا يَخْفٰى عَلَى
اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ۝ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبِّيْ
لَسَمِيْعُ الدُّعَاۗءِ ۝ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ڰ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاۗءِ ۝ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ
وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُنیا و آخرت کی بہتری کی دُعائیں

چونکہ مشرکین مکہ اپنے آپ کو ابراہیمی کہتے تھے، اور اپنے آپ کو آپ علیہ السلام سے منسوب کیا کرتے تھے، اسی لیے اللہ ربّ العزّت نے مذکورہ بالا آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی چند دعاؤں کا ذکر فرما کر اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ ان مشرکین کے جدامجد جن کی طرف یہ خود کو منسوب کرتے ہیں، کا عقیدہ توحید اور قیامت پر ایمان لانے کا تھا، یہی عقائد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔

پہلی اور دوسری دُعا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پہلی دُعا یہ ذکر کی گئی کہ اے میرے پروردگار! اس شہر (مکہ مکرمہ) کو امن والا بنا دیجیے اور دوسری دُعا یہ کہ مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت اور بت پرستی سے محفوظ رکھیے، کیونکہ اس بت پرستی نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کردیا ہے، سو میری اولاد میں سے جو میری اتباع کرے یعنی ایمان اور نیک اعمال سرانجام دیتا رہے تو وہ میرے متعلقین میں سے ہے، لیکن جس نے میری نافرمانی کی تو اس کا فیصلہ آپ (اللہ ربّ العزّت) کے ذمہ ہے، آپ اس کے ساتھ جو معاملہ فرمائیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ کُفّار و مشرکین مکہ کا اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہوئے خود کو ابراہیمی کہنا ہرگز درست نہیں، کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلقین میں خود کو شمار کروانے کے لیے توحید اور اعمالِ صالحہ کا ہونا اوّلین شرط ہے۔

تیسری دُعا

آپ علیہ السلام نے یہ دُعا مانگی کہ اے پروردگار! میں نے اپنے اہل و عیال کو ایک ایسے ویرانہ میں ٹھہرادیا ہے جس میں کوئی کھیتی وغیرہ بھی نہیں ہوسکتی، اور یہ مقام آپ کے عظمت والے گھر کے قریب ہے، اس لیے آپ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل فرمادیں تاکہ وہاں آبادی ہوسکے اور ان کو پھل عطا فرمائے تاکہ یہ لوگ شکرگزار رہوں۔

چوتھی دُعا

میں آپ علیہ السلام نے اللہ رَبّ العزّت کے علم کو بیان فرمایا کہ اے پروردگار! آپ ہمارے ہر حال سے واقف ہیں، ہمارے ظاہری حالات سے بھی اور ہماری قلبی حالت اور کیفیت سے بھی آگاہ ہیں، کوئی چیز آپ سے چھپی ہوئی نہیں ہے، اور آپ کا شکر ہے کہ آپ نے مجھے بڑھاپے کی حالت میں اسمٰعیل اور اسحاق علیہما السلام جیسی اولاد عطا فرمائی، بے شک آپ دُعائیں سننے والے اور قبول کرنے والے ہیں۔

پانچویں دُعا

اے میرے پروردگار! مجھے اور میری اولاد کو نماز قائم کرنے والا اور نماز کی پابندی کرنے والا بنا دیجیے، اور میری دُعا قبول فرمایئے۔

چھٹی دُعا

اے میرے پروردگار! میری اور میرے والدین کی اور تمام اہلِ ایمان کی مغفرت فرما، اس دن جبکہ محشر میں سب اعمال کا حساب لیا جائے گا۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ۝ مُهْطِعِيْنَ
مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ۝ وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ
فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَاۤ اَخِّرْنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْۤا
اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۝ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ
لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ۝ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ وَاِنْ
كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ۝ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝
يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ
مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ۝ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ۝ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ
مَّا كَسَبَتْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْۤا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ
وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

قیامت کے دِن مجرمین کے اَحوال

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور کفار و مشرکین کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ظالم اور مجرم لوگ اللہ رَبّ العزّت کی ڈھیل سے بے فکر نہ ہو جائیں اور یہ سمجھ لیں کہ اللہ کو ان کے جرائم کی خبر نہیں، ان کے

ہر عمل سے اللہ رَبّ العزّت واقف ہیں، لیکن کسی حکمت اور مصلحت کے تحت وہ انہیں ڈھیل دیے جا رہے ہیں۔ اور جب اللہ رَبّ العزّت انہیں پکڑیں گے تو ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی، خوف اور حیرت کی وجہ سے سر اُوپر اُٹھائے ہوئے سرپٹ بھاگ رہے ہوں گے، ان کی پلکیں جھپکنا بھول جائیں گی، ان کے دل میں ہول اُٹھیں گے۔

لہٰذا اے پیغمبر! (علیہ الصلوٰۃ والسلام) آپ اپنی قوم کے ان مجرموں کو اس دن کی سنگینی سے آگاہ فرمائیے اور انہیں ڈرائیے اس دن سے جس دن یہ عذاب کی شدت دیکھ کر پکار اُٹھیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں کچھ اور مہلت عطا فرما دیجیے تا کہ ہم آپ کے رسولوں کی اتباع کر سکیں، لیکن ان کی درخواست مسترد کر دی جائے گی اور انہیں کہا جائے گا کہ تم نے اس سے پہلے بھی قسمیں کھائی تھیں لیکن ان کا انجام تم نے دیکھ لیا، اور تمہاری نصیحت کے لیے دنیا میں تم سے پہلے ہلاک شدہ قومیں ہی کافی تھیں جن کے گھروں میں تم چلتے پھرتے رہے ہو لیکن اس کے باوجود اس سے عبرت حاصل نہیں کی، اور حق کو مٹانے کے لیے مکر اور تدبیریں کرتے رہتے ہو، حالانکہ اللہ رَبّ العزّت کی تدبیر ہی ہمیشہ غالب رہتی ہے۔

سو اگر تم اپنی اس روش سے باز نہ آئے تو تمہیں قیامت کے دن زنجیروں میں جکڑ دیا جائے گا، اور تمہیں تارکول کا لباس پہنایا جائے گا جو آگ فوراً پکڑ لیتا ہے، اور تمہارے چہروں تک آگ چڑھ آئے گی، اس لیے باز آ جاؤ اور اس قرآن سے نصیحت حاصل کرو اور اللہ رَبّ العزّت کی توحید کا اقرار کر لو، یہی حقیقی کامیابی ہے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت کے آغاز میں قرآنِ کریم کی حقانیت اور نزولِ قرآن کا مقصد بیان فرمایا گیا ہے۔
۲۔ سورت میں جا بجا کفّار و مشرکین کو تنبیہ اور حق قبول کرنے کی تلقین اور ترغیب دی گئی ہے۔
۳۔ گزشتہ اقوام کا تذکرہ کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے۔
۴۔ قیامت کے احوال بیان کیے گئے ہیں۔
۵۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دُعائیں ذکر کی گئی ہیں۔

تمت سورۃ ابراھیم بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْحِجْر

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب میں پندرہ جبکہ نزول کے اعتبار سے چوّن (۵۴) نمبر پر نازل ہوئی، چھ رُکوع اور ننانوے (۹۹) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہ تسمیہ

"حجر" قومِ ثمود کی بستیوں کو کہا جاتا تھا، چونکہ اس سورت کی آیت نمبر اَسّی (۸۰) میں ان کا تذکرہ کیا گیا ہے، اسی مناسبت سے اس کا نام سورۂ حجر رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت کے آخر میں کفّار و مجرمین کا اُخروی انجام بیان کیا گیا تھا کہ وہ جہنم کی آگ میں جھلس رہے ہوں گے، اس سورت کے آغاز میں انہی مجرمین کی حسرت بیان کی گئی ہے کہ کاش وہ دُنیا میں مسلمان ہو جاتے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع یہ ہے کہ اللہ رَبّ العزّت اپنے دین کی حفاظت کا ذمہ خود لیا ہے اور وہی اسے اغیار کی سازشوں اور دشمنوں کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رکھیں گے۔

عمومی مضامین

اس سورت میں اللہ رَبّ العزّت نے کئی چیزوں کی حفاظت کا ذکر فرمایا ہے:

۱- اپنی کتاب (قرآن مجید) کی حفاظت۔

۲- آسمانوں کی حفاظت۔

۳- زمین کی تہ میں پوشیدہ خزانوں اور معدنیات کی حفاظت۔

۴- بارش کے پانی کو زمین میں جذب فرما کر اس کی حفاظت۔

۵- حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کی حفاظت۔

۶- حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کی حفاظت۔

۷- حضرت شعیب اور حضرت صالح علیہما السلام کی حفاظت۔

۸- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ①

پارہ نمبر ۱۴

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ② ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ③

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ④ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ⑤ وَقَالُوْا

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ⑥ لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ⑦ مَا نُنَزِّلُ

الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ⑧ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ⑨

کُفّار کی حسرت

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے قرآن مجید کی حقانیت بیان فرمانے کے بعد کُفّار اور مشرکین کی حسرت بیان فرمائی ہے کہ جب کافر قیامت میں اللہ ربّ العزّت کے عذاب اور جہنّم کی ہولناکی کا مشاہدہ کریں گے اور مؤمنین کو اللہ ربّ العزّت کے انعامات اور جنّت حاصل کرتے ہوئے دیکھیں گے تو ان کے دل میں حسرت ہوگی کہ کاش! ہم بھی دُنیا میں ایمان لے آتے اور اسلام قبول کر لیتے تو آج ہمارا یہ انجام نہ ہوتا، لیکن اس وقت کی حسرت انہیں کچھ کام نہیں آئے گی، کیونکہ جب دُنیا میں انہیں انبیاء علیہم السلام اور ان کے نائبین نے دین کا پیغام پہنچایا تو انہوں نے ان کی تکذیب کی اور دُنیا میں صرف کھانے پینے اور عیش کرنے میں لگے رہے اور آخرت کو بالکل فراموش کر دیا تھا، تو اس دن جب ان کی ہلاکت بالکل سامنے موجود ہوگی، اس وقت ان کی یہ حسرت و افسوس ان کے کسی کام نہیں آئے گی۔

کُفّار کے جاہلانہ اِعتراض کا جواب

کُفّار نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر (نعوذ باللہ) مجنون اور دیوانہ ہونے کا الزام لگایا، اور کہنے لگے کہ اگر تم واقعی اپنے دعوے میں سچے ہو اور پروردگارِ عالم کے فرستادہ اور پیغمبر ہو تو ہمارے سامنے فرشتے ظاہر کرو، جو آپ کی سچائی کی گواہی دیں، اللہ ربّ العزّت نے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ہم فرشتوں کو اتارنے پر قادر تو ہیں لیکن ہم انہیں صرف اسی وقت

اُتارتے ہیں جب کسی نبی پر وحی نازل کرنی ہو یا کسی قوم پر عذاب نازل کرنا ہو، تو اگر ہم نے فرشتے اُتارے اور اس کے باوجود تم ایمان نہ لائے تو تمہیں ایک لمحہ کی مہلت بھی نہیں دی جائے گی بلکہ آنا فانا ہلاک کر دیے جاؤ گے۔

حفاظتِ قرآن کا اِعلان

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے قرآن مجید کے متعلق ارشاد فرمایا کہ ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آج نزولِ قرآن کو چودہ سو سال سے زائد عرصہ گزرنے اور دشمنوں کی ہزاروں کوششوں کے باوجود بھی قرآن کے ایک نقطے اور ایک زیر و زبر میں بھی فرق نہیں آسکا، ہر زمانہ میں لاکھوں بلکہ کروڑوں مسلمان جوان، بوڑھے، لڑکے اور لڑکیاں اور بچے ایسے موجود رہتے ہیں جن کے سینوں میں مکمل قرآن پاک محفوظ ہوتا ہے۔

مامون کے دربار کا ایک دِلچسپ واقعہ

مامون الرشید اپنے دربار میں علمی مباحثے منعقد کروایا کرتا تھا، جس میں ہر اہلِ علم کو آنے کی اجازت تھی، ایسے ہی ایک مباحثے میں ایک یہودی بھی آ گیا، جو شکل وصورت اور لباس سے کوئی باحیثیت شخص لگتا تھا، اور جب اس نے گفتگو کی تو وہ بھی فصیح وبلیغ تھی، جب مجلس ختم ہوگئی تو مامون الرشید نے اسے بلا کر پوچھا کہ تم اسرائیلی ہو؟ اس نے اقرار کیا، مامون الرشید نے (امتحان لینے کی غرض سے) اسے کہا کہ اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو ہم تمہارے بہت اچھا سلوک کریں گے، اس نے جواب دیا کہ میں تو اپنے اور اپنے آباؤ اجداد کے دین کو نہیں چھوڑتا، بات ختم ہوگئی، یہ شخص چلا گیا، پھر ایک سال بعد یہ شخص مسلمان ہو کر آیا اور اسی مجلس میں فقہِ اسلامی کے موضوع پر بہترین تقریر اور عمدہ تحقیقات پیش کیں، مجلس ختم ہونے کے بعد مامون نے اسے بلا کر کہا کہ تم وہی شخص ہو جو گزشتہ سال یہاں آئے تھے، اس نے جواب دیا کہ ہاں وہی ہوں، مامون نے پوچھا کہ اس وقت تو تم نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، پھر اب مسلمان کیسے ہوگئے؟ اس نے کہا کہ میں یہاں سے لوٹا تو میں نے جملہ مذاہب کی تحقیق کرنے کا ارادہ کیا، میں ایک خطاط آدمی ہوں، اور کتابیں لکھ کر فروخت کرتا ہوں، میں نے امتحان لینے کے لیے تورات کے تین نسخے لکھے، جن میں بہت جگہ اپنی طرف سے کمی بیشی کر دی، اور یہ نسخے لے کر میں کنیسہ پہنچا، یہودیوں نے بڑی رغبت سے ان کو خرید لیا، پھر اسی طرح انجیل کے تین نسخے کمی بیشی کے ساتھ لکھ کر عیسائیوں کے پاس لے گیا، وہاں بھی عیسائیوں نے بڑی قدر و منزلت سے یہ نسخے مجھ سے خرید لیے، پھر یہی کام میں نے قرآن کے ساتھ کیا، اس کے بھی تین نسخے عمدہ کتابت کے ساتھ لکھے اور ان میں کمی بیشی کی، ان کو لے کر جب فروخت کرنے نکلا تو جس کے پاس گیا اس نے دیکھا کہ صحیح بھی ہے یا نہیں، جب کمی بیشی نظر آئی تو اس نے مجھے واپس کر دیا، اس سے میں نے یہ سبق حاصل کیا کہ یہ کتاب محفوظ ہے اور اللہ رَبّ العزّت نے اس کی حفاظت کی ہوئی ہے، چنانچہ میں مسلمان ہو گیا۔ (معارف القرآن)

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۱۷﴾ إِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَأَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾ وَالْأَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَأَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَأَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ

مَّوْزُوْنٍ۝ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ۝ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا
نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ۝ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ وَمَاۤ اَنْتُمْ لَهٗ
بِخٰزِنِيْنَ۝ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ۝ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا
الْمُسْتَاْخِرِيْنَ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ۝

قدرتِ خداوندی کے واضح دلائل

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی قدرت کے چند دلائل بیان فرما کر بنی نوع انسان کو غور وفکر کی دعوت دی ہے کہ ان نشانیوں میں غور وفکر کر کے کوئی بھی اس رب کی توحید کو پا سکتا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ ہم نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے پیدا کیے جن سے آسمان کو زینت بخشی ہے، ستاروں کی تخلیق کے کئی مقاصد ہیں، جن میں سے دو مقاصد ان آیات میں ذکر کیے گئے ہیں، جو کہ درج ذیل ہیں:

پہلا مقصد یہ ہے کہ اس سے آسمان دنیا کو زینت اور خوبصورتی بخشی جائے۔

دوسرا مقصد یہ ہے کہ ان ستاروں کے ذریعہ آسمان کی حفاظت کا کام لیا جائے، تاکہ کوئی شیطان اور جن وغیرہ آسمان تک رسائی نہ حاصل کر سکے، اور اگر کوئی شیطان کبھی فرشتوں کی بات چوری چھپے سن کر بھاگے تو اس کے پیچھے شہاب ثاقب یعنی ایک روشن ستارہ لگا دیا جاتا ہے جو اس کو ہلاک کر کے دم لیتا ہے۔

اس کے علاوہ ستاروں کا ایک بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ ان کے ذریعے سفر میں راستوں کی تعیین کی جا سکے، جیسا کہ آج بھی سفر اور خاص طور پر سمندری سفر میں راستے کی تعیین کے لیے ستاروں سے کام لیا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا تین مقاصد کے علاوہ اگر کسی نے ستاروں سے کوئی اور مقصد حاصل کرنے کی کوشش کی تو اس نے اپنے آپ کو تھکایا، حدیث پاک میں یہ مضمون تفصیل سے موجود ہے۔ اس لیے ستاروں سے قسمت کا پتا لگانا، حالات سے آگاہی وغیرہ سب ناجائز خبریں ہیں، حدیث مبارک میں ہے کہ جو نجومی کے پاس گیا اس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں۔ (سنن مسلم: ٢٢٢٩)

اس کے علاوہ اللہ ربّ العزّت کی قدرت کی نشانیوں میں سے زمین بھی ہے جسے پروردگارِ عالم نے پھیلا دیا اور اس میں بھاری بھاری پہاڑ نصب کر دیے، اور اس میں سے پھل پھول اور بوٹے اگائے، انسانوں کی معیشت کے اسباب کو اس زمین سے منسلک کر دیا، اور جانوروں کی خوراک کا بھی ذریعہ بنا دیا۔ اسی طرح ہوائیں بھی اس پاک پروردگار کی قدرت کی نشانی ہے جو بادلوں کو اٹھائے پھرتی ہے پھر ان بادلوں سے بارش برستی ہے جسے انسان اور جانور پیتے بھی ہیں اور باقی ماندہ زمین میں جمع ہو جاتا ہے، یہ سب اس خلاق عالم کی صناعی اور کاریگری ہے۔ اسی کے ہاتھ میں زندگی اور

موت ہے، اور وہی سب کو موت کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا۔ تو جو پروردگار یہ سب کام کرنے پر قادر ہے، وہی حقیقی رَبّ اور معبود کہلانے کا حق دار ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ۝ وَاِذْ
قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ
فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ۝ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ۝ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ۝ قَالَ
يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ۝ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ
مَّسْنُوْنٍ ۝ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ۝ وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ
اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۝ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۝ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ
لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ
مُسْتَقِيْمٌ ۝ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ
اَجْمَعِيْنَ ۝ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ؕ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ۝

تخلیقِ آدم علیہ السلام کا واقعہ

واقعے کے آغاز میں اللہ رَبّ العزّت نے انسان اور جنات کا مادّۂ تخلیق بیان فرمایا ہے کہ انسان کو سڑے ہوئے گارے کی بجتی ہوئی مٹّی سے پیدا کیا گیا ہے اور جنات کو انسان کی تخلیق سے پہلے آگ سے پیدا کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ جنات کی تخلیق انسان کی تخلیق سے پہلے ہو چکی تھی اور وہ یہاں بسا کرتے تھے، اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا واقعہ بیان فرما کر انسان کی فضیلت اور شیطان کی انسان سے حسد اور عداوت کو بیان فرمایا۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ جب اللہ رَبّ العزّت نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ میں مٹّی سے ایک انسان پیدا کرنے والا ہوں، اور جب میں اس کو پیدا کرلوں اور اس میں روح پھونک دوں تو تم اسے سجدہ کرنا، چنانچہ تمام فرشتے اللہ رَبّ العزّت کے حکم کے مطابق حضرت آدم علیہ السلام میں روح پھونک دیے جانے کے بعد ان کے سامنے سجدے میں گر گئے۔ اس وقت ابلیس نے تکبّر کرتے ہوئے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا، اللہ رَبّ العزّت نے علم ہونے کے باوجود اس سے پوچھا کہ تم نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیوں نہیں کیا؟ تو اس نے جواب دیا کہ چونکہ میں آگ سے پیدا کیا گیا ہوں اور آدم مٹّی سے پیدا کیے گئے ہیں، اس لیے میں ان سے افضل ہوں، اور جو افضل ہو وہ اپنے سے کم تر اور کم مرتبہ والے کو سجدہ نہیں کیا کرتا، اللہ رَبّ العزّت کے اس کا یہ عمل اور تکبّر پسند نہ آیا چنانچہ اسے راندۂ درگاہ بنا دیا اور حکم دیا کہ یہاں سے دفع ہوجا، اب قیامت تک کے لیے تجھ پر پھٹکار اور لعنت ہوگی، ابلیس نے یہ سن کر بجائے معذرت کرنے کے اللہ رَبّ العزّت سے مہلت مانگی اور عرض کیا کہ مجھے قیامت تک کے لیے مہلت دے دیں، تاکہ میں ان

(آدم علیہ السلام) سے اور ان کی اولاد سے بدلہ لے سکوں اور جس طرح آپ نے مجھے راندۂ درگار کر دیا ہے، اسی طرح میں ان انسانوں کو دُنیا کی رنگینیوں میں مبتلا کر کے آپ کے راستہ سے گمراہ کر دوں، اللہ ربّ العزّت نے اسے مہلت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میرے مخلص بندوں پر تیرا کوئی اثر نہیں ہو سکے گا، صرف چند گمراہ اور بھکے ہوئے لوگ ہی تیری اتباع اور پیروی کریں گے، اور جو ایسا کرے گا ان سب کے لیے جہنّم تیار کی گئی ہے، جس کے سات دروازے ہیں اور ہر دروازے سے گناہگاروں کا ایک ٹولہ گزر کر جہنّم میں جا گرے گا۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۞ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ۞ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى
سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۞ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ۞ نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ
الرَّحِيْمُ ۞ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ۞ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ۞ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا
سَلٰمًا ۭ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ۞ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ۞ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓي اَنْ
مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ۞ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ۞ قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ
رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّاۗلُّوْنَ ۞ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۞ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۞ اِلَّآ اٰلَ
لُوْطٍ ۭ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۞ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۞

متقین کا اِنعام واِکرام

شیطان کی پیروی کرنے والوں کے انجام کو بیان کرنے کے بعد ان آیات میں متقین اور پرہیز گاروں کے اُخروی انجام کو بیان کیا گیا ہے کہ وہ آخرت میں باغات اور چشموں میں ہوں گے، جہاں فرشتے ان کے استقبال کے لیے کھڑے ہوں گے اور ان پر سلام بھیجتے ہوں گے، وہ امن اور سلامتی کے ساتھ وہاں رہیں گے، اور اگر دنیا میں کسی طبعی تقاضے کی وجہ سے ان کے دل میں کسی دوسرے جنتی کے لیے کینہ ہوا تو وہ ان کے دل سے نکال دیا جائے گا، اور سب بھائیوں کی طرح الفت اور محبت سے رہیں گے، وہاں ان کو ذرا برابر بھی تکلیف نہیں ہوگی اور نہ انہیں کبھی وہاں سے نکالا جائے گا، وہ ہمیشہ ان جنتوں اور نعمتوں میں رہیں گے۔

حضرت زُبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گریہ اور اِرشاد

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھی ہیں، نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مجاہدانہ کارناموں سے خوش ہو کر فرمایا تھا: ''فداك أبي وأمّي'' میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، یہ جملہ آپ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لیے بھی فرمایا تھا، یہ کمال کا اعزاز ہے۔ جنگِ جمل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا میں یہودی النسل سبائیوں نے جنگ کروادی، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تھے، اس جنگ میں آپ کو شہید کر دیا گیا، اسی طرح حضرت طلحہ بن عبید اللہ بھی عشرہ مبشرہ میں سے ہیں،

ان کے متعلق بھی آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ جس نے کسی چلتے پھرتے شہید کو دیکھنا ہو وہ طلحہ کو دیکھ لے، یہ بھی سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تھے، ۳۶ھ میں جنگ جمل میں شہید ہو گئے، ان کی نعش پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر اتنے روئے کہ داڑھی تر ہو گئی اور ارشاد فرمایا: میں اور آپ ان میں سے ہوں گے جن کے متعلق اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا: "وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا۔" (ارشاد الساری: ج ۸ ص ۱۴)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا واقعہ

متقین کے اخروی انجام کو بیان کرنے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کا تذکرہ فرمایا اور چونکہ ان کی ہلاکت جن فرشتوں کے ذریعے ہوئی وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس بھی اولاد کی خوشخبری سنانے آئے تھے، اس لیے پہلے ان کا قصہ ذکر کیا گیا، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ لوگوں کو ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا واقعہ بھی سنا دیجیے، ہوا یوں کہ چند فرشتے انسانی شکل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے، آپ علیہ السلام انہیں نہ پہچان سکے، اسی لیے آپ نے انہیں عام مہمان سمجھا، تو چونکہ آپ علیہ السلام بہت مہمان نواز تھے، اسی لیے فوراً ان کے لیے ایک بچھڑا ذبح کیا اور ان کے سامنے پیش کر دیا، مگر چونکہ وہ فرشتے تھے اس لیے انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں ڈر پیدا ہوا کہ کہیں یہ لوگ مخالف نہ ہوں، فرشتوں نے جب آپ کے ڈر کو محسوس کیا تو انہوں نے عرض کیا کہ آپ خوف نہ کیجیے، ہم اللہ ربّ العزّت کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں اور آپ کو ایک فرزند کی خوشخبری سنانے آئے ہیں جو بڑا عالم ہوگا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ میں تو بوڑھا ہو چکا ہوں، اب مجھے یہ خوشخبری کیسے سنا رہے ہو، انہوں نے عرض کیا کہ یہ اللہ ربّ العزّت کا طے کردہ امر ہے، اس لیے آپ ناامید نہ ہوں یعنی اپنے بڑھاپے کی فکر نہ کیجیے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کی رحمت سے میں کیسے ناامید ہو سکتا ہوں، ناامیدی تو گمراہ لوگوں کا کام ہے۔ اس کے بعد آپ نے ان سے پوچھا کہ کیا یہ خوشخبری سنانے کے علاوہ بھی تمہارے بھیجے جانے کا کوئی اور مقصد ہے؟ تو انہوں نے کہا ہمیں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ہلاک کرنے اور ان پر عذاب نازل کرنے کے لیے بھیجا گیا ہے، ہم ان سب کو ہلاک کر دیں گے لیکن حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے متبعین کو اس عذاب سے بچا لیا جائے گا، البتہ ان کی بیوی چونکہ اپنی قوم کی طرفدار ہے اس لیے وہ بھی عذاب کا شکار ہو کر ہلاک ہوگی۔

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ِۨ الْمُرْسَلُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ۝ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝
وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ
وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ۝ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ۝ وَجَآءَ اَهْلُ
الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ۝ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ۝ قَالُوْٓا اَوَلَمْ
نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝

فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِينَ ﴿٧٣﴾ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ ﴿٧٤﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ
لَآيَاتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِينَ ﴿٧٥﴾ وَإِنَّهَا لَبِسَبِيلٍ مُّقِيمٍ ﴿٧٦﴾ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّلْمُؤْمِنِينَ ﴿٧٧﴾ وَإِن كَانَ أَصْحَابُ الْأَيْكَةِ
لَظَالِمِينَ ﴿٧٨﴾ فَانتَقَمْنَا مِنْهُمْ ۘ وَإِنَّهُمَا لَبِإِمَامٍ مُّبِينٍ ﴿٧٩﴾

قومِ لُوط کی ہلاکت کا واقعہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی خوشخبری سنا کر وہ فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے، تو چونکہ وہ انسانی شکل میں تھے اس لیے حضرت لوط علیہ السلام بھی ان کو نہ پہچان سکے، اور ان کے آنے سے پریشان ہو گئے کہ شاید اب میری قوم ان کے ساتھ کیسا سلوک کرے، فرشتوں نے آپ کو پریشان دیکھ کر حقیقتِ حال سے پردہ اٹھایا اور کہا کہ ہم اللہ ربّ العزّت کے بھیجے گئے فرشتے ہیں تاکہ آپ کی قوم پر عذاب نازل کر سکیں، اس لیے آپ رات کے کسی حصہ میں اپنے گھر والوں اور متبعین کو لے کر یہاں سے چلے جایئے اور آپ میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے، صبح ہوتے ہی ان پر عذاب نازل کر دیا جائے گا جس سے ان کی جڑ کٹ جائے گی یعنی یہ سب ہلاک اور برباد ہو جائیں گے۔

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی چونکہ اپنی قوم سے ملی ہوئی تھی، اس لیے اس نے کسی کے ذریعہ قوم والوں کو ان مہمانوں کے آنے کی اطلاع کر دی شہر والوں کو جب پتا چلا کہ حضرت لوط علیہ السلام کے پاس حسین لڑکے آئے ہیں تو وہ بُرے ارادے سے ان کے گھر پہنچے، حضرت لوط علیہ السلام کو اس وقت تک ان مہمانوں کے فرشتے ہونے کا علم نہیں تھا، اس لیے آپ نے پریشانی کے عالم میں اپنی قوم سے کہا کہ یہ میرے مہمان ہیں، ان کو پریشان کر کے مجھے عام لوگوں میں رسوا نہ کرو، اور خدا کا خوف کرو، لیکن قوم نہ مانی، اور اپنی مستی میں غرق رہی، اتنے میں صبح کے آثار دکھائی دینے لگے، جیسے ہی صبح ہوئی ایک تیز آواز گونجی، اس کے بعد اللہ ربّ العزّت کے حکم سے ان کی بستیوں کو الٹ دیا گیا، اور اوپر سے پتھروں کی بارش برسائی گئی، یوں یہ قوم ہلاک اور برباد ہو گئی۔

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ان تباہ شدہ بستیوں کا محل وقوع بیان فرما کر کفّار و مشرکین کو عبرت حاصل کرنے کی تلقین فرمائی ہے اور ارشاد فرمایا کہ ان بستیوں میں اہل بصیرت کے لیے اللہ ربّ العزّت کی بڑی نشانیاں پوشیدہ ہیں، اور یہ بستیاں ایک آباد راستہ پر واقع ہیں، اس سے مراد عرب سے شام جانے والا راستہ ہے، جہاں اردن کے علاقہ میں یہ بستیاں موجود ہیں۔

''اصحاب الایکہ'' کون تھے؟

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کا واقعہ بیان کرنے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے اصحاب الأیکہ کا تذکرہ فرمایا ہے کہ وہ لوگ بھی ظالم اور گنہگار تھے، اس لیے ہم نے انہیں بھی ہلاک کر دیا۔

''أیکہ'' دراصل گھنے جنگل کو کہتے ہیں، اور اصحاب الایکہ سے مراد حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ہے، کیونکہ وہ

مدین میں رہتی تھی اور مدین کے قریب ہی ایک گھنا جنگل موجود تھا، جس کی وجہ سے انہیں اصحاب الایکہ کہا جاتا ہے۔ اس قوم میں کفر وشرک کے علاوہ ناپ تول میں کمی کرنے جیسے بُرائی بھی موجود تھے، حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں تنبیہ کی اوران افعالِ بد سے باز آنے کا حکم فرمایا، لیکن انہوں نے ان کی بات نہ مانی، اور اپنے بُرے عقائد اور افعال پر ڈٹے رہے، جس کی وجہ سے اللہ ربّ العزّت نے انہیں ہلاک کردیا۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۙ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ
الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ۙ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۙ وَمَا
خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ۝ اِنَّ
رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۝ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۝ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا
مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَقُلْ اِنِّيْٓ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ۚ
كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ۝ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۙ عَمَّا كَانُوْا
يَعْمَلُوْنَ ۝ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ
اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ۙ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ
وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۙ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝

”اَصحابِ حجر“ کون تھے؟

قومِ لوط اور اہلِ مدین کی ہلاکت کے بعد اللہ ربّ العزّت نے اصحاب حجر کی ہلاکت کا تذکرہ فرمایا ہے۔

”حجر“ دراصل ایک وادی کا نام ہے جہاں حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ثمود آباد تھی، اسی لیے ان کو اَصحابِ حجر بھی کہا جاتا ہے، یہ اپنے دور میں ٹیکنالوجی کے بہت ماہر مانے جاتے تھے، اور پتھروں کو تراش کر ان میں گھر بنایا کرتے تھے، ان کے پاس اللہ ربّ العزّت نے حضرت صالح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا، لیکن انہوں نے ان کی اطاعت نہ کی اور اپنے کفر وشرک پر ڈٹے رہے، اور حضرت صالح علیہ السلام نے معجزہ کے طور پر انہیں پہاڑ سے اونٹنی نکال کر دی تھی، جس کو ان لوگوں نے اپنی بدبختی سے قتل کردیا، جس پر اللہ ربّ العزّت کی طرف سے ان پر عذاب آیا اور یہ سب ہلاک ہوگئے۔

سورۂ فاتحہ کی فضیلت

اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ آپ ہمارے انعام واکرام کو دیکھیے کہ ہم نے آپ کو سات ایسی آیات عطا فرمائیں جو بار بار دہرائی جاتی ہیں اور جن کا مقام ومرتبہ یہ ہے کہ انہیں قرآن عظیم کہا جاسکتا ہے، مفسرین کرامؒ کے نزدیک اس سے مراد سورۂ فاتحہ ہے جسے ہر نماز میں پڑھا جاتا ہے، اور یہ اپنے مضامین کے لحاظ سے پورے قرآنِ کریم کا خلاصہ ہے، اس لیے اسے قرآن عظیم اور اُمّ القرآن بھی کہا جاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لیے مزید ارشاد فرمایا کہ آپ ان کافروں کی شرارتوں اور ان کی طرف سے ملنے والی تکالیف کی طرف التفات نہ کیجیے، اور نہ چیزوں کی طرف نظر اٹھا کر دیکھیے جو ہم نے انہیں عطا کی ہیں، کیونکہ وہ سب زائل ہو جائیں گی، آپ مؤمنین کی طرف متوجہ رہیے اور ان کی اصلاح کی فکر کرتے رہیے۔ البتہ کفّار کو تنبیہ اور تبلیغ کا سلسلہ بھی جاری رکھیے اور انہیں ہمارے عذاب سے ڈراتے رہیے، اور جس چیز کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اسے علی الاعلان پہنچا دیجیے اور اگر یہ نہ مانیں تو ان کی ذرا پروا نہ کیجیے، ان مذاق اڑانے والوں اور استہزاء کرنے والوں کے لیے ہم کافی ہیں، اور اگر ان کی باتوں سے آپ کا دل تنگ ہوتا ہو تو اس کا علاج یہ ہے کہ آپ اپنے پروردگار کی تسبیح اور تحمید کرتے رہیے اور نماز ادا کرتے رہیں اور مرتے دم تک اپنے رب کی عبادت میں مشغول رہیے۔ (معارف القرآن)

سورت کا اِجمالی درس

۱- سورت کے آغاز میں قرآن کی حقانیت کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ قیامت کے دن کفّار کی حسرت کو بیان فرمایا۔

۲- سورت میں اللہ ربّ العزّت کی قدرت کی چند نشانیاں بیان فرما کر ان میں غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے تاکہ انسان توحید کو پا سکے۔

۳- سورت میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا واقعہ اور آدم علیہ السلام کی فضیلت اور شیطان کی انسان سے عداوت کو بیان کیا گیا ہے۔

۴- سورت میں مختلف ہلاک شدہ اقوام کا تذکرہ فرما کر ان سے عبرت حاصل کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

۵- سورت کے آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے۔

تمت سورۃ الحجر بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ النَّحْلِ

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب میں سولہ (۱۶)، جبکہ نزول کے اعتبار سے ستر (۷۰) نمبر پر ہے، سولہ (۱۶) رُکوع اور ایک سو اٹھائیس (۱۲۸) آیات پر مشتمل ہے۔

نام اور وجہ تسمیہ

۱-نحل: ''نحل'' عربی زبان میں شہد کی مکھی کو کہتے ہیں، اس سورت میں اللہ رَبّ العزّت نے اپنے انعامات کا تذکرہ کرتے ہوئے شہد کی مکھی کا بھی ذکر فرمایا ہے، اسی مناسبت سے سورت کا نام سورۂ نحل رکھا گیا ہے۔

۲-نِعَم: ''نعم'' نعمت کی جمع ہے، چونکہ اس سورت میں اللہ رَبّ العزّت نے اپنی بہت سی نعمتوں کا تذکرہ فرمایا ہے، اس لیے اس سورت کو سورۂ نعم بھی کہا جاتا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں اللہ رَبّ العزّت نے اپنی قدرت کے چند دلائل بیان فرمائے تھے، اس سورت میں بڑی تعداد میں قدرت باری تعالیٰ کے نمونے اور اللہ رَبّ العزّت کی نعمتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع اللہ رَبّ العزّت کی نعمتوں کا تذکرہ کر کے اس کی رُبوبیت اور اُلوہیت کو ثابت کرنا ہے۔

عمومی مضامین

۱-اس سورت میں اللہ رَبّ العزّت کی دُنیوی اور اخروی نعمتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

۲-سورت میں کفّار کے ایمان نہ لانے کی وجوہات بھی بیان کی گئی ہیں۔

۳-سورت میں کچھ احکامِ شریعت (ہجرت، جہاد اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر وغیرہ) کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

۴- مؤمنین اور اللہ ربّ العزّت کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والوں کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمونہ پیش کیا گیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اَتٰٓی اَمْرُ اللّٰہِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْہُ ؕ سُبْحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ○ یُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِکَۃَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ
مِنْ عِبَادِہٖٓ اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ○ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ○
خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَۃٍ فَاِذَا ھُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ ○ وَالْاَنْعَامَ خَلَقَھَا ۚ لَکُمْ فِیْھَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ
وَمِنْھَا تَاْکُلُوْنَ ○ وَلَکُمْ فِیْھَا جَمَالٌ حِیْنَ تُرِیْحُوْنَ وَحِیْنَ تَسْرَحُوْنَ ○ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَکُمْ اِلٰی بَلَدٍ لَّمْ تَکُوْنُوْا
بٰلِغِیْہِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّکُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ○ وَّالْخَیْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِیْرَ لِتَرْکَبُوْھَا وَزِیْنَۃً ؕ
وَیَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○

وقوعِ قیامت کی اطلاع اور کُفّار کو تنبیہ

سورت کے آغاز میں اللہ ربّ العزّت نے کُفّار کو تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جس عذاب اور قیامت کو یہ کُفّار ہر وقت مذاق اڑاتے ہیں اور اس کا انکار کرتے ہیں، وہ قیامت عنقریب واقع ہو جائے گی، اس لیے تم جلد بازی نہ کرو، بلکہ اس کُفر اور شرک سے باز آجاؤ جس میں تم مبتلا ہو۔

قدرتِ باری تعالیٰ کے نمونے

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے اپنی قدرت کے دلائل بیان فرما کر ان میں غور و فکر کی دعوت دی ہے تاکہ ان میں غور و فکر کر کے توحید کو سمجھا جا سکے، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت نے آسمان و زمین جیسی بڑی مخلوقات پیدا فرمائی ہیں، اور انسان کو ایک ناپاک پانی کے قطرہ سے پیدا فرمایا، پھر جب اس کو جوانی اور طاقت مل گئی تو وہ خود ہی اپنے خالق اور مالک پروردگار کی ذات وصفات میں جھگڑنے اور بحث کرنے لگا۔ اسی طرح جانوروں اور چوپاؤں کو بھی اللہ ربّ العزّت نے پیدا فرمایا، جن کی تخلیق کا بڑا مقصد انسانوں کو نفع پہنچانا ہے، اور انسانوں کو ان چوپاؤں سے مختلف منافع حاصل ہوتے ہیں، انسان ان کی اون سے اپنے کپڑے اور پوشاکیں تیار کرتا ہے، اور ان کو ذبح کر کے ان کے گوشت کو اپنی خوراک کے طور پر استعمال کرتا ہے، ان کے دودھ کو استعمال کرتا ہے۔ نیز وہ جانور انسانوں کی شان و شوکت کے اظہار کے بھی کام آتے ہیں، اور ان کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ ان کے ذریعہ بھاری سامان کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جا سکتا ہے، بعض جانور مثلاً گھوڑے، خچر اور گدھے وغیرہ سواری اور بار برداری کے ہی کام آتے ہیں۔

قرآن میں جدید ایجادات کا ذِکر

ان سب جانوروں اور چوپایوں کے تذکرہ کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت ایسی

چیزیں بھی پیدا فرمائے گا جنہیں تم نہیں جانتے، اس جملے میں وہ سب ایجادات شامل ہیں جن کا پرانے زمانہ میں کوئی تصور نہیں تھا لیکن آج ایجاد ہو چکی ہیں مثلاً بسیں، کاریں، ریل گاڑیاں اور ہوائی جہاز وغیرہ، اور وہ سب بھی جو آئندہ کبھی ایجاد ہوں گی، کیونکہ ہر چیز کا حقیقی خالق اللہ ربّ العزّت کی ہی ذات ہے، انسان تو محض اللہ ربّ العزّت کی پیدا کی ہوئی دھاتوں میں اللہ ربّ العزّت کی دی گئی عقل اور فہم کے ذریعہ جوڑ توڑ کر کے ان کے مختلف پرزے بناتا ہے اور ان میں اللہ ربّ العزّت کی بخشی ہوئی ہوا، پانی یا آگ سے کرنٹ پیدا کرتا ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ۝١٠ يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ
وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝١١ وَسَخَّرَ لَكُمُ
الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝١٢ وَمَا
ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝١٣ وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا
مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ
وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝١٤ وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝١٥
وَعَلٰمٰتٍ ۭ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ۝١٦ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝١٧ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا
تُحْصُوْهَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝١٨ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۝١٩ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا
يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝٢٠ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَاۗءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝٢١ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ
فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝٢٢

پروردگارِ عالم کی چند مزید نعمتیں

اللہ ربّ العزّت کا اپنے بندوں پر ایک انعام یہ ہے کہ اس نے ان کے فائدہ کے لیے آسمان سے پانی برسایا، جس سے کئی فوائد حاصل ہوتے ہیں، وہ پانی انسان کے پینے کے کام آتا ہے، اور اس پانی سے مختلف قسم کے درخت اور پودے پیدا ہوتے ہیں، جو انسان کے بھی استعمال میں آتے ہیں اور جانوروں کے بھی، اسی پانی سے کھیتی اور باغات بھی پیدا ہوتے ہیں۔

اس کے علاوہ رات، دن اور سورج و چاند کی گردش کا مرتب نظام اور جگمگاتے ستارے بھی اس کی قدرت کی بڑی نشانی ہیں، جس میں انسان کے نفع اور فائدہ کی بہت سی چیزیں پوشیدہ ہیں، زمین کی تہ میں موجود معدنیات اور مختلف رنگوں کے پہاڑ اس کی عظمت اور قدرت کے گن گاتے ہیں، اسی پاک ذات نے سمندروں اور دریاؤں کو انسان کے لیے مسخر کر دیا، اور اس میں بڑی بڑی کشتیاں چلادیں، جن پر انسان دور دراز کے سفر طے کرتا ہے، سمندر اور دریا سے مچھلی کی صورت میں تازہ گوشت حاصل کرتا ہے اور سمندر سے کئی قیمتی پتھر اور جواہرات بھی نکلتے ہیں جس سے انسان متعدد منافع حاصل کرتا ہے۔ یہ سب اس پاک ذات کی قدرت کی نشانیاں ہیں جو ہر چیز کا خالق ہے، اس کے علاوہ بھی اس کی بے شمار نعمتیں ہیں جن کو شمار کرنا

اور گننا کسی کے بس اور اختیار میں نہیں ہے، اس کے باوجود انسان خاص طور پر مشرک اور کافر انسان اس پاک پروردگار کا شکر ادا نہیں کرتا، اور یہ نہیں سوچتا کہ جو ذات ان سب چیزوں کی پیدا کرنے والی ہو، وہ اور پتھر کی بے جان مورتیاں کیسے برابر ہو سکتی ہیں؟ جن کو نہ کسی بات کا شعور ہے اور نہ ہی ادراک، وہ تو مردوں کی طرح خود محتاج ہیں، اگر وہ ذرا بھی غور و فکر کریں تو یہ حقیقت تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ اللہ ربّ العزّت کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ اور اگر کوئی اتنی نشانیاں دیکھنے کے باوجود بھی اس پاک ذات کی وحدانیت پر ایمان نہیں لاتا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے دل ہی پتھر ہو چکے ہیں اور حق قبول کرنے سے محروم ہو چکے ہیں۔

نوٹ:- آیت نمبر ۲۱ تا ۲۵ میں مشرکین کے جھوٹے خداؤں یعنی بتوں کے متعلق اعلان کیا گیا کہ وہ بت خالق نہیں، بلکہ مخلوق ہیں، اس آیت کا انبیاء علیہم السلام کی قبورِ مطہرہ سے کوئی تعلق نہیں۔

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۞ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۞ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۪ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۞ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ۞ وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوْا خَيْرًا ؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ؕ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ۞ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ؕ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۞ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۞

کفّار کی دُنیا اور آخرت میں رُسوائی

اللہ ربّ العزّت کی نعمتوں کو بیان کرنے کے بعد کافروں کے انجام کا ذکر فرمایا جو ان نعمتوں کے باوجود حق تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم نہیں کرتے اور قرآن اور آخرت پر ایمان نہیں لاتے، اور انہیں ان سے پہلے گزری ہوئی قوموں کی ہلاکت اور تباہی کے بارے میں آگاہ کر کے تنبیہ فرمائی، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ جو لوگ ان سے پہلے گزرے ہیں انہوں نے بھی انبیاء علیہم السلام کے خلاف بڑی تدبیریں اور چالیں چلیں، لیکن اللہ ربّ العزّت نے ان کی تمام تدبیروں اور چالوں کو ناکام فرما دیا، اس کے بعد ان پر دنیا میں بھی دردناک عذاب آیا جس سے وہ نشانِ عبرت بن کر رہ گئے، اور آخرت میں بھی اللہ ربّ العزّت انہیں ذلیل و رسوا کریں گے، اور انہیں جہنّم کی آگ میں جھونک دیں گے، جہاں انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہنا ہوگا۔

مؤمنین کا دُنیوی واُخروی اَجر واِنعام

اس کے برعکس جو لوگ دنیا میں اللہ ربّ العزّت کے نازل کردہ قرآن پر ایمان لائے اور اس کے احکامات پر عمل کیا ان کے لیے دُنیا میں بھی بھلائیاں ہیں اور آخرت کا اجر تو کہیں زیادہ ہوگا، وہاں وہ متقین ایسی جنتوں میں رہائش پذیر ہوں گے، جن کے درختوں اور عمارتوں کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، اور جس چیز کو ان کا جی چاہے گا وہ ان کو ملے گی، اور موت کے وقت بھی جو فرشتے ان کی روح قبض کریں گے وہ انہیں سلام کہہ رہے ہوں گے۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ؕ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ۝ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَاۤ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝

۱- کُفّار کا پہلا اِعتراض: ’’اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے‘‘

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے کُفّار کے دو شبہات ذِکر فرما کر ان کے جواب ارشاد فرمائے ہیں۔ کفار کا ایک اعتراض تو یہ تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کو ہمارا کُفر اور شرک ناپسند ہوتا تو ہم شرک کیوں کرتے؟ ہمارا شرک کرنا اس کی رضا کی علامت ہے ورنہ وہ ہمیں شرک نہ کرنے دیتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ ربّ العزّت کو ہمارا یہ فعل ناپسند نہیں ہے۔ اللہ ربّ العزّت نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ان کُفّار کا یہ اعتراض اور شبہ کوئی نئی بات نہیں، بلکہ ان سے پہلے والی قوموں نے بھی ایسے ہی اعتراض کیے تھے، حالانکہ یہ اعتراض بدیہی طور پر غلط ہے، کیونکہ اللہ ربّ العزّت نے اس دنیا کا نظام ہی ایسا بنایا ہے کہ انسان کو بالکل مجبور نہیں بنایا بلکہ اسے ایک حد تک با اختیار بنایا ہے اور اسی اختیار پر قیامت کے دن جزا اور سزا دی جائے گی، اس لیے اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ آپ ان کے اس اعتراض سے ذرا بھی غمگین نہ ہوں، آپ کے اور آپ سے پہلے تمام انبیاء علیہم السلام کے ذمہ صرف ہمارا پیغام پہنچانا ہے، ان سے منوانا آپ کے ذمہ نہیں ہے۔

۲- کُفّار کا دوسرا اِعتراض: ’’مر کر کیسے زندہ ہو سکتے ہیں؟‘‘

کُفّار کا دوسرا اعتراض یہ تھا کہ موت کے بعد کوئی زندگی نہیں، اور جو شخص مر جاتا ہے وہ دوبارہ کبھی زندہ نہیں ہوگا، اس

کے جواب میں اللہ رَبُّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری یہ بات سراسر غلط ہے، اللہ رَبُّ العزّت ضرور سب کو زندہ کرے گا، اور زندہ کرنے کے بعد ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ یعنی جزا اور سزا دے گا، اور یہ اس کے لیے کوئی مشکل نہیں ہے، کیونکہ جب وہ پاک ذات کسی کام کو کرنے کا ارادہ کرتی ہے تو اسے صرف ''کن'' کہنا ہی کافی ہوتا ہے اور وہ کام ہوجاتا ہے۔ تو جس ذات کی قدرت اتنی کامل ہو اس کے لیے کسی بے جان چیز کو دوبارہ زندہ کرنا کیا مشکل ہوگا؟

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا
يَعْلَمُوْنَ ۙ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۝ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔــلُوْٓا
اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۙ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ۭ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ
اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝ اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ
الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۙ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰي تَخَوُّفٍ ۭ
فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝

''ہجرت'' کی فضیلت اور اَجر

''ہجرت'' کا معنی ہے: ''اپنا وطن چھوڑنا''، اگر کسی جگہ مسلمانوں کو اپنے اسلامی عقائد اور عبادات پر عمل کرنے میں دشواری کا سامنا ہو تو وہاں کے مسلمانوں کو کسی ایسی جگہ کی طرف ہجرت کرنی چاہیے جہاں ان کے لیے اسلامی احکام کو برقرار رکھنے اور اس پر عمل کرنے میں آسانی ہو، چونکہ اپنا وطن چھوڑ کر کسی دوسرے دیس جا بسنا نہایت مشکل کام ہے، اس لیے جو شخص محض اسلام کی خاطر اپنا گھر اور وطن چھوڑے اس کا اللہ رَبُّ العزّت کے نزدیک بڑا مقام ہے، اللہ رَبُّ العزّت نے ان آیات میں اس کی فضیلت بیان فرمائی ہے کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں ہجرت کرتے ہیں انہیں دنیا میں بھی اللہ رَبُّ العزّت اچھا ٹھکانہ عطا فرماتے ہیں اور آخرت کے بے حساب اجر و ثواب کا بھی کوئی حساب نہیں ہے۔

کُفّار کا اِعتراض: ''نبی بشر نہیں ہوسکتا''

کُفّار و مشرکین مکہ کا ایک اعتراض یہ تھا کہ چونکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام بشر اور انسان ہیں، اس لیے آپ اللہ کے رسول نہیں ہوسکتے، کیونکہ کوئی بشر اور انسان نبی یا رسول نہیں ہوسکتا، اللہ رَبُّ العزّت نے ان کے اس خیال کی تردید فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ ہم نے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے بھی جتنے انبیاء و رُسل دُنیا میں بھیجے وہ سب کے سب بشر ہی تھے، لیکن چونکہ ان پر وحی نازل ہوتی ہے، اور اللہ رَبُّ العزّت انہیں معجزات اور کتابیں بھی عطا فرماتے ہیں، اس لیے ان کا درجہ عام انسانوں سے کہیں بڑھ کر ہوتا ہے، کوئی عام بشر ان کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ پھر کُفّار کو مخاطب کرکے فرمایا کہ اگر تمہیں اس بات پر یقین نہیں کہ پہلے انبیاء بھی بشر تھے تو اہل علم سے پوچھ لو جن کو ان انبیاء کے حالات کا علم ہے، وہ تمہیں بتائیں گے کہ انبیائے سابقین علیہم السلام بھی بشر ہی تھے۔

ائمۂ اربعہ کی تقلید واجب ہے!

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے ایک اہم ضابطہ بیان فرمایا کہ جو لوگ احکام نہیں جانتے وہ جاننے والوں سے پوچھ کر عمل کریں اور ان نہ جاننے والوں پر فرض ہے کہ جاننے والوں کے بتائے ہوئے کے مطابق عمل کریں، اسی کا نام ''تقلید'' ہے، یہ قرآن کا واضح حکم ہے اور عقل کے بھی عین مطابق ہے، اُمّتِ محمدیہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے آج تک بغیر کسی اختلاف کے اسی ضابطہ پر عمل ہوتا آیا ہے کہ جن حضرات کو اللہ ربّ العزّت نے شریعت کے اصول وضوابط سمجھنے کا خاص ذوق اور منصوص احکام سے غیر منصوص احکام کو قیاس کرکے حکم نکالنے کا خاص سلیقہ عطا فرمایا تھا، اور جنھیں عربی زبان وعربی محاورات، نیز قرآن وسنّت سے متعلق تمام علوم کا معیاری علم اور تقویٰ کا خاص مقام حاصل تھا، مختلف اور مجتہد فیہ مسائل میں ان حضرات کی تقلید کی گئی اور ان کی تحقیق پر اعتماد کیا گیا، اور یہی طریقہ درست اور حق کے زیادہ قریب ہے۔

فائدہ:- مذکورہ بالا سطور میں تقلید کے بارے میں نہایت مختصر خلاصہ تحریر کیا گیا ہے، جو صاحب اس بارے میں مفصل تحقیق پڑھنے کے خواہش مند ہوں وہ حضرت شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کا رسالہ ''تقلید کی شرعی حیثیت'' کا مطالعہ فرمائیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ اَحادیث حُجّت ہیں

انہی آیات میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم نے آپ پر قرآنِ کریم نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کو کھول کر واضح فرمادیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہی بیانِ قرآن اور تفسیر وتشریح قرآنِ کریم کے لیے ہوئی، لہٰذا جو کچھ آپ نے بیان فرمایا وہ سب بھی حجت اور قرآنِ کریم کی تفسیر و وضاحت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر قرآنِ کریم کا سمجھنا ناممکن ہے۔ اس لیے کہ قرآنِ کریم اجمال اور حدیث اس کی شرح ہے، قرآنِ کریم صامت اور خاموش ہے، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآنِ ناطق یعنی بولنے والے قرآن ہیں۔ اہلِ اسلام کا احادیث کی حجیت پر اتفاق واجماع ہے۔

کُفّار کو تنبیہ

کُفّار کے اعتراض کا جواب دینے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے انہیں تنبیہ فرمائی کہ اگر تم اپنی اسی روش پر برقرار رہے اور کُفر وشرک کو نہ چھوڑا تو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آخرت کے عذاب سے پہلے دنیا میں ہی اللہ ربّ العزّت تم پر عذاب نازل فرمادے، اور تمہیں زمین میں دھنسا دے یا کسی ایسے موقع سے تم پر عذاب نازل کردے جہاں تمہیں گمان بھی نہ ہو، جیسے غزوۂ بدر میں بے سروسامان مسلمانوں کے ہاتھوں ان کو ہلاکت کا سامنا کرنا پڑا، یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان پر چلتے پھرتے کوئی آفت نازل ہوجائے، یا کوئی ایسی بیماری آپڑے جو ان کو آہستہ آہستہ ہلاکت کے منہ میں دھکیل دے۔ اگر ایسا ہوا تو یہ اللہ تعالیٰ کے آئے ہوئے عذاب سے بچ نہیں سکیں گے۔

وَمَا بِكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْــَٔرُوْنَ ۞ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ
مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ۞ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۞ وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا
يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ؕ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ۞ وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ
مَّا يَشْتَهُوْنَ ۞ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۞ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ
مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۞ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ
مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ؕ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۞

کفّار سے اللہ ربّ العزّت کا شکوہ

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے کفّار سے شکوہ کیا ہے کہ تمہیں جو بھی نعمتیں ملی ہیں وہ سب اللہ ربّ العزّت کی ہی عطا کردہ ہیں، اور اگر کوئی تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ بھی اللہ ربّ العزّت کی ہی طرف سے ہے، اور تم بھی تکلیف کے وقت اسے ہی پکارتے ہو، لیکن جب اللہ ربّ العزّت تمہاری پکار پر اس تکلیف کو دور فرمادیں تو تم اس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرانے لگتے ہو اور کہتے ہو کہ فلاں بت نے ہم سے تکلیف دور کی، یہ طریقہ نہایت ناشکری اور نمک حرامی والا ہے، اس سے باز آجاؤ ورنہ تمہیں اس کا انجام بھگتنا پڑے گا۔

ایک مشرکانہ فعل یہ بھی ہے کہ یہ اللہ رب العزت کے دیے گئے رزق میں سے غیر اللہ اور معبودانِ باطلہ کا حصہ رکھتے ہیں، مثلاً بتوں کے نام پر جانور قربان کرنا یا چڑھاوے چڑھانا وغیرہ، جس کے بارے میں ان سے قیامت کے روز اللہ ربّ العزّت ضرور بازپرس فرمائیں گے۔ غیر اللہ کے نام پر نیاز دینا یا جانور ذبح کرنا شرکِ فعلی ہے، قرآن کریم نے شرکِ قولی کے ساتھ شرکِ فعلی کی بھی تردید کی ہے۔

نیز ان کے شرک کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ مشرکین اللہ ربّ العزّت کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں، جبکہ ان کا اپنا حال یہ ہے کہ اپنے لیے تو بیٹے پسند کرتے ہیں اور اگر ان میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خبر ملے تو اس قدر ناراض اور پریشان رہتے ہیں کہ ان کا چہرہ بے رونق اور سیاہ لگتا ہے، اور دل ہی دل میں کڑھتا رہتا ہے، اور بیٹی کی پیدائش کو عار سمجھ کر لوگوں سے منہ چھپاتا پھرتا ہے اور سوچتا ہے کہ اس بیٹی کو اپنے پاس رکھ کر ذلت برداشت کروں یا اس کو زندہ مٹی میں دفن کردوں۔ مقامِ افسوس ہے کہ جس چیز کو اپنے لیے باعثِ عار سمجھتے ہیں (حالانکہ حقیقتاً وہ باعثِ عار نہیں ہے)، اسے اللہ ربّ العزّت کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ ربّ العزّت ان کی اس بکواس سے بالکل پاک ہے۔

”بیٹیاں“ رحمت اور مغفرت کا ذریعہ ہیں!

اس آیت سے معلوم ہوا کہ بیٹی کا پیدا ہونا ہرگز عار یا ذلت کی بات نہیں، ایسا سمجھنا ہرگز جائز نہیں، یہ کفّار کا طرزِ عمل ہے، اسی لیے مسلمان کو چاہیے کہ وہ بیٹی کی پیدائش پر زیادہ خوشی کا اظہار کرے تاکہ کفّار کے اس عمل کی تردید ہوسکے، ایک

حدیث میں ہے کہ وہ عورت مبارک ہوتی ہے جس کے پہلے پیٹ سے لڑکی پیدا ہو۔ (کنز العمال: ۴۶۰۴۶) ایک اور حدیث میں ہے کہ جس شخص کی بیٹیاں ہوں اور وہ ان کے ساتھ حسن سلوک کرے تو یہ بیٹیاں اس کے لیے جہنم سے آڑ اور پردہ بن جائیں گی۔ (صحیح بخاری: ۵۹۹۵)

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۞ وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَاۗىِٕغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ۞ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۞ وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ۞ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۭ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَاۗءٌ لِّلنَّاسِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۞

مُردوں کو دوبارہ زندہ کرنے کی عقلی دلیل

ان آیات میں اللہ رب العزت نے ایک بار پھر اپنی قدرت کی چند نشانیاں بیان فرمائی ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اللہ رَبّ العزّت آسمان سے بارش کی صورت میں پانی برساتے ہیں پھر اس پانی سے خشک اور بنجر زمین کو سرسبز اور آباد کر دیتے ہیں، تو جو رَبّ مُردہ اور خشک زمین کو دوبارہ زندہ اور آباد کرنے پر قادر ہے وہ مُردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر قادر کیوں نہیں ہو سکتا؟

جانور اور دُودھ اللہ تعالیٰ کی حیرت انگیز قدرت کے نمونے!

اسی طرح اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے چوپائے بھی ہیں، جن کے پیٹ میں اللہ رَبّ العزّت گوبر اور خون جیسی ناپاک چیزوں کے درمیان سے پاک اور خالص دودھ پیدا فرما دیتے ہیں جو پینے میں نہایت خوشگوار ہوتا ہے، یہ دودھ اللہ رَبّ العزّت کی بڑی نعمت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کوئی کھانا کھاؤ تو یہ کہو "اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَاَطْعِمْنَا خَيْرًا مِّنْهُ" یعنی اے اللہ! اس میں ہمارے لیے برکت عطا فرما اور آئندہ اس سے اچھا کھانا نصیب فرما، اور فرمایا کہ جب دودھ پیو تو یہ کہو کہ "اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَزِدْنَا مِنْهُ" کہ اے اللہ! ہمارے لیے اس میں برکت عطا فرما اور اس میں اضافہ فرما، (سنن ابوداؤد: ۳۷۳۲) یہاں اس سے بہتر کا سوال اس لیے نہیں کیا گیا کہ انسانی غذا میں دُودھ سے بہتر کوئی دوسری غذا نہیں ہے، اسی لیے قدرت نے ہر انسان وحیوان کی پہلی غذا دُودھ ہی بنائی ہے جو ماں کی چھاتیوں سے اسے ملتی ہے۔ (معارف القرآن)

اسی طرح کھجور اور انگور وغیرہ جیسے پھل بھی اس کی نعمتوں میں شامل ہیں جس سے لوگ اپنے فائدہ کی چیزیں حاصل کرتے ہیں، بعض لوگ ان پاکیزہ اور حلال پھلوں سے نشہ حاصل کرتے ہیں جبکہ بعض لوگ انہیں عمدہ غذا کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ آیت شراب کی حرمت سے پہلے نازل ہوئی تھی، مدنی زندگی میں شراب قطعاً حرام کر دی گئی۔

''شہد کی مکھی'' عجائباتِ قدرت میں شامل ہے!

اس کے بعد باری تعالیٰ نے شہد کی مکھی کا ذِکر فرمایا، جس کے نام پر سورت ہے، اور ارشاد فرمایا کہ پروردگارِ عالم نے شہد کی مکھی کو یہ شعور عطا فرمایا کہ وہ پہاڑوں، درختوں اور بلند عمارتوں میں چھتے بنائے، چنانچہ ہم سب دیکھتے ہیں کہ شہد کی مکھی عام طور پر درختوں اور بلند مقامات پر چھتے بناتی ہے۔ اسی طرح اللہ ربّ العزّت نے اسے یہ شعور بھی عطا فرمایا کہ وہ مختلف قسم کے پھلوں اور پھولوں سے رس چوسے، جس کے نتیجہ میں اللہ رب العزت اس کے پیٹ میں شہد جیسا بابرکت اور نہایت پاکیزہ مشروب پیدا فرماتے ہیں جو مختلف رنگوں کا ہوتا ہے، اور اس میں کئی بیماریوں کی شفا ہے۔

شہد کی مکھی کا خاص طور پر ذِکر اس لیے کیا گیا ہے کہ شہد کی مکھی اپنی فہم وفراست اور عقل وشعور میں دوسرے تمام حیوانات سے ممتاز ہوتی ہے، ان کا نظام زندگی انسانی سیاست وحکمرانی کے اصول پر چلتا ہے، تمام انتظام والصرام ایک بڑی مکھی کے ہاتھ میں ہوتا ہے جو ان کی حکمران اور ملکہ ہوتی ہے، اور وہ اپنے قوانین کو نہایت مستحکم رکھتی ہے۔ اور ان کے قوانین وضوابط دیکھ کر انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

''شہد کی مکھی'' کے محیر العقول کارنامے

شہد کی مکھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی عجیب نشانی ہے۔ اس چھوٹی سی مکھی کے کارنامے ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ مکھی اپنا چھتہ مسدس متساوی الاضلاع بناتی ہے، کسی بھی طرف سے کوئی کونا کم یا زیادہ نہیں ہوتا، ہر کونا ایسے برابر ہوتا ہے گویا پرکار کے ساتھ بنایا گیا ہو۔

۲۔ چھتے میں نہ تو کوئی خالی جگہ رہتی ہے، نہ ہی اس میں کہیں سے کوئی خلل نظر آتا ہے۔

۳۔ شہد کی مکھیوں کی ایک بڑی مکھی ملکہ اور بادشاہ ہوتی ہے، جس کا حکم چھتے کی تمام مکھیوں پر نافذ ہوتا ہے، اس ملکہ کا نام ''یعسوب'' ہے، تمام مکھیاں اس کی اطاعت کرتی ہیں۔

۴۔ ہر چھتے کے دروازوں کے اردگرد محافظ مکھیاں چھتے کی حفاظت پر معمور ہوتی ہیں، باہر کی کوئی مکھی چھتے میں داخل نہیں ہوسکتی، یہ محافظ دستہ چھتے کی حفاظت کرتا ہے۔

۵۔ یہ مکھیاں دور دراز علاقوں میں گھومتی ہیں، رس چوستی ہیں، پانی پیتی ہیں اور واپس اپنے چھتے میں باآسانی پہنچ جاتی ہیں، کبھی راستہ نہیں بھولتیں۔

۶۔ چھتہ موم اور پانی سے تیار کرتی ہیں۔

۷۔ مذکورہ آیت میں تین مقامات پر چھتے بنانے کا ذِکر ہے: ۱۔ پہاڑ، ۲۔ درخت، ۳۔ چھپر وغیرہ جن پر بیلیں چڑھائی جاتی ہیں (اس میں دیواریں اور چھتیں بھی شامل ہیں) شہد کی مکھی انہی مقامات پر ہی چھتہ بناتی ہیں، اگر مذکورہ بالا تین مقامات کے علاوہ کہیں اور چھتہ بنا بھی لیں تو شہد ضائع کر دیتی ہیں۔

۸- ملکہ دیگر مکھیوں میں اُمور تقسیم کر دیتی ہے۔ بعض چھتہ بنانے میں، بعض موم اور پانی لانے میں مصروف ہوتی ہیں، بعض انڈے دیتی ہیں اور بعض شہد تیار کرتی ہیں۔ (صاوی حاشیہ جلالین)

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ
الطَّيِّبٰتِ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ۝ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ
رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا
تَعْلَمُوْنَ ۝ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰي شَيْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ
سِرًّا وَّجَهْرًا ۭ هَلْ يَسْتَوٗنَ ۭ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ
اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰي شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰي مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ
بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

اہل وعیال بھی نعمتِ خداوندی ہیں!

اللہ رَبّ العزّت کی نعمتوں کا بیان چل رہا ہے، اسی سلسلہ میں اللہ رَبّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے تمہاری ہی جنس میں سے تمہارے جوڑے اور بیویاں بنائیں، تاکہ باہمی طور پر انس پیدا ہو اور نسل انسانی کی افزائش بھی برقرار رہے، پھر ان بیویوں سے اللہ رَبّ العزّت نے اولاد اور اولاد کی اولاد کا سلسلہ جاری فرمایا، اور پھر ان کی بقاء کے لیے رزق کی ضروریات بھی اس پاک ذات نے اپنے فضل وکرم سے پیدا فرما دیں، اس سب کے باوجود اگر انسان اس پاک پروردگار کو چھوڑ کر بتوں کی طرف مائل ہو اور ایسی بے جان مورتیوں کی عبادت میں لگ جائے جو نہ ان کو رزق دے سکتی ہیں اور نہ کوئی نفع ونقصان، تو یہ انسان کی نری حماقت اور بے وقوفی ہے۔

شرک کے بطلان پر دو خوبصورت مثالیں

پہلی مثال:- اللہ رَبّ العزّت نے آقا اور غلام کی مثال بیان فرمائی کہ ایک شخص ایسا ہے جس کو اللہ رَبّ العزّت نے مال ودولت اور اقتدار عطا فرمایا ہے، اور وہ دن رات اس مال کو خرچ کرتا رہتا ہے، جبکہ دوسرا شخص ایک ایسا غلام ہے جس کے پاس کوئی اختیار نہیں، کیا یہ دونوں آپس میں برابر ہیں؟ جب یہ دونوں ایک ہی جنس کے ہوتے ہوئے برابر نہیں ہیں تو کوئی مخلوق اللہ رَبّ العزّت کے برابر کیسے ہو سکتی ہے؟

دوسری مثال:- اللہ رَبّ العزّت نے دو شخصوں کی مثال بیان فرمائی، جن میں سے ایک شخص ایسا ہے جو لوگوں کو عدل وانصاف اور اچھی باتوں کی تعلیم دیتا ہے، اور خود بھی صاحب علم اور سیدھے راہ پر گامزن ہے، جبکہ دوسرا شخص ایسا ہے جو نہ خود اپنا کام کر سکتا ہے نہ کسی دوسرے کا کوئی کام درست کر سکتا ہے، اپنے مالک اور آقا پر بھی بوجھ ہے، اسے کہیں بھی بھیجا

جائے تو کبھی کوئی خیر کی خبر نہیں لاتا، کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ ہر گز نہیں، تو اللہ ربّ العزّت جو ہر چیز کا خالق اور مالک ہے اس کے ساتھ یہ لاچار و عاجز بت کیسے برابر ہو سکتے ہیں؟

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَاۤ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ
قَدِيْرٌ ۝ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ
لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا
يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَاۤ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ۝ وَاللّٰهُ جَعَلَ
لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ
تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ
الْمُبِيْنُ ۝ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝

''غیب کا علم'' صرف اللہ ربّ العزّت کے پاس ہے!

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے اپنی قدرت کی چند مزید نشانیاں بیان فرمائی ہیں، مگر ان سے پہلے ارشاد فرمایا کہ آسمان و زمین میں صرف اللہ ربّ العزّت کی ذات ہی عالم الغیب ہے، زمین و آسمان کی کوئی بھی بات اور معاملہ اس سے چھپا ہوا نہیں ہے، اسی کے پاس قیامت کا علم ہے، اور جب وہ چاہے گا تو قیامت پلک جھپکنے میں آجائے گی، اس کا علم بھی کامل ہے اور اس کی قدرت بھی کامل ہے۔

دراصل عقلی طور پر معبود کے لیے درج ذیل تین کمالات کا ہونا ضروری ہے:

۱۔علمِ کامل: تا کہ اپنی مخلوقات کی حاجت براری کر سکے۔

۲۔قدرتِ کاملہ: تا کہ مخلوقات کی مشکلات حل کر سکے۔

۳۔رحمتِ کاملہ: تا کہ رحمت کے ساتھ جملہ مخلوقات کی ضروریات پوری ہو سکیں۔ اس لیے قرآنِ کریم میں ان اوصاف کو جا بجا بیان کیا گیا ہے۔ یہ اوصاف اللہ تعالیٰ کے سوا کسی میں موجود نہیں۔

اسی کی قدرت ہے کہ اس نے تمہیں ماؤں کے پیٹ سے اس حالت میں نکالا کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے، اس نے تمہیں آنکھ، کان، اور دل دیے، اور جیتا جاگتا انسان بنا دیا، اور تمہیں شعور بخشا، تا کہ تم اس کا شکر ادا کرو، اس پر ایمان لاؤ اور اس کے احکام کی فرمانبرداری کرو۔

وہی پاک ذات ہے جس نے پرندوں کو اُڑنا سکھایا، وہی ان پرندوں کو ہوا میں تھامے رکھتا ہے، اگر اللہ نہ چاہتا تو کوئی انہیں اُڑا نہیں سکتا تھا، یہ سب اس کی قدرت کی نشانیاں ہیں۔

''گھر'' بھی نعمتِ الٰہی ہیں!

اسی پروردگار نے تمہارے لیے حالت سفر اور حالت حضر میں گھر اور آرام کی جگہ عطا فرمائی، حضر میں تمہیں گھر دیے جن میں تم آرام سے رہ سکتے ہو، جن لوگوں کے گھر نہیں ہوتے وہ خانہ بدوش یا پارکوں اور فٹ پاتھوں پر زندگی گزارتے ہیں، اور سفر کے لیے جانوروں کی کھالوں کے بنے ہوئے خیمے عطا فرمائے جو وزن کے اعتبار سے ہلکے ہوتے ہیں، اسی وجہ سے انہیں سفر میں لادنا اور ساتھ لے جانا آسان ہوتا ہے، اس کے علاوہ جانوروں کی اون اور ان کے بالوں سے تمہارے لیے کئی فائدہ کی چیزیں بنائیں، تم ان سے گرمی حاصل کرتے ہو، مختلف قسم کے لباس بناتے ہو، یہ سب اس کی نعمتیں ہیں۔

اسی نے تمہارے لیے سایہ دار چیزیں مثلاً درخت اور مکانات وغیرہ بنائے، پہاڑوں میں پناہ گاہیں بنائیں، اور تمہیں ایسے لباس بھی عطا کیے جو تمہیں گرمی اور سردی سے محفوظ رکھتے ہیں اور ایسے لباس بھی جو حالت جنگ میں زخموں سے تمہاری حفاظت کرتے ہیں جیسے زرہ، ڈھال اور بلٹ پروف جیکٹس وغیرہ، ان سب نعمتوں کا تقاضا یہ ہے کہ تم اس پروردگار عالم کو پہچانو، اور اس کے احسانات کو تسلیم کرتے ہوئے اس کا شکر بجالاؤ، جس کی صورت یہ ہے کہ اس پر ایمان لاؤ اور اس کے احکامات کی فرمانبرداری کرو۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ۝ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ
ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ۝ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا
هَٰؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُوا مِنْ دُونِكَ ۚ فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ وَأَلْقَوْا إِلَى اللَّهِ
يَوْمَئِذٍ السَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ زِدْنَاهُمْ عَذَابًا
فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ ۝ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ
شَهِيدًا عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ ۚ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ ۝

قیامت کے چند مناظر

ان آیات میں باری تعالیٰ نے قیامت کی ہولناکی اور اس کے چند احوال بیان فرمائے ہیں اور کفار کی بے بسی کو بھی بیان فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ہم ہر اُمّت میں سے ایک ایک گواہ بلائیں گے جو اس اُمّت کا نبی ہوگا، اور وہ ان کے اعمال کی گواہی دیں گے، جس کے بعد ان کافروں کو نہ معذرت کرنے کی گنجائش ہوگی اور نہ ان سے توبہ طلب کی جائے گی، کیونکہ آخرت دار الجزا ہے، دار العمل نہیں، بلکہ فوراً عذاب میں جھونک دیے جائیں گے، اور وہ عذاب نہ ہلکا کیا جائے گا اور نہ وہ کبھی اس سے نکل سکیں گے۔ اسی دوران مشرکین اپنے ان معبودوں کو جہنّم میں دیکھیں گے جنہیں وہ دنیا میں پوجا کرتے تھے، تو کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! یہ تو ہمارے معبود بنے ہوئے تھے، ان کے معبود ان سے اظہار براءت کریں گے اور کہیں گے کہ ہمارا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس وقت مشرکین و کفار اللہ ربّ العزّت کی اطاعت کا اقرار

کریں گے، لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا، بلکہ انہیں دوہرے عذاب میں مبتلا کردیا جائے گا، کیونکہ وہ خود بھی کفر کرتے تھے اور دوسروں کو بھی راہِ حق سے روکتے تھے۔

نیز اس دن جب ہر اُمت پر ان کا نبی گواہ ہوگا، اور اپنی اُمت کے اعمال کی گواہی دے گا، اس دن آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان سب پر گواہی کے لیے بلایا جائے گا، کیونکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر قرآن جیسی عظیم کتاب نازل کی گئی ہے جو دِین کی تمام باتوں کو بیان کرنے والی ہے، اور اسی قرآن نے گزشتہ قوموں اور ان کے انبیاء کے حالات و واقعات بھی تفصیل سے بیان فرمائے ہیں۔

احادیث میں تفصیل سے مذکور ہے کہ روزِ محشر گزشتہ اُمم اپنے اپنے انبیاء علیہم السلام کے خلاف استغاثہ دائر کریں گی کہ انہوں نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا تھا، یہ انبیاء علیہم السلام اپنی صفائی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اُمت کو بطور گواہ پیش کریں گے تب ان کی قومیں جھوٹی اور انبیاء علیہم السلام سچے ثابت ہوں گے۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۞ وَأَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ إِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ۚ إِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۞ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا ۚ تَتَّخِذُوْنَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ أَنْ تَكُوْنَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبٰى مِنْ أُمَّةٍ ۚ إِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ۚ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۞ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَلَتُسْئَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۞ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا أَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۞ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۚ إِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۞ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۗ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞ فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۞ إِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۞ إِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ۞

قرآن کی جامع ترین آیت

ان آیات میں سے پہلی آیت ''إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۞'' قرآنِ کریم کی جامع ترین آیت ہے، کیونکہ اس میں اللہ ربّ العزّت نے تمام اسلامی

تعلیمات کو چند لفظوں میں بیان فرما دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین سے آج تک یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ جمعہ اور عیدین کے خطبات میں یہ آیت تلاوت کی جاتی ہے۔

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے تین چیزوں کا حکم عنایت فرمایا ہے اور تین چیزوں سے منع فرمایا ہے، جن تین چیزوں کا حکم دیا گیا ہے، وہ عدل، احسان اور رشتہ داروں پر خرچ کرنا، جبکہ جن تین چیزوں سے منع کیا گیا ہے ان میں فحش کام، ہر بُرا کام اور ظلم شامل ہیں۔

جن چیزوں کا حکم دیا گیا ہے ان میں عدل سرفہرست ہے، عدل سے مراد یہ ہے کہ تمام اخلاق حسنہ کی پابندی کی جائے اور تمام بُرے اعمال واخلاق سے اجتناب کیا جائے۔ جبکہ احسان سے مراد یہ ہے کہ خود اپنی ذات کے لحاظ سے بھی اچھا ہو اور دوسرے کے ساتھ بھی اچھا سلوک اور معاملہ کیا جائے، بعض مفسرین کرام کے نزدیک عدل یہ ہے کہ دوسرے کا حق پورا پورا دے دے، نہ کم ہو نہ زیادہ، جبکہ احسان یہ ہے کہ دوسرے کو اس کے حق سے زیادہ دے دیا جائے۔ تیسرا حکم اس آیت میں رشتہ داروں پر خرچ کرنے کا ہے، اس میں رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی بھی شامل ہے اور ان کے ساتھ ہر طرح کا تعاون بھی۔

جبکہ جن تین چیزوں سے منع کیا گیا ہے ان میں سرفہرست ''فحشاء'' ہے، یعنی ہر ایسا بُرا فعل اور قول جس کی بُرائی بالکل واضح ہو، ہر شخص اس کو بُرا سمجھے، اس میں گندی باتیں، گندے اعمال، بے حیائی، بدکرداری، عریانی وغیرہ شامل ہیں، جبکہ دوسری چیز ''منکر'' سے مراد ایسے تمام اقوال اور افعال ہیں جن کے حرام اور ناجائز ہونے کو شریعت نے بیان کیا ہو، اور تیسری چیز ''بغی'' یعنی حد سے تجاوز کرنا ہے، اس سے مراد ظلم اور سرکشی ہے۔ (معارف القرآن)

عہد شکنی اور قسم توڑنے کی مذمّت

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے عہد کو پورا کرنے کی تلقین اور عہد شکنی کی مذمت بیان فرمائی اور حکم دیا کہ جب تم کسی بات کا عہد کر لو اور وہ عہد ایسا ہو جو شریعت کے کسی حکم کے خلاف نہ ہو تو اسے پورا کیا کرو، خواہ وہ حقوق اللہ سے متعلق ہو یا حقوق العباد سے متعلق، اسی طرح اگر قسم کھائی ہو تو ان کو مت توڑو بلکہ ان کو پورا کرنے کی کوشش کرو، بشرطیکہ وہ قسم کسی خلاف شرع کام کی نہ ہو۔ اسی طرح اگر کسی قوم سے کوئی معاہدہ ہو تو اسے بھی ہر حال میں نبھانے اور پورا کرنے کی کوشش کرو، ایسا نہ ہو کہ کسی دوسری قوم کا پلڑا بھاری دیکھتے ہوئے ان کی طرف جھک جاؤ اور ان سے معاہدہ توڑ دو، یہ اللہ ربّ العزّت کے نزدیک ہرگز پسندیدہ نہیں، نیز یہ حکم بھی دیا گیا کہ اپنی قسموں کو فساد کا ذریعہ مت بناؤ، فساد کا ذریعہ بنانے سے مراد قسموں کا توڑنا ہی ہے، کیونکہ ایسی قسم جس میں اللہ ربّ العزّت کا نام شامل کیا گیا ہو، اور اس میں کوئی ناجائز یا خلاف شرع بات بھی شامل نہ ہو تو اس کو پورا کرنا لازم اور بلاوجہ توڑنا درست نہیں۔ قسم میں اللہ تعالیٰ کے نام کی لاج رکھی جائے، اللہ ربّ العزّت کا نام لے کر اس کے تقدس کو ہرگز پامال نہ کیا جائے۔

قسم اور عہد سے متعلق ایک حکم یہ بھی دیا گیا کہ مال حاصل کرنے کی غرض سے کسی عہد یا قسم کو توڑنا بھی درست نہیں،

اس سے اللہ رَبّ العزّت نے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ دنیا کے عارضی اور فانی فائدہ کے عوض اپنے عہد کا سودا نہ کرو، کیونکہ دُنیا میں جو کچھ ہے وہ ختم ہونے والا ہے جبکہ اللہ رَبّ العزّت کے پاس جو ذخیرۂ آخرت ہے وہ باقی رہنے والا ہے، اور اللہ رَبّ العزّت عہد کا پاس رکھنے والوں کو آخرت میں ضرور اجر سے نوازیں گے۔

تلاوتِ کلامِ پاک سے پہلے "تعوّذ" پڑھنا لازم ہے!

گزشتہ آیات میں قسم اور عہد کو پورا کرنے سے متعلق احکام بیان کیے گئے تھے، جن میں شیطان کے بہکانے کی وجہ سے غفلت ہوجاتی ہے تو اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے شیطان سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے، خاص طور پر تلاوت کلام سے پہلے شیطان سے پناہ مانگنے اور تعوذ پڑھنے کا اہتمام کرنا لازم قرار دیا ہے اور ارشاد فرمایا کہ جب آپ قرآن پاک پڑھیں تو اللہ رَبّ العزّت کی شیطان مردود سے پناہ طلب کیا کریں۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ شیطان اس شخص سے دور بھاگ جائے گا اور اس کی عبادت اور تلاوت میں کوئی خلل نہیں ڈال سکے گا، کیونکہ شیطان کا ان لوگوں پر تسلط نہیں ہوسکتا جو اللہ رَبّ العزّت کی پناہ میں ہوں اور اس پر بھروسہ کرتے ہوں، شیطان کا زور صرف ان لوگوں پر چلتا ہے جو اس کی اتباع کرتے ہیں اور اللہ رَبّ العزّت کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ
نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ
يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ۭ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا
يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ
اللّٰهِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝

آیات کا منسوخ ہونا اللہ کے حکم سے ہوتا ہے!

ان آیات میں کُفّار کے ایک شبہ اور اعتراض کو ذکر فرما کر اس کا جواب دیا گیا ہے، کُفّارِ مکہ کا اعتراض یہ تھا کہ اگر یہ قرآن واقعی اللہ رَبّ العزّت کا کلام ہوتا تو اس میں آیات منسوخ نہ ہوتیں، یوں ایک آیت کچھ عرصہ برقرار رکھنے کے بعد اس آیت کو منسوخ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ قرآن من گھڑت ہے، اللہ رَبّ العزّت کا نازل کردہ نہیں ہے۔ اللہ رَبّ العزّت نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ جب قرآنِ کریم کی کوئی آیت اللہ رَبّ العزّت تبدیل فرمادیتے ہیں یعنی اس کو منسوخ کرکے دوسرا حکم دیتے ہیں، تو یہ کسی خاص مصلحت کے تحت کیا جاتا ہے جسے اللہ رَبّ العزّت ہی جانتے ہیں، اور لوگ اس سے ناواقف ہوتے ہیں۔

اسی طرح کُفّار کا ایک اعتراض یہ تھا کہ یہ قرآن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو روم کا ایک شخص سکھاتا ہے جس کا نام بلعام یا مقیس تھا، وہ چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں خوب دھیان سے سنتا اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھار

اس کے پاس جا کر بیٹھ جاتے، اور وہ شخص انجیل سے بھی واقف تھا، تو کفار نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہی شخص آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قرآن سکھاتا ہے، اللہ ربّ العزّت نے اس کا جواب ارشاد فرمایا کہ تمہارا یہ کہنا عقل کے ہی خلاف ہے، کیونکہ جس شخص کی طرف تم یہ بات منسوب کر رہے ہو اس کی زبان عجمی ہے جبکہ یہ قرآن فصیح عربی زبان میں ہے، تو کوئی عجمی شخص اس قدر فصیح وبلیغ کلام کیسے بنا سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ قرآن پر اعتراض کرتے ہیں وہ ہدایت سے محروم ہیں، اور ایسے لوگوں کے لیے اللہ ربّ العزّت نے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۞ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۞ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۞ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۞

شانِ نزول

صحابہ کرام کی ایک جماعت (جس میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور ان کے والدین حضرت یاسر اور حضرت سمیہ، اور حضرت صہیب، حضرت بلال اور حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین وغیرہ شامل تھے) کو مشرکین نے گرفتار کر لیا اور کہا کہ کفر اختیار کر لیں ورنہ قتل کر دیے جائیں گے، حضرت یاسر اور ان کی اہلیہ محترمہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہما نے کفر اختیار کرنے سے انکار کر دیا، تو ان کفار و مشرکین نے نہایت بے دردی سے ان دونوں کو شہید کر دیا، حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کو دو اونٹوں کے درمیان باندھ کر ان کو مخالف سمت میں دوڑایا گیا جس سے ان کے دو ٹکڑے ہو گئے، اسی طرح حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے بھی کفر اختیار کرنے سے انکار کر کے قتل کیے جانے کو قبول کر لیا، جبکہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے جان کے خوف سے زبانی کفر کا اقرار کر لیا مگر ان کا دل ایمان سے لبریز تھا، جب یہ دشمنوں سے رہائی پا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو نہایت پریشانی کے عالم میں اس واقعہ کا اظہار کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کہ جب تم یہ کلمہ بول رہے تھے تو تمہارے دل کی کیا حالت تھی، انہوں نے عرض کیا کہ دل تو ایمان پر جما ہوا تھا، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مطمئن کیا کہ تم پر اس کا کوئی وبال نہیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (معارف القرآن)

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص ایمان لانے کے بعد پھر اپنی رضامندی سے کفر اختیار کر لے تو وہ دنیا میں بھی اللہ ربّ العزّت کے غضب کا شکار ہوگا، کیونکہ اس نے دنیا کی عارضی زندگی کو آخرت کی دائمی زندگی پر ترجیح دی، اور آخرت میں بھی خسارہ اٹھائے گا۔ ہاں اگر کسی کو کلمہ کفر بولنے پر ایسے مجبور کر دیا جائے کہ اس کے پاس انکار کرنے کی گنجائش ہی نہ ہو اور اس کا دل ایمان سے بھرا ہوا ہو تو اس کے لیے اپنی جان بچانے کی خاطر کلمہ کفر بولنے کی گنجائش ہے۔

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ۖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ ۝ مَتَاعٌ قَلِيلٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِن قَبْلُ ۖ وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝ ثُمَّ إِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِينَ عَمِلُوا السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوا مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

حلال چیزوں کو حرام سمجھنا بھی کُفّار کا عمل اور شرک ہے!

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے پہلے اپنی چند حرام کردہ چیزوں کا ذکر فرمایا کہ اللہ رَبّ العزّت نے مردار، بہنے والا خون، خنزیر کا گوشت اور ہر اس چیز کو جسے غیر اللہ کے لیے نامزد کیا گیا ہو، حرام قرار دیا ہے، اس لیے ان چیزوں کا استعمال ہرگز جائز نہیں، ہاں اگر کوئی شخص اضطراری حالت میں ہو یعنی بھوک اور فاقہ کی وجہ سے ہلاکت کا اندیشہ ہو اور اس کے پاس کھانے کی کوئی حلال چیز دستیاب نہ ہو تو اس کے لیے اتنی مقدار میں یہ حرام چیزیں استعمال کرنے کی گنجائش ہے جس سے اس کی جان بچ سکے۔

اس کے بعد مسلمانوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ جس طرح کُفّار و مشرکین نے اللہ رَبّ العزّت کی نعمتوں کی ناشکری اس طرح بھی کی تھی کہ بہت سی حلال چیزوں کو اپنی طرف سے حرام قرار دے دیا اور بہت سی حرام چیزوں کو حلال قرار دے دیا، اس طرح تم نہ کرنا، کیونکہ کسی چیز کو حلال یا حرام کرنے کا اختیار صرف اللہ رَبّ العزّت کی ذات کے پاس ہے، جو ہر چیز کا خالق ہے۔ اپنی طرف سے ایسا کہنا دراصل اللہ رَبّ العزّت پر جھوٹ باندھنا ہے جو کبیرہ گناہ ہے۔ اس لیے اس سے مکمل اجتناب کرنا لازم ہے اور اگر اب تک کسی سے یہ عمل سرزد ہوا ہو تو وہ اللہ رَبّ العزّت سے معافی مانگے، بے شک وہ معاف کرنے والا مہربان ہے۔

ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ ۖ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ۝ وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُم بِهِ ۖ وَلَئِن صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِينَ ۝ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ ۚ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ ۝ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ ۝

دعوت و تبلیغ کے راہنما اُصول

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے دعوتِ دین کے راہنما اصول بیان فرمائے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ آپ اپنے رَبّ کے راستے یعنی دین کی طرف لوگوں کو حکمت اور اچھی نصیحت کے ذریعہ دعوت

دیں، اور اگر بحث و مباحثہ کی نوبت آجائے تو اچھے طریقہ سے مباحثہ کیجیے، حکمت سے مراد یہ ہے کہ ایسے طریقہ سے دعوت دی جائے جس میں مخاطب کے احوال کی رعایت رکھی جاسکے اور مخاطب کے دل پر اثر انداز ہو، جبکہ نصیحت سے مراد یہ ہے کہ خیرخواہی و ہمدردی کے جذبہ سے بات کہی جائے، اور اچھے طریقے سے مباحثہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ شدت اور سختی سے بات نہ کی جائے، مخاطب پر الزام تراشی نہ کی جائے وغیرہ۔ اور دعوت دے کر اس فکر میں نہ لگ جایئے کہ کس نے مانا اور کس نے نہیں مانا، یہ اللہ ربّ العزّت کے ذمہ ہے، وہ ہر ایک سے خوب واقف ہے۔

اسی طرح اگر کبھی دعوت کے دوران علمی بحث و مباحثہ سے بڑھ کر عملی جھگڑے اور لڑائی کی نوبت آجائے تو اس صورت میں آپ کو اور آپ کے تمام متبعین کو بدلہ لینے کی بھی اجازت ہے، اور صبر کرنے کا بھی اختیار ہے۔ لیکن اگر بدلہ لینا ہو تو صرف اتنا ہی بدلہ لیا جائے جتنا تمہارے ساتھ برتاؤ کیا گیا ہے، کوئی زیادتی نہ کی جائے، اور اگر صبر کو اختیار کرو تو یہ تمہارے حق میں بہت بہتر ہے، کیونکہ اس سے دیکھنے والوں پر بھی اچھا اثر پڑتا ہے اور آخرت میں بھی اس پر اجر ملے گا۔ اسی لیے ان کفّار اور دعوت کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کرنے والوں کی پرواہ نہ کیجیے، انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں، اللہ ربّ العزّت یقیناً پرہیزگاروں اور نیک کرداروالوں کے ساتھ ہیں۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت میں اللہ ربّ العزّت کی کئی نعمتوں اور قدرت کی نشانیوں کا ذکر فرما کر ان میں غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے تا کہ اللہ ربّ العزّت کی توحید اور قیامت کو ثابت کیا جاسکے۔

۲۔ سورت میں کُفّار و مشرکین اور اہلِ ایمان و تقویٰ کا دُنیوی و اخروی انجام بھی بیان کیا گیا ہے۔

۳۔ سورت میں کُفّار کے کئی شبہات و اعتراضات کے جوابات بھی دیے گئے ہیں۔

۴۔ سورت میں چند نیک اعمال اختیار کرنے اور چند بُرے افعال سے اجتناب کرنے کا حکم بھی دیا گیا ہے۔

۵۔ سورت میں دعوت و تبلیغ کے اُصول بیان کیے گئے ہیں۔

تمت سورۃ النحل بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ بَنِیٓ اِسْرَآءِیْل

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، قرآنی ترتیب میں سترہ (۱۷)، جبکہ نزول کے اعتبار سے پچاسویں (۵۰) نمبر پر ہے، بارہ (۱۲) رُکوع اور ایک سو گیارہ (۱۱۱) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہ تسمیہ

اس سورت کے دو نام ہیں:

۱- بنی اسرائیل: سورت کے شروع میں بنی اسرائیل کے ساتھ پیش آنے والے دو اہم واقعات کا تذکرہ کیا گیا ہے، اس لیے اس سورت کا نام سورۂ بنی اسرائیل رکھا گیا ہے۔

۲- اسراء: ''اسراء'' معراج کے سفر کے اس حصے کو کہا جاتا ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک لے جایا گیا، چونکہ سورت کے آغاز میں ہی واقعۂ معراج ذکر کیا گیا ہے، اس لیے اس سورت کا نام سورۂ اسراء رکھا گیا ہے۔

سورت کی فضیلت

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک اپنے بستر پر نیند نہیں فرماتے تھے جب تک سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ زُمر کی تلاوت نہ فرما لیتے۔ (سنن ترمذی: ۲۹۲۰)

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفّار کی طرف سے پہنچنے والی اذیتوں پر صبر کرنے کا حکم فرمایا تھا، اس سورت میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و شان کو بیان فرمایا ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع ''قرآنِ کریم کی قدر و منزلت'' بیان کرنا ہے۔

عمومی مضامین

۱-سورت میں نبوّت کی بنی اسرائیل سے عرب (بنی اسماعیل) میں منتقلی کو ذکر کیا گیا ہے۔

۲-بنی اسرائیل کی اپنی کتاب میں تحریف کو بیان کیا گیا ہے۔

۳-سورت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ قرآن مجید کے سارے احکام فطرت کے عین مطابق ہیں۔

۴-قرآن کے شفاء اور رحمت ہونے کو بیان کیا گیا ہے۔

۵-قرآنِ کریم اور اس کے تمام مضامین پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔

پارہ نمبر ۱۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ①

واقعۂ معراج

سورت کی اس ابتدائی آیت میں اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک خصوصی اعزاز اور معجزہ کا ذکر فرمایا ہے جسے ہم ''معراج'' سے جانتے ہیں، یعنی وہ رات جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بقائم ہوش وحواس جسمانی وروحانی طور پر مسجدِ حرام سے بیت المقدس اور پھر بیت المقدس سے آسمانوں کی سیر کروائی گئی، اس سفر کے دو حصے تھے، پہلا حصہ مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک، اسے ''اسراء'' کہا جاتا ہے، مندرجہ بالا آیت میں سفر کے اسی حصہ کا ذکر ہے، اور دوسرا حصہ مسجدِ اقصیٰ سے آسمانوں کا سفر، اسے ''معراج'' کہتے ہیں، اس کا ذکر سورۂ نجم کے ابتداء میں ہے، جسے ان شاء اللہ! وہاں ذکر کیا جائے گا۔

واقعۂ معراج کا اجمالی قصہ یہ ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہن اُمّ ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر میں آرام فرما تھے، حضرت جبرائیل علیہ السلام وہاں آئے اور آپ کو وہاں سے لے جا کر زمزم کے کنویں کے پاس لٹایا اور آپ کا سینہ مبارک چاک کر کے زمزم کے پانی سے دھویا، اور دوبارہ سی دیا، اس کے بعد آپ کے پاس براق نامی سواری لائی گئی، جو اس قدر تیز رفتار تھا کہ ایک ایک قدم اتنی دور رکھتا تھا جتنی دور اس کی نگاہ پہنچتی تھی، کچھ ہی دیر میں آپ بیت المقدس پہنچے، جہاں آپ نے مسجد میں جا کر دو رکعت نماز ادا فرمائی، پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کو لے کر آسمانوں کی طرف چلے، ایک ایک آسمان پر آپ کی ملاقات انبیائے سابقین علیہم السلام سے ہوتی رہی، پہلے آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام،

دوسرے پر حضرت زکریا، حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام، تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام، چوتھے آسمان پر حضرت ادریس علیہ السلام، پانچویں آسمان پر حضرت ہارون علیہ السلام، چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے آپ کی ملاقات ہوئی، اس کے بعد آپ سدرۃ المنتہیٰ تشریف لے گئے، جہاں حضرت جبرائیل علیہ السلام رک گئے، سدرۃ المنتہیٰ پر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو دوسری مرتبہ ان کی اصلی شکل میں دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المعمور کو بھی دیکھا جو خانہ کعبہ کے عین محاذات میں آسمان میں واقع ہے، اور فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں، (سورۂ طور میں اس کا ذکر کیا جائے گا) سدرۃ المنتہیٰ سے آگے کا سفر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے بغیر اکیلے طے فرمایا، آپ کو جنّت و جہنّم کے مناظر بھی دکھائے گئے، پھر آپ عرشِ معلیٰ پر تشریف لے گئے، جہاں آپ نے باری تعالیٰ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا، بعض مفسرین کرام کے نزدیک آپ نے اللہ ربّ العزّت کا دیدار کیا جبکہ بعض مفسرین نے اس کا انکار کیا ہے۔ پھر اللہ ربّ العزّت نے آپ پر وحی فرمائی اور پچاس نمازوں کا حکم دیا، جسے آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورے سے باری تعالیٰ کی خدمت میں عرض کر کے کمی کروائی اور بالآخر پانچ نمازوں کا تحفہ لے کر واپس تشریف لے آئے۔

واپسی میں پہلے آپ کو بیت المقدس اتارا گیا، جہاں آپ نے سب انبیاء علیہم السلام کے ساتھ نماز پڑھی اور امامت کرائی، پھر وہاں سے براق کے ذریعہ مسجد حرام واپسی ہوئی، یہ سارا سفر رات کے کچھ عرصہ میں ہوا۔ (تفسیر ابن کثیر)

مسجدِ اقصیٰ اور ملکِ شام کی برکات

اسی آیت میں اللہ ربّ العزّت نے مسجدِ اقصیٰ کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم نے اس کے اردگرد برکت رکھ دی ہے، اردگرد سے مراد ملک شام ہے، اور برکتوں سے مراد یہ ہے کہ مسجدِ اقصیٰ تمام انبیاء علیہم السلام کا قبلہ رہی ہے، اور سرزمین شام کئی انبیاء کا مسکن و مدفن ہے، جبکہ دُنیوی طور پر اس سرزمین کی برکات یہ ہیں کہ اس کی زمین سرسبز ہے، اور اس میں عمدہ چشمے، نہریں اور باغات وغیرہ وافر تعداد میں ہیں۔ (معارف القرآن)

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِى الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝٤ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ
اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۝٥ ثُمَّ
رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝٦ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ
لِاَنْفُسِكُمْ ۣ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ۭ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْۗءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا
دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ۝٧ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا
جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝٨ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِىَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ
الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝٩ وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝١٠

بنی اِسرائیل کی دو مرتبہ بربادی

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے بنی اسرائیل کی بربادی کے دو واقعات عبرت اور نصیحت کے لیے ذکر فرمائے ہیں، ایک مرتبہ انہوں نے گناہوں اور اللہ رَبّ العزّت کے احکامات کی مخالفت میں حد سے تجاوز کیا تو اللہ رَبّ العزّت نے ان کے دشمنوں کو ان پر مسلط کر دیا جنھوں نے ان کی اینٹ سے اینٹ بجادی، پھر یہ کچھ سنبھل گئے، کچھ عرصہ بعد پھر اپنی سابقہ روش پر لوٹ آئے اور بداعمالیوں میں لگ گئے تو اللہ تعالیٰ نے پھر انہیں ان کے دشمنوں کے ہاتھوں سے سزا دلوائی۔

پہلا واقعہ

بنی اسرائیل کی بربادی کا پہلا واقعہ تب پیش آیا جب بخت نصر نامی بادشاہ نے ان پر غارت گری کی، شہر میں آگ لگادی، خون ریزی کی کوئی حد نہ رہی، مردوں کو قتل اور عورتوں اور بچوں کو قیدی بنالیا گیا، اور بیت المقدس کے سارے اموال اور سونے چاندی جواہرات کو گاڑیوں میں بھر کر لے گیا، اور تقریباً ستر یا سو سال تک ان کو بابل میں اپنا غلام بنائے رکھا، جہاں نہایت ذلت اور خواری کی حالت میں رہے، پھر ایران کے بادشاہ نے بابل فتح کیا تو اسے ان جلاوطن بنی اسرائیلیوں پر رحم آیا اور اس نے ان کو واپس شام پہنچادیا، اس وقت بنی اسرائیل اپنے بُرے اعمال اور معاصی سے توبہ کر چکے تھے۔

دوسرا واقعہ

جب بنی اسرائیل کو دوبارہ امن وسکون نصیب ہوا تو انہوں نے پھر اللہ رَبّ العزّت کے احکام سے بغاوت شروع کردی، گناہوں اور معاصی میں شب وروز گزارنے لگے، جس پر اللہ رَبّ العزّت نے انہیں ایک بار پھر ذلیل کیا اور رُوم کے بادشاہ نے ان پر حملہ کر کے انہیں تباہ وبرباد کر دیا۔ (معارف القرآن)

ان دونوں واقعات کو بیان کرنے کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے ایک ضابطہ بیان فرمایا کہ اگر تم پھر نافرمانی اور سرکشی کی طرف لوٹو گے تو ہم پھر اسی طرح کی سزا اور عذاب تم پر لوٹا دیں گے، یہ ضابطہ قیامت تک کے لیے ہے، اور اس کے اصل مخاطب وہ بنی اسرائیل تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں موجود تھے، اس میں اشارہ کیا گیا کہ جس طرح پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی مخالفت سے اور دوسری مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی مخالفت سے تم لوگ سزا اور عذاب میں مبتلا ہوئے تھے اسی طرح اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی مخالفت کا بھی یہی انجام ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ان لوگوں نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور دینِ اسلام کی مخالفت کی تو مسلمانوں کے ہاتھوں ذلیل وخوار ہوئے اور جلاوطنی کے عذاب میں مبتلا ہوگئے۔ (معارف القرآن)

قرآن سیدھی راہ دِکھاتا ہے!

بنی اسرائیل کی بربادی کے واقعات کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے قرآنِ کریم کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ قرآن

ہمیشہ ایسے راستہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو بالکل سیدھا ہے، قرآن نے اس کے لیے ''اَقْوَمُ'' کا لفظ استعمال کیا ہے، جو ایسے راستے کو کہتے ہیں جو منزل کے قریب بھی ہو، آسان بھی اور خطرات سے بھی خالی ہو، اس سے معلوم ہوا کہ قرآن پاک میں دیے گئے احکامات بھی ایسے ہی ہیں جو جنّت اور اللہ ربّ العزّت کی رضا تک جلد اور با آسانی پہنچانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اسی طرح قرآن اس راستہ پر چلنے والوں اور نہ چلنے والوں کے انجام کو بھی بیان کرتا ہے کہ جو اس راستے پر چلے گا اور قرآن کے احکامات کی پاسداری کرے گا اسے بڑا اجر و ثواب ملے گا، جبکہ جو ان احکامات سے روگردانی کرے ان کے لیے دردناک عذاب تیار کیا گیا ہے۔

وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ۝ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰۗىِٕرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ۝ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝

رات و دِن کے مرتّب نظام کی حکمتیں

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے رات اور دن کو اپنی قدرت کی نشانیوں میں سے قرار دیا ہے، اور یہ بتایا ہے کہ دن اور رات کے اس نظام میں بہت حکمتیں پوشیدہ ہیں، رات کی تاریکی کی حکمت تو یہاں بیان نہیں فرمائی، لیکن دوسری آیات میں اس کی یہ حکمت مذکور ہے کہ چونکہ تاریکی نیند اور آرام کے لیے مناسب ہے، اور رات بھی آرام و نیند کے لیے بنائی گئی ہے، اس لیے رات کو تاریک بنانا اللہ ربّ العزّت کا بڑا احسان ہے۔ جبکہ دن کو روشن کرنے کی دو حکمتیں اللہ ربّ العزّت نے ان آیات میں بیان فرمائی ہیں، پہلی یہ کہ دن کی روشنی میں انسان اپنی روزی تلاش کر سکتا ہے، اور دوسری یہ کہ دن اور رات کی آمد و رفت سے سالوں اور مہینوں کی تعداد معلوم کی جاتی ہے، اسی طرح دوسرے حسابات مثلاً ملازم کی روزانہ یا ماہانہ تنخواہ وغیرہ کا حساب اور معاملات کی میعاد وغیرہ مقرر کرنا نہایت آسان ہو گیا۔

نامۂ اَعمال گلے کا ہار ہے!

اس کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ارشاد فرمایا کہ انسان جس جگہ جس حال میں بھی رہے اس کا نامۂ اعمال اس کے ساتھ رہتا ہے اور ہر دم ہر وقت اس کا عمل لکھا جاتا ہے، جب وہ مرتا ہے تو بند کر کے رکھ دیا جاتا ہے، پھر قیامت کے دن ہر ایک کو اس کا یہ نامۂ اَعمال اس کے ہاتھ میں دے دیا جائے گا اور ارشاد ہوگا کہ ہر کوئی اپنا نامۂ اَعمال خود پڑھ لے اور خود ہی دل میں فیصلہ کر لے کہ وہ ثواب کا مستحق ہے یا عذاب کا۔ اسی لیے ہر شخص کو دنیا میں ہی آخرت کی تیاری کرنی چاہیے اور اللہ ربّ العزّت کی طرف سے بھیجی گئی ہدایت کو قبول کرنا چاہیے تاکہ قیامت کے دن ثواب اور جنّت کا مستحق بن سکے، اور جہنّم کے عذاب سے بچ سکے۔

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا

فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ
ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ
غَفُوْرًا ۝ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ
الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝ وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاۗءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ
لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ۝ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا
مَّحْسُوْرًا ۝ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ۝

والدین کو ''اُف'' تک نہ کہو!

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے چند معاشرتی آداب اور احکام بیان فرمائے ہیں، چند باتوں کا حکم فرمایا ہے اور چند چیزوں سے منع فرمایا ہے، سب سے پہلا حکم والدین کی فرمانبرداری اور اطاعت سے متعلق ہے، ارشاد فرمایا کہ تمہارے رب نے یہ حکم دیا ہے کہ صرف اسی کی عبادت کرو اور والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کرو، اور اگر والدین بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں اور ان کی کوئی بات تمہیں ناگوار گزرے تو بھی انہیں مت جھڑکو، بلکہ انہیں اف تک نہ کہو، ان سے نرم لہجے میں بات کرو، اور ان کے لیے دعاؤں کا اہتمام کرو کہ اے پروردگار! ان دونوں پر رحم فرما جیسے انہوں نے بچپن میں مجھ پر شفقت کی، والدین کے ساتھ حسن سلوک کو اپنی عبادت کے ساتھ ذکر فرما کر اللہ ربّ العزّت نے اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا کہ اس کی عبادت کے بعد سب سے اہم کام والدین کی اطاعت ہے، قرآنِ کریم میں کئی مقامات پر والدین کی اطاعت کا حکم فرمایا ہے، اسی طرح اَحادیثِ مبارکہ میں بھی والدین کی اطاعت پر کافی زور دیا گیا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اولاد پر ماں باپ کا کیا حق ہے؟ آپ نے فرمایا کہ وہ دونوں ہی تیری جنّت یا دوزخ ہیں (ان کی اطاعت وخدمت جنّت میں لے جاتی ہے اور ان کی بے ادبی اور ناراضی دوزخ میں)۔ (سنن ابن ماجہ: ۳۶۶۲)

ایک روایت میں ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جو خدمت گار بیٹا اپنے والدین پر رحمت وشفقت سے نظر ڈالتا ہے تو ہر نظر کے بدلے میں ایک مقبول حج کا ثواب ملتا ہے، لوگوں نے پوچھا کہ اگر وہ دن میں سو مرتبہ نظر کرے، آپ نے فرمایا کہ ہاں سو مرتبہ بھی، اللہ تعالیٰ بڑا ہے، (اس کے خزانے میں کمی نہیں آتی)۔ (شعب الایمان: ۷۸۵۶)

''فضول خرچ'' شیطان کے بھائی ہیں!

والدین کے ساتھ حسن سلوک اختیار کرنے کا حکم دینے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے قریبی رشتہ داروں، مساکین اور مسافروں پر مال خرچ کرنے کی ترغیب دی ہے اور رشتہ داروں کے حقوق بیان فرمائے ہیں، اس میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کرنا بھی شامل ہے، اور اگر وہ حاجتمند ہوں تو اپنی وسعت کے مطابق ان کی مالی مدد کرنا بھی، اس کے علاوہ غرباء ومساکین اور

مسافروں کی بھی مالی مدد کرنی چاہیے، کیونکہ سفر میں بسا اوقات انسان کے پاس مال ختم ہو جاتا ہے یا کوئی حادثہ پیش آ جاتا ہے تو اسے مدد کی ضرورت ہوتی ہے۔ تو ایسے مواقع میں انسان کو اپنا مال خرچ کرنا چاہیے، اور اگر کبھی انہیں دینے کی وسعت نہ ہو اور وہ مانگنے آ جائیں تو انہیں روکھا جواب نہ دیا جائے بلکہ نرمی کے ساتھ معذرت کر لی جائے۔

البتہ گناہ کے کاموں میں، اور بے موقع بے محل خرچ کرنے سے مکمل طور پر گریز کرنا چاہیے، اس سے اللہ ربّ العزّت نے منع فرمایا ہے، اور ایسے لوگوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا ہے۔

''تبذیر'' اور ''اِسراف'' میں فرق

فضول خرچی کو قرآن پاک میں دو الگ الگ لفظوں میں بیان کیا گیا ہے، ایک ''تبذیر'' اور دوسرا ''اسراف''، بعض حضرات کے نزدیک یہ دونوں ہم معنی الفاظ ہیں، ان میں کوئی فرق نہیں، جبکہ بعض مفسرین کرام ان دونوں میں فرق فرماتے ہیں، اور وہ یہ کہ گناہ یا بے موقع بے محل خرچ کرنے کو تبذیر کہا جاتا ہے، اور جائز موقع میں ضرورت سے زیادہ خرچ کرنے کو اسراف کہا جاتا ہے، ان دونوں سے اللہ ربّ العزّت نے قرآن میں منع فرمایا ہے۔

مال خرچ کرنے میں اِعتدال سے کام لینا چاہیے!

اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دینے کے بعد ایک نصیحت کی گئی کہ مال خرچ کرنے میں نہ بالکل بخل کرنا چاہیے کہ ہاتھ گردن سے باندھ لیے جائیں اور نہ اتنا کھل کر خرچ کرنا چاہیے کہ خود ہی محتاج اور فقیر بن جائے، بلکہ اعتدال کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

حدیث پاک میں ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک لڑکا حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری والدہ آپ سے ایک کرتہ کا سوال کرتی ہیں، اس وقت آپ علیہ السلام کے پاس سوائے اس کرتے کے جو آپ کے جسم مبارک پر تھا، اور کوئی کرتہ نہیں تھا، آپ نے اس لڑکے سے کہا کہ پھر کسی وقت آنا جب ہمارے پاس وسعت ہو، لڑکا گھر گیا اور واپس آیا اور کہا کہ میری والدہ کہتی ہیں کہ آپ کے بدن مبارک پر جو کرتا ہے وہی عنایت فرما دیں، یہ سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بدن مبارک سے کرتہ اتار کر اس کے حوالے کر دیا، نماز کا وقت آیا، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی مگر آپ حسبِ عادت باہر تشریف نہ لائے تو لوگوں کو فکر ہوئی، بعض لوگ اندر حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ بغیر کرتے کے بیٹھے تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (معارف القرآن)

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۝ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۠ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـــُٔوْلًا ۝ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا

بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۚ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۚ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۝ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ۝

کرنے اور نہ کرنے کے کام

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے چند اعمال کا تذکرہ فرما کر ان سے منع فرمایا ہے، ذیل میں ان کا اجمالی تذکرہ پیش کیا جاتا ہے:

۱-اولاد کا قتل: سب سے پہلا حکم یہ ارشاد فرمایا کہ تنگدستی کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، زمانہ جاہلیت میں بعض لوگ اپنی اولاد خاص طور پر اپنی بیٹیوں کو اس ڈر سے قتل کر دیتے تھے کہ ان کی تربیت و پرورش اور شادی بیاہ پر ہمارے اخراجات ہوں گے، اللہ رَبّ العزّت نے ان کی جہالت کو واضح کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ تم رزق کی فکر کیوں کرتے ہو؟ تمہیں بھی اللہ رزق دیتا ہے، انہیں بھی وہی دے گا۔

۲-زنا: دوسرا حکم زنا کی حرمت سے متعلق ارشاد فرمایا کہ زنا کے قریب بھی مت جاؤ، یعنی ان اعمال سے بھی بچو جو زنا کی طرف لے جاتے ہیں، جیسے بدنظری، عورتوں سے اختلاط وغیرہ، کیونکہ زنا بذات خود بھی بڑی بے حیائی ہے اور اس میں دوسرے مفاسد بھی پائے جاتے ہیں، جیسے عداوت و دشمنی، فتنے، جھگڑے فساد وغیرہ۔

۳-قتل ناحق: تیسرا حکم قتل سے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ کسی شخص کو ناحق قتل نہ کرو، ہاں اگر کسی کو قتل کرنے کی کوئی شرعی وجہ (مثلاً قصاص یا شادی شدہ زانی کے لیے رجم یا مرتد ہونا) موجود ہو تو وہ الگ بات ہے، کسی انسان کو ناحق قتل کرنا کبیرہ گناہ اور بہت بڑا جرم ہے، حدیث پاک میں ہے کہ اللہ رَبّ العزّت کے نزدیک ساری دنیا کی تباہی اس سے ہلکی ہے کہ کسی مومن کو ناحق قتل کیا جائے۔(سنن ترمذی:۱۳۹۵)

اسی لیے اللہ رَبّ العزّت نے قتل کی صورت میں قصاص کا اختیار رکھا ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اگر کسی نے دوسرے انسان کو ناحق قتل کر دیا تو مقتول کے ورثاء کو قاتل سے قصاص لینے کا مکمل حق حاصل ہے، وہ اگر چاہے تو عدالت کے ذریعے قاتل سے قصاص لے سکتا ہے۔لیکن اس میں اس بات کا خیال رکھا جائے کہ قصاص لینے میں شرعی حدود سے تجاوز نہ کیا جائے، یعنی بغیر ثبوت کے کسی کو قاتل قرار دے کر اس سے قصاص نہ لیا جائے یا قاتل کے علاوہ اس کے دیگر خاندان والوں کو قصاص میں ہرگز قتل نہ کیا جائے۔

۴-یتیم کا مال ہڑپ کرنا: چوتھا حکم یتیموں کے مال کے بارے میں فرمایا کہ اگر کسی کی زیر کفالت کوئی یتیم بچہ ہو اور اس یتیم بچے کا مال و جائیداد بھی موجود ہو تو اس کی کفالت کرنے والے پر لازم ہے کہ اس کے مال میں کوئی خلاف شریعت

تصرف ہرگز نہ کرے، بلکہ ان کی اچھے انداز میں حفاظت کرے اور یتیموں کی ضروریات میں ہی خرچ کرے اور جب وہ یتیم جوان ہوجائے اور اپنے مال کی خود حفاظت کرسکے تو اس کا مال اس کے حوالے کردے۔

۵۔معاہدات کی پاسداری: پانچواں حکم اللہ ربّ العزّت نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اپنے معاہدے مکمل کرو، خواہ وہ معاہدہ اللہ ربّ العزّت سے کیا ہو یا کسی دوسرے بندے سے، دونوں کی تکمیل اور پاسداری ہر حال میں ضروری اور لازمی ہے، کیونکہ قیامت کے دن جیسے دیگر فرائض اور اعمال کے بارے میں سوال ہوگا ایسے ہی ان معاہدوں کے بارے میں بھی سوال کیا جائے گا۔

۶۔ناپ تول پورا کرنا: چھٹا حکم اللہ ربّ العزّت نے ناپ تول کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ ناپ تول پورا کیا کرو، اس میں کسی قسم کی کمی نہ کرو، قرآن پاک میں کئی مقامات پر حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کا واقعہ مذکور ہے، جن کی دیگر برائیوں کے ساتھ ایک بڑی برائی یہ تھی کہ وہ ناپ تول میں کمی کیا کرتے تھے۔اسی لیے ناپ تول میں مکمل احتیاط سے کام لینا چاہیے۔اس میں یہ بھی شامل ہے کہ اگر کوئی ملازم اپنا ذمیہ کام مکمل کرلے تو اس کی مزدوری مکمل طور پر بغیر ٹال مٹول کیے اس کے سپرد کردی جائے، اس میں لیت ولعل سے کام نہ لیا جائے۔اسی طرح ملازم بھی وقت اور کام میں کمی نہ کریں۔

۷۔بغیر تحقیق کے کسی بات پر عمل کرنا: ساتواں حکم اللہ ربّ العزّت نے یہ ارشاد فرمایا کہ جس چیز کی انسان کو تحقیق نہ ہو اس پر عمل نہ کیا جائے، بلکہ پہلے اس کے بارے میں اچھی طرح تحقیق اور دوسروں سے معلومات لی جائیں اور پھر اس پر عمل کیا جائے، کیونکہ اللہ ربّ العزّت قیامت کے دن انسان سے اس کی آنکھ، کان اور دل کے بارے میں پوچھیں گے کہ ان کا درست استعمال کیا یا غلط؟ اس لیے اس سے بچنا چاہیے۔

۸۔زمین میں اکڑ کر چلنا: آٹھواں حکم تکبّر سے ممانعت کے بارے میں ہے کہ زمین پر اکڑ کر اور اترا کر نہ چلو، یعنی ایسی چال نہ چلو جس سے تکبّر اور فخر وغرور ظاہر ہوتا ہو، کیونکہ انسان درحقیقت بہت کمزور اور عاجز ہے، اور تکبّر اس ذات کے مناسب ہے جس کے پاس ہر قسم کے اختیارات ہوں، جس کی طاقت، اقتدار اور قدرت کامل ہو، اور وہ صرف اللہ ربّ العزّت کی ذات ہے۔ایک حدیثِ قدسی میں اللہ ربّ العزّت فرماتے ہیں کہ بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میری ازار، جو شخص مجھ سے ان کو چھیننا چاہے تو میں اس کو جہنّم میں داخل کردوں گا۔(سنن ابوداؤد: ۴۰۹۲)

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ
تَسْبِيْحَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۝ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ
حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۝ وَّجَعَلْنَا عَلٰي قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ
وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰٓي اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ۝

کائنات کی ہر چیز ”تسبیح“ کرتی ہے!

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے یہ بیان فرمایا ہے کہ ساتوں آسمان اور زمین اور ان دونوں میں موجود ساری مخلوقات اللہ رب العزت کی تسبیح کرتی ہیں، لیکن ہم ان کی تسبیح نہ ہی سنتے ہیں اور نہ سمجھتے ہیں، جیسا کہ بعض احادیثِ مبارکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ منقول ہے کہ آپ کی مٹھی میں کنکروں کو تسبیح کرتے ہوئے صحابہ کرام نے سنا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھاتے تو کھانے کی تسبیح کی آواز سنا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری: ٣٥٧٩)

کُفّار کے اِیمان نہ لانے کی وجہ

اللہ ربّ العزّت نے قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اپنی توحید کے دلائل، قرآن کی حقانیت اور وقوعِ قیامت کے دلائل بیان فرمائے، اس کے باوجود مشرکین مکہ نے حق قبول نہ کیا، جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ان آیات میں غور وفکر ہی نہیں کرتے تھے، بلکہ الٹا ان کا مذاق اڑاتے تھے، اور جب کبھی قرآن میں اللہ ربّ العزّت کے اوصاف وکمالات کا ذکر ہوتا تو یہ مشرکین پیٹھ پھیر کر چل دیتے تھے، جس کی وجہ سے انہیں حق کو قبول کرنے کی صلاحیت سے ہی محروم کر دیا گیا، جس کا اثر یہ ہوا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پڑھتے تو ان کے دلوں پر حجاب آجاتا اور کانوں میں رکاوٹ آجاتی، جس سے وہ اسے سن کر سمجھنے کی صلاحیت کھو بیٹھے۔

وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا
مُّبِیْنًا ۝ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ؕ اِنْ یَّشَاْ یَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ یَّشَاْ یُعَذِّبْكُمْ ؕ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا ۝
وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِیّٖنَ عَلٰی بَعْضٍ وَّاٰتَیْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۝
قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا یَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِیْلًا ۝ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ
یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ
رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ۝ وَاِنْ مِّنْ قَرْیَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِیْدًا ؕ
كَانَ ذٰلِكَ فِی الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝ وَمَا مَنَعَنَاۤ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ اِلَّاۤ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَیْنَا
ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰیٰتِ اِلَّا تَخْوِیْفًا ۝ وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ
بِالنَّاسِ ؕ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْۤ اَرَیْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِی الْقُرْاٰنِ ؕ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ
فَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا طُغْیَانًا كَبِیْرًا ۝

”دعوت“ کا قرآنی اُسلوب

پہلی آیت میں اللہ رَبّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ اے نبی! آپ میرے مسلمان بندوں سے کہہ دیجیے کہ اگر انہیں کبھی کُفار کو کسی بات کا جواب دینا پڑے یا انہیں دین کی طرف دعوت دینی پڑے تو ایسے انداز میں جواب اور دعوت دیں جو بہتر ہو، بدزبانی اور سخت کلامی، گالی گلوچ اور تلخ گوئی سے مکمل اجتناب کریں، کیونکہ شیطان سخت بات کہلوا کر لوگوں میں فساد ڈلوا دیتا ہے، وہ تو انسان کا حقیقی دشمن ہے، اور دوسرا یہ کہ سخت کلامی سے دعوت کا مقصد حاصل نہیں ہوتا، آپ کا کام صرف احسن انداز میں پیغام پہنچانا ہے، منوانا نہیں، اللہ رَبّ العزّت بہتر جانتے ہیں کہ کس کو ہدایت دینی ہے اور کس کو گمراہ رکھنا ہے۔

مشرکین کی مذمت

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے مشرکین کے بارے میں فرمایا کہ یہ جن معبودوں کو اللہ رَبّ العزّت کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں، ذرا ان کو اپنی کسی تکلیف اور مصیبت کے وقت پکار کر تو دیکھیں کہ کیا وہ ان کی پکار سنتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ وہ نہ ان کی پکار سن سکتے ہیں اور نہ ان سے تکلیف دور کر سکتے ہیں۔ بلکہ وہ تو خود اللہ رَبّ العزّت کے محتاج ہیں اور وہ خود بھی یہ جانتے ہیں، اسی لیے وہ اللہ رَبّ العزّت کا قرب حاصل کرنے کے ذرائع ڈھونڈتے ہیں، اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں، تو جو خود کسی دوسرے کی عبادت کرتا ہو وہ معبود کیسے ہو سکتا ہے؟ اس لیے شرک سے باز آؤ، ورنہ دنیا اور آخرت میں ہلاکت کا سامنا کرنا پڑے گا اور اگر اللہ رَبّ العزّت کی مشیت اور کسی مصلحت سے دنیا میں عذاب کا شکار نہ ہوئے تو آخرت کا عذاب ہر حال میں بھگتنا پڑے گا۔

فرمائشی معجزات کیوں نہیں دِکھائے جاتے؟

کُفار و مشرکین مکہ اکثر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے من چاہے معجزات کا مطالبہ کرتے رہتے تھے، کبھی کہتے آسمان سے کوئی فرشتہ آ کر آپ کی تصدیق کرے، کبھی کہتے آپ کے پاس خزانہ آئے، کبھی مطالبہ کرتے کہ مکہ کے اردگرد سے پہاڑوں کو ہٹا دیجیے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جواب میں ارشاد فرماتے کہ معجزہ دکھانا میرے اختیار میں نہیں، وہ تو اللہ رَبّ العزّت کے حکم سے ہوتا ہے، جب وہ چاہے گا معجزہ دکھا دے گا، ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے ان من چاہے اور فرمائشی معجزات نہ دکھانے کی وجہ بیان فرمائی کہ ہم وہ معجزات صرف اس لیے نہیں دکھاتے کہ ان سے پہلے لوگوں نے بھی اپنے من چاہے معجزات دیکھنے کے بعد انکار کیا اور اپنی روش پر ڈٹے رہے، جبکہ ہمارا قانون یہ ہے کہ فرمائشی معجزہ دیکھنے کے بعد بھی اگر کوئی قوم ایمان نہ لائے تو اسے ہلاک کر دیا جاتا ہے، اسی وجہ سے ہم نے ان سے پہلے والی بستیوں اور قوموں کو ہلاک کر دیا، جیسے قوم ثمود کا واقعہ ان کے سامنے ہے، جنہیں اونٹنی کا معجزہ دکھایا گیا تھا، لیکن انہوں نے پھر بھی کُفر کیا تو

ہلاکت کا شکار ہوئے، تو جس طرح ان سے پہلے والی قوموں نے فرمائشی معجزات دیکھنے کے باوجود کفر کیا اسی طرح یہ بھی تکذیب کریں گے، جس کی وجہ سے ان کی ہلاکت یقینی ہو جائے گی، جبکہ ہماری مصلحت و مشیت یہ ہے کہ فی الحال انہیں ہلاک نہ کیا جائے اسی وجہ سے ان کو فرمائشی معجزات نہیں دکھائے جاتے۔

اور اس بات کی دلیل کہ یہ بھی معجزات دیکھنے کے بعد ان کا انکار کریں گے یہ ہے کہ جب معراج کی رات آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ رَبّ العزّت نے رات کے کچھ حصہ میں بیت المقدس اور پھر آسمانوں کی سیر کروائی، تو واپس آ کر جب آپ نے ان کو یہ بات بتائی تو انہوں نے اس کو عقل کے خلاف سمجھ کر ماننے سے انکار کر دیا، اسی طرح جب آپ نے انہیں قرآن میں زقوم نامی درخت کے بارے میں خبر دی کہ جہنم کی آگ میں پایا جاتا ہے تو انہوں نے اس کو بھی خلافِ عقل سمجھا اور اس کا انکار کر دیا، اس سے معلوم ہوا کہ معجزات کا انکار ان کی پرانی روش اور عادت ہے جس سے یہ کبھی باز نہیں آئیں گے، بلکہ جب بھی کوئی معجزہ آئے گا ان کی سرکشی اور طغیانی میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ۝ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ ۫ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ۝ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۝ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ۝

تخلیقِ آدم اور شیطان کی دشمنی

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے وقت شیطان کی عداوت اور دشمنی کو بیان فرمایا، جس سے مقصود بنی نوع انسان کو خبردار کرنا ہے کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے، اسے دشمن ہی سمجھو، اس کی اطاعت و فرمانبرداری سے باز آؤ، اس نے ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کی بھی مخالفت کی اور جب اسے راندۂ درگاہ کیا گیا، تو اس نے ان کی اولاد سے بھی مخالفت کا عزم ظاہر کیا، اس لیے اس سے خبردار رہو۔

آیات کا حاصل یہ ہے کہ جب اللہ رَبّ العزّت نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمانے کے بعد فرشتوں سے کہا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں، تو وہ سب نے باری تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں سجدہ میں گر پڑے، لیکن ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا، اور اس انکار کی وجہ یہ بیان کی کہ کیا میں اس کو سجدہ کروں جو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے، یعنی تکبر کیا اور اپنے آپ کو حضرت آدم علیہ السلام سے افضل سمجھا، اللہ رَبّ العزّت نے اس کے اس تکبر اور حکم عدولی پر اسے راندۂ درگاہ کر دیا، اس پر بجائے توبہ استغفار کرنے کے مزید تکبر میں آ کر کہنے لگا کہ اے پروردگار! آپ مجھے قیامت تک مہلت دے دیجیے، میں سوائے چند ایک کے ان کی باقی ساری اولاد کو گمراہ کر کے اپنے قابو میں کر لوں گا اور آپ سے دور کر دوں گا، اللہ رَبّ العزّت

نے اسے مہلت دے دی اور فرمایا کہ اپنے پورے لاؤ لشکر سمیت ان پر چڑھائی کر، ان کے مال و اولاد میں شریک ہو کر ان کو گمراہی کا ذریعہ بنا اور ان سے جھوٹے وعدے کر، اس سب کے نتیجے میں جو تیرے ساتھ ہو جائے گا ان سب کی سزا جہنم ہوگی، انہیں سخت عذاب میں جھونک دیا جائے گا، لیکن جو میرا مخلص عبادت گزار بندہ ہوگا، ان پر تیرا کوئی زور نہیں چلے گا اور نہ وہ تیرے قابو میں آئیں گے، کیونکہ ان کے ساتھ میری مدد ہوگی۔

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ۝

قیامت کے دِن ہر کسی کو نامۂ اعمال کے ساتھ بلایا جائے گا!

قیامت کے دن اللہ ربّ العزّت ہر ایک کو اس کا نام لے کر نامۂ اعمال سمیت میدان حشر میں بلائیں گے، بعض مفسرین کے نزدیک اس آیت میں امام سے مراد پیشوا اور مقتداء ہے، اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ میدان حشر میں ہر ایک کو اس کے مقتدا اور پیشوا کے ساتھ حاضر کیا جائے گا، اس کے بعد نامۂ اعمال تقسیم ہوں گے، اور کسی کے دائیں ہاتھ میں دیے جائیں گے اور کسی کے بائیں ہاتھ میں، تو جس شخص کو نامۂ اعمال دائیں ہاتھ میں ملے گا وہ اپنا نامۂ اعمال خوشی سے پڑھیں گے، انہیں راحت ہی راحت ملے گی، ان پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا، لیکن جو شخص دنیا میں راہِ حق کو دیکھنے سے اندھا رہا اور باطل کے اندھیروں میں گھرا رہا تو وہ آخرت میں بھی کامیابی کو دیکھنے سے اندھا رہے گا، اسے صرف ناکامی اور ذلت کا سامنا ہوگا۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ۝ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا ۝ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ۝

شانِ نزول

ایک مرتبہ قریشِ مکہ کے چند سردار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اگر آپ واقعی ہماری طرف بھیجے گئے ہیں تو پھر اپنی مجلس سے ان غریب اور شکستہ حال لوگوں کو ہٹا دیجیے، ان کے ساتھ بیٹھنا ہمارے لیے توہین کا باعث ہے، پھر ہم آپ کے ساتھ بیٹھیں گے اور آپ کے اصحاب اور دوست ہو جائیں گے، ان کی اس بات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ خیال پیدا ہوا کہ ان کی بات پوری کر دیں شاید یہ مسلمان ہو جائیں، اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ (معارف القرآن)

ان آیات میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خبردار کر دیا گیا کہ آپ ہرگز ان کی باتوں کی طرف توجہ نہ کریں، کیونکہ ان کی باتیں بھی فتنہ ہیں اور ان کی مصاحبت اور دوستی بھی فتنہ ہے، یہ تو آپ کو اللہ ربّ العزّت کے احکامات اور اس کی وحی سے ہٹانا

چاہتے ہیں، لیکن آپ پر اللہ ربّ العزّت کا خاص فضل وکرم ہے کہ آپ کو ان کی سازشوں کی محفوظ رکھا، اگر اللہ ربّ العزّت آپ کی حفاظت نہ فرماتے اور بالفرض والمحال آپ ان کی باتوں میں آجاتے تو اس کا نقصان آپ کو اٹھانا پڑتا۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ۝

شانِ نزول

ایک مرتبہ کفار مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ سے نکالنے کا ارادہ کیا اور اس کے لیے خفیہ تدبیریں کرنے لگے، اللہ ربّ العزّت نے یہ آیات نازل فرما کر ان کو تنبیہ فرمائی کہ اگر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے نکالیں گے تو پھر خود بھی مکہ میں چین سے نہیں رہ سکیں گے، کیونکہ اللہ ربّ العزّت کا یہی ضابطہ پہلے سے چلا آرہا ہے کہ جب کوئی قوم اپنے نبی کو اس کے وطن سے نکالتی ہے یا نکلنے پر مجبور کردیتی ہے تو پھر وہ قوم بھی وہاں باقی نہیں رہ پاتی، اس پر اللہ ربّ العزّت کا عذاب آجاتا ہے۔ چنانچہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرما گئے تو اس کے ڈیڑھ سال بعد ہی بدر کے میدان میں اہل مکہ کو ذلت اور رسوائی کا سامنا کرنا پڑا، ان کی قوت ٹوٹ گئی، پھر اسی طرح مختلف غزوات میں ذلت اٹھاتے بالآخر ہجرت کے آٹھویں سال اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا مکہ فتح فرمالیا۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ۝ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ۝

پنج گانہ نماز کا حکم اور نمازِ فجر کی اہمیت

گزشتہ آیات میں اللہ ربّ العزّت نے دشمن کی سازشوں اور ان کے مکروفریب کا ذِکر فرمایا تھا، ان آیات میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نماز کی پابندی کا حکم عطا فرما کر اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ دشمنوں کی سازشوں اور ان کے مکروفریب سے بچنے کا سب سے اہم ذریعہ نماز ہے۔ چنانچہ حکم دیا کہ سورج کے ڈھل جانے کے وقت سے لے کر رات کی تاریکی چھا جانے تک اور فجر کے وقت نماز قائم کریں، پہلے جملے میں چار نمازیں آگئیں، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء، اور فجر کا ذکر خصوصی طور پر کیا گیا۔

فجر کا ذِکر الگ سے مستقل طور پر کرنے کی وجہ اس نماز کی خاص اہمیت اور فضیلت کی طرف اشارہ کرنا ہے، اس کی ایک فضیلت خود اسی آیت میں مذکور ہے کہ فجر کی نماز میں رات اور دن کے فرشتوں کی جماعتیں حاضر ہوتی ہیں۔

حدیثِ رسول کے بغیر نماز کے حکم پر عمل کرنا ناممکن!

اس آیت میں پنج وقتی نمازوں کا اجمالی طور پر ذکر کیا گیا ہے، ان نمازوں کی تفصیل، ان کے رکعات کی تعداد، ان کا مکمل وقت وغیرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وعمل سے بتائے ہیں، جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات اور آپ کے افعال کا مطالعہ نہ کیا جائے تب تک کوئی شخص نماز ادا ہی نہیں کرسکتا، اس لیے قرآن کے ساتھ حدیث کو بھی لازم پڑھنا اور سمجھنا چاہیے۔

"تہجد" کی نماز

پنج وقتی فرض نمازوں کے بعد اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تہجد کی نماز ادا کرنے کا بھی حکم فرمایا، اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا کہ یہ ایک اضافی مگر نفل نماز ہے۔

مفسرین کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تہجد فرض تھی یا اُمت کی طرح نفل، بعض حضرات اس کو فرض قرار دیتے ہیں اور بعض نفل، راجح قول یہی ہے کہ تہجد جس طرح باقی اُمت کے لیے نفل ہے اسی طرح آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے بھی نفل ہے۔(معارف القرآن) اور اس کا وقت عشاء کی نماز کے بعد سے طلوع فجر یعنی صبح صادق تک ہے، بہتر یہ ہے کہ رات کے آخری حصہ میں تہجد کی نماز پڑھی جائے لیکن اگر کسی کو اندیشہ ہو کہ اس وقت آنکھ نہیں کھلے گی، تو وہ عشاء کی نماز کے بعد ہی سونے سے پہلے چند رکعت تہجد کی نیت سے پڑھ لے۔

"مقامِ محمود"

اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مقامِ محمود کا وعدہ کیا گیا ہے، اور یہ مقام تمام انبیاء علیہم السلام میں سے صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے، اس مقامِ محمود سے کیا مراد ہے؟ اس کی تفسیر خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی کہ اس مقامِ محمود سے مراد شفاعتِ کبریٰ کا حق ہے، یعنی میدانِ محشر میں جب تمام بنی آدم جمع ہوں گے اور ہر نبی اور پیغمبر سے شفاعت کی درخواست کریں گے تو تمام انبیاء علیہم السلام عذر کردیں گے، اس وقت صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ شرف حاصل ہوگا کہ تمام بنی آدم کی شفاعت فرمائیں گے۔(صحیح بخاری: ۴۷۱۸)

ہجرتِ مدینہ کا حکم

گزشتہ رکوع میں اللہ ربّ العزّت نے کفار ومشرکین کی سازشوں کا ذکر فرما کر اس رکوع میں پہلے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پنج گانہ نماز قائم کرنے اور تہجد گزاری کی تلقین فرمائی، اس کے بعد آپ کو دنیا میں ان کی تکالیف سے نجات دینے کے لیے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کی تلقین فرمائی اور اس کے بعد فتحِ مکہ کی خوشخبری بھی سنادی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے، پھر آپ کو مدینہ کی

طرف ہجرت کا حکم دیا گیا اور اس پر یہ آیت نازل ہوئی، "قُلۡ رَّبِّ اَدۡخِلۡنِیۡ مُدۡخَلَ صِدۡقٍ وَّ اَخۡرِجۡنِیۡ مُخۡرَجَ صِدۡقٍ وَّ اجۡعَلۡ لِّیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ سُلۡطٰنًا نَّصِیۡرًا" اس آیت میں داخل ہونے کی جگہ سے مراد مدینہ منورہ اور نکلنے کی جگہ سے مراد مکہ مکرمہ ہے، اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ یا اللہ! مدینہ منورہ میں میرا داخلہ خیر و خوبی کے ساتھ ہو جائے وہاں کوئی ناگوار صورت اور مشکل پیش نہ آئے، اور مکہ مکرمہ سے میرا نکلنا خیر و خوبی کے ساتھ ہو جائے اور گھر بار کی محبت میں دل نہ الجھا رہے۔ (معارف القرآن)

فائدہ:- چونکہ اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دُعا ہجرت جیسے عظیم کام کے موقع پر ارشاد فرمائی تھی، اس لیے علماء کرام فرماتے ہیں کہ یہ دُعا اہم مقاصد کے حصول میں معاون ثابت ہوتی ہے، لہٰذا ہر مسلمان کو اپنے تمام مقاصد کے شروع میں یاد رکھنی چاہیے۔

وَقُلۡ جَآءَ الۡحَقُّ وَ زَهَقَ الۡبَاطِلُ ؕ اِنَّ الۡبَاطِلَ كَانَ زَهُوۡقًا ﴿۸۱﴾

فتحِ مکہ کی بشارت

اس آیت میں اللہ ربّ العزّت نے فتح مکہ کی خوشخبری عطا فرمائی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے تو اس وقت بیت اللہ کے گرد تین سو ساٹھ بت موجود تھے، آپ یہی آیت "وَقُلۡ جَآءَ الۡحَقُّ وَ زَهَقَ الۡبَاطِلُ ؕ اِنَّ الۡبَاطِلَ كَانَ زَهُوۡقًا ﴿۸۱﴾" پڑھتے جاتے اور ایک ایک بت کے سینے میں اپنا عصا مارتے جاتے تھے جس سے الٹے زمین پر گر پڑتے تھے۔ (صحیح بخاری:۲۴۷۸)

"قرآن" باعثِ شفا ہے!

آخری آیت میں اللہ ربّ العزّت نے قرآنِ کریم کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اس کو ہم نے شفا اور رحمت بنا کر اتارا ہے، قرآنِ کریم جس طرح روحانی بیماریوں اور برے اخلاق سے انسان کو نجات دلاتا ہے، اسی طرح جسمانی بیماریوں کے لیے بھی شفا کا ذریعہ بنتا ہے، متعدد احادیث مبارکہ میں قرآنِ کریم سے لوگوں کو صحت ملنے کے واقعات درج ہیں، جیسا کہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی مشہور حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک مختصر لشکر کہیں روانہ فرمایا، اس کا گزر قبیلے سے ہوا، انہوں نے صحابہ کرام کی جماعت کی ضیافت نہیں کی (جو کہ عرب کے دستور کے مطابق معروف تھی)، جب صحابہ کرام کا لشکر وہاں سے روانہ ہوا تو اس قبیلے کے سردار کو بچھو نے کاٹ لیا، دوا دارو اور جھاڑ پھونک سے کچھ افاقہ نہ ہوا تو قبیلے کے لوگ دوڑے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس آئے کہ آپ میں اگر کوئی جھاڑ پھونک جانتا ہے تو ہمارے سردار کو دم کر دے، صحابہ کرام نے کہا کہ اس شرط پر دم کریں گے کہ آپ ہمیں بکریوں کا ریوڑ دیں گے، قبیلہ والوں نے شرط منظور کر لی، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ جو اس لشکر میں موجود تھے انہوں نے سات مرتبہ سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کیا تو ان کا سردار ٹھیک ہو گیا، انہوں نے ۳۰ بکریاں ان کے حوالے کر دیں، بکریاں لینے کے بعد

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل میں تردد ہوا کہ یہ حلال بھی ہے یا نہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہم انہیں اس وقت تک استعمال نہیں کریں گے جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر حکم نہ پوچھ لیں، چنانچہ مدینہ منورہ واپس پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تفصیل عرض کی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف ان کے عمل کو درست قرار دیا، بلکہ یہ بھی فرمایا کہ میرے لیے بھی اس ریوڑ میں حصہ نکالو۔ یعنی ان کے دل میں حلت کے حوالے سے جو تردد تھا اسے اس طرح ختم فرما دیا۔ (سنن ترمذی: ۲۰۶۳)

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ وَلَىِٕنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ۝ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ۝ قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓي اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۡ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ۝

شانِ نزول

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قریش مکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف اوقات میں بے جا سوالات کیا کرتے تھے، ان کو ایک مرتبہ یہ خیال آیا کہ یہود علم والے ہیں، ان کو پچھلی کتابوں کا بھی علم ہے، ان سے کچھ سوالات پوچھ لیے جائیں جو ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ سکیں، اور آپ کا امتحان لے سکیں، چنانچہ انہوں نے یہود کے پاس اپنے آدمی بھیجے، انہوں نے انہیں کچھ سوالات بتائے، جن میں سے ایک یہ تھا کہ تم ان سے روح کے متعلق سوال کرو، تو قریش مکہ نے ان کے کہنے پر آپ سے روح کے متعلق سوال کیا، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (معارف القرآن)

”رُوح“ کیا ہے؟

قریش کے اس سوال کے جواب میں اللہ ربّ العزّت نے جو وحی نازل فرمائی اس میں روح سے متعلق صرف ضروری بات بتائی گئی جو عام لوگوں کی سمجھ میں آنے کے قابل ہے، روح کی مکمل حقیقت کا جواب نہیں دیا گیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ انہیں بتا دیجیے کہ تم صرف اتنا سمجھ لو کہ روح میرے پروردگار کے حکم سے ہے، یعنی وہ عام مخلوقات کی طرح نہیں جو توالد و تناسل کے ذریعہ وجود میں آتی ہے، بلکہ وہ بلا واسطہ اللہ تعالیٰ کے حکم ”کُن“ سے پیدا ہونے والی چیز ہے، اس سے زیادہ سمجھنا تمہارے بس میں نہیں، کیونکہ تمہیں بہت تھوڑا علم اور سمجھ دی گئی ہے۔ (معارف القرآن)

”عالمِ خلق“ اور ”عالمِ اَمر“ کی وضاحت

اس آیت میں روح کے متعلق ارشاد فرمایا کہ وہ پروردگار عالم کے امر اور حکم سے ہے، یہ نہیں فرمایا کہ روح کو

اللہ رَبّ العزّت نے پیدا فرمایا ہے، اس کی کیا وجہ ہے اور خلق اور امر میں کیا فرق ہے، ذیل میں اس کی مختصر وضاحت ذکر کی جاتی ہے:

''خلق'' کا معنی ہے پیدا کرنا، جبکہ ''امر'' کا معنی حکم دینا اور تدبیر کرنا وغیرہ ہے، اللہ رَبّ العزّت نے قرآن مجید میں ''امر'' کا تذکرہ ''خلق'' کے ساتھ فرمایا ہے اور امر کو خلق کے مقابل ذکر فرمایا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''الا له الخلق والامر'' اس سے معلوم ہوا کہ پروردگار عالم کے نزدیک ''خلق'' اور ''امر'' دو الگ الگ چیزیں ہیں، خلق سے مراد کسی بھی چیز کو پیدا کرنا ہے جبکہ امر سے مراد اس کو سنبھالنا، اس کے انتظام و انصرام کو برقرار اور درست رکھنا ہے۔ جیسا کہ اللہ رَبّ العزّت نے آسمان و زمین کی تخلیق اور اس کے نظام کو چلانے اور سنبھالنے کا تذکرہ کرتے ہوئے ''خلق'' اور ''تدبیر امر'' کو الگ الگ ذکر فرمایا ہے، اور عالم کا نظام سنبھالنے کے لیے اللہ رَبّ العزّت نے کئی مقامات پر یہ ذکر فرمایا ہے کہ پروردگار عالم محض ''کن'' فرماتے ہیں اور وہ کام ہو جاتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ امر کا تعلق کلام سے ہے، جسے اردو میں حکم سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور کلام اللہ رَبّ العزّت کی ذاتی صفت ہے، جس کی نسبت اللہ رَبّ العزّت سے صادر و مصدور کی ہوتی ہے، خالق و مخلوق کی نہیں۔ اسی لیے اللہ رَبّ العزّت نے یہاں روح کو اپنا امر قرار دیا، اپنی مخلوق نہیں، اور شاید یہی وجہ ہے کہ ایک دوسرے مقام پر ''ونفخت فيه من روحی'' میں روح کو اپنی طرف منسوب فرمایا۔ واللہ اعلم بالصواب! (تفسیر عثمانی)

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ انسان کے پاس جتنا کچھ علم ہے وہ سب اللہ رَبّ العزّت کی عطا ہے، اس لیے اسے چاہیے کہ اس علم پر اللہ رَبّ العزّت کا شکر ادا کرے، اور فضول و لایعنی تحقیقات میں وقت ضائع نہ کرے، کیونکہ اگر اس علم کی ناشکری کی تو اللہ رَبّ العزّت اس علم کو سلب کرنے پر بھی قادر ہیں، اور اگر اللہ رَبّ العزّت کسی کا علم سلب فرمالیں تو کوئی انسان اسے دوبارہ حاصل نہیں کر سکتا۔

قرآن مجید کا کھلا چیلنج

پھر اللہ رَبّ العزّت نے پوری دنیا کے انسانوں کو خطاب کر کے یہ چیلنج کیا کہ اگر تم قرآن کو اللہ رَبّ العزّت کا کلام نہیں مانتے بلکہ کسی انسان کا بنایا ہوا یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خود گھڑا ہوا کلام کہتے ہو تو تم سب مل کر اس جیسا قرآن بنا کر دکھا دو، اور صرف انسان ہی نہیں، بلکہ جنات کو بھی اس کام میں اپنے ساتھ ملا لو، پھر بھی تم اس قرآن جیسی کوئی سورت بلکہ کوئی ایک آیت بھی نہیں بنا سکو گے۔ لہٰذا یہ تسلیم کر لو کہ یہ قرآن اللہ رَبّ العزّت کا کلام ہے۔

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۝ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ۭ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ۭ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا

أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَّسُولًا ۝ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ
مَلَكًا رَّسُولًا ۝ قُلْ كَفٰى بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ۝

کفّار کے بے جا مطالبات

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے کفّار کے چند بے جا اور فضول سوالات اور فرمائشوں کا تذکرہ فرما کر ان کا جواب دیا ہے، کفّار یہ سمجھتے تھے کہ کوئی انسان اللہ ربّ العزّت کا نبی نہیں ہوسکتا، نبی ہونے کے لیے فرشتہ ہونا یا خدائی صفات کا حامل ہونا ضروری ہے، اسی لیے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فضول مطالبات کیا کرتے تھے، کبھی کہتے تھے کہ ہم تب تک آپ پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک آپ ہمارے لیے مکہ کی زمین سے کوئی چشمہ نہ نکال دیں، یا آپ ایسا کریں کہ اپنے لیے ایک کھجور اور انگور کا باغ اگائیں اور اس باغ کے بیچ میں نہریں جاری کردیں، یا جیسا کہ آپ کہتے ہیں ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرادیں، یا آپ اللہ ربّ العزّت اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لاکر کھڑا کردیں اور وہ ہمیں آپ کی نبوّت اور رسالت کا یقین دلائیں، یا آپ کے پاس کوئی سونے کا بنا ہوا گھر ہو یا آپ ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ جائیں، اور صرف آسمان پر چڑھنا کافی نہیں، بلکہ وہاں سے آپ ہمارے لیے ایک کتاب لے آئیں جس کو ہم بھی پڑھیں، اگر آپ یہ سب کام کردیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔

''میں تو بشر و رسول ہوں!''

اللہ ربّ العزّت نے ان کے فضول اور بے جا مطالبات کے جواب میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ آپ انہیں کہہ دیجیے کہ میں تو محض ایک انسان ہوں جس کو اللہ ربّ العزّت نے پیغمبری اور رسالت سے نوازا ہے، اس لیے تمہاری ان فرمائشوں کو پورا کرنا میرے اختیار میں نہیں، بلکہ یہ اللہ ربّ العزّت کے اختیار میں ہے، وہی مختارِ کل ہے، اور اگر تمہارے ایمان لانے میں یہ بات رُکاوٹ ہے کہ میں انسان ہوں اور کوئی انسان رسول نہیں ہوسکتا اس لیے کسی فرشتہ کو رسول ہونا چاہیے تو اس کا جواب یہ ہے کہ فرشتہ تو رسول بن کر تب آتا جب زمین پر بھی فرشتے رہ رہے ہوتے، لیکن چونکہ زمین پر انسان بستے ہیں، اس لیے رسول بھی انسان ہی آیا، کیونکہ رسول ایسا ہونا چاہیے جو لوگوں کی ہم جنس ہو جن کی طرف اسے بھیجا جارہا ہے، کیونکہ اگر وہ اس جنس کا نہیں ہوگا تو اس سے مناسبت نہیں ہو پائے گی، اور بغیر مناسبت کے ہدایت اور بھلائی کا کام نہیں کیا جاسکتا، اگر انسانوں کی طرف کسی فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجا جاتا جس کو نہ بھوک لگتی، نہ پیاس، نہ جنسی خواہشات ہوتیں اور نہ گرمی سردی کا احساس، تو وہ انسانوں سے بھی ایسے ہی اعمال کی توقع رکھتا، ان کی کمزوری اور مجبوری کا احساس نہ کرپاتا۔ اس لیے انسان کا پیغمبر اور رسول بن کر آنا فطرت کے تقاضوں کے عین مطابق ہے بلکہ یہ اللہ ربّ العزّت کی طرف سے انسانیت کے لیے انعام واحسان ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْٓ إِسْرَآءِيلَ إِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهُ فِرْعَوْنُ إِنِّي لَأَظُنُّكَ يٰمُوسٰى

مَسْحُوْرًا۝ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا۝ فَاَرَادَ اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِیْعًا۝ وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِیْفًا۝

موسیٰ علیہ السلام کے نو معجزات

ان آیات میں اللہ ربّ العزّت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نو معجزات کا ذکر فرمایا ہے کہ ہم نے انہیں نو معجزات عطا فرمائے تھے، ان معجزات کا ذکر نویں (۹) پارے میں تفصیل سے گزر چکا ہے، ان معجزات میں ۱-عصا، ۲-ید بیضا، ۳-زبان کی لکنت کا خاتمہ۔ ۴-دریا کو پھاڑ کر مختلف راستے بنانا۔ ۵-ٹڈی دَل کا عذاب۔ ۶-طوفان کا عذاب۔ ۷-جوؤں کا عذاب۔ ۸-مینڈکوں کا عذاب۔ ۹-خون کا عذاب، شامل ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ اس آیت میں نو آیات سے مراد نو معجزات نہیں، بلکہ نو اَحکام ہیں، اور وہ اَحکام یہ ہیں: ۱-شرک نہ کرو۔ ۲-چوری نہ کرو۔ ۳-زنا نہ کرو۔ ۴-ناحق قتل نہ کرو۔ ۵-کسی بے گناہ پر جھوٹا الزام لگا کر قتل و سزا کے لیے پیش نہ کرو۔ ۶-جادو نہ کرو۔ ۷-سود نہ کھاؤ۔ ۸-پاک دامن عورت پر بدکاری کا بہتان نہ لگاؤ۔ ۹-میدان جہاد سے پیٹھ پھیر کر نہ بھاگو۔ (معارف القرآن و مشکوٰۃ المصابیح)

بہر حال ان معجزات یا احکام کے ساتھ اللہ ربّ العزّت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس بھیجا، آپ نے اسے دین حق کی دعوت دی، اللہ ربّ العزّت کی طرف بلایا، لیکن اس نے آپ کی گستاخی کی، آپ کو جادو زدہ کہا اور آپ کی بات ماننے سے انکار کر دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے تنبیہ فرمائی کہ اگر تم اپنی روش برقرار رکھو گے تو تمہاری ہلاکت اور تباہی کو کوئی نہیں روک سکے گا، لیکن فرعون نہ مانا، اس پر اللہ ربّ العزّت نے اسے اور اس کے تمام لشکر کو دریا میں غرق کر دیا، اور اس کی جگہ بنی اسرائیل کو حکمرانی اور شان و شوکت عطا کر دی۔

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا۝ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا۝

شانِ نزول

ان آیات کا نزول چند واقعات کی بنا پر ہوا جو کہ ذیل میں درج ہیں:

۱-نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ دُعا میں یا اللہ اور یا رحمٰن کہہ کر پکارا تو مشرکین نے سمجھا کہ آپ دو خداؤں کو پکار رہے ہیں، تو انہوں نے کہا کہ ہمیں تو آپ ایک معبود کے سوا کسی اور کو پکارنے سے منع کرتے ہیں جبکہ خود دو معبودوں کو پکارتے ہیں، اس پر اس آیت کا ابتدائی حصہ نازل ہوا۔

۲-جب مکہ مکرمہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں بلند آواز سے تلاوت فرماتے تو مشرکین تمسخر اور استہزا

کرتے اور قرآن اور حضرت جبرائیل امین اور خود اللہ رَبّ العزّت کی شان میں گستاخانہ باتیں کرتے، اس کے جواب میں اسی آیت کا آخری حصہ نازل ہوا۔

۳۔ یہود و نصاریٰ اللہ رَبّ العزّت کے لیے اولاد مانتے تھے اور عرب بتوں کو اللہ کا شریک کہتے تھے، ان کے جواب میں آخری آیت نازل ہوئی۔ (معارف القرآن)

آیات کا حاصل یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا کہ آپ خواہ اللہ کہہ کر پکاریں خواہ رحمٰن کہہ کر، دونوں ٹھیک ہیں، کیونکہ اللہ رَبّ العزّت کے بہت سے اچھے اچھے نام ہیں ان سب ناموں سے اسے پکارا جا سکتا ہے۔

دوسرا حکم یہ ہے کہ جہری نمازوں میں نہ تو بہت اونچی آواز سے پڑھیے کہ مشرکین سنیں اور خرافات بکنے لگیں اور نہ بالکل آہستہ پڑھیے کہ نماز میں شریک مقتدی بھی نہ سن پائیں، بلکہ درمیانہ طریقہ اور لہجہ اختیار کیجیے۔

اور آپ یہ بھی اعلان کر دیجیے کہ اللہ رَبّ العزّت کی نہ کوئی اولاد ہے، نہ اس کا کوئی شریک ہے، اور نہ اسے کسی مددگار کی ضرورت ہے، وہ سب سے بے نیاز ہے اور تمام خوبیوں والا ہے۔ اس کی حمد و ثنا کرتے رہیے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت کے آغاز میں اللہ رَبّ العزّت نے واقعہ معراج اجمالی طور پر بیان کیا۔

۲۔ سورت میں بنی اسرائیل کی دو مرتبہ تباہی و بربادی کا ذکر ہے۔

۳۔ سورت میں کئی معاشرتی آداب اور احکام ذکر کیے گئے ہیں۔

۴۔ سورت میں کُفّار کے کئی اعتراضات اور مطالبات کا جواب دیا گیا ہے۔

۵۔ حقّانیت قرآن اور اِثبات رسالت کے مضامین بھی ذکر کیے گئے ہیں۔

تمت سورة بنی اسرائیل بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَۃُ الْکَھْفِ

تعارف

یہ سورت ہجرت سے پہلے نازل ہوئی، اس میں ایک سودس آیات (۱۱۰) اور بارہ (۱۲) رکوع ہیں۔

سورت کا نام اور وجہ تسمیہ

''کہف'' عربی میں پہاڑی غار کو کہتے ہیں، چونکہ اس سورت میں اُن لوگوں کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، جو اپنا ایمان بچانے کے لیے ایک غار میں چھپ گئے تھے، اسی مناسبت سے اس سورت کا نام ''الکہف'' ہے۔

شانِ نزول

قُریشِ مکہ نے اپنے دو لوگوں (نضر بن حارث اور عُقبہ بن ابی مُعیط) کو مدینہ میں یہودی علماء کے پاس بھیجا کہ ہمارے یہاں ایک شخص نبوّت کا مدعی ہے، تم توراۃ و انجیل کے عالم ہو، تم بتاؤ کہ تمہاری رائے اس نبی کے بارے کیا ہے؟ یہودی علماء نے انہیں تین سوالات بتائے کہ تم جا کر اس شخص سے یہ تین سوالات پوچھو!

اگر تو وہ ان سوالات کا صحیح جواب دے دیں، تب تو وہ واقعی اللہ کے پیغمبر ہیں، ورنہ ان کا پیغمبری کا دعویٰ غلط ہوگا۔ وہ تین سوالات یہ تھے: (۱) وہ نوجوان کون تھے اور ان کا قصہ کیا تھا جو قدیم زمانے میں اپنے شہر سے نکل کر غار میں چھپ گئے تھے؟ (۲) وہ شخص کون تھا جس نے مشرق سے مغرب تک پوری دُنیا کا سفر کیا تھا؟ (۳) روح کی حقیقت کیا ہے؟

یہ قریشی واپس آئے اور اپنی برادری کے لوگوں کو یہ سوالات بتائے، یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ تینوں سوالات کیے۔ دو سوالات (غار والے کون تھے؟ اور مشرق و مغرب کا سفر کس نے کیا تھا؟) کے مفصل جوابات اسی سورت میں دیے گئے، جبکہ ''روح'' بارے سوال کا اجمالی جواب دینا ہی حکمت کا تقاضا تھا، اور وہ اجمالی جواب الگ سورت (سورت بنی اسرائیل) میں دیا گیا ہے۔

سورت کے فضائل

اس سورت کے مختلف فضائل کُتبِ احادیث میں وارد ہوئے ہیں:

۱-دجال کے فتنے سے حفاظت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''مَنْ حَفِظَ عَشْرَ آیَاتٍ مِنْ أَوَّلِ سُوْرَۃِ الْکَھْفِ عُصِمَ مِنَ الدَّجَّالِ'' (صحیح مسلم:۱/۵۵۵)، یعنی جس شخص نے سورۃ الکہف کی پہلی دس آیات حفظ کرلیں، وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ کردیا جائے گا۔

۲-دجال کے خلاف کاری ہتھیار

دوسری روایت میں ہے کہ جس شخص کا بھی ''دجال'' سے سامنا ہو، تو وہ اس کے سامنے سورۃ الکہف کی پہلی (دس) آیات پڑھ لے تو وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ رہے گا۔''فمن أدرکہ منکم فلیقرأ علیہ فواتح سورۃ الکہف۔ (وفی روایۃ فلیقرأ علیہ بفواتح سورۃ الکہف فإنھا جوارکم من فتنتہ''(مشکاۃ المصابیح:۳/۱۸۸)۔

۳-جمعہ کے دِن تلاوت پر ہفتہ بھر نُور

فرمایا: ''من قرأ سورۃ الکہف فی یوم الجمعۃ أضاء لہ النور ما بین الجمعتین۔ رواہ البیہقی فی الدعوات الکبیر''(مشکاۃ المصابیح:۱/۴۹۲) جوشخص جمعہ کے دِن سورۃ الکہف کی تلاوت کرے گا تو اس کا پورا ہفتہ نورانی رہے گا، اگلے جمعہ تک وہ خدائی نُور سے منوّر رہے گا۔

جمعہ کے دِن اس سورت کی تلاوت کے اور بھی فضائل وارد ہوئے ہیں، اس لیے علمائے کرام اور بزرگانِ دین کا معمول رہا ہے کہ وہ ہر جمعہ کو اس سورت کی تلاوت کیا کرتے ہیں۔

سورت کا مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع ''فتنوں سے بچاؤ'' ہے۔اس سورت میں چار طرح کی آزمائشیں اور فتنے بیان کرکے ان سے بچاؤ کی تدابیر ذکر کی گئی ہیں:

۱-''دِین وایمان'' کی وجہ سے آزمائش

اس ضمن میں اصحابِ کہف ہی کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، جو اپنے دین وایمان اور توحید کی حفاظت کی خاطر ظالم بادشاہ کے ڈر سے شہر چھوڑ گئے اور غار میں جا کر پناہ لی۔

اس آزمائش سے نجات کیسے ممکن ہے؟

اس واقعے کے ساتھ ساتھ ایمان بچانے کی تدبیر بھی اللہ تعالیٰ نے بتادی کہ اگر اپنا ایمان بچانا ہے، تو نیک اور متقی لوگوں کی صحبت اختیار کرلو، نیک لوگوں کی صحبت سے نہ صرف ایمان کی حفاظت رہے گی، بلکہ آخرت کی یاد اور اللہ کے حضور پیشی کی فکر بھی ذہن میں تازہ ہوگی اور قرآن کی تلاوت اور اس میں غور وفکر سے توحید باری کا رسوخ فطرت کا حصہ بن جائے گا، ایمان کامل ہوجائے گا اور شرک وبدعت کی جہالتوں اور ضلالتوں سے نجاتِ کامل مل جائے گی۔اللہ کی مدد تمہارے شاملِ حال ہوگی۔

۲۔ ”مال و دولت“ کا فتنہ

اسی سورت میں مال و دولت کے فتنہ کو ایک واقعہ کے ضمن میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص جسے اللہ تعالیٰ نے خوب خوب دولت سے نوازا تھا، وہ دو باغات کا مالک تھا، انگور اور کھجور کے بڑے گھنے باغات اور لہلہاتی فصلیں اس کی ملکیت تھیں، نوکر چاکر اور نرینہ اولاد بھی اسے خوب ملی تھی، لیکن اس شخص نے دولت کی اس ریل پیل اور انعامِ خداوندی کو اپنا استحقاق سمجھا اور خدا سے غافل رہا۔ نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے اس کے تمام باغات، فصلوں اور مال وجاہ کو برباد کر دیا۔

”مال وجاہ“ کے فتنے کا علاج

اس فتنے کا علاج یہ تجویز کیا گیا کہ انسان، دنیا اور اپنی حقیقت کو ہر دم پیشِ نظر رکھے، اس حقیقت سے غافل نہ رہے، اس سے طبیعت میں عاجزی پیدا ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ مال واسباب میری آزمائش کے لیے مجھے دیے ہیں۔ جب انسان میں آخرت کی فکر بیدار ہو جائے اور اپنی حقیقت کا صحیح ادراک ہو جائے، تو اس وقت وہ مال و دولت کے نشہ میں مست نہیں ہوتا، بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اور ان اموال کو عطیۂ خداوندی سمجھ کر نیکی کے کاموں میں خرچ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

۳۔ ”علم“ کی وجہ سے آزمائش

یاد رکھیے کہ ”علم“ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے اور جیسے اللہ کی ذات بلند و بالا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات میں بھی یہی کیفیت پائی جاتی ہے، اس لیے علم کا لازمی تقاضا برتری اور اپنی بڑائی ہے۔ جس میں علم کی صفت بڑھ جائے، اگر وہ شخص دین دار اور پرہیز گار نہ ہو، تو اس میں عُجب، خود پسندی، علمی گھمنڈ اور تکبر پیدا ہو جانا فطری بات ہے۔

اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا واقعہ بیان فرما کر اس طرف اشارہ فرمایا کہ تم لوگ علم کے جتنے بھی بڑے مقام پر فائز ہو، تب بھی اسے حتمی اور آخری مقام نہ سمجھو، علم کی کوئی انتہا نہیں ہوتی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کے سوال کے جواب میں چونکہ فرمایا تھا کہ اس وقت روئے زمین پر مجھ سے بڑا عالم کوئی نہیں (اور یہ حقیقت بھی تھی کہ پیغمبر سے بڑھ کر شرعی علوم کا کوئی جاننے والا نہیں ہوتا)، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی آزمائش اور تربیت کے لیے انہیں علم کی ایک دوسری قسم (علوم تکوینی) سے روشناس کرانے کے لیے حضرت خضر علیہ السلام کی شاگردی اختیار کرنے کا حکم دیا، واقعے کی مکمل تفصیل آگے آئے گی۔

”علمی بڑائی“ کا علاج

علمی ترفّع اور بڑائی کا علاج تواضع اور انکساری میں ہے کہ کبھی بھی اپنے علم کو اپنا ذاتی کمال مت سمجھو، اللہ تعالیٰ جب چاہے یہ نعمت تم سے سلب کر لے۔ اس عظیم نعمت کا شکرانہ یہ ہے کہ فطرت میں عاجزی پیدا کرو، علم پر کبھی ناز و غرور نہ کرو، بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کی عنایتِ کاملہ سمجھو اور علم کے تقاضوں پر خوب خوب عمل کرو۔ ان شاء اللہ علمی فتنے میں مبتلا ہونے سے بچ جاؤ گے۔

گمراہی کا سب سے بڑا سبب یہی ہے

دنیا میں جتنے لوگ بھی گمراہ ہوئے، ان کی غالب اکثریت ایسی تھی جو اپنے اپنے زمانے کے ذہین ترین لوگ سمجھے جاتے تھے۔ نری کتابیں انسان کی تربیت کرنے کے لیے اگر کافی ہوتیں، تو اللہ تعالیٰ انبیائے کرام کبھی نہ بھیجتے۔ حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام ہی نے آکر انسان کو "انسان" بنایا اور اس کی روحانی واخلاقی تربیت کر کے اسے اس "علمی فتنے" سے محفوظ فرمایا۔ "علم" کے ساتھ ساتھ "تربیت اور تزکیہ" انتہائی ضروری ہے، ورنہ "مقرب" سے "ابلیسِ لعین" بنتے وقت نہیں لگتا۔

آج بھی کتنے لوگ ایسے ہیں، جو محض کتابوں کے بل بوتے پر اپنے اپنے مسالک کی عمارت بنائے ہوئے ہیں اور دُنیا کو "فرقہ اور مسلک پرستی" سے بچانے کا درس دے کر خود ایک نئے "فرقہ اور مسلک" کی بنیاد رکھتے ہیں۔ کسی کامل استاد سے راہ نمائی لیے بغیر دُنیا کے اُمور میں انسان کامل نہیں بن سکتا، تو دینی معاملات میں متوارث فہم وذوق سے محرومی اور کاملین کی سرپرستی کے بغیر انسان میں دینی ذوق، درست فہم اور معتدل مزاج کیسے پیدا ہو سکتا ہے!

۴۔ "جاہ وسلطنت" کا فتنہ اور اس کا علاج

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کوئی دُنیوی منصب اور عہدہ عطا کرتے ہیں، تو ان میں اکثریت اپنی حقیقت بھول جاتی ہے اور عہدے کے نشہ میں ڈاکو بن کر احکامِ خداوندی اور حقوق العباد کی پامالی کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس ضمن میں حضرت ذوالقرنین کا قصہ تفصیل سے بیان فرمایا، جنہیں اللہ تعالیٰ نے روئے زمین کی عظیم بادشاہی سے نوازا تھا۔ اُس وقت کی ساری انسانی آبادی ان کے ماتحت تھی، لیکن اس کے باوجود انہوں نے اس عظیم سلطنت کا غلط استعمال نہیں کیا، بلکہ مخلوقِ خداوندی کی خدمت میں اخلاص کے ساتھ پیش پیش رہے اور اپنی رعایا کی ضرورتوں کا خیال رکھا۔

اس واقعے میں حکمرانوں کے لیے سبق ہے کہ اگر وہ بھی اپنے کاموں میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور مخلوقِ خُدا کی خوشی وراحت ملحوظ رکھیں اور آخرت میں اللہ کے حضور اس عہدے کے بارے جواب دہی کا تصوّر ذہن میں بٹھالیں، تو خود بخود معاملات درست ہو جائیں گے۔

"کرپشن" کا اصل حل، آخرت میں جواب دہی کا اِحساس ہے!

آج دُنیا میں ہر طرف "کرپشن" کا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان اس سلسلے میں کچھ زیادہ ہی بدنام ہے۔ کبھی "ڈان لیکس"، کبھی "وکی" اور "پنڈورا لیکس" کے ذریعے معاشرے کے مختلف طبقات کی کرپشن اور کالے دھن کی تفصیلات سامنے آتی رہتی ہیں۔

یادرکھیں کہ آپ جتنے بھی نیب (National Accountability Bureau) جیسے ادارے بنالیں، اینٹی کرپشن بنالیں، جب تک حکمرانوں اور عوام میں اللہ کے حضور جواب دہی کا احساس پیدا نہیں ہوگا، تب تک یہ سب ادارے اپنا مقصد حاصل نہیں کرسکیں گے۔ جب انسان میں یہ شعور پیدا ہوجائے کہ مجھے اپنے ہر ہر عمل کا اللہ تعالیٰ کے حضور جواب دینا ہے، تب انسان خودبخود ایسے کاموں سے بچتا ہے، جوکل قیامت کے دن اس کی رسوائی کا باعث بنیں۔ اس لیے کرپشن کا حل صرف ''خوفِ خداوندی'' ہے، باقی سب صرف اور صرف نعرے ہیں۔

سورت کے عمومی مضامین

اس سورت میں اصحابِ کہف کے تفصیلی واقعے کے علاوہ دنیا کی زندگی کے فانی ہونے کو دو مختلف واقعات سے سمجھایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ حضرت آدم علیہ السلام و ابلیس لعین کے قصے کو مختصر ذکر کرکے یہ بات ذہنوں میں بٹھائی گئی ہے کہ ابلیس تمہارے اَبّا آدم کا دشمن ہے، وہ تمہارا مخلص کیسے ہوسکتا ہے! اس لیے اس کے فریب میں مت آؤ، بلکہ اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق مضبوط رکھو۔ اسی ضمن میں جنّت اور جہنّم کے کچھ احوال بھی بیان کیے گئے۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کی ملاقات اور علمِ تکوینی کے چند اَسرار کو کھولا گیا ہے تاکہ انسانوں کو یہ بات معلوم ہوسکے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت لازمی ہوتی ہے۔ بسا اوقات انسان کسی واقعے کے ظاہر کو دیکھ کر غلط نتیجہ اخذ کربیٹھتا ہے، جب کہ حقیقت میں اس کا مقصد کچھ اور ہوتا ہے۔

سورت کے آخر میں حضرت ذوالقرنین کے تین اسفار بیان کیے گئے اور یاجوج ماجوج سے حفاظت کے لیے ''سَدِّ ذوالقرنین'' کا ذِکر کیا گیا۔ آخر رکوع میں مؤمنین اور کُفّار کا باہمی تقابل کیا گیا اور توحید باری کو تسلیم کرنے پر زور دیا گیا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِىۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰى عَبۡدِهِ الۡكِتٰبَ وَلَمۡ يَجۡعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ؕ‏ ۝ قَيِّمًا لِّيُنۡذِرَ بَاۡسًا شَدِيۡدًا مِّنۡ لَّدُنۡهُ وَيُبَشِّرَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ الَّذِيۡنَ يَعۡمَلُوۡنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمۡ اَجۡرًا حَسَنًا ۝ مَّاكِثِيۡنَ فِيۡهِ اَبَدًا ۝

قرآنِ پاک ہر لحاظ سے کامل کتاب ہے

فرمایا کہ ہم ہی نے اپنے بندے محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب نازل کی، یہ کتاب کسی انسان کی طرف سے نہیں سکھائی گئی اور یہ ایسی کامل و اکمل کتاب ہے کہ نہ تو اس میں کوئی لفظی اور تعبیر کی کمزوری ہے اور نہ ہی معنوی کمزوری اور اُسلوبِ دعوت کا کوئی نقص ہے۔ ''عِوَجًا'' کے معنی کمزوری، جھکاؤ اور کجی کے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کتاب میں کوئی کمی اور ہلکا پن نہیں رکھا۔ قرآنِ پاک لفظی اور معنوی ہر لحاظ سے ایک جامع اور اکمل کتاب ہے، اگر کسی کو اس میں کمی نظر آتی ہے، تو وہ اس کی اپنی فکر کا قصور ہے، قرآنِ پاک ان سب نقائص سے پاک کتاب ہے۔

قرآن، راہِ حق کا داعی ہے

فرمایا: "قَیِّمًا"، "قیم" کے عربی میں دو معنی آتے ہیں:

۱۔ ٹھیک ٹھیک، بالکل سیدھی بات، جس میں کوئی کمی کوتاہی نہ ہو۔

۲۔ نگران اور محافظ۔

قُرآنِ کریم کے لحاظ سے یہ دونوں معانی درست ہیں۔ قُرآنِ پاک جیسے اپنے الفاظ و معانی کے لحاظ سے بالکل درست، برحق اور ٹھیک ٹھیک نازل ہوا ہے، اسی طرح یہ دوسروں کو بھی استقامت پر رکھنے والا اور ان کے مصالح کا نگران ہے۔ گویا یہ کلام خود بھی کامل ہے اور مخلوقِ خدا کو بھی کامل کرنے والا ہے۔

قُرآن کے نزول کا بُنیادی مقصد

قرآنِ پاک نازل کرنے کا مقصد کفار کو تنبیہ ہے کہ وہ اپنے باطل عقیدوں سے باز آجائیں، ورنہ مارے جائیں گے۔ جب کہ مومنین کو تسلی اور خوشخبری دی جاتی ہے کہ دنیوی زندگی کے مصائب عارضی ہیں۔ ایمان اور اچھے اچھے اعمال کی بدولت اللہ تمہیں بہترین اجر سے نوازیں گے، تم جنّت میں دائمی قیام کے مستحق ہو۔ اس لیے کُفّار کی طرف سے ملنے والی تکالیف اور ایمان کی وجہ سے آنے والی آزمائشوں پر صبر کرتے رہو۔ اللہ تمہارے ساتھ ہے۔

وَّیُنْذِرَ الَّذِیْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا ۝ مَا لَھُمْ بِہٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِھِمْ ؕ کَبُرَتْ کَلِمَۃً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاھِھِمْ ؕ اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا کَذِبًا ۝

اللہ کے لیے اولاد ماننا، بدترین جرم ہے

اللہ تعالٰی کے لیے اولاد ماننے جیسا باطل عقیدہ ایسا تھا کہ جس کے مشرکین، یہودی اور عیسائی سب قائل تھے۔

مشرکین "فرشتوں" کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے تھے، جب کہ یہودی حضرت عُزَیر کو اللہ کا بیٹا اور عیسائی حضرت عیسٰی بن مریم علیہ السلام کو "ابن اللہ" کہتے تھے۔ ان سب کے جرم کو واضح کرنے کے لیے فرمایا: "وَّیُنْذِرَ الَّذِیْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا ۝" قرآن ہم نے اس لیے نازل کیا، تاکہ یہ ان سب لوگوں کو اللہ کی پکڑ سے ڈرائے، جو اللہ کے لیے اولاد کے قائل ہیں۔ اور یہ ایسا لغو دعویٰ ہے کہ جس کی کوئی نقلی یا عقلی دلیل نہ ان کے پاس ہے اور نہ ہی ان کے آباء و اجداد کوئی دلیل رکھتے تھے۔ اولاد کی ضرورت تو اسے ہو، جسے معاونت اور مدد کی ضرورت رہے۔ اللہ کو تو "کُن" کہنے کی بھی حاجت نہیں۔ ساری مخلوقات اسی کے تابع ہیں، اسے اولاد کی کیا ضرورت! اس لیے تمہارا یہ دعویٰ انتہائی بھیانک اور سنگین ہے، جو جھوٹ کے بدبودار پلندے کے سوا کچھ نہیں۔

فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ عَلٰٓی اٰثَارِھِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِھٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا ۝ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَی الْاَرْضِ زِیْنَۃً لَّھَا لِنَبْلُوَھُمْ اَیُّھُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۝ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَیْھَا صَعِیْدًا جُرُزًا ۝

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کفّار کی خاطر ہرگز فکر مند نہ ہوا کریں

ان آیات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے کہ آپ ان مشرکین کی خاطر خود کو کیوں کھپاتے ہیں! آپ کا کام صرف دعوتِ حق پہنچا دینا ہے بس!! یہ لوگ ایمان لائیں یا نہ لائیں، اُن کا اپنا نصیب ہے۔ دنیا میں موجود تمام مخلوقات سے ہی دنیا کی خوبصورتی اور خوشنمائی ہے، جو دراصل ایک امتحان ہے کہ کون کون اسے خدائے واحد کی کاریگری سمجھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے اور کون ہے، جو صرف اسی دنیا میں منہمک رہ کر آخرت سے غافل ہو جاتا ہے۔ ایک دِن آئے گا کہ جب دنیا کا یہ سارا کارخانہ لپیٹ دیا جائے گا، زمین چٹیل میدان بن جائے گی اور ہر ایک کو اپنے اپنے اعمال کا حساب دینا ہوگا۔

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ ۙ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۝۹

واقعات بیان کرنے کا قرآنی اُسلوب

سب سے پہلے تو یہ بات ذہن نشین کر لیجیے کہ قُرآن درحقیقت قصے کہانیوں کی کتاب نہیں ہے، جس میں کوئی واقعہ اپنی تمام تفصیلات و جزئیات کے ساتھ ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہو۔ قرآن کسی واقعہ یا قصہ کے صرف وہی اجزا بیان کرتا ہے، جن کا انسانی ہدایات و تعلیمات سے تعلق ہو، البتہ حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ غالباً اس لیے تفصیل سے بیان کیا گیا کہ کسی کو یہ اعتراض کا موقع نہ ملے کہ قرآن تفصیلی واقعہ بیان کرنے کے اُسلوب سے ہی ناواقف ہے۔

بہرکیف! اصحابِ کہف کے قصے کو لوگ چونکہ بہت عجیب خیال کرتے تھے کہ انسان اتنا لمبا عرصہ کیسے سو سکتا ہے! تو ان آیات میں اسی کی تردید فرمائی کہ قدرتِ خداوندی کے مقابلہ میں تو یہ کچھ بھی قابلِ تعجب نہیں۔

''اصحابِ کہف و رقیم'' کون تھے؟

''اصحابِ کہف'' کا یہ واقعہ صرف مسلمانوں ہی میں معروف نہیں، بلکہ عیسائیوں کے یہاں بھی یہ واقعہ (Seven Sleepers) یعنی ''سات سونے والے'' کے نام سے مشہور ہے۔

ان حضرات کو ''اصحابِ کہف'' تو اس لیے کہتے ہیں کہ انہوں نے ایک پہاڑی غار میں پناہ لی تھی، لیکن انہیں ''رقیم والے'' کیوں کہا جاتا ہے؟ اس بارے حضراتِ مفسرین کے اقوال مختلف ہیں:

۱۔ بعض کے نزدیک ''رقیم'' اس پہاڑ کا نام تھا، جہاں ان حضرات نے پناہ لی تھی۔

۲۔ بعض مفسرین کے مطابق ''رقیم'' اس وادی اور گاؤں کا نام تھا، جہاں یہ پہاڑ واقع تھا۔

۳۔ تیسرا قول یہ ہے کہ ''رقیم'' یہ ''مرقوم'' کے معنی میں ہے، بمعنی تحریر شدہ کتبہ جس پر ان حضرات کے نام درج تھے۔ یہ کتبہ کس نے بنوایا تھا؟ اس میں آرا مختلف ہیں۔ بعض کے نزدیک جب یہ لوگ بادشاہ کے خوف سے اپنا ایمان

بچانے کے لیے بھاگے تھے، تو بادشاہ نے ان سب کے نام ایک تختی پر تحریر کرا لیے تھے، تا کہ سرکاری ریکارڈ میں رہے کہ یہ لوگ ''اشتہاری مجرم'' ہیں اور جہاں ملیں، انہیں گرفتار کرلیا جائے۔ جب کہ دیگر بعض مفسرین کی رائے یہ ہے کہ ان حضرات کے انتقال کے بعد غار کے دہانے پر ان سب کے نام ایک کتبہ پر بطورِ یادگار لکھوا دیے گئے تھے، اس لیے انہیں ''اصحاب الرقیم'' کہا جاتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

یہ غار کہاں واقع ہے؟

اس غار کی تعیین کے بارے میں سخت اختلاف ہے اور اس اختلاف کی وجہ بھی معقول ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیروکاروں میں رہبانیت غالب تھی۔ وہ لوگ شہروں میں رہنے کی بجائے عبادت کے لیے جنگلوں اور غاروں میں رہنے کو ترجیح دیا کرتے تھے۔ چند لوگ مل کر اپنا زادِ راہ جمع کرتے اور شہر سے دُور کسی پہاڑی غار میں عبادت کے لیے چلے جاتے اور وہیں غار میں اپنی زندگیاں گزار دیتے، اس دوران اُن کا وہاں انتقال ہو جانا ایک فطری بات تھی۔

اس لیے محققین کو جہاں جہاں غاروں میں کئی انسانی ڈھانچے ملے، انہیں وہاں شُبہ ہوا کہ کہیں یہی لوگ ہی ''اصحاب کہف'' نہ ہوں! اسی بنا پر بعض مفسرین نے اپنی اپنی تحقیقات کے مطابق اس غار کے مقام کی نشاندہی کی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ سب اندازے اور تخمینے ہی ہیں۔ کوئی قطعی بات ہرگز نہیں کی جاسکتی۔ نیز اس واقعہ کا سمجھنا بھی غار کے محلِ وقوع جاننے پر ہرگز موقوف نہیں ہے۔ اس لیے ہمیں اس تفصیل میں نہیں پڑنا چاہیے۔

''اَصحابِ کہف'' کا تفصیلی واقعہ

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ان حضرات کا تفصیلی واقعہ بیان کر دیا جائے، تا کہ پھر متعلقہ آیات کی تفسیر سمجھنے میں آسانی رہے۔

حضراتِ مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ لوگ اپنی قوم کے سرداروں اور بادشاہوں کی اولاد میں سے تھے۔ شریعتِ عیسوی کا زمانہ تھا اور یہ لوگ جس قوم میں رہتے تھے، وہ ساری قوم مشرک اور بت پرست تھی، ایک دفعہ قوم اپنے کسی مذہبی اجتماع کے لیے شہر سے باہر نکلی، جہاں وہ بت پرستی کرتے اور بتوں کے لیے جانور ذبح کیا کرتے تھے، یہ نوجوان بھی اپنی قوم کے ساتھ وہاں موجود تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت ان کے مقدر میں تھی، تو یکا یک ان کے دلوں میں یہ بات ڈال دی گئی کہ ہماری قوم کا یہ طرزِ عمل ہرگز درست نہیں۔ عبادت تو صرف اسی رَبّ کی ہونی چاہیے، جو زمین و آسمان کا مالک ہے۔ اپنے ہی ہاتھوں خدا تراشنا اور ان کے سامنے جھکنا کسی طرح بھی زیب نہیں دیتا۔ بس یہ خیال آنا تھا کہ ان میں سے ایک جوان چپکے سے نکلا اور اجتماع سے ہٹ کر ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا، آہستہ آہستہ بقیہ نوجوان بھی یہی سوچ لے کر قوم سے الگ ہوئے اور اسی درخت کے نیچے آکر جمع ہو گئے۔

''توحید'' ہی ان سب کے اِکٹھا ہونے کی بنیاد بنی

اتفاق کی بات یہ ہے کہ یہ ایک دوسرے کو جانتے بھی نہ تھے، اللہ تعالیٰ ہی نے ایک سوچ کے حامل افراد کو ایک ساتھ جمع فرمادیا تھا۔ کچھ دیر گزری، تو ان میں سے ایک صاحب نے کہا کہ بھائیو! ہم سب مذہبی میلہ چھوڑ کر جو یہاں اکٹھے ہوئے ہیں، اس کی کوئی وجہ تو ہوگی! بہتر ہے کہ ہم ایک دوسرے کے خیالات سے واقف ہوجائیں۔ اس طرح جب سب نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا، تو سب ایک نکتے پر متفق نکلے کہ شرک کی بجائے ''توحید'' کو اپنانا چاہیے۔

اب ان حضرات نے اپنی الگ عبادت گاہ بنائی اور ربّ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہنے لگے۔

بادشاہ کے سامنے حق گوئی و بے باکی

آہستہ آہستہ بات پھیل گئی اور اُس زمانے کے مشرک بادشاہ (جس کا نام تاریخی روایات میں دقیانوس آیا ہے) تک بھی بات پہنچی کہ چند لوگ اپنا الگ دین بنائے ہوئے ہیں۔ بادشاہ نے انہیں بلایا اور ان سے حقیقت پوچھی، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حق گوئی کی ہمت عطا فرمائی اور انہوں نے بادشاہ کے سامنے صاف صاف کہہ دیا کہ عبادت تو صرف ''وحدہٗ لاشریک'' کی ہونی چاہیے۔ کسی اور کو ہم ''خدا'' اور لائق عبادت تسلیم نہیں کرتے۔

بادشاہ نے ان سے ''شاہی اعزازات'' واپس لے لیے اور چند دِن کی مہلت دی کہ خوب اچھی طرح غور و فکر کرلو، اگر اپنے آباء کے دِین کی طرف واپس نہ آئے تو قتل کردیے جاؤ گے۔

دِین بچانے کے لیے غار میں پناہ لی

اللہ تعالیٰ کی طرف سے چونکہ فیصلے طے تھے، اس لیے اس چندروزہ مہلت کو انہوں نے غنیمت سمجھا اور باہمی مشورہ سے شہر چھوڑ کر پہاڑی غار میں روپوش ہوگئے۔ ان کے ساتھ ان کا پالتو کتّا بھی تھا۔

تین صدیوں کی طویل و عجیب ترین نیند مسلط کردی گئی

یہ حضرات غار میں پہنچے ہی تھے کہ اللہ نے ان سب پر ایسی نیند مسلط کردی کہ دور سے دیکھنے پر لگتا کہ یہ جاگ رہے ہیں، نیند کی وجہ سے جسم میں ڈھیلا پن یا سانس میں بھی کوئی تبدیلی نہ تھی۔ یہ کیفیت شاید اس لیے باقی رکھی گئی کہ کوئی انہیں سویا ہوا سمجھ کر نقصان نہ پہنچادے۔ ان کا کتّا بھی غار کے دہانے پر چاق و چوبند بیٹھا تھا، حالانکہ درحقیقت سبھی پر نیند طاری کردی گئی تھی۔

نیند کا عرصہ

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ شمسی لحاظ سے ۳۰۰ سال۔ جبکہ قمری لحاظ سے ۳۰۹ سال۔ اسی حالت میں گزر گئے۔ اس تمام عرصہ میں روشنی بھی اس انداز میں اُن پڑتی رہی کہ ان کے جسموں کو براہِ راست دھوپ بھی نہ لگے

اور ان کے جسم گلنے سڑنے سے بھی محفوظ رہیں۔ نیند میں اللہ تعالیٰ ان کی کروٹیں بھی بدلواتے رہے، تا کہ ایک ہی سائیڈ پڑے پڑے جسم گل سڑ نہ جائے۔

تین صدیاں اسی حالت میں گزر گئیں، اس دوران وہ ظالم ومشرک بادشاہ مر کھپ گیا اور کئی نسلیں گزر گئیں۔ اب وہاں ایک موحد بادشاہ کی حکومت قائم ہو گئی تھی۔

نیند طاری کرنا بھی ربّ کی حکمت تھی اور جگانا بھی حکمت!

جب اللہ تعالیٰ کی منشا یہ ہوئی کہ انہیں جگایا جائے اور دنیا کے سامنے اللہ تعالیٰ کی قدرت ظاہر ہو جائے کہ جو ربّ اتنا طویل عرصہ سلانے کے باوجود صحیح سلامت اور تندرست اُٹھانے پر قادر ہے تو وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان سب کو نیند سے جگا دیا۔

سونے کی مدّت بارے باہمی سوال وجواب

جب ان کی آنکھ کھلی تو ان میں سے ایک صاحب نے پوچھا کہ ہمیں سوئے ہوئے کتنا عرصہ بیتا ہے؟ اُس زمانے میں گھڑیاں تو ہوتی نہیں تھیں، لامحالہ سورج یا چاند کو دیکھ کر ہی وقت کا اندازہ لگایا جاتا تھا، تو جب ان لوگوں نے سورج کو دیکھا تو اُس وقت شام ہونے لگی تھی اور جب یہ غار میں داخل ہوئے تھے تو اس وقت صبح کا وقت تھا، اس لیے انہوں نے اندازہ لگا کر جواب دیا کہ ہمیں سوئے ہوئے پورا دن یا دِن کا کچھ حصہ گزرا ہے۔

البتہ کچھ ساتھیوں کو احساس ہوا کہ اتنا تھوڑا وقت نہیں گزرا جتنا سمجھا جا رہا ہے، تاہم سب نے حل کر طے کیا کہ وقت کو چھوڑو، پہلے بھوک مٹانے کی کوئی صورت اختیار کی جائے۔ کمال یہ ہے کہ اتنا طویل عرصہ سونے کے درمیان کسی کو بھوک نہ لگی، لیکن جب بیدار ہوئے تو اس وقت بھوک نے ستانا شروع کر دیا۔

ضروری خرچے کا اِنتظام توکّل کے ہرگز خلاف نہیں

یہ لوگ غار کی طرف آتے وقت کچھ روپیہ وغیرہ بھی اپنے ساتھ لیتے آئے تھے، تا کہ ضرورت کے وقت کام آ سکے۔ اس لیے علماء نے فرمایا کہ اپنی ضروریات کے لیے خرچ وغیرہ کا پیشگی انتظام کر کے رکھنا زُہد کے منافی نہیں ہے۔ توکّل کا مطلب ہی یہی ہے کہ پہلے اپنی طرف سے مکمل اسباب اختیار کر لو، پھر اپنے اللہ پر بھروسہ کرو۔ ہاتھ پاؤں باندھ کر بیٹھ جانا کم ہمتوں کی نشانی ضرور ہے، متوکلین کی نشانی ہرگز نہیں۔

راز فاش ہو جانا

انہوں نے اپنے ایک ساتھی (روایات میں ان صاحب کا نام "تَمْلِیْخَا" آیا ہے) کو پیسے دے کر شہر بھیجا کہ کھانے پینے کا سامان لے آؤ، لیکن دھیان کرنا کہ شہر والے سارے دُشمن ہیں (انہیں تو معلوم نہ تھا کہ اتنا عرصہ بیت گیا)، وہ تو

اب بھی یہی سمجھ رہے تھے کہ ساری قوم مشرک اور بت پرست ہے اور ہمیں تلاش کر رہی ہوگی، اس لیے اس انداز سے جانا کہ کسی کو تمہاری اصلیت معلوم نہ ہو سکے اور کھانا بھی حلال اور پاکیزہ تلاش کرنا، مشرکین کا حرام ذبیحہ نہ خریدنا۔

اب یہ صاحب چھپتے چھپاتے مارکیٹ پہنچے اور وہاں سے سامان لیا، جب پیسے دینے کا وقت آیا، تو ان صاحب نے تین صدیاں پہلے کا سکہ نکال کر دُکان دار کو دیا، جو دُکان دار کے لیے بالکل غیر مانوس تھا۔

اُس نے اپنے ساتھی دُکان داروں کو وہ سکہ دِکھایا، سب نے مل کر یہی کہا کہ شاید اس شخص کو قدیم زمانے کا کوئی خزانہ ہاتھ آ گیا ہے۔ لیکن یہ صاحب انکاری تھے کہ جی یہ تو میرے اپنے پیسے ہیں اور یہی سکہ ہی شہر میں رائج ہے۔

بادشاہ کے سامنے پیشی

دُکان داروں نے ان صاحب کو پکڑ کر بادشاہ کے حوالے کر دیا۔ اُس زمانے کا بادشاہ نیک صالح اور موحد تھا، (تاریخی روایات میں ان کا نام "بیدوسیس" آیا ہے) اور اُس زمانے میں عوام الناس مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کے منکر تھے۔ بادشاہ بہت پریشان اور متفکر تھا کہ کاش کسی طرح لوگوں کو یقین آ جائے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے مرنے کے بعد اسے دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔

اس بادشاہ کو پُرانے سرکاری ریکارڈ سے یہ بات بھی معلوم تھی کہ کچھ موحد لوگ پرانے زمانے میں اپنا ایمان بچانے کی غرض سے شہر چھوڑ گئے تھے۔ ان کے نام بھی ریکارڈ میں موجود تھے۔

جب اُن صاحب نے اپنی آپ بیتی بادشاہ کو سنائی اور اپنا اور اپنے ساتھیوں کے نام بتائے، تو بادشاہ کو یقین ہو گیا کہ یہ وہی لوگ ہیں جو کسی زمانے میں رُوپوش ہو گئے تھے۔

اہلِ شہر کی غار کی طرف روانگی

بادشاہ ان سے مل کر بہت خوش ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نشانی دکھا دی کہ جو اتنا عرصہ نیند دے کر دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے، تو وہ حشرِ اَجساد اور مُردوں کو دوبارہ زندہ کرنے پر بھی پوری طرح قادر ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ مجھے اپنے باقی ساتھیوں سے بھی ملوایئے، تاکہ ہم سب کو اچھی طرح یقین ہو جائے۔

اس طرح بادشاہ اور دیگر لوگ ان صاحب کی راہ نمائی میں غار تک پہنچے، وہاں پہنچ کر تملیخا نے کہا کہ آپ لوگ ذرا ٹھہریے، تاکہ میں اپنے ساتھیوں کو اطلاع دے دوں کہ باہر آئے ہوئے لوگ دشمن نہیں، بلکہ اپنے موحد ہیں۔ آپ لوگوں کو اچانک دیکھ کر کہیں وہ دشمن نہ سمجھ بیٹھیں۔

"اَصحابِ کہف" پر موت طاری کر دی گئی

وہ صاحب جب غار میں داخل ہوئے اور اپنے ساتھیوں کو سب حقیقت بتائی، تو وہ سب بڑے خوش ہوئے۔ بعض

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے باہر نکل کر بادشاہ کا استقبال بھی کیا، جبکہ دیگر روایات بتاتی ہیں کہ ان کی بادشاہ سے ملاقات نہیں ہو سکی، بلکہ تملیخا کی گفتگو سننے کے بعد اُن سب پر موت طاری ہوگئی۔ کوئی بھی غار سے پھر باہر نہیں آیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال!

بہرحال! اصحابِ کہف کو دوبارہ اُٹھانے کا جو مقصد تھا (حشرِ اَجساد پر قدرت ثابت کرنا) وہ پورا ہوا، جب اللہ تعالیٰ کی قدرت پر شہر والوں کو یقین آ گیا، تو اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو موت دے دی۔

''اَصحابِ کہف'' کی تعداد؟

اصحابِ کہف کی تعداد بارے لوگوں کے تین طرح کے نظریات تھے، کچھ اس بات کے قائل تھے یہ لوگ تعداد میں تین تھے اور چوتھا ان کا کُتّا تھا۔ کچھ لوگ کہتے تھے کہ یہ تعداد میں پانچ تھے اور چھٹا ان کا کُتّا تھا۔ جب کہ بعض یہ کہتے تھے کہ اصحابِ کہف تعداد میں سات تھے اور آٹھواں ان کا کُتّا تھا۔ قرآنی اسلوب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر سے اسی تیسرے قول کی ترجیح معلوم ہوتی ہے۔

اسمائے گرامی

''معجم الاوسط للطبرانی'' میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ میں ان چند لوگوں میں سے ہوں جنہیں اصحابِ کہف کی تعداد کا علم دیا گیا ہے، ان حضرات کے نام یہ تھے: ۱-مُکْسَلْمِینا۔ ۲-تَمْلِیخا۔ ۳-مَرطونَس۔ ۴-بِیْنُونَس۔ ۵-مَطْنواسِیسوس۔ ۶- کَفاشْطِیطوس۔ ۷-ذَرتونس۔ ان کے کتّے کا نام روایات میں ''قِطْمِیر'' آیا ہے۔

> قال ابن عباس: أنا من أولئك القليل مكسلمينا وتمليخا وهو المبعوث بالورق إلى المدينة ومرطولس ويثبونس وذرتونس و كفاشطيطوس ومنطنواسيسوس وهو الراعي والكلب اسمه قطمير۔ (المعجم الأوسط:۶/۱۷۵) واللہ تعالیٰ اعلم!

''اَصحابِ کہف'' کا زمانہ؟

اس سلسلے کی تمام روایات سے اتنی بات تو تقریباً محقّق ہو جاتی ہے کہ اصحابِ کہف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دِین کے پیروکار تھے اور یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے بعد کا واقعہ ہے۔ حضرت تھانویؒ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ حضرات جس بادشاہ کے ڈر سے غار میں رُوپوش ہوئے تھے، اُس بادشاہ کا زمانہ ۲۵۰ عیسوی ہے۔ تین سو سال یہ لوگ غار میں سوئے رہے تو مجموعہ ۵۵۰ عیسوی ہو گیا، جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ۵۷۱ یا ۵۷۰ عیسوی میں ہوئی۔ اس لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے تقریباً ۲۰ سال پہلے ان حضرات کی بیداری کا واقعہ پیش آیا۔ (معارف القرآن:۵/۵۵۸)

اصحابِ کہف کا واقعہ تفصیل سے آپ حضرات نے سُن اور سمجھ لیا ہے، اب آیات کی مختصر تفسیر ملاحظہ فرمایئے۔

إِذْ أَوَى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوا رَبَّنَا آتِنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا ⑩ فَضَرَبْنَا عَلَىٰ آذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا ⑪ ثُمَّ بَعَثْنَاهُمْ لِنَعْلَمَ أَيُّ الْحِزْبَيْنِ أَحْصَىٰ لِمَا لَبِثُوا أَمَدًا ⑫

واقعے کا اِجمالی بیان

جب اُن نوجوانوں نے غار میں پناہ لی تھی اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے کہا تھا کہ اے ہمارے ربّ! ہمیں اپنی طرف سے خاص رحمت عطا فرما اور ہماری اس پریشانی اور کیفیت میں ہمارے لیے بھلائی کا راستہ عنایت فرما دیجیے۔ ہم آپ ہی کی مدد کے محتاج ہیں۔ آپ ہی ہم پر خاص کرم فرما دیجیے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: "فَضَرَبْنَا عَلَىٰ آذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا" "ہم نے ان کے کانوں پر تھپکی دی، یہ عربی محاورہ ہے، جو پختہ اور خوابِ خرگوش کے لیے بولا جاتا ہے۔ ظاہر ہے جب تک کان سُن رہے ہوں، انسان کو پکی اور گہری نیند نہیں آتی۔ اس لیے فرمایا کہ ہم نے اُن کے کانوں کو بھی سُلا دیا، تا کہ وہ غار میں گہری نیند سوئے رہیں اور اِدھر اُدھر کی آوازوں پر ان کی آنکھ نہ کھلے۔ کئی سالوں تک ہم نے انہیں غار میں یونہی سلائے رکھا۔ سالوں کی تعداد آپ جان چکے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ: "ثُمَّ بَعَثْنَاهُمْ لِنَعْلَمَ أَيُّ الْحِزْبَيْنِ أَحْصَىٰ لِمَا لَبِثُوا أَمَدًا" "پھر ہم نے اتنی طویل نیند کے بعد انہیں نیند سے جگایا، تا کہ ہم معلوم کر سکیں کہ ان دو گروہوں میں سے کون سا گروہ سونے کی مدت زیادہ صحیح اور درست بیان کرتا ہے۔ یہ واقعہ کا اجمالی بیان ہے۔ اگلے رکوع سے اس واقعہ کا پسِ منظر اور تفصیل بیان کی گئی ہے۔

نَّحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُم بِالْحَقِّ ۚ إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى ⑬ وَرَبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ إِذْ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَن نَّدْعُوَ مِن دُونِهِ إِلَٰهًا ۖ لَّقَدْ قُلْنَا إِذًا شَطَطًا ⑭ هَٰؤُلَاءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ آلِهَةً ۖ لَّوْلَا يَأْتُونَ عَلَيْهِم بِسُلْطَانٍ بَيِّنٍ ۖ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ⑮

"اَصحابِ کہف" کی کہانی

فرمایا کہ "نَّحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَأَهُم بِالْحَقِّ" "ہم ان کا ٹھیک ٹھیک واقعہ آپ کو سُناتے ہیں، دُنیا میں اصحابِ کہف کے بارے جو باتیں ہمارے بیان کردہ اس واقعے کے خلاف ہوں، تو وہ خود بخود غلط ثابت ہو جائیں گی۔ "إِنَّهُمْ فِتْيَةٌ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى" "وہ کچھ (راجح تعداد میں سات) نوجوان تھے، جو اپنے زمانے کے حق مذہب کے مطابق اپنے ربّ پر ایمان لائے تھے، تو ہم نے بھی ان کو ہدایت میں اور ترقّی دی۔ انہیں ایمان کے ساتھ عملِ صالح، ایمان پر ثابت قدمی اور مصائب پر صبر کی توفیق دی اور آخرت کی فکر ان کی طبیعتوں میں راسخ کر دی۔

وَرَبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ إِذْ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَن نَّدْعُوَ مِن دُونِهِ إِلَٰهًا ۖ لَّقَدْ قُلْنَا إِذًا شَطَطًا ⑭

بادشاہ کے سامنے جرأت کے ساتھ اعلانِ حق

جب مشرک بادشاہ کے سامنے گرفتار کر کے انہیں پیش کیا گیا اور بادشاہ نے ان سے ان کے عقیدے کے بارے پوچھا، تو موت وحیات کی اس کشمکش میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو توحید اور ایمانِ کامل پر ایسا جما دیا کہ انہوں نے بڑی جرأت و بے باکی سے بادشاہ کے سامنے حق کہہ دیا کہ ''لَنْ نَّدْعُوَا۟ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا'' ہم اللہ کے علاوہ نہ تو کسی کو معبود مانتے ہیں اور نہ مانیں گے۔ ہمارا خدا تو بس وہی ایک ہے جو زمین وآسمان اور ان میں موجود ساری مخلوقات کا خالق ہے۔ اللہ کے علاوہ کسی کو خدا ماننے سے بڑی لغو بات کوئی ہو ہی نہیں سکتی۔

هٰۤؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ لَوْلَا یَاْتُوْنَ عَلَیْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَیِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى
اللّٰهِ كَذِبًا ۝

زندہ رہو تو دلیل کے ساتھ اور مرو تو بھی دلیل پر

سمجھ دار شخص کا کوئی بھی فعل نقلی یا عقلی دلیل کے خلاف نہیں ہوتا۔ ان نوجوانوں نے بادشاہ کے سامنے بھی یہی بات کی کہ ہماری ساری قوم جو غیر اللہ کی عبادت کرتی ہے، کیا ان کے پاس ان اشیاء کے خدا اور قادر ہونے کی کوئی واضح دلیل موجود ہے! دین میں دلیل چلتی ہے، آباء کی اندھی پیروی نہیں، لہٰذا اس سے بڑی اللہ پر جھوٹی تہمت اور کیا ہو سکتی ہے کہ محض قوم اور اپنے آباء کی دیکھا دیکھی خدا کے ساتھ اوروں کو بھی عبادت میں شریک مان لیا جائے! ہم تو اس شرک سے بری اور بے زار ہیں۔

وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَى الْكَهْفِ یَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَیُهَیِّئْ لَكُمْ مِّنْ
اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ۝

جہاں دِین پر عمل ممکن نہ ہو تو ہجرت کرنا ہی سلف کی سُنّت ہے

بادشاہ نے انہیں چند دن سوچنے کی مہلت دی تو ان حضرات نے اسی مہلت کو غنیمت سمجھ کر باہمی مشورہ کیا کہ جب ہم سب نے اپنی قوم کے عقیدوں اور خداؤں کو چھوڑ ہی دیا ہے اور اب ان میں رہ کر دین کا کام صحیح طریقے سے ہونا مشکل ہے، تو بہتر ہے کہ کسی غار میں پناہ لیتے ہیں، اور ہم چونکہ اپنے رَبّ کی خاطر شہر چھوڑ رہے ہیں تو ہمارا رَبّ ہی ہم پر اپنی رحمت پھیلا دے گا اور ہمارے اس معاملے میں آسانیاں پیدا فرمائے گا۔ یہ مشورہ کر کے یہ حضرات شہر سے چپکے سے نکل گئے اور باہمی مشورے سے ایک پہاڑی غار میں جا کر پناہ لے لی۔

وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْیَمِیْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِیْ
فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ ؕ مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِیًّا مُّرْشِدًا ۝

غار میں اُن اصحاب کی جسمانی حفاظت کا خدائی انتظام

فرمایا کہ جس غار میں وہ لوگ چھپنے کے لیے داخل ہوئے، وہ غار ایسی تھی کہ اُس میں سورج کی دُھوپ براہِ راست اندر نہیں آتی تھی، ''وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَزَاوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَتْ تَقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ'' چاہے وہ طلوع کا وقت ہو یا غروب کا وقت، اُس غار کا محلِ وقوع اور رُخ (غالباً شمالاً یا جنوباً) ایسا تھا کہ دُھوپ، غار کے قریب سے تو گزر جاتی، تا کہ دُھوپ کے اثرات اور فوائد ان کے جسموں کو حاصل ہوتے رہیں، لیکن ان کے جسموں پر براہِ راست دُھوپ نہیں پڑتی تھی کہ کہیں دُھوپ کی حرارت سے ان کے جسم اور لباس وغیرہ خراب نہ ہو جائیں۔ ''وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِنْهُ'' اور وہ لوگ اُس غار کے کشادہ اور وسیع حصے میں سوئے ہوئے تھے، آپ جانتے ہیں کہ غاروں کے کچھ حصے کافی تنگ اور کچھ فراخ ہوتے ہیں، تو یہ سب لوگ غار کے کشادہ اور کھلے حصے میں تھے تا کہ ان تک ہوا بھی با آسانی پہنچتی رہے اور جگہ کی کشادگی کی وجہ سے ان کا دل بھی نہ گھبرائے۔ ''ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ'' یہ سب انتظامات اور اتنا طویل عرصہ کھائے پیے اور گلے سڑے بغیر سوئے رہنا محض اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے کہ ظاہری اسباب کوئی نہیں، لیکن پھر بھی ان کے لیے راحت اور حفاظت کا سامان مہیا کر دیا، ''مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ'' اللہ جسے ہدایت دے دے، بس وہی ہدایت یافتہ ہوتا ہے، ''وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُرْشِدًا'' اور جسے اللہ (اُس کے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے) گمراہ کر دے، تو اسے دُنیا جہان کے لوگ مل کر بھی راہِ ہدایت پر نہیں لا سکتے۔

وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَهُمْ رُقُودٌ ۚ وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ ۚ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ۝

''اَصحابِ کہف'' کی نیند کی منظر کشی

اس آیت میں عام لوگوں کو خطاب کیا گیا کہ اُن لوگوں پر غار میں اگرچہ نیند مسلط کر دی گئی تھی، لیکن نیند کے آثار اور علامتیں اُن پر ہرگز طاری نہیں ہوئی تھیں۔ اگر کوئی انہیں اس حالت میں دیکھ لیتا تو وہ یہی سمجھتا کہ یہ لوگ لیٹے ہوئے جاگ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کا یہ غیر معمولی انتظام فرمایا تھا کہ ان کے جسموں پر نیند کے آثار معلوم نہیں ہوتے تھے تا کہ کوئی انہیں سوتا سمجھ کر نقصان نہ پہنچا دے۔ ''وَنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ الشِّمَالِ'' اور پھر ان کا سونا بھی ایک کروٹ پر نہیں تھا، ہم انہیں وقتاً فوقتاً کروٹیں بھی دِلواتے تھے تا کہ ان کے جسم ایک ہی انداز میں پڑے پڑے گل نہ جائیں۔

اہل اللہ کی صحبت کسی حال میں بھی بے فائدہ نہیں ہوتی

یہ لوگ چونکہ مال دار گھرانوں کے افراد تھے تو ممکن ہے کہ جانوروں کی حفاظت وغیرہ کی خاطر کُتا بھی پال رکھا ہو، جو کہ شرعاً جائز ہے، جب یہ لوگ شہر سے نکلے تو کُتے کا ساتھ ہو جانا کوئی بعید نہیں، کیونکہ کُتے کی وفاداری معروف ہی ہے۔

بہرکیف! ایک کُتّا بھی ان کے ساتھ ہولیا اور جیسے اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کی حفاظت کا انتظام فرمایا، اسی طرح اُن کے کتّے کو بھی موسمی تغیرات اور اثرات سے محفوظ رکھا، فرمایا کہ: ''وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ'' اُن کا کُتّا غار کی دہلیز اور چوکھٹ پر اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے گویا ایسے چاق و چوبند بیٹھا تھا، جیسے غار کی نگرانی اور حفاظت کر رہا ہو۔

علماء فرماتے ہیں کہ اہل اللہ کی صحبت کی وجہ سے اگر اللہ تعالیٰ ایک کتّے کو یہ اعزاز بخش سکتے ہیں کہ اُس کا ذِکر قرآنِ مجید میں کر دیں، تو جو اِنسان اللہ والوں سے محبت کرتا ہے، وہ اِنعامِ خداوندی سے کیونکر محروم رہ سکتا ہے!

شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں:

پسرِ نوح با بداں نشست
خاندانِ نبوتش گم شد
سگِ اصحابِ کہف روزے چند
پئے نیکاں گرفت مردم شُد

حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے نے بُروں کی صحبت اختیار کی تو اس کی وجہ سے اُس سے نبوّت کا خاندان چھوٹ گیا، اصحابِ کہف کے کتے نے چند روز نیکوں (اولیاء اللہ) کی صحبت اختیار کی تو آدمی (اعزاز والا) بن گیا۔

نیند میں بھی رُعب وجلال طاری تھا

اللہ تعالیٰ نے نیند میں بھی ان حضرات پر رُعب اور جلال کی ایسی کیفیت طاری کر دی تھی کہ ''لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا'' اگر تم اُنہیں اس حالت میں جھانک کر دیکھ لیتے تو ان کی دہشت اور رُعب کی وجہ سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے۔ ممکن ہے کہ یہ رُعب کی کیفیت بھی اس لیے ہو کہ کوئی شخص یا جانور ان کے قریب نہ آسکے اور ان کے اجسام اور سامان کے ساتھ چھیڑ چھاڑ نہ کر سکے۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ؕ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ؕ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا ۝ اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ۝

''اصحابِ کہف'' کو صحیح سلامت جگانا بھی قُدرت کی نشانی ہے

فرمایا کہ جیسے طویل عرصہ ہم نے انہیں بالکل محفوظ سلائے رکھا تھا، اسی طرح اب ہمیں یہ منظور ہوا کہ انہیں جگایا جائے تا کہ ''لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ'' یہ آپس میں ایک دوسرے سے سوال کریں اور انہیں بھی کچھ اندازہ ہو سکے کہ ہم کتنا عرصہ

اسی طرح سوتے رہے! پھر ان کے درمیان جو سوال و جواب ہوئے آپ ان کے بارے میں پہلے سُن چکے ہیں کہ سونے کی حقیقی مدت کو اللہ پر چھوڑ دو، پہلے حلال اور پاکیزہ کھانے کا کوئی انتظام کرتے ہیں۔ پھر انہوں نے اپنے ایک ساتھی کو بھیجا کہ چپکے سے مارکیٹ جاؤ اور خیال کرنا کہ کسی کو تمہاری بھنک بھی نہ پڑے، اگر انہیں ہمارے بارے معلوم ہو گیا تو "یَرْجُمُوْكُمْ اَوْ یُعِیْدُوْكُمْ فِیْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا" وہ لوگ ہم سب کو سنگسار کر دیں گے (ممکن ہے کہ مذہب بدلنے کی سزا اُن کے زمانے میں یہی ہو) یا زبردستی تمہیں اپنے شرکیہ عقائد اختیار کرنے پر مجبور کر دیں گے۔ پہلی صورت میں جانی اور دوسری صورت میں ایمانی نقصان یقینی ہے، اس لیے اپنے آپ کو دونوں نقصانوں سے محفوظ رکھنا ہے تو اپنی شناخت خُفیہ رکھنا۔

وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَیْهِمْ لِیَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَیْبَ فِیْهَا ۚ اِذْ یَتَنَازَعُوْنَ بَیْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَیْهِمْ بُنْیَانًا ۖ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ۚ قَالَ الَّذِیْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓی اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَیْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿۲۱﴾

تدبیر پر تقدیر غالب ہو کر ہی رہتی ہے

اِدھر ان حضرات نے اپنے ساتھی کو احتیاطی تدابیر اپنانے کی تاکید کے ساتھ شہر بھیجا، اُدھر اللہ تعالیٰ کی منشا یہ تھی کہ شہر والوں پر اِن لوگوں کی حقیقت منکشف ہو جائے اور ظاہر ہے کہ تمام تر احتیاطی تدابیر کے باوجود تقدیر غالب ہو کر ہی رہتی ہے۔ یہاں بھی ایسا ہوا اور پُرانے زمانے کا سکہ دوکاندار کو دینے کی وجہ سے اس شخص کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا اور یوں ان کی حقیقت سب کے سامنے واضح ہو گئی۔ تفصیل سے آپ یہ واقعہ سُن چکے ہیں۔

"اصحابِ کہف" کا راز فاش کرنا بے مقصد نہیں تھا

اصحابِ کہف کو شہر والوں کے سامنے دوبارہ لانے کا مقصد یہ تھا "لِیَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَیْبَ فِیْهَا" جو لوگ پہلے سے یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہم نے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے اور اپنے اپنے اعمال کا حساب دینا ہے، انہیں اس واقعے سے "عین الیقین" حاصل ہو جائے اور جو لوگ قیامت کے قائل نہیں ہیں، اُنہیں بھی ان حضرات کو دیکھ کر قیامت کا یقین آجائے اور وہ اپنے اعمال و عقائد کی اصلاح کر لیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ آپ ان کے تفصیلی واقعے میں سُن چکے ہیں۔

اِذْ یَتَنَازَعُوْنَ بَیْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَیْهِمْ بُنْیَانًا ۖ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ۚ قَالَ الَّذِیْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓی اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَیْهِمْ مَّسْجِدًا ﴿۲۱﴾

اولیاء کی قبور کے پاس مساجد بنا دینا جائز ہے

بادشاہ اور اہلِ شہر جب تملیخا کی راہ نمائی میں ان کے غار تک پہنچے اور اللہ نے سب غار والوں پر موت طاری کر دی تو

شہر والوں نے سوچا کہ ان کے غار کے قریب کوئی یادگار بنانی چاہیے، دُنیا اب بھی کسی خاص شخصیت یا واقعہ کی یادگار بناتی ہے جیسا کہ لاہور میں ”قراردادِ لاہور“ کی یاد میں ”مینارِ پاکستان“ بنایا گیا تا کہ وہ آزادی کی اس قرارداد کی یاد دلاتا رہے۔

یہ بھی اللہ کی قدرت ہے کہ جو جوان اپنا دین وایمان بچانے کے لیے شہر سے نکل بھاگے تھے، آج انہیں وہ عزت ملی کہ شہر کے لوگ ان کی یاد میں کوئی عمارت بنانے کا مشورہ کرنے لگے۔ بہرحال! شہر والوں کا مشورہ ہوا کہ یہ لوگ قدرت کی ایک بڑی عظیم نشانی تھے، لہٰذا ان کی ایک یادگار بنانی چاہیے۔ لیکن وہ یادگار (Monument) کیا ہونی چاہیے؟ اس میں آراء مختلف تھیں، کچھ لوگ یہ کہتے تھے کہ کوئی عام سی تعمیر کر دی جائے، لیکن بادشاہ اور غالب اکثریت کی رائے یہ تھی کہ یہاں مسجد بنا دی جائے، تا کہ یادگار بھی رہے اور آئندہ بت پرستی کی حوصلہ شکنی بھی کرتی رہے کہ جو لوگ توحید کے قائل ہوتے ہیں، اللہ انہیں کیسے دنیا کے لیے مثال بنا دیتے ہیں!! چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ان کی غار کے قریب مسجد بنا دی گئی۔

”رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ“ کی تفسیر میں دو احتمال

اس جملے کی تفسیر کے بارے حضراتِ مفسرین نے دو احتمالات بیان فرمائے ہیں اور دونوں ممکن ہیں:

۱- یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے کہ ”اصحابِ کہف“ کی حقیقت بارے اللہ کو تم سب سے زیادہ علم ہے، اس لیے ان کے بارے میں فضول بحثیں اور بے فائدہ مجالس قائم کرنے سے اجتناب کرو۔

۲- یہ جملہ انہی لوگوں کا ہے جو اصحابِ کہف کی یادگار بنانے بارے باہمی جھگڑ رہے تھے۔ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جب غار کے قریب ان حضرات کی یادگار بنانے کی رائے بنی تو ان حضرات نے سوچا کہ ان کے نسب، حالاتِ زندگی اور مذہب وغیرہ کے بارے معلومات بھی یادگار پر درج کر دی جائے، لیکن جب تین صدیاں پہلے کے ان لوگوں کے حالاتِ زندگی (سوائے ان کے ناموں کے) معلوم نہ ہو سکے، تو عاجز آ کر کہنے لگے: ”رَبُّهُمْ أَعْلَمُ بِهِمْ“ ان کے حالات اللہ پر چھوڑو، بس یادگاری عمارت بنا دو۔

سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًۢا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۭ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ ڣ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَاۗءً ظَاهِرًا ۠ وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا ؀

”اصحابِ کہف“ کی تعداد میں اُلجھنے کی بجائے اُن کے قصے سے سبق حاصل کرو!

ان کی تعداد بارے مفصل گفتگو پہلے کی جا چکی ہے، ان آیات میں یہی درس دیا گیا ہے کہ اصحابِ کہف کی تعداد بارے مختلف گروہوں کے مختلف نظریات ہیں۔ ”فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَاۗءً ظَاهِرًا“ لہٰذا خواہ مخواہ کسی سے بحث ومباحثہ اور اُلجھنے کی ضرورت نہیں۔ ان کے واقعہ میں اصل سبق یہ ہے کہ کس طرح انہوں نے مشکل حالات میں حق پر ثابت قدمی دکھائی اور

اللہ تعالیٰ نے کیسے اُن کی مدد فرمائی۔ باقی رہی یہ بات کہ اُن کی درست تعداد کیا تھی؟ اس کے جاننے پر دین دنیا کا کوئی مسئلہ موقوف نہیں، اگر کوئی آپ سے اس سلسلے میں بات کرنا بھی چاہے تو سرسری طور پر اسے موقف بتا کر خاموشی اختیار کر لی جائے۔

وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا۝

''وحی'' یقینی علم کا قطعی ذریعہ ہے

اس کے ساتھ ساتھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بھی تعلیم دی گئی کہ وحی کے ذریعے آپ کو اصحابِ کہف کی جتنی معلومات دے دی گئی ہیں، وہ کافی وافی اور شافی ہیں، اسی پر قناعت کیجیے، اس سے زیادہ کسی سے اس حوالے سے سوال کرنے کی ضرورت نہیں۔

وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا۝ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ۡ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا۝

اپنے اُمور کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی مشیت سے منسلک کیا کرو!

جب مشرکینِ مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روح، اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کے بارے سوال کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایک طرح سے وعدہ کر لیا تھا کہ ان کا جواب کل بتاؤں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو امید تھی کہ وحی کے ذریعے کل تک یہ سب حالات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیے جائیں گے، لیکن وعدہ کرتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ''اِن شاء اللہ'' کہنا بھول گئے تھے، اسی لیے تقریباً پندرہ دن تک وحی کا سلسلہ رُکا رہا اور پھر یہ آیات نازل ہوئیں، جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے اُمت کو بھی یہ تعلیم دی گئی کہ آئندہ زمانے میں کسی کام کا ارادہ ہو، تو اسے اللہ کی مشیت کے ساتھ لازماً منسلک کر دیا کرو، آئندہ کا حال کس کو معلوم ہے؟ اس لیے کوئی وعدہ یا معاملہ کرتے وقت ''ان شاء اللہ'' کا کلمہ ساتھ کہہ دیا کرو کہ اگر اللہ نے چاہا، تو یہ کام میں کل یا فلاں دن تک کر دوں گا۔ یہی مومن کا طریقہ ہے کہ وہ دل اور زبان دونوں سے اللہ پر بھروسا کرے۔

''اصحابِ کہف'' کا واقعہ پیغمبرانہ علوم کے مقابلے میں بے وُقعت ہے

اس واقعے کی حقیقت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بھی صاف کہہ دیا گیا کہ یہ واقعہ تمہاری نظروں میں کوئی حیثیت رکھتا ہو تو الگ بات ہے، لیکن پیغمبرانہ علوم و معرفت کے سمندر کے مقابلہ میں اس کی کوئی وقعت نہیں۔ اس واقعے کے بارے بارے میں کچھ نا کچھ تو وہ شخص بھی بتا سکتا ہے، جو تاریخ عالَم سے واقفیت رکھتا ہو، یہ قصہ تو غیرِ نبی بھی بتا سکتا ہے ''وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا'' ''میرے ربّ نے تو مجھے اس سے بھی زیادہ عالیشان علوم عطا فرمائے ہیں، ایسے ایسے انبیاء کے تفصیلی واقعات جن کا زمانہ اصحابِ کہف سے زیادہ قدیم ہے، پھر میری نبوّت کے اثبات کے لیے سب سے قطعی دلیل خود

قرآنِ مجید ہے جس کی ایک آیت کی نظیر لانے سے بھی پوری دُنیا عاجز ہے۔اس لیے بلاوجہ کے سوالات چھوڑو اور میری نبوّت کو دل سے تسلیم کرلو، اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔

وَلَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ۝ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ؕ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ ؗ وَّلَا یُشْرِكُ فِیْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا ۝

”اصحابِ کہف“ کے سونے کی مدّت اللہ تم سے بہتر جانتا ہے

جیسے لوگوں میں اصحابِ کہف کی حقیقی تعداد کے بارے اختلاف تھا، اسی طرح ان کے سونے کی اصل مدّت کے بارے بھی لوگوں کی آراء مختلف تھیں، ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بتادیا کہ وہ لوگ اپنی غار میں شمسی لحاظ سے ۳۰۰ سال سوئے رہے، جو کہ قمری لحاظ سے ۳۰۹ سال کا عرصہ بنتا ہے۔یہود ونصاریٰ میں چونکہ شمسی سال کا رواج تھا، اس لیے انہیں اُنھی کے جانے پہچانے اُسلوب میں بتایا گیا اور مسلمانوں میں قمری سال رائج تھے، تو انہیں انھی کے حساب سے کُل مدت بتائی گئی۔

اگر یہ لوگ حقیقت سننے کے باوجود اپنی بات پر اَڑے رہیں، تو انہیں صاف کہ دو: ”اَللّٰهُ أَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا“ اللہ کو زیادہ پتا ہے یا تمہیں زیادہ معلوم ہے؟ زمین وآسمان میں جس ذات سے بڑھ کر کوئی علم رکھنے والا نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی معاون ومددگار ہے تو ظاہر بات ہے کہ اُس کا علم تم سب سے زیادہ وسیع ہے، بلکہ تم اور تمہارا سب کچھ اسی ذات کی طرف سے عطا کردہ ہے۔لہٰذا اے پیغمبر! یہ بات کہہ کر بحث ختم کردو کہ بس جو اللہ تعالیٰ نے بتادیا، وہی مدّت درست اور حق ہے، باقی سب افسانے ہیں۔

”قمری“، ”شمسی“ دونوں تقویموں کا علم ہونا چاہیے

اللہ تعالیٰ نے شمسی وقمری دونوں لحاظ سے ان کے سونے کی مجموعی مدت بیان فرمائی، اس میں ہمارے لیے یہ سبق ہے کہ انسان کو دونوں تاریخوں سے واقفیت ہونا چاہیے۔بحیثیتِ مسلمان ہمیں قمری تقویم سے اس لیے بھی واقفیت ضروری ہے کہ ہمارے کئی دینی معاملات (روزے، عیدین، حج وغیرہ) اسی تقویم پر موقوف ہیں۔نیز دونوں تاریخیں بتانے سے بات میں کوئی ابہام اور کمزوری بھی باقی نہیں رہتی۔

”اصحابِ کہف“ کی تعداد تو صریح نہیں بتائی، لیکن سونے کی مدّت واضح کیوں بتائی؟

اس اُسلوب میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان کی تعداد جاننے میں دین یا دُنیا کا کوئی مسئلہ موقوف نہیں، اس لیے اس کے پیچھے نہ پڑو، البتہ اتنا طویل عرصہ بغیر کسی غذا کے سونے اور صحیح سلامت اُٹھنے سے چونکہ قیامت اور حشرِ اَجساد پر اِستدلال ہوتا ہے، اس لیے سونے کی اصل مدّت واضح طور پر بیان فرمادی گئی۔

وَاتْلُ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۝

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذِمہ صرف دِین پہنچادینا ہے

مذکورہ آیت میں دین سے متعلق آزمائش کے علاج کا پہلا جزء تجویز فرمایا گیا ہے اور وہ ہے ''قرآنِ کریم کی تلاوت اور دعوت'' کفارِ مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کرتے تھے کہ اگر آپ قرآنی احکام میں کچھ نرمی پیدا کر دیں اور ہمیں اپنے عقیدوں پر چھوڑ دیں، تو ہم آپ کی پیروی کرلیں گے۔ اسی طرف اشارہ کیا گیا کہ آپ ان کی باتوں کی طرف توجہ نہ دیں، بلکہ یکسوئی سے دین کی دعوت ان تک پہنچادیا کریں۔ ایمان لائیں یا نہ لائیں، وہ ان کا نصیب۔ اللہ تعالیٰ کے وعدوں (یعنی اسلام کی نصرت اور دُشمنانِ اسلام کی رُسوائی) کو کوئی تبدیل نہیں کرسکتا، یہ وعدے پورے ہو کر رہیں گے۔ اگر بالفرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کفار کی اس انداز میں دلجوئی کی جس سے احکامِ خداوندی کا ترک اور ابطال لازم آئے، تو یاد رکھیے! آپ بھی رَبّ کی گرفت سے نہیں بچ سکیں گے۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا ہونا ہی مُحال تھا، لیکن تاکیداً ایسا کہا گیا تاکہ معلوم ہوجائے کہ اللہ کے کلام میں تبدیلی کا کسی کو بھی اختیار نہیں۔ اگر بالفرض! پیغمبر بھی اپنی مرضی سے ایسا کرلے، تو اسے بھی اللہ کے عذاب سے بچنے کے لیے کوئی پناہ گاہ نہیں مل سکتی۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَیْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِیْدُ زِیْنَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ۝

کُفّار کی دِل جوئی خاطر اپنے صحابہؓ سے دُوری اختیار کرنے کا سوچنا بھی مت!

دینی آزمائش کے علاج کا دوسرا جزء بیان کیا جارہا ہے یعنی صُحبتِ صالحین۔ ان آیات کا پس منظر یہ ہے کہ بعض کُفّار (عیینہ بن حصن فزاری اور اُمیہ بن خلف وغیرہ) کا مطالبہ تھا کہ ہم سردار لوگ ہیں، اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی بات سنیں تو اپنے نادار اور غریب صحابہ کو پہلے ہٹانا ہوگا، ہم غرباء اور فقراء کے ساتھ ایک مجلس میں نہیں بیٹھ سکتے، لہٰذا یا تو ہمارے لیے الگ مجلس قائم کریں، یا پھر اِن نادار لوگوں کو یہاں سے ہٹائیں، ہم تبھی آپ کی بات سنیں گے۔ (بعض مفسرین نے ان نادار صحابہ سے مُراد اصحابِ صُفّہ لیے ہیں)۔

اس پر یہ آیات نازل ہوئیں، جن میں کفار کے اس مشورے پر عمل کرنے سے نہ صرف سختی سے روکا گیا ہے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ آپ ان اللہ والوں کے ساتھ خود کو گویا لازم کرلو، اپنے ہر معاملے میں انہیں سے مشورہ لو، چند روزہ کسمپرسی سے پریشان نہ ہوں، عنقریب اللہ فتوحات پیدا فرمادے گا۔ دین میں مال وجاہ کا کوئی امتیاز گوارا نہیں ہے۔ باقی اگر آپ کو یہ اُمید ہے کہ ان گُفّار کے اسلام سے اسلام کو رونق نصیب ہوگی، تو واضح رہے کہ اسلام کی رونق مال ومتاع نہیں، بلکہ اخلاص اور اطاعت ہے، اگر یہ کیفیت غریب لوگوں میں بھی ہو، تب بھی اسلام کی رونق میں اضافہ ہی ہوگا۔

اس کے ساتھ ساتھ اُن کفار کی مذمت بھی بیان فرمائی کہ ''وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ

اَمْرُهٗ فُرُطًا'' ان کے دل اللہ کی یاد سے غافل اوران کے سب امور اپنی نفسانی خواہشات کے تابع ہیں۔ یہ کیفیات اللہ کے قریب نہیں، بلکہ مزید دور کرنے والی ہیں، اس لیے انہی لوگوں میں رہو، جو اللہ کے نزدیک اوراس کی نصرت کے حق دار ہیں۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ
سُرَادِقُهَا ؕ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِى الْوُجُوْهَ ؕ بِئْسَ الشَّرَابُ ؕ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ۝

حق آنے کے بعد اپنے بُرے عقائد واعمال کے تم خود ذمہ دار ہو!

ان آیات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے خبردار کیا جارہا ہے کہ رب تعالیٰ کی طرف سے برحق دین آچکا، اب مرضی تمہاری ہے کہ اللہ کی مانو یا اپنی خواہشات کے پیچھے چلو، ہمارا اس میں کوئی نفع یا نقصان نہیں۔ اگر کفر اختیار کروگے اور غلط راستے پر چلوگے تو جہنّم کا ایندھن بنوگے، جس کی آگ کافر کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی اور پانی مانگنے پر انہیں تیل کی تلچھٹ جیسا گرم ترین پانی پلایا جائے گا، جو ان کے چہروں کو بھون کر رکھ دے گا۔ کتنے بُرے پانی سے ان کی فریاد رسی کی جائے گی اور کتنی بُری آرام گاہ (جہنّم) میں انہیں داخل کیا جائے گا!

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ۝ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِىْ
مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ
مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ؕ نِعْمَ الثَّوَابُ ؕ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ۝

ایمان والے مزے میں ہوں گے

کفّار کے احوال بتا کر اللہ تعالیٰ نے آخرت میں اہلِ ایمان کی بہترین حالت بھی بیان فرمائی تا کہ انسانوں کو رغبت ہو اور وہ کفر چھوڑ کر اسلام کی دعوت قبول کرلیں۔ اس لیے فرمایا کہ اہلِ ایمان جو دنیا میں اچھے اچھے اعمال کیا کرتے تھے، ہم ان کی محنتوں کے ثمرے اور اجر کو ضائع نہیں کریں گے۔ جنتیں ان کی آرام گاہ ہوں گی، حسین وجمیل باغات ہوں گے، دودھ، شہد وغیرہ کی نہریں ہوں گی، اعلیٰ ترین اور ہمہ قسمی ریشم کا لباس ہوگا، سونے چاندی اور موتیوں کے زیورات انہیں پہنائے جائیں گے۔ اُونچی اُونچی مسندوں پر ایسے لوگ آرام فرما ہوں گے۔ کتنا ہی بہترین اجر ہے اور کتنی خوبصورت آرام گاہ انہیں ملی ہے!

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا
زَرْعًا ۝ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا ۙ وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ۝ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ ۚ فَقَالَ
لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ۝ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَاۤ اَظُنُّ اَنْ
تَبِيْدَ هٰذِهٖۤ اَبَدًا ۝ وَّمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّىْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ۝ قَالَ لَهٗ
صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَكَفَرْتَ بِالَّذِىْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰٮكَ رَجُلًا ۝ لٰـكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّىْ
وَلَاۤ اُشْرِكُ بِرَبِّىْۤ اَحَدًا ۝ وَلَوْلَاۤ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ

مَالًا وَّوَلَدًا ۚ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَاۗءِ فَتُصْبِحَ
صَعِيْدًا زَلَقًا ۙ اَوْ يُصْبِحَ مَاۗؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ۝ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰي
مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰي عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ
يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا ۝ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ۭ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ۝

مال کا فتنہ اور ایک عبرت انگیز واقعہ

دو شخص تھے، جن میں سے ایک کافر تھا اور دوسرا مومن، جو کافر تھا وہ دنیوی لحاظ سے بہت مالدار تھا، اس کے انگوروں کے کئی خوبصورت باغات تھے، جن کے کناروں پر کھجور کے درخت لگے ہوئے تھے، باغ کے درمیان میں کھیتی اگائی ہوئی تھی، نہایت سرسبز وشاداب باغ تھے، نہریں جاری تھیں، اور ہر وقت ہر طرح کی پیداوار اور مال ودولت کی کثرت رہتی تھی، جبکہ مؤمن شخص غریب تھا، ایک دن اس کافر مالدار شخص نے اس مؤمن کے سامنے فخر اور غرور کرتے ہوئے کہا کہ میں تجھ سے مال ودولت میں کافی بڑھا ہوا ہوں، میرے پاس تجھ سے زیادہ مال ودولت ہے، اولاد ہے، نوکر چاکر ہیں، اور عزت وجاہ وحشم ہے، اس کے بعد وہ تکبر کرتے ہوئے اپنے باغ میں گیا اور وہاں کی سرسبزی وشادابی کو دیکھ کر غرور میں آ کر کہنے لگا کہ یہ ناممکن ہے کہ میرا باغ اور اس کی یہ شادابی کبھی فنا ہو سکے، اور میرے خیال میں قیامت کبھی نہیں آئے گی، اور اگر بالفرض قیامت آئی بھی، اور میں اپنے رب کے پاس لوٹایا بھی گیا، تو مجھے وہاں اس سے بہتر عطا کیا جائے گا۔

اللہ کو اور اپنی حقیقت کو کبھی نہ بھولو!

جب اس مؤمن شخص نے اس کی یہ متکبرانہ گفتگو سنی تو اسے سمجھاتے ہوئے کہنے لگا کہ تجھے یہ کہنا ہرگز زیب نہیں دیتا، تو اپنے اس ربّ کی قدرت کا انکار کرتا ہے، جس نے تجھے مٹی اور نطفہ سے پیدا کیا، تجھے تو یہ چاہیے تھا کہ جب تو اپنے باغ میں داخل ہوتا تو اللہ رب العزت کا شکر ادا کرتا اور ''ما شاء اللہ لا قوۃ الا باللہ'' کہتا، اور جہاں تک رہی تیری یہ بات کہ میں مال ودولت اور اولاد کے لحاظ سے تم سے کمتر ہوں، تو مجھے اس کا کوئی غم نہیں، مجھے اپنے رب سے امید ہے کہ وہ مجھے ان سے بہتر نعمتیں عطا فرمائے گا اور جس باغ پر تو یوں اِترا رہا ہے، اسے تباہ کرنا اللہ رَبّ العزّت کے لیے کوئی مشکل نہیں، وہ اگر چاہے تو اس پر آسمان سے کوئی آفت اتار دے یا اس باغ کا پانی خشک کر دے، جس سے تمہارا باغ سوکھ کر ویران ہو جائے گا، اس لیے آپ اس پاک پروردگار کی طرف رجوع کرو اور تکبر وکفر سے باز آؤ۔

مؤمن شخص کے اس وعظ ونصیحت کو سن کر بھی وہ شخص اپنی رَوِش سے باز نہ آیا اور کُفر وتکبّر پر ڈٹا رہا، چنانچہ اللہ رَبّ العزّت نے اس کے باغ اور تمام مال ودولت کو غارت فرما دیا، اور وہ اپنے مال کی بربادی پر کفِ افسوس ملتا رہ گیا، اور اس وقت اس نے آرزو کی کہ اے کاش میں نے اپنے ربّ کے ساتھ شرک نہ کیا ہوتا، افسوس کوئی بھی اس کے کام نہ آیا، مال

وجائیداد، اولاد اور نوکر چاکر سب ختم ہوگئے، اس سے ثابت ہوگیا کہ سارے اختیارات صرف اللہ رَبّ العزّت کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۝ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ۝ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۝ وَعُرِضُوْا عَلٰي رَبِّكَ صَفًّا ۭ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۡ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ۝ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝

دُنیا کی ناپائیداری کی ایک اور مثال اور حُبِ دُنیا کا علاج

ان آیات میں اللہ رَبّ العزّت نے دنیا کی ناپائیداری اور بے ثباتی کی ایک عام اور سادہ سی مثال بیان فرمائی ہے کہ جیسے بارش کا پانی زمین میں جذب ہوتا ہے اور اس سے زمین میں ہریالی آجاتی ہے اور پودے وغیرہ لہلہانے لگتے ہیں، پھر ایک وقت آتا ہے کہ وہ ہریالی ختم ہوجاتی ہے، اور پھول بوٹے خشک ہوکر چورا چورا ہوجاتے ہیں، جنہیں ہوا اُڑائے پھرتی ہے، یہی حال دُنیا کا ہے کہ آج تو ہری بھری اور بارونق نظر آتی ہے مگر ایک وقت آئے گا کہ اس کا نام ونشان بھی نہیں رہے گا۔ یہی فکر اور دنیا کی بے ثباتی پر یقین مال کے فتنہ کا علاج ہے۔

باقی رہنے والے صرف اعمال ہیں

دنیا اپنی تمام تر نعمتوں اور رونقوں کے ساتھ ختم ہوجائے گی، دنیا کی کوئی چیز باقی نہیں رہے گی، مال اور اولاد بھی دنیا کی نعمت اور دنیوی رونق کا باعث ہیں، انہیں بھی ایک دن یہیں رہ جانا ہے، البتہ نیک اعمال کا ثواب اور اجر باقی رہنے والا ہے، ان کی وضاحت ایک حدیث مبارک میں کی گئی ہے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: باقیات صالحات کو زیادہ سے زیادہ جمع کیا کرو، عرض کیا گیا کہ وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”سبحان اللہ لا الہ الا اللہ الحمد للہ اللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ“ کہنا، (شعب الایمان: ۵۹۷) اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ کلمہ یعنی ”سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر“ میرے نزدیک ان تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے جن پر سورج کی روشنی پڑتی ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۶۹۵)

بعض مفسرین کرام کے نزدیک ان باقی رہنے والے اعمال میں پانچ وقتی نماز اور دوسرے تمام نیک اعمال بھی شامل ہیں۔ (معارف القرآن)

قیامت کی ہولنا کی

اس کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے قیامت کی ہولناکی اور اس کے چند مناظر بیان فرمائے کہ اس دن پہاڑ چلادیے جائیں گے، اور زمین چٹیل میدان بنادی جائے گی جس سے وہ مکمل طور پر ظاہر ہوجائے گی، اور اللہ رب العزت تمام اوّلین وآخرین کو جمع فرمائیں گے، سب اللہ رَبّ العزّت کے سامنے پیش ہوں گے، اور اس وقت ان کی حالت یہ ہوگی کہ خالی ہاتھ، ننگے پاؤں، ننگے بدن پیدل چلتے ہوئے باری تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گے، اور سب سے پہلے جس کو لباس پہنایا جائے گا، وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہوں گے، حدیث پاک میں ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث بیان فرمائی تو اُمّی عائشہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا سب مرد وعورت ننگے ہوں گے اور ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے؟ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اس روز ہر ایک کو ایسی فکر گھیرے ہوئے ہوگی کہ کسی کو کسی کی طرف دیکھنے کا خیال ہی نہیں آئے گا، سب کی نظریں اوپر اٹھی ہوئی ہوں گی۔ (صحیح بخاری: ۳۳۴۹) پھر اللہ رب العزت ہر ایک کو ان کا نامۂ اعمال پیش فرمائیں گے، جب کفار ومجرمین اس اعمال نامے کو دیکھیں گے تو افسوس کرتے ہوئے کہیں گے کہ اس کتاب نے تو ہمارا کوئی عمل نہیں چھوڑا، ہمارے سارے کرتوت سامنے لاکر رکھ دیے، پھر ہر ایک کو اس کے اعمال کی جزا اور سزا ملے گی اور کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ
وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۝ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۪ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ۝ وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ
زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ۝ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ
مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۝

اِبلیس جنّات میں سے تھا!

ان آیات میں اللہ رب العزت نے نہایت اجمالی طور پر تخلیقِ آدم کے موقع پر شیطان کی عداوت اور بغض کو بیان کرنے کے ساتھ انسان کو اس کی پیروی کرنے سے باز رہنے کی تلقین فرمائی ہے، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ جب ہم نے آدم علیہ السلام کی تخلیق کے موقع پر فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں تو وہ سب سجدہ میں گر پڑے لیکن ابلیس جو کہ جنات میں سے تھا، اس نے بغض وعناد کی وجہ سے سجدہ نہ کیا، اور اپنے رَبّ کے حکم کی نافرمانی کی، اور کھلم کھلا آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد سے دشمنی کا اعلان کردیا، کیا اب بھی تم اسے اور اس کی اولاد کو اپنا دوست سمجھتے ہو اور اللہ رَبّ العزّت

کی فرمانبرداری چھوڑ کر شیطان کی اطاعت کرتے ہو، یہ تو سراسر بے وقوفی اور نری حماقت ہے۔ اس لیے اس کی پیروی چھوڑ کر اللہ رَبُّ العزّت کی طرف لوٹ آؤ، وگرنہ قیامت کے دن تمہارے یہ جھوٹے معبود تمہارے کسی کام نہیں آئیں گے اور تمہیں جہنّم کا عذاب جھیلنا پڑے گا۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِآيَاتِ رَبِّهِ فَأَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ ۚ إِنَّا جَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ
يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۖ وَإِنْ تَدْعُهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ فَلَنْ يَهْتَدُوا إِذًا أَبَدًا ۝ وَرَبُّكَ الْغَفُورُ ذُو الرَّحْمَةِ ۖ لَوْ
يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۚ بَلْ لَهُمْ مَوْعِدٌ لَنْ يَجِدُوا مِنْ دُونِهِ مَوْئِلًا ۝ وَتِلْكَ الْقُرَىٰ
أَهْلَكْنَاهُمْ لَمَّا ظَلَمُوا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَوْعِدًا ۝

سب سے بڑا ظالم کون؟

ان آیات میں اللہ رب العزت نے سب سے بڑے ظالم کی پہچان بیان فرمائی ہے کہ یہ وہ شخص ہے جس کے سامنے اللہ رب العزت کی آیات پڑھ کر اس کو نصیحت کی جائے اور حق کی طرف اسے بلایا جائے، لیکن وہ اس بلاوے کو ٹھکرا کر حق سے منہ موڑ لے، اور اپنے گناہوں کے نتیجہ کو بھول جائے، اور دن رات گناہوں میں غرق رہے جس کی وجہ سے اس کے دل میں حق قبول کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہو جائے اور وہ ہمیشہ کے لیے گمراہی اور ضلالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں پڑا رہ جائے، اس شخص سے زیادہ اپنی جان پر ظلم کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ کیونکہ اس نے اپنے لیے ہمیشہ کی کامیابی کو چھوڑ کر دائمی خسارہ کو قبول کر لیا ہے۔

اور یہ بھی اس رب کا کرم اور احسان ہے کہ ان ظالموں کے اعمال اور معاصی سے باخبر ہونے کے باوجود ان پر عذاب نازل نہیں فرماتا، بلکہ انہیں مہلت اور ڈھیل دیے رکھتا ہے کہ شاید ان کو ہوش آ جائے اور یہ راہِ حق قبول کر لیں تو ان کی مغفرت کر دی جائے، ورنہ ان کے اعمال تو اس قابل ہیں کہ ان پر فوری عذاب نازل ہو جائے اور یہ سب تباہ و برباد ہو جائیں، لیکن قربان جائیں اس کے کرم پر کہ انہیں اپنی نافرمانی کرتے ہوئے دیکھتا بھی ہے اس کے باوجود ان پر اپنی نعمتوں کے دروازے بند نہیں فرماتا۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِفَتَاهُ لَا أَبْرَحُ حَتَّىٰ أَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ أَوْ أَمْضِيَ حُقُبًا ۝ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا
حُوتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ۝ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتَاهُ آتِنَا غَدَاءَنَا لَقَدْ لَقِينَا مِنْ سَفَرِنَا هَٰذَا
نَصَبًا ۝ قَالَ أَرَأَيْتَ إِذْ أَوَيْنَا إِلَى الصَّخْرَةِ فَإِنِّي نَسِيتُ الْحُوتَ وَمَا أَنْسَانِيهُ إِلَّا الشَّيْطَانُ أَنْ أَذْكُرَهُ ۚ
وَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا ۝ قَالَ ذَٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۚ فَارْتَدَّا عَلَىٰ آثَارِهِمَا قَصَصًا ۝ فَوَجَدَا عَبْدًا مِنْ
عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَدُنَّا عِلْمًا ۝ قَالَ لَهُ مُوسَىٰ هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَىٰ أَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا
عُلِّمْتَ رُشْدًا ۝ قَالَ إِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلَىٰ مَا لَمْ تُحِطْ بِهِ خُبْرًا ۝ قَالَ

سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا ۝ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِيْ فَلَا تَسْـَٔلْنِيْ عَنْ شَيْءٍ حَتّٰٓى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ۝

’’فتنۂ علم‘‘ اور اس کا علاج

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے واقعے کا پس منظر

اس واقعے کا پس منظر صحیح بخاری و صحیح مسلم میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل میں خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے، تو لوگوں نے آپ سے یہ سوال کیا کہ تمام انسانوں میں سب سے زیادہ علم والا کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں سب سے زیادہ علم والا ہوں، یہ بات اگرچہ درست تھی کیونکہ نبی اپنے دور میں سب سے زیادہ علم والا ہوتا ہے، لیکن اللہ رب العزت کو آپ کا یہ جملہ پسند نہ آیا کیونکہ ادب کا تقاضا یہ تھا کہ اس کو اللہ رب العزت کے سپرد کرتے اور یوں فرما دیتے کہ اللہ ہی بہتر جانتے ہیں، اس لیے اللہ ربّ العزّت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ ہمارا ایک بندہ مجمع البحرین (وہ مقام جہاں دو دریا ملتے ہوں، ایسے مقامات دنیا میں ایک سے زائد ہیں، قرآن میں چونکہ اس کی تعیین نہیں کی گئی اس لیے متعین طور پر کوئی جگہ ذکر نہیں کی جاسکتی) میں رہتا ہے، اور وہ آپ سے زیادہ علم رکھتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ سنا تو آپ نے سوچا کہ مجھے ان سے استفادہ کرنا چاہیے، اس لیے آپ نے اللہ ربّ العزّت سے دُعا کی مجھے ان کا پتا یا کوئی نشانی بتادیں، اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ ایک مچھلی اپنی زنبیل میں رکھ لو، اور مجمع البحرین کی طرف سفر کرو، جس جگہ یہ مچھلی گم ہوجائے بس وہی جگہ ہمارے اس بندے کے ملنے کی ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم کے مطابق ایک مچھلی زنبیل میں رکھ لی اور مجمع البحرین کی طرف سفر کا آغاز کردیا۔ (معارف القرآن) آگے کا قصہ مندرجہ بالا آیات میں مذکور ہے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مجمع البحرین کی طرف سفر کرنے لگے تو آپ نے اپنے ایک خادم کو بھی اپنے ساتھ لیا، یہ خادم حضرت یوشع بن نون علیہ السلام تھے، مندرجہ بالا آیات میں سے پہلی آیت میں ’’فتی‘‘ سے مراد یہی ہیں، دونوں حضرات نے سفر شروع کیا اور چلتے رہے، دورانِ سفر ایک جگہ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام ستانے کے لیے ایک پتھر کے پاس لیٹ گئے، اور آپ کو نیند آگئی، جبکہ آپ کے خادم حضرت یوشع بن نون جاگ رہے تھے، انہوں نے دیکھا کہ مچھلی اچانک حرکت میں آگئی اور زنبیل سے نکل کر دریا میں چلی گئی، اور جس راستہ سے وہ دریا میں گئی تھی وہاں اللہ ربّ العزّت نے پانی کا بہاؤ روک دیا، اور ایک سرنگ سی بن گئی، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو یوشع بن نون آپ کو یہ بات بتانا بھول گئے، اور اس جگہ سے روانہ ہوگئے، ایک دن ایک رات کا مزید سفر کیا، جب دوسرے روز کی صبح ہوگئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رفیقِ سفر سے کہا کہ ہمارا ناشتہ لاؤ، کیونکہ اس سفر میں کافی تھکاوٹ ہوگئی ہے، اس وقت حضرت یوشع بن نون کو مچھلی کا واقعہ یاد آگیا، تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ساری بات بتادی، اور عذر بھی پیش کردیا کہ مجھے شیطان نے وہ بات بھلا

دی تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ وہی تو ہماری منزلِ مقصود تھی، چنانچہ اسی وقت واپس روانہ ہوئے اور ٹھیک اسی راستہ سے لوٹے جس پر پہلے چلے تھے تاکہ وہ جگہ مل جائے۔

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کی ملاقات

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آپ کا خادم اس پتھر کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ایک شخص سر سے پاؤں تک چادر تانے ہوئے لیٹا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سلام کیا تو حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ اس جنگل میں سلام کہاں سے آگیا، یہاں کے لوگ تو اس سے ناواقف ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ میں موسیٰ ہوں، حضرت خضر علیہ السلام نے دریافت کیا کہ بنی اسرائیل والے موسیٰ؟ آپ نے جواب دیا کہ ہاں، اور میں اس لیے آیا ہوں تاکہ آپ مجھے وہ خاص علم سکھا دیں جو اللہ ربّ العزّت نے آپ کو عطا فرمایا ہے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے جواب دیا کہ آپ میرے ساتھ نہیں ٹھہر سکیں گے، کیونکہ ظاہری طور پر کچھ افعال آپ کو خلافِ شریعت نظر آئیں گے (جبکہ حقیقتاً وہ اللہ ربّ العزّت کا اَمر اور حکم ہوگا) اور آپ چونکہ نبی ہیں اس لیے خلافِ شریعت کاموں پر خاموش نہیں رہیں گے اور مجھ پر اعتراض کریں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اِن شاء اللہ! آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی، اور میں آپ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کروں گا۔ اس پر حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ ٹھیک ہے، لیکن میری ایک شرط ہے کہ جب تک میں خود اپنے کسی عمل کی وجہ بیان نہ کروں، آپ مجھ سے کسی چیز کے بارے میں کچھ نہیں پوچھیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی یہ شرط منظور کر لی اور یوں ان دونوں کا ساتھ شروع ہوگیا۔

کیا حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے؟

قرآن کریم میں یہ واضح نہیں کیا گیا کہ حضرت خضر علیہ السلام پیغمبر تھے یا نہیں؟ لیکن جمہور علمائے کرام کے نزدیک حضرت خضر علیہ السلام نبی تھے، مگر ان کے ذمہ اللہ ربّ العزّت نے کچھ تکوینی اُمور اور تکوینی خدمات لگائی تھیں، اور انہیں انہی کا علم دیا گیا تھا، تشریعی اُمور سے متعلق ان پر وحی نہیں نازل کی گئی۔ (معارف القرآن)

فَانْطَلَقَا ــ حَتّٰٓى اِذَا رَكِبَا فِى السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا ۝
قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا ۝ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِىْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِىْ مِنْ اَمْرِىْ عُسْرًا ۝
فَانْطَلَقَا ــ حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا ۝

حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی توڑ دی!

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام کی شرط مان لی کہ میں آپ سے کسی چیز کے بارے میں تب تک نہیں پوچھوں گا جب تک آپ خود نہ بتا دیں، تو حضرت خضر علیہ السلام نے انہیں اپنے ساتھ رکھنے پر آمادگی ظاہر کر دی، اس

کے بعد یہ دونوں حضرات کسی جگہ روانہ ہوئے، اور راستے میں کشتی پر سوار ہونے کی ضرورت پڑی، چنانچہ دونوں کشتی میں سوار ہو گئے، جب کشتی میں بیٹھ گئے تو حضرت خضر علیہ السلام نے کلہاڑی مار کر کشتی کا ایک تختہ نکال دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ دیکھا تو فوراً بول پڑے کہ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ کیا آپ اس کشتی والوں کو ڈبونا چاہتے ہیں؟ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے آپ کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ آپ میرے ساتھ نہیں ٹھہر سکیں گے، اور میں نے شرط بھی لگائی تھی کہ آپ مجھ سے خود کچھ نہیں پوچھیں گے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوا، اس لیے معذرت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میں بھول گیا تھا، آپ میری بھول چوک درگزر فرما دیجیے، حضرت خضر علیہ السلام نے ان کی غلطی درگزر فرما دی۔

حضرت خضر علیہ السلام نے بچے کو قتل کر دیا!

جب یہ دونوں حضرات کشتی سے اتر کر آگے چلے تو راستہ میں ایک کم سن نابالغ بچہ ملا، حضرت خضر علیہ السلام نے اس بچے کو مار ڈالا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ دیکھا تو گھبرا کر کہنے لگے کہ آپ نے ایک بے گناہ بچے کو قتل کر دیا، یہ تو آپ نے بڑی بے جا حرکت کی، کیونکہ کشتی توڑنے میں تو صرف مال کا نقصان تھا، جبکہ یہاں تو ایک معصوم جان کا قتل کر دیا گیا۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کیسے خاموش رہ سکتے تھے؟ چنانچہ انہوں نے آپ پر اعتراض کر دیا۔

پارہ نمبر ۱۶

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۷۵﴾ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ﴿۷۶﴾ فَانْطَلَقَا ٜ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهْلَ قَرْيَةِ ِۨ اسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴿۷۷﴾ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿۷۸﴾

اجمالی تعارف

سولہواں پارہ، سورۂ کہف کے بقیہ حصے، اس کے بعد سورۂ مریم اور سورۂ طٰہٰ پر مشتمل ہے۔

حضرت موسیٰ وخضر علیہما السلام کا تفصیلی واقعہ

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا قصہ چل رہا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام حصولِ علم کے لیے حضرت خضر علیہ السلام کی معیت میں تھے، اور وہاں اس شرط پر انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ساتھ رکھا کہ جب تک میں خود نہ بتاؤں، آپ میرے کسی بھی کام پر نہیں بولیں گے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام چل پڑے، جب کشتی میں سوار ہوئے تو حضرت خضر علیہ السلام نے سب سے پہلے کشتی توڑی، اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام بول پڑے، پھر معذرت کی، آگے جا کر حضرت خضر علیہ السلام نے بے گناہ بچے کو قتل کر دیا، موسیٰ علیہ السلام پھر بول پڑے، اور فرمایا: ''لَقَدْ جِئْتَ

شیئا نکرا'' آپ نے یہ غیر مناسب کام کیا کہ ایک معصوم بچے کو قتل کر دیا، حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: ''قال الم اقل لک انک لن تستطیع معی صبرا'' کہ میں نے تو تمہیں پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تم میرے علوم کے متحمل نہیں ہوسکو گے، صبر نہیں کرسکو گے، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے معذرت کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے ایک موقع اور دے دیں، اب اگر میں آپ سے کسی چیز کے متعلق سوال کروں تو پھر آپ مجھے اپنے ساتھ نہ لے جایئے، مجھے ساتھی نہ بنایئے، بس اب میرے عذر کی انتہا ہوجائے گی۔ پھر چل پڑے، آگے ایک بستی میں گئے، غالباً یہ انطاکیہ کی بستی تھی (اب یہ جگہ، موجودہ ترکی کا ایک حصہ ہے)، اس بستی کے باسیوں نے ان دونوں نبیوں کو مہمان بنانے سے انکار کر دیا، کسی نے بھی ان کو طلب کے باوجود کھانا نہ دیا، بشری تقاضا ہے بھوک تو لگتی ہے، اس کے بعد ایک جھکی ہوئی دیوار کو دیکھا، اور حضرت خضر علیہ السلام نے ہمت کر کے اس دیوار کو ٹھیک کر دیا۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ انہوں نے اشارہ کیا اور کراماتاً دیوار دُرست ہوگئی۔ موسیٰ علیہ السلام بول پڑے، ارشاد فرمایا: ''لَوْ شِئْتَ لَاتَّخَذْتَ عَلَيْهِ أَجْرًا'' انہوں نے ہمیں کھانا نہیں دیا، آپ نے مفت میں ان کی دیوار بنا دی! بنانی ہی تھی تو ان سے مزدوری لے لیتے! مزدوری میں کھانا ہی لے لیتے! حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: بس! ''هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ'' تم ان علوم کے متحمل نہیں ہو، تمہارا علم شریعت کا ہے، جب کہ یہ علم تکوین کا ہے، تم تشریعیات کے ماہر ہو اور ہم تکوینیات کے ماہر ہیں، تو چونکہ تم ان کے متحمل نہیں ہو، لہٰذا اب تم ہم سے جدا ہوجاؤ گے، البتہ جو تین کام میں نے کیے، ان کے اسباب اور تاویل سنتے جاؤ۔

أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَدتُّ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُم مَّلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ۝ وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِينَا أَن يُرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۝ فَأَرَدْنَا أَن يُبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكَاةً وَأَقْرَبَ رُحْمًا ۝ وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ فِي الْمَدِينَةِ وَكَانَ تَحْتَهُ كَنزٌ لَّهُمَا وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا فَأَرَادَ رَبُّكَ أَن يَبْلُغَا أَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنزَهُمَا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي ۚ ذَٰلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِع عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝

حضرت خضر علیہ السلام کے ہاتھوں وقوع پذیر افعال کی تاویل اور حکمت

الف: کشتی کیوں توڑی؟

''أَمَّا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسَاكِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ فَأَرَدتُّ أَنْ أَعِيبَهَا وَكَانَ وَرَاءَهُم مَّلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا ۝'' میں نے کرایہ نہ لینے والے لوگوں کی کشتی کا تختہ اس لیے توڑا تھا کہ آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر خوبصورت اور بے عیب کشتی چھین لیتا تھا، جب کہ ان غریبوں کو یہ بات معلوم نہ تھی۔ البتہ مجھے چونکہ اللہ نے تکوینیات کا علم دیا ہے، لہٰذا مجھے علم تھا کہ اگر یہ کشتی بے عیب رہی تو چھن جائے گی، اس لیے میں نے کشتی داغدار کر کے غریبوں کی خیر خواہی کی، بدخواہی نہیں کی۔ احسان فراموشی کی بجائے احسان کا بدلہ، احسان سے دیا۔

ب: بچّے کو قتل کرنے کی حکمت کیا تھی؟

"وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۝ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ۝" بچّے کو قتل کرنے کی وجہ یہ ہوئی کہ اس کے ماں باپ نیک تھے اور اللہ کے حکم سے مجھے پتا تھا کہ اس نے بڑے ہو کر کافر بننا ہے، مجھے یہ خطرہ لاحق ہوا کہ بڑا ہو کر یہ اپنے نیک والدین کو تکلیف پہنچائے گا اور بیٹے کی محبت میں اس کے والدین کا ایمان بھی خطرے میں پڑ جائے گا، تو اس کے ماں باپ کی خیر خواہی میں کہ وہ ایمان پر رہیں، میں نے اس بچّے کو قتل کیا، اور ہمارا یہ بھی ارادہ ہوا (یعنی ہم نے اللہ پاک سے دُعا کی۔معارف القرآن) کہ "اَن یبدلھما ربھما خیرا منہ" کہ اس بچّے کے بدلے میں اللہ انہیں بہتر اولاد عطا کر دیں گے، عمدہ اور نیک اولاد عطا فرما دیں گے، اس لیے میں نے بچّے کو قتل کر دیا، چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ اس بچّے کے بعد اللہ نے ان ماں باپ کو ایک بچّی دی، اس بچّی کا نکاح ایک نبی سے ہوا اور وہ بچّی ایک نبی کی ماں بنی، تو دو نبیوں سے اس کی نسبت ہوگئی، اور بعض نے تو فرمایا کہ ستر (۷۰) نبی اس کی نسل سے آئے۔(روح المعانی) تو اللہ کے نبی نے اگر ایک بچّے کو اللہ کے حکم سے قتل کیا، نبی کا معاملہ ہے نا، اور نبی کوئی بھی کام اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف نہیں کرتے تو حضرت خضرؑ کے اس فعل کے پیچھے یقیناً اللہ کا حکم ہوگا، جب نبی نے اللہ کے حکم سے اس بچّے کو قتل کیا تو اللہ نے اس کے بدلے میں انہیں یہ بدلہ دیا۔

ج: دیوار دُرست کرنے کی وجہ؟

"وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِى الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِىْ ۚ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۝" رہا دیوار کا معاملہ سو وہ معاملہ بھی بڑا گہرا اور تکوینی معاملہ تھا، وہ معاملہ یہ تھا کہ مرنے والا نیک آدمی تھا، اللہ کا ولی تھا، فوت ہونے سے پہلے اس نے سونے کی ایک تختی اپنے چھوٹے بچّوں کے لیے جو اس وقت یتیم ہو رہے تھے، اس دیوار کے نیچے دبا دی تھی کہ جب یہ بڑے ہوں گے تو یہ سونے کی تختی اور خزانہ نکالیں گے اور خرچ کریں گے۔ دیوار کی حالت چونکہ خستہ تھی اس لیے میں نے یہ سوچا کہ اگر یہ دیوار خدانخواستہ گر گئی تو کوئی ان بچّوں کا یہ خزانہ اور یہ تختی چُرا نہ لے، اس لیے یتیموں کی خیر خواہی میں ہم نے اس دیوار کو ٹھیک کر دیا۔

بندے کی نیکی کا فائدہ اس کی نسلوں کو بھی ہوتا ہے

اس نیک بندے کی خواہش اللہ تعالیٰ نے یوں پوری کی کہ اپنے نبیوں سے اس دیوار کی درستگی کرا کے حفاظت کا انتظام فرمایا۔ معلوم ہوا کہ بندے کے نیک اعمال کی وجہ سے اللہ پاک اس کی نسل، خاندان اور آس پاس کے مکانات کی بھی حفاظت فرماتے ہیں۔(تفسیر مظہری) نیز نیکی کا اثر نسلوں میں بھی باقی رہتا ہے۔

دیوار کے نیچے کون سا خزانہ تھا؟

کہتے ہیں کہ یہ ایک سونے کی تختی تھی اور اس پر چند چیزیں لکھی تھیں، سب سے پہلے تو اس تختی پر لکھا ہوا تھا ''بسم اللہ الرحمن الرحیم '' اس کے بعد نصیحت کے درج ذیل قیمتی کلمات لکھے تھے:

۱۔ تعجب ہے اس شخص پر جو تقدیر پر ایمان رکھتا ہے پھر بھی غمگین رہتا ہے۔

۲۔ تعجب ہے اس شخص پر جو اللہ کو رزّاق سمجھتا ہے اس کے باوجود ضرورت سے زائد مشقت اٹھاتا ہے اور فضول کوششوں میں لگا رہتا ہے۔

۳۔ تعجب ہے اس شخص پر جو موت پر ایمان رکھتا ہے پھر بھی خوش وخرم رہتا ہے، ٹھٹھہ اور مذاق کرتا ہے۔

۴۔ تعجب ہے اس شخص پر جو قیامت پر ایمان رکھتا ہے پھر بھی غفلت برتتا ہے۔

۵۔ تعجب ہے اس شخص پر جو دنیا کے انقلابات کو جانتا ہے پھر بھی مطمئن رہتا ہے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ اس تختی پر یہ بھی لکھا تھا ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ '' یعنی حضور کی بعثت سے صدیوں پہلے اس تختی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی مہر ثبت تھی۔ (معارف القرآن بحوالہ قرطبی)

یہ سب کام خدائی اَحکامات کے تابع تھے

اس قصے میں حضرت خضر علیہ السلام نے یہ وضاحت بھی فرمادی: ''وَمَا فَعَلۡتُهٗ عَنۡ اَمۡرِیۡ '' کہ یہ سارے کام میں نے اپنی مرضی سے نہیں کیے بلکہ اللہ کے حکم سے کیے، یہی تعبیر ہے ان کاموں کی جن کا آپ تحمل نہ کر سکے۔

کیا حضرت خضر علیہ السلام اب بھی حیات ہیں؟

حضرت خضر علیہ السلام اب بھی حیات ہیں یا نہیں؟ قرآن وسنّت میں اس بارے کوئی صراحت نہیں ہے۔ البتہ بعض روایات وآثار سے ان کی حیات اور بعض سے ان کی وفات بارے اقوال بیان کیے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں بعض حضرات کے کشف بھی منقول ہیں۔ تاہم چونکہ حضرت خضر علیہ السلام کی حیات یا انتقال سے ہمارا کوئی اعتقادی یا عملی مسئلہ متعلق نہیں ہے، اس لیے اس بارے زیادہ بحث کی بھی حاجت نہیں اور نہ ہی کسی ایک جانب کا یقین رکھنا ضروری ہے۔ (مزید تفصیل کے لیے: تفسیر معارف القرآن، جلد: ۵، صفحہ: ۶۲۳ تا ۶۲۶ ملاحظہ فرمائیں)۔

علمِ شریعت وعلمِ تکوین

یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ ایسا علم جسے حاصل کیے بغیر نہ تو اللہ پاک کی مرضی معلوم ہو سکتی ہو اور نہ اس پر عمل کیے بغیر اللہ کا قرب حاصل ہو سکتا ہو، اسے علمِ شریعت کہتے ہیں۔ انبیائے کرامؑ اسی علم کو پہنچانے کے لیے مبعوث ہوئے ہیں اور اس پر آخرت کی کامیابی کا مدار ہے۔

جب کہ دوسری طرف اس دنیا میں ہونے والے واقعات وحوادث کے پیچھے کارفرما وجوہات اور اسباب جاننے کا تعلق "علم تکوین" سے ہے۔ اس علم کے احکامات کا عوام سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کی تلاش کے درپے رہنے سے روحانی ترقی یا آخرت کی نجات موقوف ہے۔

ان تکوینی خدمات کے لیے عموماً فرشتے مقرر ہیں تاہم اللہ پاک نے انبیائے کرام میں سے بعض کو اس خدمت کے لیے متعین فرمایا ہے جن میں سے حضرت خضر بھی شامل ہیں۔ اور چونکہ حضرت خضر ان کاموں کو انجام دینے پر مامور تھے، اس لیے انہوں نے یہ کام کیے، لیکن اس کی وجہ سے نہ تو علم تکوینی کو علم شریعت پر فوقیت دی جا سکتی ہے اور نہ ہی کسی شخص کو باطنی مصلحت کی وجہ سے شریعت کے ظاہری احکام کی خلاف ورزی کی اجازت دی جا سکتی ہے۔

ایک مغالطہ

بعض نام نہاد صوفی اس واقعے سے استدلال کر کے "علم ظاہر" اور "علم باطن" کا فرق کرتے ہیں اور اپنی خرافات اور خلافِ شریعت افعال کو "علم باطن" کا نام دے کر خدائی احکامات کی صریح خلاف ورزی کرتے اور عوام کو گمراہ کرتے ہیں۔

یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے کہ علم تکوین اور علم باطن میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

علم تکوین: اس کائنات کے اندر پیش آنے والے واقعات کے حقیقی اسباب کا علم، علم تکوین ہے۔

علم باطن: نفسانی اخلاق کی اصلاح اور باطنی گندگیوں (مثلاً تکبر، حسد، حُبِ جاہ، حُبِ مال وغیرہ) کو دور کر کے اپنے ظاہر کو شرعی احکامات سے آراستہ کرنے کا نام "علمِ باطن" ہے۔ اور یہ کسی طور پر بھی شرعی احکامات کے خلاف نہیں۔

لہٰذا اگر کوئی شخص، بزرگی اور تصوف کے لبادے میں خدائی احکامات کو توڑتا پھرے اور "علم باطن" کا دعویٰ کر کے اپنی بدعملی پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرے تو ایسے نام نہاد ملنگ کو "حزب الشیطان" تو کہا جا سکتا ہے "حزب اللہ" اور "اولیاء اللہ" میں سے ہرگز نہیں سمجھا جا سکتا۔

فرقۂ باطنیہ

تاریخِ اسلام میں ایک فرقہ گزرا ہے، جسے "باطنیہ" اور "فاطمیہ" کہا جاتا ہے۔ یہ فرقہ بھی علمِ ظاہر اور باطن کا فرق بیان کرتا تھا۔ اس فرقے نے پوری شدت سے یہ دعویٰ کیا کہ ہر لفظ کے دو معنی اور مطلب ہوتے ہیں۔

ایک ظاہری مطلب جو صرف عوام کو سمجھ آتا ہے اور دوسرا حقیقی اور باطنی معنی جو صرف اہل اسرار اور عقلاء کو سمجھ آسکتا ہے۔

اسی طرح قرآن وحدیث کے بھی کچھ ظواہر ہیں اور کچھ حقائق ہیں۔ جو شخص صرف ظاہری معنی میں گرفتار ہے، صرف وہی شریعت کی پابندیوں میں جکڑا ہوا ہے۔ جس کی رسائی اصل حقائق تک ہو جاتی ہے، وہ شریعت کی ظاہری پابندیوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔

ان کی تحقیقات کے چند "نادر" نمونے!

اس ضابطے کو بنیاد بنا کر اس فرقے نے قرآن وسنت کی ایسی من مانی "باطنی" تشریح کی کہ الامان والحفیظ! مثلاً "جنابت" سے مراد راز افشاء کر دینا ہے۔ "غسل" سے مراد تجدید عہد ہے۔ "طوفانِ نوح" سے مراد علم کا طوفان ہے، جس میں اہلِ شہادت غرق کیے گئے۔ "کعبہ" خود نبی کی ذات ہے۔ "جہنّم" علم ظاہر، اور "جنّت" علمِ باطن کا نام ہے۔ "طہارت" سے مراد مذہبِ باطنیہ کے علاوہ ہر مذہب سے براءت۔ "صلوٰۃ" سے مراد امامِ وقت کی طرف دعوت۔ "آتشِ نمرود" سے مراد نمرود کا غصہ ہے۔ "یاجوج ماجوج" سے مراد اہلِ ظاہر ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

بعد کی صدیوں میں جن فرقوں نے بھی نبوّتِ محمدی کے خلاف بغاوت کرنا چاہی، انہوں نے باطنیت کے اسی حربہ کا سہارا لیا اور پورے اسلامی نظام کو مشکوک اور مجروح بنا دیا۔ ایران کی "بہائیت" اور ہندوستانی "قادیانیت" اس کی بہترین مثالیں ہیں۔ (تاریخِ دعوت وعزیمت: ۱/ ۱۲۵ تا ۱۲۸)

مذکورہ واقعے کی حکمتیں

حضرت موسیٰ وخضر علیہما السلام کے اس واقعے کو بیان کرنے میں درجِ ذیل حکمتیں ممکن ہیں:

۱۔ مشرکینِ مکہ چونکہ علمِ دین کے حصول کے لیے غریب اور مسکین صحابہؓ کے ساتھ بیٹھنے کو عار سمجھتے تھے، اس واقعے سے انہیں تنبیہ کی گئی ہے کہ مقربینِ خدا تعالیٰ، حصولِ علم کے لیے کس قدر مشقت وتکالیف کا تحمل کرتے رہے ہیں۔ لہٰذا حصولِ علم میں عار ہرگز محسوس نہیں کرنی چاہیے۔

۲۔ یہ درس بھی مقصود ہے کہ علم کے دو چار اَبواب پڑھ لینے، یا چند دُنیوی معلومات کے حصول سے اپنے آپ کو کامل نہیں سمجھنا چاہیے۔ ہر ظاہر کے پس پردہ بہت سے حقائق ہیں۔ اللہ پاک کے علم کے وسعت ہی ان حقائق کا ادراک کر سکتی ہے۔ نیز دُنیا میں اہلِ حق کے ساتھ جو فقر، فاقہ اور مظلومیت کے احوال ہیں، یہ صرف ظاہر ہیں۔ ان کے پس پردہ حقائق، ثمرات اور اثرات کا ایک جہاں ہے جو نظروں سے اوجھل ہے۔ اس لیے ان ظاہری مشکلات سے مایوس ہونے کے بجائے ان کے نسلوں تک جاری بہترین نتائج کو پیشِ نظر رکھا جائے۔ (تبیان الفرقان ملخصا)

وَيَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنۡ ذِى الۡقَرۡنَيۡنِ‌ؕ قُلۡ سَاَتۡلُوۡا عَلَيۡكُمۡ مِّنۡهُ ذِكۡرًا ؕ﴿۸۳﴾ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِى الۡاَرۡضِ وَاٰتَيۡنٰهُ مِنۡ كُلِّ شَىۡءٍ سَبَبًا ۙ﴿۸۴﴾ فَاَتۡبَعَ سَبَبًا ﴿۸۵﴾

آپ سے پوچھتے ہیں ذوالقرنین کے بارے میں، آپ فرما دیجیے کہ میں پڑھ کر تمہیں سناتا ہوں کہ ذوالقرنین کا کیا قصہ تھا۔

''ذُوالقرنین'' کا واقعہ

مشرکینِ مکہ نے تین سوالات کیے تھے: ۱۔رُوح کیا ہے؟ ۲۔اَصحابِ کہف کا کیا قصہ ہے؟ ۳۔ذوالقرنین کا کیا قصہ ہے؟ اور وہ کون سا بادشاہ تھا جس نے پوری رُوئے ارض کا سفر کیا تھا؟

''رُوح'' والے سوال کا جواب سورۂ بنی اسرائیل میں دیا گیا۔ پھر ''اَصحابِ کہف'' کا واقعہ اسی سورت میں مذکورہ ہوا، اور اب آخر میں ''ذُوالقرنین'' کا قصہ بیان کیا جارہا ہے۔

''ذُوالقرنین'' کا مختصر تعارف

ذوالقرنین ایک نیک اور صالح بادشاہ تھے، قرنین، ''قرن'' کا تثنیہ ہے، قرن کا ایک معنیٰ ''سینگ'' آتا ہے، یا تو ان کو ذوالقرنین اس لیے کہتے تھے کہ ان کی دو زلفیں تھیں، یا اس لیے کہتے تھے کہ قرن کا ایک معنیٰ ہے ''کونہ'' تو انہوں نے زمین کے دو کونوں کا سفر کیا، مشرق کا بھی سفر کیا اور مغرب کا بھی سفر کیا۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ابتدا میں ان کی دو سلطنتیں تھیں، ایک کُردستان اور ایک عراق کی طرف۔ ذوالقرنین نے ان دونوں کے درمیانی علاقوں کو فتح کر کے اپنی سلطنتوں کو ایک کر دیا۔ واللہ اعلم!

ذُوالقرنین کا زمانہ

کہتے ہیں کہ ذوالقرنین جن کا یہاں قرآن میں ذکر ہے، یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہم عصر ہیں، اب اندازہ لگا لیں کتنے ہزار سال پہلے کی بات ہے، اور حضرت خضر علیہ السلام ان کے وزیر تھے۔ یہ نیک دل اور صالح بادشاہ تھے۔

چار عظیم بادشاہ

بعض تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ روئے ارض پر چار بادشاہ ایسے گزرے ہیں جنہیں عالمگیر حکومت ملی، پوری دنیا پر انہوں نے حکومت کی، ان میں سے دو مومن تھے اور دو کافر، جو دو مومن تھے ان میں ایک یہ ذوالقرنین اور دوسرے حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں، اور جو دو کافر تھے ان میں سے ایک نمرود اور دوسرا بخت نصر تھا۔

کیا سکندرِ اعظم "Alexander the Great" ہی ذُوالقرنین ہے؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً ساڑھے تین صدیاں پہلے ایک شخص گزرا ہے جسے سکندر یونانی، سکندر رومی اور سکندر مقدونی وغیرہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مشہور یونانی فلسفی ''ارسطو'' اس کا استاد بھی تھا اور وزیر بھی۔

بعض لوگوں نے اسے قرآنی ذوالقرنین سمجھ لیا ہے جو سراسر غلط ہے۔ سکندر یونانی ایک آتش پرست اور مشرک شخص تھا جب کہ حضرت ذوالقرنین بالاتفاق نیک صالح اور مومن تھے۔ بعض روایات میں ہے کہ ذوالقرنین نے حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ حج بھی کیا تھا۔ (تفصیل کے لیے معارف القرآن جلد ۵ ملاحظہ فرمائیے)۔

بہرکیف! حضرت ذوالقرنین کو اللہ تعالیٰ نے معجزاتی طور پر، کراماتی طور پر ہر طرح کے مال و اسباب سے نوازا تھا، اس زمانے میں انہیں ہر طرح کے وسائل میسر تھے، اور قصے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید ان کو اللہ نے کوئی ٹیکنالوجی بھی عطا کی تھی، کیونکہ ان کے بڑے بڑے کام ہیں، ذرائع سفر بھی انہیں میسر تھے، کیوں کہ انہوں نے روئے ارض کا سفر کیا۔

حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَغۡرِبَ الشَّمۡسِ وَجَدَهَا تَغۡرُبُ فِىۡ عَيۡنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنۡدَهَا قَوۡمًا ؕ قُلۡنَا يٰذَا الۡقَرۡنَيۡنِ اِمَّاۤ اَنۡ تُعَذِّبَ وَاِمَّاۤ اَنۡ تَتَّخِذَ فِيۡهِمۡ حُسۡنًا ۞ قَالَ اَمَّا مَنۡ ظَلَمَ فَسَوۡفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكۡرًا ۞ وَاَمَّا مَنۡ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالۡحُسۡنٰى‌ ۚ وَسَنَقُوۡلُ لَهٗ مِنۡ اَمۡرِنَا يُسۡرًا ۞

تین عظیم سفر

ذوالقرنین نے تین سفر کیے، پہلا سفر مغرب کی طرف تھا، دوسرا سفر مشرق کی جانب تھا، جب کہ تیسرے سفر کی جہت اگرچہ قرآن نے بیان نہیں فرمائی تاہم آبادی چونکہ شمال کی طرف زیادہ ہے، اس لیے بھی اور تاریخی شہادتوں کی وجہ سے بھی مفسرین کے نزدیک یہ سفر شمال کی طرف ہوا تھا۔ واللہ اعلم!

پہلا سفر: مغربی سمت

پوری زمین کے حکمران تھے تو خیال آیا کہ چل کے دیکھیں تو سہی اپنی سلطنت کو کہ ہماری سلطنت میں لوگ کس طرح زندگی گزار رہے ہیں، سلطنت کیسی ہے؟ مغرب کی طرف چلتے گئے، چلتے گئے، یہاں تک کہ آبادی کے آخری حصے تک جا پہنچے، وہاں تک پہنچے کہ سامنے یوں لگ رہا تھا کہ سورج کیچڑ میں غروب ہو رہا ہے، جیسے آپ سمندر میں سفر کریں تو یوں لگتا ہے جیسے سورج سمندر سے طلوع ہو رہا ہے، اور سمندر میں غروب ہو رہا ہے، تو چونکہ وہ زمین کا آخری کونہ تھا، اس کے آگے کیچڑ تھا اور پھر سمندر تھا، اسی لیے یوں لگا کہ سورج کیچڑ میں غروب ہو رہا ہے۔

یہاں ایک قوم آباد تھی جو کافر تھی، اس قوم کے بارے میں اللہ پاک نے ذوالقرنین کو یہ اختیار دیا کہ: ”قُلۡنَا يٰذَا الۡقَرۡنَيۡنِ اِمَّاۤ اَنۡ تُعَذِّبَ وَاِمَّاۤ اَنۡ تَتَّخِذَ فِيۡهِمۡ حُسۡنًا ۞“ یعنی یا تو انہیں ان کے کفر پر سزا دیں یا پھر احسان کا معاملہ فرمائیں۔

حضرت ذوالقرنین نے ان کے ساتھ احسان کا معاملہ کیا اور فرمایا: ”قَالَ اَمَّا مَنۡ ظَلَمَ فَسَوۡفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكۡرًا ۞ وَاَمَّا مَنۡ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالۡحُسۡنٰى‌ ۚ وَسَنَقُوۡلُ لَهٗ مِنۡ اَمۡرِنَا يُسۡرًا ۞“ ہم پہلے انہیں ایمان کی دعوت دیں گے۔ اگر ایمان لائیں گے تو ان کے ساتھ اچھائی کریں گے اور اگر کفر پر جمے رہے انہیں سزا دی جائے گی، جو ظلم کرے گا، کفر کرے گا اس کے لیے سخت عذاب، اور جو ایمان لائے گا اس کے لیے اچھی جزا۔

ثُمَّ اَتۡبَعَ سَبَبًا ۞ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطۡلِعَ الشَّمۡسِ وَجَدَهَا تَطۡلُعُ عَلٰى قَوۡمٍ لَّمۡ نَجۡعَلْ لَّهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهَا سِتۡرًا ۞ كَذٰلِكَ ؕ وَقَدۡ اَحَطۡنَا بِمَا لَدَيۡهِ خُبۡرًا ۞

دوسرا سفر: مشرقی سمت

پھر ذوالقرنین نے مال واسباب ساتھ لیا اور مشرق کی طرف سفر شروع کیا، جب مشرق کی طرف بالکل آخری کنارے پر پہنچے تو وہاں ایک ایسی قوم ملی جو بالکل بے پردہ تھی، اب بعض نے اس کا معنی یہ لیا ہے کہ ان کے گھر نہیں تھے، بلکہ وہ جنگلوں میں کھلے آسمان تلے رہتے تھے، وحشی قسم کے لوگ تھے، اور بعض نے معنی کیا کہ وہ بے لباس تھے، ستر پوشی کا اہتمام نہیں کرتے تھے، کپڑے نہیں پہنتے تھے، چیتھڑوں سے ستر کو ڈھانپا تو ڈھانپ لیا، نہ ڈھانپا تو نہ ڈھانپا، اس قوم سے ذوالقرنین نے کیا معاملہ کیا؟ قرآن نے اس کا ذکر نہیں کیا، بظاہر جو مغرب میں بسنے والی قوم سے کیا تھا وہی ان سے بھی کیا ہوگا (کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ یہ دونوں قومیں کافر تھیں)۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۝ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ۝ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ۝ قَالَ مَا مَكَّنِّىْ فِيْهِ رَبِّىْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِىْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا ۝ اٰتُوْنِىْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انْفُخُوْا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِىْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ۝ فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ۝ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّىْ ۚ فَاِذَا جَاۗءَ وَعْدُ رَبِّىْ جَعَلَهٗ دَكَّاۗءَ ۚ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّىْ حَقًّا ۝ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ۝ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَىِٕذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضَا ۝ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَاۗءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا ۝

تیسرا سفر: شمالی سمت

پھر سامانِ سفر ساتھ لیا اور سفر شروع کر دیا، اب یہ سفر کس جانب تھا، قرآن نے اس کا ذکر نہیں کیا، لیکن مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ سفر شمال کی جانب تھا، ”حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ۝“ سفر کرتے کرتے دو پہاڑوں کے درمیان ایک ایسے مقام تک پہنچے، جہاں ایسی قوم آباد تھی جو نہ صرف زبان نہیں سمجھتی تھی بلکہ وحشیانہ زندگی گزارنے کی وجہ سے سمجھ بوجھ سے بھی عاری تھی۔

قوم کی عاجزانہ درخواست اور حضرت ذُوالقرنین کی رحم دلی

بہر کیف! شاید کسی مترجم کے ذریعے اس قوم نے حضرت ذوالقرنین سے ایک درخواست کی: ”قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا ۝“ یہاں (گھاٹی کے دوسری طرف) ایک قوم رہتی ہے جسے یاجوج ماجوج کہتے ہیں، وہ اس سرزمین میں فساد کرتی ہے، ہم آپ کو پیسے دیتے ہیں،

خدا کے لیے آپ ان کے اور ہمارے درمیان کوئی آڑ اور رکاوٹ بنا دیجیے، کیونکہ یہ آ کر ہمارے کھیتوں کو، ہمارے سامانِ خورد ونوش کو اور ہمارے پانیوں کو چاٹ جاتے ہیں، انہوں نے ہماری ناک میں دم کر رکھا ہے، آپ ان کو دوسری طرف بند کر دیں۔

"قَالَ مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا" حضرت ذوالقرنین نے ان سے فرمایا کہ مجھے اللہ نے بہت کچھ دے رکھا ہے، مجھے تمہارے پیسوں کی ضرورت نہیں ہے، لیکن تمہیں افرادی قوت دینی ہوگی! وہ اس کے لیے تیار ہو گئے۔

محیر العقول کارنامہ

قابلِ غور بات ہے کہ آج سے تقریباً چار ہزار سال پہلے کیا کمال انجینئرنگ دکھائی حضرت ذوالقرنین نے! یہ قوم جہاں رہتی تھی وہاں دو پہاڑوں کے بیچ میں ایک درہ تھا، پہاڑ بہت اونچے تھے، پہاڑوں کو پاٹ کر یہ آ نہیں سکتے تھے، دَرّے سے آتے تھے، تو اب ان کو اس پار روکنے کے لیے یہ انجینئرنگ اختیار کی گئی کہ اس پہاڑی دَرّے کو بند کر دیا جائے، اب درّے کو کیسے بند کیا جائے، اتنا بڑا درّہ ہے، تو حضرت ذوالقرنین نے ان سے فرمایا: "آتُونِي زُبَرَ الْحَدِيدِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا سَاوَىٰ بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انفُخُوا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَعَلَهُ نَارًا قَالَ آتُونِي أُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا" میرے پاس لوہے کے تختے لے آؤ، وہ تختے لے آئے، پھر اس پورے درّے پر لوہے کے تختے بچھا دیے اور درّہ بند کرنے کے لیے اینٹ پتھر کی جگہ لوہے کی ان چادروں کا استعمال کیا گیا۔ پھر فرمایا کہ اس پر آگ جلا دو، آگ جلائی گئی اور ان تختوں کو اتنا گرم کیا گیا کہ وہ تپ کر آگ کی طرح سرخ ہو گئے، اب فرمایا کہ تانبا لے آؤ، تانبا لایا گیا، اس کو پگھلا کر ان تختوں پر ڈال دیا، تو یہ تانبا، ان لوہے کے تختوں کے درمیانی خلا اور سوراخوں میں جم گیا اور ان کو مضبوط جوڑ دیا، یوں ایک بہت مضبوط دیوار قائم ہو گئی جسے "سدِّ ذوالقرنین" کہا جاتا ہے۔

دیوار کی تکمیل پر حضرت ذوالقرنین نے فرمایا کہ اس دیوار کو یاجوج ماجوج نہیں توڑ سکیں گے "فَمَا اسْطَاعُوا أَن يَظْهَرُوهُ وَمَا اسْتَطَاعُوا لَهُ نَقْبًا" نہ اس کو پار کر سکیں گے اور نہ اس میں سوراخ کر سکیں گے، "قَالَ هَٰذَا رَحْمَةٌ مِّن رَّبِّي ۖ فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ رَبِّي جَعَلَهُ دَكَّاءَ ۖ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّي حَقًّا" فرمایا یہ میرے رَبّ کی رحمت ہے، میرے رَبّ کی عطا ہے، لیکن ایک وقت آئے گا جب یہ دیوار ریزہ ریزہ ہو جائے گی اور میرے رَبّ کا وعدہ پورا ہوگا۔

"یاجوج ماجوج" کون ہیں؟

یاجوج ماجوج کے بارے میں اتنی بات طے ہے کہ یہ عام انسانوں کی طرح انسان ہیں۔ جمہور محدثین ومؤرخین کے نزدیک یہ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے "یافث" کی اولاد میں سے خونخوار اور جنگجو قبائل ہیں۔ (معارف القرآن)

بعض مفسرین نے دُنیا کی بعض جنگجو قوموں کو اسی نسل میں سے بھی قرار دیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ محض تخمینہ ہے۔ حتمی علم اللہ پاک کو حاصل ہے۔ اس لیے کسی خاص قوم کو اس کا یقینی مصداق قرار دینا مشکل ہے۔

ان کی تعداد کتنی ہے؟

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کے دس حصے کیے۔ ان میں سے نو حصے یاجوج ماجوج کے ہیں اور باقی ایک حصے میں باقی ساری دنیا کے انسان ہیں۔'' (مستدرک حاکم بحوالہ معارف القرآن جلد: ۵ صفحہ: ۶۴۳) اس سے معلوم ہوا کہ یاجوج ماجوج کی تعداد ساری نسلِ انسانی سے بہت ہی زیادہ ہے۔ (ان کے بارے میں تفصیلی کلام کے لیے تفسیر معارف القرآن جلد ۵، صفحہ ۶۳۸ تا ۶۴۸ ملاحظہ فرمائیں)

''یاجوج ماجوج'' کب نکلیں گے؟

اس کے بارے میں یہ جان لیں کہ قُربِ قیامت کی علامات میں سے ایک علامت، یاجوج ماجوج کا خروج ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ سے انہیں اس درّے کے پیچھے تک محدود کر رکھا ہے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور دجال کے قتل ہوجانے کے بعد نکلے گی۔

مسندِ احمد، سنن ابن ماجہ اور جامع ترمذی میں ہے کہ یاجوج ماجوج ہر روز اس دیوار کو کھودتے رہتے ہیں، قریب ہوتا ہے کہ یہ آہنی دیوار ختم ہوجائے لیکن یہ لوگ یہ کہہ کر واپس چلے جاتے ہیں کہ اس بقیہ حصہ کو کل ختم کردیں گے، صبح جب واپس آتے ہیں تو منجانب اللہ یہ دیوار پھر سے ویسے ہی ٹھیک اور مضبوط بنی ہوئی ہوتی ہے۔ درندگی کا یہ سلسلہ تب تک چلتا رہے گا جب تک اللہ پاک کی منشا ان کو بند رکھنے کی ہوگی۔ اللہ پاک نے ان کے ذہنوں کو اس طرف متوجہ ہی نہیں ہونے دیا کہ یہ دِن رات، اس دیوار کی کھدائی کرتے رہیں یا نکلنے کا کوئی اور راستہ تلاش کریں۔

جب اللہ تعالیٰ ان کو کھولنے کا ارادہ فرمائیں گے (یہ کب ہوگا؟ قُربِ قیامت میں یا اس سے پہلے؟ کوئی صراحت نہیں ہے۔ تاہم اتنی بات واضح ہے کہ ان کا عالمگیر حملہ، نزولِ عیسیٰ کے بعد ہی ہوگا) تو اُس دن شام کو واپس جاتے ہوئے یہ کہیں گے کہ ''ان شاء اللہ! کل ہم اس دیوار کو پار کرلیں گے۔'' تو اگلے دن وہ اس دیوار کو اسی حالت میں پائیں گے جیسا وہ چھوڑ گئے تھے، اُس دن دیوار درست نہیں ہوگی۔ یاجوج ماجوج دیوار توڑ دیں گے اور باہر نکل آئیں گے، اور اتنی تعداد میں ہوں گے کہ پوری روئے ارض پر چیونٹیوں کی طرح پھیل جائیں گے، وسائل ختم کردیں گے، پانی کی ندیوں کی ندیاں خالی کردیں گے، ان کی قتل وغارت گری کا کوئی مقابلہ نہ کرسکے گا۔ لوگ اپنی جان بچانے کے لیے محفوظ قلعوں اور پناہ گاہوں میں چھپ جائیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اپنے ساتھیوں کو لے کر اللہ کے حکم سے کوہِ طور پر چڑھ جائیں گے۔ بالآخر اہل ایمان اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے لیے بددعا کریں گے، ان کی بددعا سے ان کو کوئی وبائی بیماری لاحق ہوگی جس سے یہ سب کے سب مرجائیں گے، زمین پر ایک بالشت برابر بھی جگہ ان کی لاشوں سے خالی نہ ہوگی۔ پھر اللہ پاک، اونٹ کی گردنوں جیسی گردن والے بڑے بڑے پرندے بھیجیں گے جو اِن کو اٹھا کر لے جائے گی، پھر خوب بارش ہوگی جس سے

پوری زمین ڈھل کر بالکل صاف ہوجائے گی، پھر اللہ کی طرف سے برکتوں کا نزول ہوگا، انار اتنا بڑا ہوگا کہ لوگ اس کے چھلکے کو چھتری کے طور پر استعمال کریں گے۔ ایک انار ایک جماعت کے لیے کافی ہوجائے گا، ایک بکری کے دودھ سے ایک گھرانہ سیر ہوجائے گا، اتنی زیادہ برکت ہوگی۔(مسلم شریف بحوالہ معارف القرآن)

سدِّ ذُوالقرنین

حضرت ذوالقرنین کی تعمیر کردہ یہ دیوار کہاں ہے؟ اور یاجوج ماجوج کون سی قوم ہے؟ اس بارے جاننا نہ تو ضروری ہے اور نہ ہی قرآنی آیات کا سمجھنا اس پر موقوف ہے۔ مختلف حضرات نے اپنی اپنی تحقیقات بیان کی ہیں جو صرف اندازے ہی ہیں۔ یقینی علم اللہ پاک کو ہے۔

اِعتراض

بعض لوگ ٹیکنالوجی کے بل بوتے پر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم نے ساری دنیا چھان ماری ہے، ایسی کوئی دیوار موجود ہی نہیں ہے۔ اگر ہوتی تو اب تک مخفی نہ رہتی۔

جواب

اس کے دو جواب ہیں:

۱۔ سائنسی معراج کے باوجود دنیا کی بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو اب تک دریافت نہیں ہوئی، اور بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو اَب بھی دریافت ہورہی ہیں آج بھی بہت سے جنگل، جزیرے ایسے ہیں جن کی حقیقتوں کا علم نہیں ہوسکا ہے۔ آسٹریلیا کے سمندر میں ایک دیوار ہے جو تقریباً بارہ سو میل لمبی اور ایک ہزار ہاتھ چوڑی ہے وہ ابھی سو، ڈیڑھ سو سال پہلے دریافت ہوئی، ابھی بھی ایک جزیرہ ایسا ہے (امریکی ریاست فلوریڈا کے قریب، اسے "برمودا ٹرائی اینگل" یعنی مثلث تکون کہا جاتا ہے) جہاں کوئی بھی چیز جائے تو وہ گم ہوجاتی ہے، اس علاقے میں کئی ہوائی اور بحری جہاز گم ہوگئے ہیں، پچھلے سالوں میں ملائشیا کا ایک جہاز گم ہوا تھا، جس پر ایک تجزیہ یہی تھا کہ وہ اس جزیرے میں چلا گیا ہے، ابھی تک نہیں ملا، یہ جزیرہ ابھی تک ایک راز ہے۔ کسی کو یقینی علم نہیں کہ وہاں کیا ہے؟ کہتے ہیں کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دجال وہاں ہو، کیونکہ دجال کسی جزیرے میں چھپا بیٹھا ہے۔ بہرحال! ٹیکنالوجی کے بل بوتے پر یہ دعویٰ کرنا درست نہیں۔ ابھی بھی کائنات میں بہت سے سربستہ راز موجود ہیں۔

۲۔ یہ دیوار چونکہ دو پہاڑوں کے برابر بنائی گئی تھی، اس لیے یہ بھی ممکن ہے کہ پہاڑوں کے باہم مل جانے کی وجہ سے اب یہ دیوار بھی ایک پہاڑ ہی کی صورت اختیار کرچکی ہو، یہ عین ممکن ہے۔

بہر حال! اتنی بات یقینی ہے کہ وہ دیوار بنائی گئی تھی۔ باقی وہ دیوار تا قیامت باقی رہے گی یا نہیں؟ اس بارے کوئی نصِ قطعی موجود نہیں ہے۔ دونوں طرف احتمالات موجود ہیں۔ ہمارا یہ ایمان ہے کہ یاجوج ماجوج نکلیں گے اور ان کا یہ انجام ہوگا۔ ان کا قصہ یہاں تمام ہوا۔

اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ۭ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ۝ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝

”سلطنت کا فتنہ“ اور اس کا علاج

سورت کے آخری رکوع میں سلطنت کے فتنے کا علاج، فکرِ آخرت اور اخلاص کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔

گزشتہ سے پیوستہ

گزشتہ رکوع میں اللہ تعالیٰ کے وعدۂ قیامت کا ذکر تھا، اسی مناسبت سے اس رکوع میں قیامت کے کچھ احوال بیان فرمائے جا رہے ہیں۔

”اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ“ کفار و مشرکین نے دُنیا میں مشکلات کے حل کے لیے مختلف کارساز، مددگار اور مشکل کُشا بنا رکھے ہیں۔ روزِ محشر جب مشکل حالات درپیش ہوں گے تو ان کے سارے مزعومہ معبود اور خدا بے کار ثابت ہوں گے۔ ابھی ان کی آنکھوں پر پردہ ہے۔ یہ غیر اللہ کو اپنا معبود سمجھتے ہیں جب کہ یہ ان کے ذرّہ بھر بھی کام نہ آسکیں گے۔ ”اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ۝“ ان کے لیے جہنم کی مہمانی تیار ہوگی۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ۝

سب ٹھاٹھ پڑا رہ جائے گا!

اس کے بعد خسارہ اور نفع مند طبقات کا بیان فرمایا کہ سب سے زیادہ خسارے میں وہ لوگ ہوں گے جن کی تمام محنت و کاوش دُنیا کی زندگی میں ہی ضائع ہوگئی اور وہ سمجھتے رہے کہ دولت، شہرت، منصب اور ڈگریوں کے بل بوتے پر وہ کامیاب ہیں۔ یہ تو آخرت میں معلوم ہوگا کہ یہ ساری کاوشیں برباد ہوگئیں۔

اصحابِ اقتدار کو بھی ان آیات کی روشنی میں اپنی آخرت کی طرف توجہ کرنی چاہیے اور اپنے فیصلوں میں آخرت کو ضرور بالضرور مدِ نظر رکھنا چاہیے۔ ان شاء اللہ! اس فتنے سے بچ جائیں گے۔

أُولَٰٓئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا۝ ذٰلِكَ
جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوٓا اٰيٰتِىْ وَرُسُلِىْ هُزُوًا۝

رحمتِ خداوندی سے محروم لوگ

یہ لوگ کفار ہوں گے۔ان کے اعمال کا رتی برابر بھی وزن نہ ہوگا۔اعمال کے ترازو میں ان کے اعمال بے وزن ہوں گے، کیونکہ اعمال میں وزن تبھی آئے گا جب ایمان ہوگا۔ایسے لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا۝ خٰلِدِينَ فِيهَا لَا يَبْغُونَ
عَنْهَا حِوَلًا۝

اللہ کے مہمان

دوسری طرف جو اہلِ ایمان ہوں گے،ان کی محنت وکاوش اور اعمالِ صالحہ انہیں نفع دیں گے اور وہ کامیاب ہوکر جنّت کے محلات میں ہوں گے۔

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّىْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ أَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّىْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا۝

کلماتِ خداوندی کی وسعت پر عجیب مثال

آخر میں توحیدِ خداوندی اور رسالتِ نبوی کو بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کمالات پر مبنی کلمات کو اگر تحریر میں لایا جائے تو اس کے لیے اگر تمام سمندروں کو سیاہی اور تمام درختوں کو کاٹ کر قلمیں بنالی جائیں تب بھی اللہ پاک کے کلماتِ کمالات ختم نہیں ہوں گے۔

قُلْ إِنَّمَآ أَنَا۠ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰٓى إِلَىَّ أَنَّمَآ إِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا
وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ أَحَدًا۝

دلیلِ نبوّت

سورت کے آخر میں فرمایا:" قُلْ إِنَّمَآ أَنَا۠ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ......الخ " یعنی یہ سارے واقعات میری نبوّت کی دلیل ہیں، میں تمہارے منہ مانگے مطالبات پورے نہیں کرسکتا کیونکہ میں تمہاری طرح ایک بشر ہوں،تمہارا ہم جنس ہوں۔تم بھی انسان ہو اور میں بھی انسان ہوں۔ہاں! تمہارے اور میرے درمیان نبوّت اور وحی کا فرق ہے۔

پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا مطلب

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے کا یہ معنی ہرگز نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عام انسانوں کی طرح مقام و مرتبہ رکھتے ہیں، حاشاوکلاّ! ہرگز نہیں! عام انسانوں اور آپ میں فرق "يُوحٰٓى إِلَىَّ" سے کردیا گیا جس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ صلی اللہ

علیہ وسلم انسانوں میں سے انسان ہیں لیکن شرف وکمال اور فرقِ مراتب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر!" کے حقیقی مصداق ہیں۔ اس کو یوں سمجھا جائے کہ:

محمد بشر لا کالبشر

کالیاقوت حجر لا کالحجر

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا خلاصہ "توحید خداوندی اور آخرت کی تیاری" ہے۔ لہٰذا سبھی لوگ نیک اعمال کریں اور شرک سے اجتناب کریں۔ یہی اس پوری سورت کا جوہر ہے۔

سورت کا اِجمالی درس

سورہ الکہف سے درج ذیل اُمور مستفاد ہوئے:

۱۔ ایمان کو لاحق بے شمار خطرات میں سے چند خطرات کا تذکرہ کر کے اُن سے حفاظت کا علاج تجویز فرمایا گیا ہے۔

۲۔ اصحابِ کہف کے واقعے کے ضمن میں "ایمان پر اِستقامت اور اس کی برکات" بیان کی گئی ہیں۔

۳۔ دُنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی بقاء کا بیان کیا گیا ہے۔

۴۔ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کا قصہ بیان کر کے یہ سبق دیا گیا کہ اگر علم حاصل ہو جائے تو فطرت میں عاجزی پیدا کرنے کی کوشش کی جائے، اور علم کی مزید سے مزید تر تلاش و جستجو کی کوشش کی جائے۔

۵۔ حضرت ذوالقرنین کے دُنیوی اسفار اور ان کی خدا ترسی کو بیان کیا گیا ہے۔

۶۔ آخری رکوع میں بتایا گیا ہے کہ ایک خدا کے پجاری بنو، جس کی عبادت اصحابِ کہف نے کی تھی، جس کی عبادت کی طرف اصحابِ کہف نے بلایا تھا، "فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ" اگر اللہ سے ملاقات پر یقین ہے تو نیک اعمال کر کے اس سے ملاقات کرنے جاؤ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لاؤ، اللہ کو خوش کر کے اس سے ملنے جاؤ، شرک کر کے نہ جاؤ۔

تمت هذه السورة بعون الله سبحانه وتعالى

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

سُوۡرَةُ مَرۡيَم

سورت کا تعارف

یہ سورۂ مریم ہے، جو مکی ہے اور نزول کے اعتبار سے چوالیسویں (۴۴) نمبر پر ہے، جب کہ قرآنِ کریم کی موجودہ ترتیب میں اُنیسویں (۱۹) نمبر پر ہے۔ چھ رُکوع اور اٹھانوے آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

سورت کے آغاز میں حضرت مریم علیہا السلام کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے، اسی مناسبت سے اس سورت کا نام سورۂ مریم رکھا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

آپ اچھی طرح جان چکے کہ سورۂ کہف میں اللہ تعالیٰ نے اصحابِ کہف اور حضرت ذوالقرنین کی کرامتوں کو بیان کیا، اب اس سورت میں حضرت مریم، حضرت عیسیٰ، حضرت زکریا اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی کرامات اور معجزات کو بیان کر رہے ہیں، اسی طرح دونوں سورتوں میں توحید کا مضمون مشترک ہے۔ اس سورت میں اللہ نے مشرکین اور عیسائیوں کے مختلف شبہات نقل کر کے ان کے جوابات بھی دیے ہیں۔

سورت کا مرکزی موضوع

اس سورت کا اہم اور مرکزی موضوع ''اولاد تک دین پہنچانے کی اہمیت'' ہے۔ ہر مسلمان، اپنی اولاد تک دینی وراثت منتقل کرنے کی کوشش کرے، علماء کوشش کریں کہ ان کی اولاد عالم ہو، اور باعمل مسلمان کوشش کرے کہ اس کی اولاد بھی عالم ہو، ورنہ کم از کم باعمل ضرور ہو، آپ کی دینی وراثت آپ کی نسلوں میں منتقل ہوتی چلی جائے۔ جیسے انبیاء علیہم السلام نے اپنی یہ وراثت اپنی نسلوں میں منتقل فرمائی۔

عمومی مضامین

اس مرکزی موضوع کو یہاں کئی مثالوں سے سمجھایا گیا ہے۔

پہلی مثال

دین کی وراثت، اولاد میں منتقل کرنے کا پہلا نمونہ ہے "حضرت زکریا علیہ السلام کی دُعا" انہوں نے اللہ سے دُعا کی کہ یا اللہ! مجھے بیٹا دے۔ یہ بیٹا کیوں مانگا؟ اس لیے نہیں مانگا کہ وہ بڑھاپے میں سہارا یا ناموری کا باعث بنے، بلکہ صرف اس لیے بیٹا مانگا کہ وہ میری دینی وراثت کا جانشین ہو۔ "يَرِثُنِي وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ" یعنی وہ میرے خاص علوم کا بھی وارث ہو اور آلِ یعقوب کے متوارث علوم کا بھی وارث ہو۔ (گویا علومِ سابقہ وموجودہ سب کا جامع ہو) اور ظاہر ہے کہ انبیاء کی وراثت، مال ودولت نہیں ہوتی، انبیاء کی وراثت دین ہوتی ہے۔

دوسری مثال

اللہ پاک نے اس سورت میں دوسرا نمونہ پیش کیا حضرت مریم علیہا السلام کا، ان کی والدہ نے منّت مانی تھی: "إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي" کہ میرے پیٹ میں جو بچّہ ہے وہ میں تیرے دین کے لیے وقف کرتی ہوں، حضرت مریم علیہا السلام پیدا ہوئیں تو ان کی والدہ نے بیٹی ہونے کے باوجود ان کو دین کی خدمت کے لیے وقف کردیا۔ اسی کی برکت سے اللہ پاک نے ان کے بطن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسے پیغمبر کو مبعوث فرمایا۔

بیٹیوں کو بھی دینی تعلیم دینا ضروری ہے

غور کا مقام ہے کہ ایک ماں نے اپنی پیدا ہونے والی یتیم بچّی کے لیے کوشش کی کہ وہ دین پر قائم رہے۔ معلوم ہوا کہ صرف لڑکوں کو ہی دینی تعلیم دینا کافی نہیں ہے۔ بچیوں اور لڑکیوں کو بھی دین سکھانا ضروری ہے۔ خواتین ہی سے پورے خاندان کی تربیت ہوتی ہے۔

تیسری مثال

پھر اس کے مخالف اور Opposite نمونہ بھی پیش کیا کہ اولاد کو دین داری سے روکنے اور دین میں ان کی مخالفت کرنے کا انجام کیا ہوتا ہے؟ پہلی دو مثالوں سے برعکس مثال اس لیے پیش کی تاکہ دینی تربیت کی اہمیت معلوم ہوسکے، کیونکہ "وبضدها تتبين الاشياء" اپنی ضدوں سے ہی چیزوں کی حقیقتیں معلوم ہوتی ہیں۔

تیسری مثال ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے والد کی۔ حضرت ابراہیمؑ کا والد کافر تھا، اس نے بھرپور کوشش کی کہ اپنے بیٹے میں اپنی جہالت اور بے دینی کو منتقل کرے، بیٹے کو بھی بت پرست بنادے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انکار کردیا۔ دین پر ڈٹ جانے کا اللہ پاک نے انہیں انعام یہ دیا کہ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں حضرت اسحاق اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو نبوت عطا فرمائی۔ حضرت اسحاق کے بیٹے حضرت یعقوبؑ (اسرائیل) بھی نبی ہوئے جن سے بنی اسرائیل کے تمام انبیاء (کم وبیش چار ہزار انبیاء) کا سلسلہ چلا۔

اسی طرح حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہمارے آقا، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے دینی وارث بنے۔

چوتھی مثال

حضرات انبیائے کرام علیہم السلام، دینی وراثت پہنچانے کے لیے بہت حریص تھے، انہوں نے دین پہنچانے کے لیے اپنے اردگرد والوں کو بھی نصیحت فرمائی، جیسے موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور دوسروں کو نصیحت کی۔

پانچویں مثال:- ایسی نیک اولاد کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے جو اپنے صالح آباء کے دین اور پیغمبری میں نسل در نسل وارث بنی۔

اسی طرح اس سورت میں اللہ پاک کے لیے اولاد کی ضرورت نہ ہونے اور اولاد سے پاک ہونے کو بھی بیان کیا گیا ہے کیونکہ اللہ پاک خالق ہے۔ اسے اولاد و مددگار کی ضرورت نہیں ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

كٓهٰيٰعٓصٓ ۝١

حروفِ مقطعات

یہ آیت پانچ حروف پر مشتمل ہے۔ میں نے سورت بقرۃ کے آغاز میں عرض کیا تھا کہ یہ جو سورتوں کے شروع میں حروف مقطعات ہیں، یہ یک حرفی بھی ہیں، دو حرفی بھی۔ سہ حرفی بھی ہیں، چہار حرفی بھی اور پنج حرفی بھی ہیں، ان کی مراد اللہ جانتے ہیں۔

ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۝٢ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۝٣ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ
الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآىِٕكَ رَبِّ شَقِيًّا ۝٤ وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا
فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۝٥ يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا ۝٦ يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ
اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝٧ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ
مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝٨ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْـًٔا ۝٩ قَالَ
رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۚ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝١٠ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ
فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝١١

"ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۝٢": پہلا نمونہ حضرت زکریا علیہ السلام کا بیان فرمایا۔ "اپنے ربّ کی رحمت دیکھو زکریا علیہ السلام پر کیسے آئی!"

حضرت زکریا علیہ السلام کی دُعا

"اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۝٣": جب زکریا نے چپکے چپکے اپنے ربّ کو پکارا۔ کب پکارا؟ سورت آلِ عمران کی تفسیر

میں (''هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ'' کے ضمن میں) اس کا تذکرہ ہو چکا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب حضرت زکریاؑ نے دیکھا کہ مریم علیہا السلام کے پاس بے موسمی پھل اور میوے پڑے ہیں تو ان کے دل میں بھی اس خواہش نے انگڑائی لی کہ جو ربّ، مریم کو بے موسم پھل دے سکتا ہے وہ مجھ زکریا کو بھی بڑھاپے میں (بے موقع) اولاد دے سکتا ہے۔ اس لیے دُعا کی: ''قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا'' کہ بھلے میری ہڈیاں کمزور ہو گئیں، بڑھاپے کی وجہ سے سر سفید ہو گیا، ''وَلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا۝'' لیکن اے میرے ربّ! میں تجھے پکار کر محروم نہیں رہا ہوں۔

''وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ مِنْ وَّرَآءِيْ وَكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا۝'' مجھے اپنے موالیوں (قریبی رشتہ داروں) سے خطرہ ہے کہ وہ میرے بعد دین کی کماحقہٗ خدمت نہیں کریں گے، اس لیے ایسا وارث چاہتا ہوں جو میرے اس دینی سلسلے کا علم بردار بنے۔ میری بیوی اگرچہ بانجھ ہے لیکن میں اس کے باوجود آپ سے دُعا کرتا ہوں کہ مجھے نیک بچہ عطا فرما، ولی عطا فرما۔ ''يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا۝'' جو میرا اور یعقوب علیہ السلام کی آل کا وارث ہو، اور اے میرے ربّ! اسے اپنا پسندیدہ بھی بنائیے۔ یعنی وہ دین کا عالم بھی ہو اور دین پر عامل بھی ہو۔ کیونکہ انبیاء کی میراث صرف دین اور علم ہوتی ہے۔ دنیوی میراث نہیں ہوتی۔

دُعا کے آداب

اس سے معلوم ہوا کہ دُعا میں اصل ''اخفاء'' ہے۔ چپکے چپکے اپنے ربّ سے دعا کرنی چاہیے۔ اسی طرح دُعا کے وقت اللہ پاک کے سامنے اپنی عاجزی، بے بسی اور محتاجی کا اظہار دُعا کی قبولیت کا باعث ہے۔ نیز جیسے بھی حالات پیش آ جائیں، دُعا کرتے وقت اپنے ربّ پر ہمیشہ پختہ یقین رکھا جائے۔

دُعا قبول ہوئی

''يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ِۨ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا۝'' جواب آیا کہ اے زکریا! ہم نے آپ کی دُعا قبول کر لی۔ آپ کو ایک بچّے کی مبارک ہو! ''اسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ'' اس کا نام بھی ہم رکھ رہے ہیں، اس کا نام یحییٰ ہوگا، اور یہ ایسا نیا نام ہے کہ ''لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا۝'' ہم نے یحییٰ نام اس سے پہلے کسی کا نہیں رکھا۔ سبحان اللہ! اس بچّے کی بھی اللہ نے تعریف کی۔

فطری حیرانگی

حضرت زکریاؑ کو جب بچّے کی خوشخبری ملی تو فوراً کہا: ''قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ'' اللہ میاں یہ تو بتائیں کہ بچہ ہوگا کیسے؟ ''وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا'' بیوی بانجھ ہے، بچے جننے کے قابل نہیں ہے۔ ''وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا۝'' اور میں بھی بڑھاپے کی انتہا کو پہنچ چکا ہوں۔ بچہ جننے کے سب ظاہری اسباب ختم ہو چکے۔

قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْــًٔا ۝۹ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝۱۰ فَخَرَجَ عَلٰي قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝۱۱

رَبّ نے کہا: "كَذٰلِكَ ۚ" بچّہ ہو ہی جائے گا، میرے حکم سے ہوگا، "قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ" تیرا ربّ کہتا ہے کہ یہ میرے لیے آسان ہے، پہلے بھی تو میں نے تمہیں پیدا کیا تھا جب تم کچھ بھی نہیں تھے۔

قلبی تسکین کے لیے نشانی

"قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ" حضرت زکریاؑ نے پوچھا: اللہ میاں! آپ کے وعدے پر تو کامل یقین ہے۔ تاہم وعدے کی تکمیل یعنی حمل ٹھہرنے کی کوئی نشانی عنایت فرما دیجیے تا کہ تسلی رہے؟ فرمایا: "قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۝۱۰" نشانی یہ ہے کہ تین راتیں تم کسی سے بات نہیں کر سکو گے۔ یعنی حمل ٹھہرنے کی نشانی یہ ہوگی کہ ذکر اللہ کے لیے تو زبان چلے گی، لیکن لوگوں سے گفتگو پر قدرت نہیں ہوگی۔

"فَخَرَجَ عَلٰي قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۝۱۱" پس جب حضرت زکریاؑ محراب سے یعنی اپنی عبادت کے مخصوص کمرے سے باہر نکلے اور اپنی قوم کو اشارہ سے کہا کہ آپ لوگ صبح و شام اللہ کی تسبیح کریں (ممکن ہے کہ قوم کو یہ تذکیر حسبِ سابق ہو یا بچّے کی نعمت ملنے کی خوشی میں معمول سے ہٹ کر ہو۔ واللہ اعلم)

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا ۝۱۲ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۭ وَكَانَ تَقِيًّا ۝۱۳ وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ۝۱۴ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۝۱۵

حضرت یحییٰ علیہ السلام کے خاص اوصاف

اب بچّہ اللہ نے عطا فرمایا۔ پھر (جب حضرت یحییٰ سنِ شعور کو پہنچے تو) اللہ پاک نے یحییٰ سے خطاب فرمایا: "يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۭ" اے یحییٰ! مضبوطی سے کتاب (اس وقت "توراۃ" ہی کتابِ شریعت تھی) کو تھام لو، بچپن سے اللہ نے انہیں نبوت عطا کر دی تھی۔ حضرت یحییٰ کی طبیعت میں بہت رقت تھی، روتے رہتے تھے، پاکیزگی تھی، متقی تھے۔

"وَّبَرًّۢا بِوَالِدَيْهِ" والدین کے فرمانبردار تھے۔ "وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا" مخلوق کے ساتھ سخت نہیں تھے۔ "عَصِيًّا ۝۱۴" خالق کے نافرمان نہیں تھے۔

اعلیٰ ترین اعزاز

"وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ۝۱۵" اللہ نے فرمایا: کیا ہی خوب ہمارا بندہ تھا! ہماری طرف

سے یحییٰ کی ولادت پر، یحییٰ کی موت پر، اور قیامت کے دِن یحییٰ کے دوبارہ اٹھنے پر رحمتیں ہی رحمتیں اور سلامتیاں ہی سلامتیاں نازل ہوں۔ کتنا بڑا اعزاز ہے!

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۚ فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝ قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ڰ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۝ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ۝ قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝

حضرت مریمؑ کا تفصیلی قصہ اور اس کی حکمت

حضرت زکریاؑ اور حضرت یحییٰ کا قصہ بطورِ تمہید تھا۔ اصل مقصد حضرت مریمؑ کا قصہ بیان کرنا ہے۔

عیسائی لوگ چونکہ حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ کو خدا مانتے اور حضرت عیسیٰؑ کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ اس لیے ان کے اسی عقیدے کے بُطلان کے لیے حضرت مریم کے حمل اور حضرت عیسیٰ کی پیدائش والے واقعے کو تفصیل سے بیان کیا جارہا ہے۔

حضرت مریم کی پیدائش

حضرت مریم کی والدہ نے بھی ان کے والد کی دینی وراثت کو آگے منتقل کرنے کے لیے دُعا کی، حضرت مریم علیہا السلام کی ولادت ہوگئی، ان کی ولادت کا قصہ سورۂ آلِ عمران میں گزر چکا ہے، پھر وہ جلدی جلدی جوان ہوگئیں، ''وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ'' (آلِ عمران: ۳۷) جتنا عام بچہ ایک مہینے میں نشوونما پاتا ہے، حضرت مریم علیہا السلام ایک دِن میں اتنی نشوونما پاتی تھیں۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام کی آمد

''وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ۝ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا ۚ'': یہ حمل سے پہلے کی کیفیت ہے۔ جب حضرت مریمؑ جوان ہوگئیں تو ایک دِن وہ گھر میں تنہا تھیں کہ ''فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا'' ہم نے اپنا فرشتہ بھیجا۔ مراد جبرائیلؑ ہیں۔ ''فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝'' وہ انسانی شکل میں ان کے پاس تشریف لے آئے۔ بی بی مریمؑ نے جب ایک اجنبی مرد کو اپنے قریب دیکھا تو ڈر گئیں، فوراً کہا: ''قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ۝'' میں تجھ سے اللہ کی پناہ چاہتی ہوں اگر تو تقویٰ والا اور خدا خوفی رکھنے والا انسان ہے۔ انہوں نے فرمایا گھبرائیں نہیں، ''اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ڰ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۝'' میں تو فرشتہ ہوں، انسان نہیں ہوں، مجھ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ نے مجھے بھیجا ہے تاکہ آپ کو ایک نیک بچہ عطا کروں (یعنی بچہ عطا کرنے کا ذریعہ بنوں، بچہ تو اللہ ہی نے دینا ہے) انہوں نے حیرت سے

پوچھا: ''اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا'' کہ مجھے بچّہ کیسے ہوگا؟ مجھے تو کسی انسان نے ہاتھ نہیں لگایا، میری تو شادی ہی نہیں ہوئی، فرمایا کہ اللہ کے حکم سے ہوگا، جبرائیلؑ نے بی بی مریمؑ کے گریبان میں پھونک ماری تو خدا تعالیٰ کے حکم سے حمل ہوگیا، اور جب ولادت کا وقت قریب ہوا تو حضرت مریم علیہا السلام کو حکم ہوا کہ تم اپنے گھر سے الگ ہوکر دور چلی جاؤ۔

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ۞ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا ۞ فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا ۞ وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۞ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ۞

فطری پریشانی اور اس کی وجوہات

''فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا'' جب حمل ٹھہرا اور زچگی کا وقت آیا تو دور چلی گئیں، اور اللہ کے حکم سے کھجور کے ایک تنے کے نیچے چلی گئیں، وہاں ولادت کے وقت میں سخت پریشان ہیں۔ ''قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا'' کاش میں پہلے ہی مرچکی ہوتی اور لوگ مجھے بھول بھال چکے ہوتے۔

اس پریشانی کی وجہ یہ تھی کہ:

۱۔اس مشکل وقت میں کوئی انسان مدد کے لیے موجود نہ تھا۔

۲۔تکلیف کی شدت تھی۔

۳۔لوگوں کے سامنے جواب دہی کا خوف تھا۔

خدائی تسلیاں

اللہ نے فرمایا: ''فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَآ اَلَّا تَحْزَنِيْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا'' میری مریم غم نہ کر، ہم نے تیرے نیچے چشمہ جاری کردیا ہے اور تیرے اوپر کھجور کے درخت پر پھل بھی لگادیے ہیں۔ (کیونکہ ایسے موقع پر غذا اور پانی کی ضرورت رہتی ہے) ''وَهُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ'' تنے کو حرکت دو، ''تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا'' تر و تازہ کھجوریں گریں گی۔

''فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا'' پس کھجوریں کھاؤ، کہتے ہیں کہ زچگی میں کھجور کھانا مفید ہوتا ہے، اور پانی پیو اور آنکھوں کو ٹھنڈا کرو۔ یہ سب بی بی مریم کی کرامت تھی کہ پانی بھی جاری ہوا اور کھجور پر پھل بھی پک گئے۔

قوم کو کیا بتایا جائے؟

اب مسئلہ یہ تھا کہ لوگوں کو بچّے کے بارے کیا بتائیں گی؟ تو اس کا حل ارشاد ہوا کہ: ''فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا''

اگر آج تمہیں کوئی انسان بھی دیکھے تو اسے کہہ دینا: "فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا" "میں نے منّت مانی ہے کہ میرا آج چپ کا روزہ ہے،" "فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا" "آج میں نے کسی سے بات نہیں کرنی۔ سابقہ شریعتوں میں صبح سے شام تک کسی سے کلام نہ کرنا بھی ایک عبادت تھی، ہماری شریعت میں یہ منسوخ ہوگئی۔

فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا ۝ يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ۝ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ ؕ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ۝ قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ۝ وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ۝ وَّبَرًّاۢ بِوَالِدَتِيْ ۫ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ۝ وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ۝

قوم کے چبھتے ہوئے سوالات

جب بچے کی ولادت ہوگئی تو (بعض مفسرین کے مطابق، نفاس ختم ہونے کے بعد) کپڑے میں لپیٹ کر قوم کے پاس لے آئیں، اب جب قوم نے ان کو اس حالت میں دیکھا، ایک کنواری لڑکی کے پاس بچہ دیکھ کر انہوں نے کہا کہ اے مریم یہ تو تُو بہت فضول کام کر کے آئی ہے، "يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا" "اے ہارون کی بہن! (اس سے معروف پیغمبر حضرت ہارونؑ مراد نہیں ہیں بلکہ یا تو اس نام کے حضرت مریمؑ کے سگے بھائی تھے یا پھر حضرت ہارونؑ کی نسل میں سے ہونے کی وجہ سے یہ نسبت کی گئی۔ معارف القرآن) نہ تیرا باپ بُرا تھا نہ تیری ماں بدچلن تھی، کتنے شریف والدین کی بیٹی ہو! شادی تیری ہوئی نہیں، یہ کیا تُو نے ظلم کر دیا؟ تمہارے والدین تو بہت نیک تھے! تم نے یہ کیا حرکت کر دی؟

صالحین کی اولاد کو تقویٰ کا زیادہ اہتمام کرنا چاہیے

قوم کی اس تنقید سے معلوم ہوا کہ نیک لوگوں کی اولاد سے اگر کوئی ظاہری غلطی سرزد ہو جائے تو عوام کی نظر میں اس کی بُرائی زیادہ ہوتی ہے۔ کیونکہ اس سے ان کے عظیم اسلاف کی تربیت پر حرف آتا ہے۔ اس لیے نیک لوگوں کی اولاد کو اعمالِ صالحہ کی زیادہ فکر کرنی چاہیے۔

"فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ" "حضرت مریم علیہا السلام نے فرمایا کہ مجھ سے نہ پوچھو کہ یہ میں نے کیا کیا! آنے والے اس بچے سے پوچھو کہ یہ کیسے آیا؟" "قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا" "قوم نے کہا کہ ہم پنگھوڑے میں لیٹے ہوئے بچّے سے کیسے بات کریں؟ ابھی حضرت مریم علیہا السلام خاموش ہی تھیں کہ بچہ بول پڑا: "قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ"۔

بچّے کا قوم سے عجیب وغریب خطاب اور عقیدۂ تثلیث کی تردید

کہتے ہیں کہ آپ ماں کا دودھ پی رہے تھے، دودھ چھوڑ کر بائیں کروٹ پر سہارا لے کر متوجہ ہوئے، آسمان کی

طرف شہادت والی اُنگلی اُٹھائی اور تقریر فرمائی، پہلا جملہ ہی یہ فرمایا کہ اگرچہ میری پیدائش معجزانہ انداز سے ہوئی ہے، لیکن میں خدا نہیں ہوں بلکہ خدا کا بندہ ہوں، مجھے کوئی ابن اللہ نہ کہے، اللہ کا بیٹا نہ کہے "اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا" اس نے مجھے کتاب دی ہے، مجھے نبی بنایا اور برکت والا بنایا (یعنی اپنے وقت پر مجھے کتاب ہدایت اور نبوّت عطا کر دی جائے گی) اس سے والدہ پر لگا الزام بھی صاف کر دیا کہ مجھے نبوّت ملنا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ میری پیدائش میں گناہ کا دخل نہیں ہو سکتا۔ میں جہاں کہیں بھی ہوں گا، "وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا" مجھے نماز اور زکوٰۃ کا تاکیدی حکم دیا، جب تک میں زندہ رہوں گا، ان پر عامل رہوں گا۔ معلوم ہوتا ہے پچھلی شریعتوں میں بھی نماز اور زکوٰۃ فرض تھی، "وَّبَرًّاۢ بِوَالِدَتِيْ" میں اپنی والدہ کا فرمانبردار رہوں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: "وَّبَرًّاۢ بِوَالِدَيْهِ" کیونکہ ان کے والد بھی تھے اور والدہ بھی، جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ کوئی نہیں تھا، صرف والدہ تھی اس لیے ان کا ذکر فرمایا، "وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا" مجھے اللہ نے سخت اور شقی نہیں بنایا۔ "وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا" مجھ پر، میری ولادت پر، میری موت پر، قیامت کے دِن میرے دوبارہ اٹھائے جانے پر سلام ہو۔

اس بلیغ تقریر سے حضرت عیسیٰؑ کی حقیقت بارے عیسائیوں اور یہود کے سب باطل نظریات زمین بوس ہو جاتے ہیں۔

ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقت بارے قرآنی فیصلہ

اللہ فرماتے ہیں: "ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ" یہ ہے عیسیٰ ابن مریم! یہ ہے حضرت عیسیٰ کی ولادت، شخصیت اور حقیقت! اور یہ ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات! نہ تو وہ خدا تھے، (جیسا کہ عیسائی اس کے قائل ہیں)، اور نہ ہی بدچلنی کا نتیجہ تھے (جیسا کہ یہود کا دعویٰ تھا)، بلکہ وہ اللہ پاک کے نیک صالح اور مقبول بندے تھے۔

نجاشی کے دربار کا واقعہ

حبشہ (ایتھوپیا) کے بادشاہ، نجاشی کے دربار میں مشرکینِ مکہ نے یہ شکایت کی کہ مسلمان، حضرت عیسیٰ علیہ السلام بارے درست عقیدہ نہیں رکھتے۔ اس پر نجاشی نے حضرت جعفرؓ طیار سے سوال کیا کہ آپ کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا خیال ہے؟ تو انہوں نے نجاشی کے دربار میں ان کے سامنے یہی آیات تلاوت کیں اور جب اس آیت پر پہنچے "ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ۝" تو نظریں اُٹھا کر نجاشی کو دیکھا، تو کیا دیکھتے ہیں کہ جناب نجاشی رو رہے ہیں، آنکھوں سے چھم چھم آنسو برس رہے ہیں، پھر انہوں نے ایک تنکا اُٹھایا اور تنکا اُٹھا کر کہنے لگے: اللہ کی قسم! جو کچھ تم نے بیان کیا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ اس سے زیادہ تھے اور نہ اس سے کم۔

اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ: "مَا كَانَ لِلّٰهِ أَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۚ" اللہ اولاد نہیں بنایا کرتا، اللہ اولاد سے پاک ہے، اس کا معاملہ یہ ہے کہ جب وہ کسی کام کے کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو بس کُن! کہتا ہے اور وہ چیز ہو جاتی ہے۔

"وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ" "حضرت عیسیٰؑ کے خطاب کا آخری جزء توحید سے متعلق ہے کہ بلاشبہ اللہ ہی میرا ربّ بھی ہے اور تمہارا ربّ بھی ہے، اسی کی عبادت کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ڛ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـــًٔا ۝ يٰٓاَبَتِ اِنِّىْ قَدْ جَاۗءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝ يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ۝ يٰٓاَبَتِ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ۝ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ۝

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ

حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ و عیسیٰ علیہم السلام کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے، چنانچہ فرمایا: "وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ڛ" یہ بھی وراثت دین کا ایک اور نمونہ پیش کیا، یہ ایک معکوس نمونہ ہے، "اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ" اپنے باپ سے کہا: اے ابا جان! باپ مشرک تھا، پھر بھی ادب کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ یہی ہمارے دین کی بھی تعلیمات ہیں کہ والدین سے ادب واحترام اور تعظیم سے پیش آؤ، چاہے وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوں! "لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْـــًٔا ۝" آپ کیوں پوجا کرتے ہیں ان بتوں کی جو نہ سن سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی آپ کے کچھ کام آسکتے ہیں؟ "يٰٓاَبَتِ اِنِّىْ قَدْ جَاۗءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝" ابا جان! میرے پاس نبوّت آگئی ہے، میرے پاس وہ علم ہے جو آپ کے پاس نہیں ہے، آپ میری اتباع کریں میں آپ کو صراطِ مستقیم دکھاؤں گا۔ ابا جان! شیطان کی اتباع نہ کریں، ابا جان! مجھے ڈر لگتا ہے کہ آپ پر اللہ کا عذاب نہ آجائے اور آپ شیطان کے دوست نہ بن جاؤ، "يٰٓاَبَتِ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ۝" اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے "رحمٰن" کا انتخاب فرمایا۔ اس میں بھی باپ کے ساتھ نرمی اور حق قبول کرنے کی ترغیب ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت رحمت والے ہیں۔

باپ کا جواب

باپ نے کہا: "قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰٓاِبْرٰهِيْمُ ۚ" "تو میرے خدا سے بیزار ہے؟" "لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا ۝" "میرے خداؤں کی تکذیب سے باز آجا! ورنہ میں تجھے قتل کردوں گا اور تجھے الگ کردوں گا۔

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيۡكَ ۚ سَاَسۡتَغۡفِرُ لَكَ رَبِّىۡ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِىۡ حَفِيًّا ۞ وَاَعۡتَزِلُكُمۡ وَمَا تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ
وَاَدۡعُوۡا رَبِّىۡ ۖ عَسٰٓى اَلَّاۤ اَكُوۡنَ بِدُعَآءِ رَبِّىۡ شَقِيًّا ۞

مشرکین سے عملی علیحدگی ضروری ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: "سَلٰمٌ عَلَيۡكَ ۚ" اچھا جی! السلام علیکم! میرا اور آپ کا آج سے تعلق ختم! "سَاَسۡتَغۡفِرُ لَكَ رَبِّىۡ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِىۡ حَفِيًّا ۞" لیکن میں آپ کے لیے اپنے رَبّ سے استغفار کروں گا، وہ بہت شفیق ہے۔ لیکن بعد میں اللہ نے استغفار کرنے سے بھی منع فرمادیا۔

فَلَمَّا اعۡتَزَلَهُمۡ وَمَا يَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبۡنَا لَهٗۤ اِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ ؕ وَكُلًّا جَعَلۡنَا نَبِيًّا ۞ وَوَهَبۡنَا
لَهُمۡ مِّنۡ رَّحۡمَتِنَا وَجَعَلۡنَا لَهُمۡ لِسَانَ صِدۡقٍ عَلِيًّا ۞

دین کی خاطر قربانی دینے کا انعام

جب ابراہیمؑ نے صرف اللہ پاک کی خاطر اپنے باپ اور اس کے دین سے بےزاری اختیار کی تو اس عظیم قربانی کے بدلے اللہ پاک نے ابراہیمؑ کی نسلوں میں بھی دینی وراثت جاری کی۔ اللہ نے فرمایا: "وَهَبۡنَا لَهٗۤ اِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ ؕ وَكُلًّا جَعَلۡنَا نَبِيًّا ۞" ہم نے ان کو اسحٰق جیسا بیٹا اور یعقوب جیسا پوتا عطا کیا اور دونوں کو نبوّت بخشی۔

وَاذۡكُرۡ فِى الۡكِتٰبِ مُوۡسٰٓى ۚ اِنَّهٗ كَانَ مُخۡلَصًا وَّكَانَ رَسُوۡلًا نَّبِيًّا ۞ وَنَادَيۡنٰهُ مِنۡ جَانِبِ الطُّوۡرِ الۡاَيۡمَنِ
وَقَرَّبۡنٰهُ نَجِيًّا ۞ وَوَهَبۡنَا لَهٗ مِنۡ رَّحۡمَتِنَاۤ اَخَاهُ هٰرُوۡنَ نَبِيًّا ۞

واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا: "وَاذۡكُرۡ فِى الۡكِتٰبِ مُوۡسٰٓى ۚ اِنَّهٗ كَانَ مُخۡلَصًا وَّكَانَ رَسُوۡلًا نَّبِيًّا ۞" کتاب میں موسیٰ علیہ السلام کا بھی ذکر کرو، وہ بھی چنے ہوئے تھے، رسول و نبی تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات تفصیل کے ساتھ آرہے ہیں، میں اس کی وجوہات پہلے بیان کرچکا ہوں، یہاں انہیں نبوّت ملنے کے واقعے کا مختصر ذکر ہے۔ اگلی سورت، سورۂ طٰہٰ میں یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ آرہا ہے کہ اللہ نے ان کو طور پر دائیں جانب سے پکارا، اور انہیں نبوّت عطا کی اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو بھی نبوّت عطا کی۔

وَاذۡكُرۡ فِى الۡكِتٰبِ اِسۡمٰعِيۡلَ ۚ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الۡوَعۡدِ وَكَانَ رَسُوۡلًا نَّبِيًّا ۞ وَكَانَ يَاۡمُرُ اَهۡلَهٗ بِالصَّلٰوةِ
وَالزَّكٰوةِ ۖ وَكَانَ عِنۡدَ رَبِّهٖ مَرۡضِيًّا ۞

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا تذکرہ

پھر اس کے بعد حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر کیا، ان کا خاص وصف یہ تھا کہ وہ وعدے کے سچے تھے۔ کہتے ہیں

کہ کسی سے وعدہ کر لیتے تھے تو تین تین دن تک اور بسا اوقات ایک ایک ماہ تک انتظار کیا کرتے تھے، وعدہ تھا کہ فلاں جگہ آپ سے ملوں گا تو جب تک بندہ نہ آجاتا آپ وہیں رہتے، وہاں سے نہ ہٹتے۔ وعدہ کے اتنے سچے تھے۔

وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ ۖ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا ۝

ان کی تعلیمات

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تعلیمات کیا ہیں؟ ارشادِ باری ہے کہ ”وہ اپنے گھر والوں کو نماز و زکوٰۃ کا حکم دیتے تھے اور اپنے ربّ کے پسندیدہ تھے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ إِدْرِيْسَ ۚ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝

حضرت ادریس علیہ السلام کا قصہ

اس کے بعد حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر فرمایا ”وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ إِدْرِيْسَ ۚ“ یہ حضرت آدم و حضرت نوح علیہما السلام کے درمیان میں تھے۔

حضرت ادریس علیہ السلام کی خصوصیات

سب سے پہلے قلم انہوں نے ایجاد کیا، اسی طرح کپڑا بنانے کا طریقہ، جنگی آلات، شکار کے آلات وغیرہ بھی انہی کی ایجادات میں سے ہیں۔ آپ تکوینی نبی تھے۔ انسانی ضروریات کی تکمیل کے لیے آپ کو مبعوث کیا گیا۔

ان کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ بھی صدیق اور نبی تھے، ہم نے ان کو اپنے قُرب کا خاص مقام عطا کیا تھا۔

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۖ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۖ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ إِبْرٰهِيْمَ وَإِسْرَآءِيْلَ ۖ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۚ إِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۝

اِنعام یافتہ شخصیات کی اِجمالی فہرست

یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے انعام کیا ہے، آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں (مثلاً حضرت ادریسؑ) اور یہ ان لوگوں کی اولاد میں سے ہیں جنہیں ہم نے نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا (بعد کے تمام انبیاء اس میں شامل ہیں) حضرت ابراہیم کی اولاد (حضرت اسماعیلؑ) اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد (بنی اسرائیل کے تمام انبیاء اس میں داخل ہیں) میں سے ہیں، یہ سب چنے ہوئے تھے، عاجزی اور تواضع والے تھے، عظمت کے باوجود متکبر نہ تھے، کیونکہ ”إِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ“ جب ان کے سامنے رحمٰن کی آیات تلاوت کی جاتی تھیں تو ”خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۝“ زمین پر گر جاتے تھے، سجدہ بھی کرتے تھے اور روتے بھی تھے، یہ سب اللہ کے سامنے رونے دھونے والے تھے، عاجزی والے تھے، اسی میں ہم سب کی بھی کامیابی ہے۔

ان انبیاء کے اِجمالی تذکرہ میں حکمت یہ ہے کہ ان کے ماننے والے جانشین، مسلمان ان سب انبیاء کا احترام کرتے ہیں اور سب پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ سب مسلمانوں کے بھی نبی ہیں۔

سجدۂ تلاوت کے احکام

آیتِ سجدہ سننے کی وجہ سے آپ سب پر بھی سجدہ واجب ہوگیا۔ قرآنِ کریم کی ایسی چودہ آیات ہیں جن کی عربی میں تلاوت کرنے یا سننے سے سجدہ واجب ہوجاتا ہے، نماز میں تلاوت کرو تو فوراً سجدہ کرلو، نماز کے باہر تلاوت کرو تو اگر موقع ہو تو فوراً سجدہ کرلو ورنہ بعد میں کرلو۔ حدیثِ پاک میں آتا ہے کہ انسان جب آیتِ سجدہ پر سجدہ کرتا ہے تو شیطان چیخ مارتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے بھی سجدہ کا حکم ہوا تھا لیکن میں نے سجدہ نہ کیا، ابنِ آدم کو سجدہ کا حکم ہوا تو اس نے سجدہ کرلیا۔

فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوۡفَ يَلۡقَوۡنَ غَيًّا ۝ اِلَّا مَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓـئِكَ يَدۡخُلُوۡنَ الۡجَـنَّةَ وَلَا يُظۡلَمُوۡنَ شَيۡـئًا ۝

نااہل گدی نشین

فرمایا کہ ان اہل اللہ اور نیک صالح حضرات (جو ہر وقت ربّ کے حضور عبادت اور گریہ زاری میں معروف رہتے تھے) کے جانشین ایسے نااہل لوگ بن گئے جنھوں نے خواہشات کی پیروی کی اور نمازوں کو ضائع کردیا۔

نماز دین کا اہم ستون ہے، جب نمازیں ضائع ہوتی ہیں تو انسان اپنی نفسانی خواہشات کے پیچھے لگ جاتا ہے۔

ایسے نالائق گدی نشینوں کے لیے حضرت اقبالؒ نے خوب فرمایا ہے:

میراث میں آئی ہے انھیں مسندِ ارشاد
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن!

نماز ضائع کرنے کا مطلب

نماز ضائع کرنے کا مطلب جیسے نماز نہ پڑھنا ہے، ویسے ہی بے وقت پڑھنا، بغیر عذر جماعت میں شریک نہ ہونا اور آداب کی رعایت کیے بغیر نماز پڑھنا بھی اس میں شامل ہے۔

جنّت میں داخلے کے لیے ایمان اور عملِ صالح ضروری ہے

"اِلَّا مَنۡ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓـئِكَ يَدۡخُلُوۡنَ الۡجَـنَّةَ وَلَا يُظۡلَمُوۡنَ شَيۡـئًا ۝" فرمایا کہ توبہ کا دروازہ ان بے عمل جانشینوں کے لیے بھی کھلا ہوا ہے۔ یہ لوگ اگر توبہ کرکے اعمالِ صالحہ اختیار کرلیں تو اپنے آباء واجداد کی طرح جنّت میں داخل ہوں گے۔

وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَ اِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ۝ اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْـًٔا ۝

حیات بعد الممات پر شبہ اور اس کا شافی جواب

اللہ پاک نے مشرکین کا ایک شبہ نقل کر کے اس کا جواب دیا ہے: "وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَ اِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ۝" انسان کہتا ہے کیا جب میں مرجاؤں گا تو دوبارہ زندہ کیا جاؤں گا! کیونکہ مرنے کے بعد تو مٹی مٹی ہو گئے، ریزہ ریزہ ہو گئے، ہڈیاں گل گئیں، چمڑے ختم ہو گئے، گوشت ختم ہو گئے، بعض اوقات مٹی بھی اُڑ جاتی ہے، کسی کو مچھلی کھا گئی، مچھلی کو انسان کھا گئے، ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی کو درندوں نے کھالیا، پھر وہ درندے بھی مر گئے اور ان کو دوسرے درندوں نے کھالیا، پرندوں نے کھایا، پرندے بھی مر گئے، مٹی میں مل گئے، ان کی مٹی بھی اُڑ گئی، وہ خاک چھوٹے چھوٹے ذرّات کی شکل میں نہ جانے کہاں کہاں پھیل گئی! تو نہ ہم باقی رہے اور نہ ہی ہمارے اجزاء، ہم کیسے اُٹھیں گے!

اللہ نے جواب دیا: "اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْـًٔا ۝" کیا تمھیں یاد نہیں ہے کہ تم اپنی پیدائش سے پہلے کچھ بھی تو نہیں تھے، تمہارا کوئی وجود نہ تھا، پھر بھی ہم نے تمھیں پیدا کیا، تو جب تم کچھ بھی نہیں تھے تب بھی ہم نے تمھیں بغیر کسی نمونے کے پیدا کیا، تو اب جب کچھ اپنا وجود اور ڈھانچہ رکھتے ہو تو ہمارے لیے اس نمونے کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے! ایک جگہ ارشاد ہے: "وَلَمْ يَعْيَ بِخَلْقِهِنَّ" "وہ پہلی بار تمھیں پیدا کر کے تھک نہیں گیا" "اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى" "کیا وہ اس بات پر قادر نہیں ہے کہ تمھیں دوبارہ پیدا کر دے!

فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ۝ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ۝

اَحوالِ آخرت کا کچھ تذکرہ

یہاں سے اللہ پاک نے آخرت کے چند احوال بیان فرمائے۔ فرمایا کہ: تیرے رَبّ کی قسم! ہم ان سب کو ضرور جمع کریں گے اور شیطانوں کو بھی جمع کریں گے اور ہم ان سب کو گروہوں کی شکل میں اپنے سامنے لائیں گے۔ پھر ان میں سے سرکشوں کو جہنّم اور متّبعین کو جنّت میں ابدی ٹھکانا دیا جائے گا۔

سب نے پُلِ صراط سے گزرنا ہے

ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا ۝ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا ۚ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۝ ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ۝

فرمایا کہ ہمیں خوب علم ہے کہ کون کون گھٹنوں کے بَل جہنّم میں ڈالا جائے گا۔ تم سب نے پُلِ صراط کے ذریعے جہنّم سے گزرنا ہے۔ اہلِ ایمان وتقویٰ اپنے اپنے اعمال کے مطابق پُلِ صراط سے گزر جائیں گے۔

جیسے جیسے اعمال ہوں گے، ویسے ویسے گزرنے کی رفتار ہوگی۔ جب کہ کفار اور گناہ گاروں کو پکڑ پکڑ کر جہنم میں ڈالا جائے گا۔ العیاذ باللہ!

عاص بن وائل کی تردید

اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا۝ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا۝

كَلَّا ۭ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا۝ وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا۝

اس رکوع کے آخر میں ایک قیامت کے منکر کا قصہ بیان کیا، ایک صحابی رسول تھے حضرت خباب ؓ، یہ لوہار تھے، ان سے ایک کافر عاص بن وائل نے کچھ کام کروایا، لوہے کے آلات ٹھیک کروائے، جب حضرت خباب ؓ نے پیسے مانگے تو اس نے کہا: ''تب تک پیسے نہیں دوں گا جب تک تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر کے مُرتد نہ ہو جائے۔'' حضرت خباب ؓ نے جواب دیا: ''او عاص! تُو مَر جائے اور مَر کر پھر زندہ کیا جائے میں تب بھی تیری بات نہیں مانوں گا۔'' عاص نے کہا: ''اچھا اگر ایسا ہے تو میں مَرنے کے بعد جب دوبارہ اُٹھایا جاؤں گا، تو تم بھی اس وقت مجھ سے اپنے پیسے وصول کر لینا'' گویا عاص نے قیامت اور موت کے بعد دوبارہ اُٹھائے جانے کا مذاق اُڑایا۔

اللہ نے فرمایا: اس متکبر اور بد بخت کو دیکھو! ''اَفَرَءَيْتَ الَّذِيْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا۝'' کیا آپ نے دیکھا اس شخص کو جس نے کُفر کیا، اور کہا کہ میں مال اور اولاد دیا جاؤں گا، ''اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا۝'' کیا اس نے غیب میں جھانکا ہے یا اللہ کا اس سے کوئی وعدہ ہے کہ یہ جب اُٹھے گا تو اسے مال اور اولاد دیا جائے گا؟ ''كَلَّا ۭ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا۝'' ہرگز نہیں جو کچھ یہ کہہ رہا ہے، ہم وہ لکھ رہے ہیں اور ہم اس کے لیے عذاب کھینچ کر لائیں گے۔ ''وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا۝'' اور ہم اس کی کہی ہوئی بات کا اس کو وارث بنائیں گے اور یہ ہمارے پاس اکیلا آئے گا۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا۝ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْـــًٔا اِدًّا۝ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ

وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا۝ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا۝ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا۝

خدائی اولاد کا دعویٰ اور اس کی سنگینی

ان آیات میں اللہ پاک نے خاص طور سے ان مشرکین کے جرم کی شدت کو بیان کیا جو اللہ کے لیے اولاد ثابت کرتے ہیں۔ ''تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا۝'' یہ ایسا جرم اور گستاخی ہے کہ اس کی شدت سے آسمان پھٹ جائیں، زمین پھٹ جائے، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ ''اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا۝'' یہ رحمٰن کے لیے اولاد کے دعوے دار ہیں۔ ''وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا۝'' حالانکہ اللہ کے لیے مناسب نہیں ہے کہ اس کی اولاد ہو، اس لیے

کہ ساری دُنیا اللہ کی عبد ہے، عبد اور اولاد میں بہت فرق ہے۔ خالق ہونا الگ بات ہے، والد ہونا الگ بات ہے۔ ایسے بدعقیدہ لوگوں کو اللہ خوب جانتا ہے۔ اللہ ان سے نمٹ لے گا۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا ۝ فَإِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِينَ وَتُنذِرَ بِهِ قَوْمًا لُّدًّا ۝ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُم مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ۝

محبوبیت حاصل کرنے کا آسان ترین نسخہ

آج کل ہر بندے کی فطری خواہش رہتی ہے کہ لوگ مجھ سے محبت کریں، میری عزت ہو، میں عزیز بن جاؤں۔ فرمایا اس کا نسخہ آسان ہے: ''ایمان لے آؤ اور عمل صالح کرلو!'' اللہ پاک لوگوں کے دلوں میں نیک اعمال کرنے والے مؤمنین کی محبت ڈال دیتے ہیں۔ ان نیک لوگوں سے خود اللہ بھی محبت کرتے ہیں، جبرائیل بھی محبت کرتے ہیں، فرشتے بھی محبت کرتے ہیں، اس کے بعد اعلان ہوتا ہے کہ زمین والو! فلاں شخص سے اللہ، جبرائیل اور فرشتے محبت کرتے ہیں تم بھی اس سے محبت کرو، چنانچہ اس کے بعد زمین والے بھی اس بندے سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں۔ سبحان اللہ!

آیت کا ایک مفہوم تو یہی ہے کہ جو لوگ ایمان لا کر اعمالِ صالحہ اختیار کرتے ہیں، ان سے اللہ پاک محبت کرتے ہیں۔ دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ ایسے لوگ اللہ سے محبت کرتے ہیں اور اعمالِ صالحہ میں مشغول رہ کر اپنے محبوب (اللہ پاک) کو راضی کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ کتنے نیک لوگ ایسے ہیں کہ اجنبی بھی انہیں دیکھ کے ان سے محبت کرنے لگ جاتے ہیں۔

حضرت سفیانِ ثوریؒ کا قصہ

ایک بزرگ تھے جو محدث بھی تھے، ان کا نام تھا سفیان ثوری، ایک بلبل ان سے مانوس تھا، یہ فوت ہوگئے تو وہ بلبل ان کے جنازے کے ساتھ جا رہا تھا، گویا کہ وہ رو رہا تھا، تدفین کر کے آئے تو وہ بلبل ان کی قبر پر بیٹھ گیا، تین دن کے بعد جا کر دیکھا تو بلبل ان کی قبر پر مرا پڑا تھا۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی محبوبیت

امام احمد بن حنبلؒ کا جنازہ اٹھا تو لوگوں کی محبت دیکھو! بیس تیس لاکھ لوگ جنازے میں شریک تھے، بعض نے کہا کہ ستر لاکھ لوگ جنازے میں شریک تھے، اس وقت موبائل فون بھی نہیں تھے تب بھی اتنا بڑا مجمع اکٹھے ہوگیا، اللہ والوں کے جنازے کتنے بڑے ہوتے ہیں! لوگ بڑی بڑی مسافتیں اور اخراجات کر کے جنازوں میں شرکت کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔

حضرت مولانا عبدالستار صاحب تونسویؒ کا واقعہ

یہ قریب ہی کی بات ہے، ہمارے بزرگ، مناظرِ اسلام حضرت علامہ عبدالستار تونسویؒ فوت ہوئے، ہمارے یہاں

اکثر تشریف لاتے تھے۔ حضرت تونسویؒ کے داماد نے مجھے بتایا جو ہمارے ساتھی ہیں۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ حضرتؒ کے گھر ایک ''مور'' تھا۔ جس دِن حضرت فوت ہوئے تو وہ مور بالکل خاموش اپنے ڈربے میں بیٹھا رہا، بلکہ موت کے وقت وہ خوب چلّایا اور چیخا پھر خاموش ہوگیا، اور اگلے دِن صبح دیکھا تو وہ مور مرا پڑا تھا۔ معلوم ہوا کہ اللہ پاک، انسان تو انسان، جانوروں کے دلوں میں بھی اپنے نیک لوگوں کی محبّت ڈال دیتے ہیں۔

سورت کا اِجمالی درس

اس سورۃ کی تعلیمات یہ ہیں کہ دینِ خداوندی سب سے بڑی دولت ہے اور اولاد کی سب سے بڑی خیر خواہی ان کی دینی تعلیم و تربیت ہے۔ یہی حضراتِ انبیائے کرامؑ کی سیرت ہے۔ انبیاءؑ نے اولاد بھی اسی لیے مانگی۔ حضرت زکریا، مریم، حضرت ابراہیم، حضرت یعقوب اور حضرت اسحاق -علیہم السلام- نے اپنی اپنی اولادوں میں دین منتقل فرمایا۔

وہی اولاد اپنے بڑوں کی صحیح جانشین ہے جو دین پر قائم رہے۔ بے دین اور بے نمازی اولاد اپنے نیک آباء کی ہرگز جانشین نہیں بن سکتی اور نہ ہی اللہ کے عذاب سے اُنہیں اُن کے باپ دادے بچا پائیں گے۔

لہٰذا توحید اور قیامت کے عقیدے پر جمنا اور اسے زیغ وضلال سے صاف ستھرا رکھنا، اپنی اولاد میں ان دینی عقائد اور تعلیمات کو منتقل کرنا اور ہر وقت اللہ کی ناراضگی سے ڈرتے رہنا بہت ضروری ہے۔

تمت سورۃ مریم بعون اللہ تعالیٰ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَۃُ طٰہٰ

سورت کا تعارف

یہ سورۃ ''طٰہٰ'' ہے جو تقریباً آدھے پارے پر مشتمل ہے اور مکی ہے۔ موجودہ ترتیب کے اعتبار سے یہ بیسویں (۲۰) نمبر پر ہے جب کہ نزول کے اعتبار سے پینتالیسویں (۴۵) نمبر پر ہے، اس سورت کے آٹھ رکوع ہیں۔

سورت کے نام اور وجہِ تسمیہ

اس سورۃ کے دو نام معروف ہیں:

۱۔ طٰہٰ: کیونکہ اس سورت کی ابتداء انہی حروفِ مقطعات سے ہورہی ہے۔

۲۔ موسیٰ/کلیم: کیونکہ دوسری سورتوں کی نسبت، اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سب سے زیادہ تذکرہ کیا گیا ہے، نیز اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ پاک کی گفتگو کا ذکر بھی ہے۔ (معارف القرآن، تدبر القرآن)

ماقبل سے ربط

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے پچھلی سورت کی طرح کچھ چیزیں مشترک بیان کی ہیں، مثلاً پچھلی سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ اجمالی طور پر مذکور تھا جب کہ اس سورت میں حضرت موسیٰ کا واقعہ تفصیلی طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ پچھلی سورت میں توحید اور قرآنِ مجید کی صداقت کا بیان تھا، اس سورت میں بھی یہی بات بیان کی گئی ہے۔ نیز اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی طرف دعوت دی اور قرآنِ کریم کو جرأت کے ساتھ بیان کرنے کا حکم دیا۔

سورت کے فضائل

یہ سورت بڑی فضیلت والی ہے، حدیث پاک میں آتا ہے کہ جنّت میں جنّتی سورۃ طٰہٰ اور سورۃ یٰس کی تلاوت کریں گے۔ ہمارے آقا جناب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان دونوں سورتوں کی تلاوت فرمائیں گے۔

ایک حدیث میں آتا ہے:

إن الله تبارك وتعالى قرأ (طه) و (يس) قبل أن يخلق السماوات والأرض بألف عام۔ (وفي بعض الروايات: "بألفين"۔ كذا في كنز العمال)

ترجمہ:- اللہ ربّ العزّت نے آسمان وزمین کی پیدائش سے ایک ہزار (بعض روایات میں دو ہزار) سال پہلے سورۂ طٰہٰ اور سورۂ یٰسٓ کی خود تلاوت فرمائی۔

کیا عجیب منظر ہوگا! حق تعالیٰ نے فرشتوں کی موجودگی میں یہ تلاوت فرمائی تھی۔ جب فرشتوں نے یہ تلاوت سنی،

"فلما سمعت الملائکة القرآن قالت طوبیٰ لأمة ینزل ھذا علیھا وطوبیٰ لأجواف تحمل ھذا وطوبیٰ لألسنة تتکلم بھذا"

خوش نصیب ہے وہ اُمت جس پر یہ سورتیں نازل ہوں گی! مبارک ہیں وہ سینے جو ان سورتوں کو اپنے اندر محفوظ کریں گے! مبارک ہیں وہ زُبانیں جو ان سورتوں کی تلاوت کریں گی! (مشکاۃ المصابیح: بیروت۱/۴۸۶) اسی سورت کی تلاوت سُن کر ہی حضرت عمرؓ اسلام لے آئے تھے۔

سورت کا مرکزی موضوع

اس سورۃ مبارکہ کا مرکزی اور اصل موضوع یہ ہے کہ "اسلام سراسر خوش بختی اور سعادت ہے" جو لوگ اسلام اور طاعتِ باری کے مخالف رہتے ہیں، بدبختی اور شقاوت اُنہی کا مقدر بنتی ہے۔

سورت کے عمومی مضامین

۱- اس سورت کے مضامین میں سے ایک، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تفصیلی واقعہ ہے (گزشتہ سورت میں یہ واقعہ اجمالاً مذکور تھا) اُن کی مشکلات کا بیان ہے، ان کے مقابلے میں آنے والے جادوگروں کے ایمان اور پھر اس پر استقامت کا بیان ہے۔

۲- اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام اور اُمّاں حوّا کا واقعہ بیان فرما کر یہ سمجھایا کہ جو اللہ کا فرمانبردار ہے وہ سعادت مند ہے اور جو نافرمان ہے وہ شقی ہے۔

۳- اس سورت میں بطورِ خاص توحید کا بیان بھی ہے اور تبلیغ قرآن کے لیے "تشجیع" یعنی طبیعتوں کو اُبھارا گیا ہے۔

۴- نیز سورت کے اختتام پر اللہ نے اطمینانِ قلب اور سعادت کے کچھ اہم اسباب بھی بیان فرمائے ہیں۔

۵- سورت کی ابتدا میں "مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۙ" سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن سے جُڑے رہنا "سعادت مندی" ہے، جب کہ سورت کے آخر میں "وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا" سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قرآنِ پاک سے اعراض کرنا "شقاوت اور بدبختی" ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

طٰهٰ ۚ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۙ

"طٰهٰ" یہ حروفِ مقطعات میں سے ہے۔ "مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۙ" ہم نے قرآن اس لیے آپ پر نہیں اُتارا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں۔

آیت کا پس منظر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم شروع شروع میں پوری پوری رات تہجد پڑھتے تھے، پاؤں سوج جاتے تھے، ٹانگوں پر وَرم آجاتا تھا۔ سارا سارا دِن اسی فکر میں گزرتا تھا کہ کسی طرح مشرکین، راہِ راست پر آجائیں۔ مشرکین نے بھی مذاق اُڑانا شروع کردیا کہ یہ کیسا دین انہوں نے اپنے لیے منتخب کیا ہے جس میں مشقت ہی مشقت ہے! اللہ ربّ العزّت نے اس پر فرمایا کہ میرے حبیب! ہم نے یہ قرآن اس لیے نہیں اُتارا کہ آپ کو مشقت میں ڈال دیں، بلکہ: ''اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۝'' ہم نے تو یہ قرآن اس لیے اُتارا ہے کہ جو اللہ سے ڈرے، اس کے لیے نصیحت ہو۔ ''تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۝'' آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے ربّ نے اس کو اُتارا ہے۔

اس کے بعد حضور کو حکم ہوا کہ آپ رات کا ایک حصّہ آرام فرمایا کریں اور ایک حصے میں تہجد پڑھا کریں، چنانچہ آپ رات کے شروع حصے میں آرام فرماتے تھے اور آخری حصے میں تہجد ادا فرماتے تھے۔

نکتہ:- سورت کی ابتدا میں قرآن کے ذِکر ''مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝'' سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قرآن سے جُڑے رہنا سعادت ہے اور سورت کی انتہا میں ''وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا'' سے اشارہ ہے کہ قرآنِ کریم سے اعراض کرنا، شقاوت اور بدبختی کی دلیل ہے۔

وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ۝۹ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى ۝۱۰ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ۝۱۱ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝۱۲ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ۝۱۳ اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۝۱۴ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا تَسْعٰى ۝۱۵ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ۝۱۶ وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ۝۱۷ قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ۝۱۸

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوّت ملنے کی روئیداد

ان آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملنے کا واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان فرمارہے ہیں، پچھلی سورت میں اس واقعہ کا اِجمالی بیان تھا، اس سورت میں تفصیلی بیان ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ آگے (سورۃ القصص میں) مزید تفصیل سے بھی آئے گا کہ ان کے ہاتھوں سے ایک (قبطی) شخص غیر ارادی طور پر قتل ہوگیا، اس کو مکا مارا جس سے وہ مرگیا، اس پر فرعون نے آپ کو قتل کرنے اور گرفتار کرنے کا حکم دیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اطلاع ہوگئی تو حضرت موسیٰؑ اللہ کے حکم سے مصر چھوڑ کر مدین کی جانب ہجرت کرگئے۔ وہاں مدین میں (حضرت شعیبؑ کی بیٹی سے) آپ کی شادی ہوگئی، آٹھ یا دس سال آپ وہاں رہے۔ وہاں سے اپنی بیوی کے ہمراہ واپس آرہے تھے اور بیوی بھی حمل سے تھی، بچے کی ولادت

کا وقت قریب تھا، رات کا سفر تھا، سردی کا زمانہ تھا۔ ایک جگہ دور سے آگ کا الاؤ دیکھا تو اندازہ ہوا کہ شاید وہاں کچھ مسافر لوگ موجود ہوں۔ ان سے راستہ پوچھنے اور آگ لینے کے لیے وہاں تشریف لے گئے۔

جب وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ آگ نہیں ہے، دراصل وہ اللہ تعالیٰ کا جلال تھا، اللہ تعالیٰ کا جمال تھا، آپ جیسے جیسے آگ لینے کی کوشش کرتے، آگ پیچھے ہو جاتی، اسی موقع پر اللہ ربّ العزّت نے آپ کو نبوّت عطا کر دی، یہاں مدین سے مصر واپسی کے دوران نبوّت ملنے والے واقعے کا ذکر ہے۔

گھر والوں سے کہا "امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى" "تم ٹھہرو میں نے آگ دیکھی ہے، سردی کا موسم تھا میں تمہارے لیے آگ لے کر آتا ہوں اور اگر کوئی بندہ مل گیا تو درست راستہ بھی معلوم ہو جائے گا۔" "فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ۝ اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ" "جب وہاں پہنچے تو آواز آئی "اے موسیٰ! میں تمہارا ربّ تم سے مخاطب ہوں!" چاروں طرف سے آواز آ رہی تھی، سمت کا کوئی تعین نہیں ہو رہا تھا۔ پھر اللہ پاک نے فرمایا: "فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى" "موسیٰ! جوتے اُتار دو، آپ مقدس وادی (طُوًى) میں آ گئے ہیں۔

مقدس مقامات پر حاضری کے آداب

اسی لیے حکم ہے کہ مسجد آؤ تو جوتے اتار کر آؤ، حرم میں آؤ تو جوتے اتار کر آؤ، مقدس مقامات میں جوتے اُتار کر آیا کرو۔ ان مقامات کا ادب یہی ہے کہ ان میں ننگے پاؤں آیا جائے۔

"وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى" "میں نے آپ کو نبی بنا لیا ہے لہٰذا اب آپ وحی سنیے۔" "اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ" "بیشک میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، تم میری عبادت کرو اور میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔

نماز کی اہمیت

اس وحی میں توحید کے عقیدہ کے بعد پہلا حکم نماز قائم کرنے کا دیا گیا ہے۔ سب شریعتوں میں نماز کی بہت اہمیت رہی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "من نام عن صلاة أو نسيها فليصلها إذا ذكرها" (مشکاۃ المصابیح: ۴/۵۵۹، بترقیم الشاملة آليا) جو شخص سونے یا بھول جانے کی وجہ سے وقت پر نماز کی ادائیگی نہ کر سکے تو جب اُسے یاد آئے، وہ نماز ادا کر لے۔

"اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا تَسْعٰى" "قیامت بھی آنے والی ہے جس میں ہر بندے کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ پھر اللہ پاک نے دعوت و تبلیغ کے حکم سے پہلے ایک معجزہ عطا کیا، پوچھا: "وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى" "موسیٰ! ہاتھ میں کیا ہے؟ اللہ کو خوب معلوم تھا کہ کیا ہے؟ صرف حضرت موسیٰؑ کو متوجہ کرنا تھا کہ دیکھ لو تمہارے ہاتھ میں کیا چیز ہے؟ اور ہم اسے کیا رُوپ دینے والے ہیں!" "قَالَ هِيَ عَصَايَ ۚ" "عرض کی: ڈنڈا ہے۔" "اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا" "سہارا لیتا

ہوں، ''وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِیْ'' اپنی بکریوں کے لیے درختوں سے پتے جھاڑتا ہوں، ''وَلِیَ فِیْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ﴿۱۸﴾'' اس کے اور بھی بہت سے فوائد ہیں۔

خواب میں حضرت موسیٰؑ اور شیخ احمد سرہندیؒ کی ملاقات

اس پر ایک لطیفہ یاد آیا، حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ جو برصغیر کے بہت بڑے مجددؒ گزرے ہیں، ہندوستان میں ''سرہند'' نامی علاقہ ہے جہاں حضرت کا مزار ہے، انہیں خواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زیارت ہوئی، موسیٰ علیہ السلام سے تعارف ہوا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اِن سے نام پوچھا تو انہوں نے جواب میں اپنا پورا نسب نامہ بیان کر دیا کہ میرا نام احمد بن فلاں بن فلاں ...... الخ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے آپ سے صرف نام پوچھا تھا، نسب تو نہیں پوچھا تھا! تو حضرت سرہندیؒ نے جواب دیا کہ آپ سے بھی تو اللہ نے صرف یہی پوچھا تھا کہ آپ کے ہاتھ میں کیا ہے؟ تو جواب میں اتنا کہنا کافی تھا کہ ''هِیَ عَصَایَ'' یہ ڈنڈا ہے، لیکن آپ نے جواب میں کیا فرمایا؟ ''اَتَوَكَّؤُا عَلَیْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِیْ وَلِیَ فِیْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى ﴿۱۸﴾'' اسی لیے میں نے بھی آپ کو اتنا لمبا جواب دیا، اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام مسکرا دیے۔

قَالَ اَلْقِهَا یٰمُوْسٰى ﴿۱۹﴾ فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِیَ حَیَّةٌ تَسْعٰى ﴿۲۰﴾ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِیْدُهَا سِیْرَتَهَا الْاُوْلٰى ﴿۲۱﴾ وَاضْمُمْ یَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ اٰیَةً اُخْرٰى ﴿۲۲﴾ لِنُرِیَكَ مِنْ اٰیٰتِنَا الْكُبْرٰى ﴿۲۳﴾

اس کے بعد اللہ نے آپ کو معجزہ دیا، آپ نے عصا پھینکا، تو وہ اژدھا بن گیا، اللہ نے فرمایا: ''وَلَا تَخَفْ'' ڈریے نہیں! ''سَنُعِیْدُهَا سِیْرَتَهَا الْاُوْلٰى ﴿۲۱﴾'' ہم اسے پھر سے عصا بنا دیں گے۔ اس کے بعد ''ید بیضاء'' کا معجزہ عطا کیا۔

فرعون کو تبلیغ کا حکم

''اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۲۴﴾'' فرمایا کہ اب جاؤ اور فرعون کو تبلیغ کرو، وہ سرکش ہو چکا ہے۔

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ﴿۲۵﴾ وَیَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ ﴿۲۶﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ ﴿۲۷﴾ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ ﴿۲۸﴾ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ ﴿۲۹﴾ هٰرُوْنَ اَخِی ﴿۳۰﴾ اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِیْ ﴿۳۱﴾ وَاَشْرِكْهُ فِیْٓ اَمْرِیْ ﴿۳۲﴾ كَیْ نُسَبِّحَكَ كَثِیْرًا ﴿۳۳﴾ وَّنَذْكُرَكَ كَثِیْرًا ﴿۳۴﴾ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِیْرًا ﴿۳۵﴾

اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پانچ اہم دُعائیں

اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پانچ دُعائیں مانگیں، جو ہم سب کو بھی اللہ پاک سے مانگنی چاہئیں:

پہلی دُعا: ''رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ﴿۲۵﴾'' اے اللہ میرا سینہ کھول دیجیے، مجھے شرح صدر اور بلند حوصلہ نصیب فرما۔

دوسری دُعا: ''وَیَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ ﴿۲۶﴾'' اور میرا کام آسان فرما دیجیے۔

تیسری دُعا: ”وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ“ ”میری زبان کی گرہ کھول دیجیے، زُبان میں لکنت تھی، ”یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ“ تا کہ لوگ میری بات سمجھ سکیں۔ اُنہیں بات سمجھانے میں دِقت نہ ہو۔

چوتھی دُعا: ”وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ“ ”میرے گھرانے میں سے میرا وزیر بنا دیجیے“ ”هٰرُوْنَ اَخِی اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِیْ“ ”یعنی ہارون کو جو میرا بھائی ہے، اس کے ساتھ مجھے مضبوط کر دیجیے۔

پانچویں دُعا: ”وَاَشْرِكْهُ فِیْۤ اَمْرِیْ“ ”اس کو میرے کام میں شریک کر دیجیے۔

علمی لطیفہ

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ:

أنها خرجت فيما كانت تعتمر، فنزلت ببعض الأعراب، فسمعت رجلا، يَقُولُ: أي أخ كَانَ في الدُّنْيَا أنفع لأخيه قالوا: والله إذا أدري، قَالَ: مَا ندري، قَالَ: فقلت: في نفسي في حفه لا يستثني إنه ليعم أي أخ في الدُّنْيَا كَانَ أنفع لأخيه قَالَ: موسى حين سأل لأخيه النبوة فقلت: صدق والله قلت: وفي هَذَا قَالَ: الله تَعَالَى في الثناء عَلَى موسى عَلَيْهِ السَّلَامُ: وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا۔

انہوں نے ایک بدوی سے سُنا جو اپنے ساتھیوں سے پوچھ رہا تھا کہ وہ کون سا بھائی ہے جو دنیا میں اپنے بھائی کے لیے زیادہ نفع مند ثابت ہوا؟ اس کے ساتھیوں نے کہا کہ ہمیں نہیں معلوم۔ اس بدو نے جواب دیا کہ وہ حضرت موسیٰؑ تھے جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے اپنے بھائی کے لیے نبوت مانگی تھی۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ تُو نے سچ کہا۔ (تفسیر ابن اَبی حاتم)

ذِمہ کام میں پیش آنے والی مشکلات کا اظہار جائز ہے

اس سے معلوم ہوا کہ اگر اساتذہ یا بڑوں کی طرف سے کسی کے ذمہ کوئی کام لگایا جائے اور اُسے یہ اندیشہ ہو کہ اس کام میں کچھ مسائل پیش آسکتے ہیں تو اُسے چاہیے کہ اپنے بڑوں کے سامنے بے دھڑک اُن مسائل کا تذکرہ کر دے اور ساتھ میں اُن کی دوری کے لیے دیانت دارانہ تجاویز دینا بھی جائز ہے۔ یہ ادب کے خلاف نہیں ہے۔

قَالَ قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَكَ یٰمُوْسٰى ۝ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَیْكَ مَرَّةً اُخْرٰۤى ۝ اِذْ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّكَ مَا یُوْحٰۤى ۝ اَنِ اقْذِفِیْهِ فِی التَّابُوْتِ فَاقْذِفِیْهِ فِی الْیَمِّ فَلْیُلْقِهِ الْیَمُّ بِالسَّاحِلِ یَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّیْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَاَلْقَیْتُ عَلَیْكَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ ۚ۬ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَیْنِیْ ۝ اِذْ تَمْشِیْۤ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ یَّكْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰۤى اُمِّكَ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ؕ۬ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّیْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۬ فَلَبِثْتَ سِنِیْنَ فِیْۤ اَهْلِ مَدْیَنَ ۙ۬ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ یّٰمُوْسٰى ۝ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِیْ ۝

سب دُعائیں قبول ہوئیں

فرمایا: ”قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يَامُوسَى“ اے موسیٰ! تیری دعائیں قبول ہوگئیں۔ پھر فرمایا: ”وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَى“ ہم نے آپ پر ایک اور احسان بھی کیا تھا۔

حضرت موسیٰؑ کی پیدائش اور اللہ پاک کی مہربانیاں

”إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَى أُمِّكَ مَا يُوحَى“ جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو اس وقت فرعون اور اس کی فوج، بنی اسرائیل کے بچوں کو قتل کر رہی تھی، ہزاروں بچے مار دیے، کہتے ہیں کہ فرعون نے بارہ ہزار (۱۲,۰۰۰) اور بعض کہتے ہیں کہ ستر ہزار (۷۰,۰۰۰) بچے مار دیے تاکہ ان میں سے کوئی ایسا لڑکا پیدا نہ ہو جو میرا تخت، مجھ سے چھین لے (کیونکہ فرعون کو کسی نے بتایا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو اپنی قوم کو فرعون کے ظلم سے نجات دلائے گا) حضرت موسیٰؑ جب پیدا ہوئے تو ان کی والدہ بہت پریشان ہوئیں کہ کہیں فرعون کے لوگوں کو لڑکے کی پیدائش کا علم نہ ہو جائے اور وہ آکر میرے لختِ جگر کو قتل نہ کر دیں۔ اللہ نے ان کی والدہ کے دل میں ڈالا کہ اس کو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دو، آگے میں جانوں اور میرا کام۔

”أَنِ اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِي وَعَدُوٌّ لَهُ وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِنِّي وَلِتُصْنَعَ عَلَى عَيْنِي“ اس کو صندوق میں ڈالو اور پھر صندوق کو دریا میں ڈال دو، دریا اس کو ساحل پہ لے جائے گا۔ چنانچہ صندوق کو دریا برد کیا، اب یہاں یہ معجزہ ظاہر ہوا کہ اگر کسی کو صندوق میں بند کر دیا جائے تو آکسیجن نہ ملنے کی وجہ سے اسکی موت ہو جاتی ہے، لیکن موسیٰ علیہ السلام صندوق کی قبر اور دریا کی موجوں میں بھی زندہ رہے۔

برزخی حیات پر استدلال

بھائیو! بعض اوقات اللہ تعالیٰ اپنی قدرت دکھا دیتے ہیں کہ وہ اپنے نبی کو صندوق کی قبر اور دریا کی موجوں میں زندہ رکھنے پر قادر ہے، تو اس سے ثابت ہوا کہ جو اللہ بندے کو صندوق کی قبر اور دریا کی موجوں میں زندہ رکھ سکتا ہے وہی اللہ انسان کو مرنے کے بعد اس زمین والی قبر میں بھی زندہ رکھنے پر قادر ہے۔

حضرت موسیٰؑ کے لیے صندوق والی قبر میں زندگی کی شہادت اللہ پاک نے دی اور زمین والی قبر میں زندگی کی شہادت جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مَرَرْتُ عَلَى مُوسَى لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي عِنْدَ الْكَثِيبِ الْأَحْمَرِ، وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي قَبْرِهِ“ (صحیح مسلم: ۴/ ۱۸۴۵) یعنی میں، معراج والی رات، موسیٰ علیہ السلام کی قبر کے پاس سے گزرا، سرخ ٹیلے کے پاس ان کی قبر ہے، تو وہ اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز ادا کر رہے تھے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ ہی کے بارے میں دکھایا گیا کہ وہ قبر میں زندہ ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب!

فرعون کے دربار میں

بہر کیف! اللہ پاک کے حکم سے صندوق کو دریا میں ڈالا گیا۔ جس وقت وہ ساحل پہ پہنچا تو اسے فرعون کے درباریوں نے اٹھالیا۔ فرعون کی بیوی حضرت آسیہ نے اس صندوق میں موجود بچے کو دیکھا۔ اللہ فرماتے ہیں:

"وَاَلۡقَيۡتُ عَلَيۡكَ مَحَبَّةً مِّنِّىۡ وَلِتُصۡنَعَ عَلٰى عَيۡنِىۡ" یعنی میں نے تم میں (موسیٰؑ میں) محبوبیت کی ایسی شان پیدا کردی تھی کہ جو انہیں دیکھتا، آپ سے محبت کرنے لگ جاتا۔

حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰؑ کی آنکھیں حلاوت اور مٹھاس سے اس قدر لبریز تھیں کہ جو شخص بھی انہیں دیکھتا، ان سے محبت کرنے لگ جاتا۔ (آئینہ القرآن:۱۰۹)

حضرت آسیہ نے فرعون سے کہا کہ اس بچے کو قتل نہیں کرنا، قتل کرنے کو اور بچے بہت ہیں، ایک لڑکے کے بچ جانے سے کوئی قیامت نہیں آتی، میں اس بچے کو قتل نہیں کرنے دوں گی۔

اِذۡ تَمۡشِىۡۤ اُخۡتُكَ فَتَقُوۡلُ هَلۡ اَدُلُّكُمۡ عَلٰى مَنۡ يَّكۡفُلُهٗ ؕ فَرَجَعۡنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَىۡ تَقَرَّ عَيۡنُهَا وَلَا تَحۡزَنَ ؕ وَقَتَلۡتَ نَفۡسًا فَنَجَّيۡنٰكَ مِنَ الۡغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوۡنًا ۚ فَلَبِثۡتَ سِنِيۡنَ فِىۡۤ اَهۡلِ مَدۡيَنَ ۙ ثُمَّ جِئۡتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوۡسٰى ۝

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی پریشانی

ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں ممتا جوش مار رہی تھی، انہیں رہ رہ کر یہی خیال ستا رہا تھا کہ پتہ نہیں میرا بچہ زندہ بھی ہے یا دریائی جانوروں کی خوراک بن چکا؟ حفاظت کا کیا گیا خدائی وعدہ پریشانی میں یاد نہ رہا تھا۔ اسی پریشانی میں اپنی بیٹی (موسیٰ کی بہن) کو بھیجا کہ جاؤ اور بھائی کی کوئی خیر خبر لے آؤ!

دوسری طرف حکومت کی طرف سے شہر بھر میں منادی کروادی گئی کہ ملکہ کے بچے کے لیے دائیہ ضرورت ہے، چنانچہ شہر بھر سے کئی دائیاں لائی گئیں، لیکن بچہ کسی کا دودھ پینے کو تیار نہیں تھا، اتنے میں موسیٰ علیہ السلام کی بہن وہاں پہنچی۔

ممتا کی آغوش میں واپسی

اس نے جب یہ منظر دیکھا تو فوراً کہا: "هَلۡ اَدُلُّكُمۡ عَلٰى مَنۡ يَّكۡفُلُهٗ" "ٹھہرو ٹھہرو! میں تمہیں ایک گھرانہ بتاتی ہوں، امید ہے کہ بچہ دودھ بھی پی لے گا اور وہ محبت سے اس کی پرورش بھی کریں گے۔ اس نے اپنی والدہ کا نام پیش کیا، آپ کی والدہ کو بلوایا گیا، انہوں نے جب بچے کو اپنے سینے سے لگایا تو بچہ فوراً دودھ پینے لگا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے فرمایا کہ میں تو گھر بار والی عورت ہوں، میں بادشاہ کے محل میں نہیں رہ سکتی، اگر بچہ میرے حوالے کردو تو میں اس کو اپنے گھر لے جاؤں گی اور دودھ پلاتی رہوں گی، جب یہ بڑا ہو جائے گا تو واپس کردوں گی۔

اللہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی ہمارا انعام تھا ''فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ''ہم نے تجھے تیری ماں کے پاس واپس بھیج دیا، تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں، وہ غمگین نہ ہو۔

وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۬ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۥ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ۝

قبطی اور اِسرائیلی کی لڑائی

پھر ایک اور واقعہ ذکر کیا: ''ہوا کچھ یوں کہ فرعون کی برادری کا ایک بندہ اور ایک بنی اسرائیل کا بندہ آپس میں لڑ رہے تھے، اس بنی اسرائیلی نے آپ سے اس فرعونی کی شکایت کی کہ یہ مجھے تنگ کرتا ہے مجھے مارتا ہے، موسیٰ علیہ السلام نے اس شخص کو ایک مُکّا مار دیا، مُکّا لگتے ہی وہ بندہ مر گیا، عام طور پر مُکّے سے کون مرتا ہے، بس اس کی یہی لکھی ہوئی تھی، سو وہ مر گیا۔ اگر چہ یہ بالکل غیر ارادی عمل تھا تاہم قتل خطا ہو گیا تھا، اس لیے حضرت موسیٰ نے فوراً اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا۔

اگلے دِن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ وہی بنی اسرائیلی (جس کی کل حضرت موسیٰ نے مدد کی تھی) کسی اور شخص سے لڑ رہا تھا، اس نے پھر آپ کو مدد کے لیے پکارا تو آپؑ نے اُسے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تو خود جھگڑالو بندہ ہے۔ کل اُس سے لڑ رہا تھا آج پھر اس سے لڑ رہا ہے، تاہم پھر بھی حضرت موسیٰ اس لڑائی کو ختم کرنے کے لیے آگے بڑھے لیکن اُس اسرائیلی نے حضرت موسیٰ کے اس کلام اور انداز سے یہ سمجھا کہ شاید آج میری خیر نہیں! اسی وجہ سے اس نے کل والا راز فاش کر دیا اور کہنے لگا ''کل ایک بندے کو قتل کیا اور آج تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو؟'' حضرت موسیٰ کے ڈر سے وہ بھاگا اور جا کر مخبری کر دی کہ کل جو لاش ملی تھی، اس کا قاتل کوئی اور نہیں موسیٰ ہے!

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مصر سے مدین کی طرف روانگی

فرعون نے فیصلہ کیا کہ موسیٰ کو پکڑ کر قصاصاً قتل کروا دیا جائے، فرعون کے دربار میں حضرت موسیٰ کا خیر خواہ ایک شخص تھا، اس نے فوراً آپؑ کو اس فیصلے کی اطلاع اِن الفاظ میں کی: ''اِنَّ الْمَلَاَ يَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِيَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّيْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِيْنَ '' (القصص: ۲۰) قوم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ آپ کو قتل کر دیں گے۔ اس لیے آپ یہاں سے نکل جائیں۔ چنانچہ آپؑ وہاں سے نکلے اور ''مدین'' تشریف لے گئے۔

''مدین'' میں شادی اور گھرانہ نصیب ہوا۔ کچھ سال مدین میں رہے، پھر آپ واپس آئے تو اللہ پاک نے نبوّت عطا فرما دی اور فرعون کے پاس دعوت کے لیے بھیجا۔ آپ وہاں گئے، فرعون سے مکالمہ اور بات چیت ہوئی جس کا اس رکوع میں ذکر ہے۔ یہ قصہ یہاں ختم ہوا۔

مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى ۝ وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى ۝

پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

حضرت موسیٰ کا قصہ بیان کرتے کرتے درمیان میں عقیدۂ توحید کا بیان ہے کہ ہم نے تمہیں اِسی زمین سے پیدا کیا اور ہم تمہیں اِسی زمین میں لوٹائیں گے۔ پھر ہم تمہیں دوبارہ اسی زمین سے اٹھائیں گے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ جس مٹی سے آدمی کا خمیر لیا جاتا ہے وہیں اس کی قبر بنتی ہے اور وہیں سے وہ اٹھایا جائے گا۔

زمین سے پیدا کیے جانے کا مطلب

حضراتِ مفسرین نے انسان کو "مٹی" سے پیدا کرنے کے دو مطلب بیان فرمائے ہیں:

پہلا مطلب: تمام انسانوں کے والد "حضرت آدمؑ" کی تخلیق مٹی سے ہوئی تھی، تو اصل کی تخلیق چونکہ نسل کی تخلیق ہے، اس لیے یوں فرما دیا گیا کہ تمہاری "اصل" تخلیق مٹی ہی سے ہے۔

دوسرا مطلب: عام انسانوں کی تخلیق میں اگر چہ اس کے والدین کے نطفے کا دخل ہوتا ہے تاہم نطفے کی بنیاد غذا اور خوراک ہے اور انسانی غذا (اناج، پھل وغیرہ) مٹی ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے گویا "انسان" مٹی سے ہی پیدا ہوا۔

قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ۞ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَآ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى ۞ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ۞ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ۞

جادو اور معجزہ آمنے سامنے

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ایک بار پھر شروع کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور جادوگروں کا جو مقابلہ ہوا تھا اس کو ذکر کیا جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے، کہ فرعون نے جادوگر بلوائے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کا چاشت کے وقت مقابلہ ہوا۔

فَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ۞

جادوگر مسلمان ہو گئے

جب مقابل ہوا تو جادوگر سمجھ گئے کہ موسیٰ در حقیقت جادوگر نہیں ہے۔ اس کے کارنامے کا کسی دنیوی فن سے تعلق ہی نہیں ہے۔ ان کی فطرت سلیم تھی، پیغمبرِ خدا کی تھوڑی دیر کی صحبت اور ایک معجزہ کا مشاہدہ کر کے حق تک پہنچ گئے، فوراً سجدہ میں گر گئے اور حضرت موسیٰ پر ایمان لے آئے۔

قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۭ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ ۡ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى ۞ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا

جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِىْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِىْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا
لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ
جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝ وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ۝
جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ۝

فرعون کی بوکھلاہٹ

فرعون کی فطرت چونکہ مسخ ہو چکی تھی، اس لیے وہ یہ عظیم الشان معجزہ دیکھنے کے باوجود ایمان نہ لایا بلکہ یہ سب دیکھ کر اُلٹا بگڑ گیا، کہنے لگا کہ لگتا ہے تم سب آپس میں ملے ہوئے ہو۔ موسیٰؑ تمہارا ہی سردار اور تم سب اس کے شاگرد ہو۔ میں تم سب جادوگروں کو قتل کر دوں گا، جادوگروں کو اللہ نے استقامت عطا فرمائی اور وہ ڈٹ گئے۔ کہنے لگے ”تجھ سے جو ہو سکتا ہے، کر لے“ ہم ایمان سے ہٹنے والے نہیں ہیں۔ ہمیں تو اپنے رب پر مکمل بھروسہ ہے کہ تیری اذیتوں کے بدلے میں ہمیں جنّت نصیب فرمائے گا۔ ہم اللہ کے حضور ”مجرم“ نہیں بلکہ ”مومن“ بن کر ہی جانا چاہتے ہیں۔

بہر کیف! ان حضرات نے اذیت ناک شہادت تو قبول کر لی لیکن دین سے ہٹنا گوارا نہ کیا۔ رضی اللہ عنہم و أرضاهم۔

وَلَقَدْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى ۙ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِىْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِى الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا
تَخْشٰى ۝ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ۝ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ۝

بنی اسرائیل کی ہجرت

اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے موسیٰؑ کو وحی کی کہ راتوں رات اپنی قوم کو لے چلے ”فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِى الْبَحْرِ يَبَسًا لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى“ دریا میں خشک راستے بنائے، اور پکڑے جانے کا خوف نہ کرے، ڈر نہ کریں۔

فرعون کی ہلاکت

”فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ“ اب فرعون بھی ان کے پیچھے چل پڑا، اور اس نے بھی ان بارہ راستوں پر لشکر دوڑا دیا لیکن اللہ نے فرعون اور اس کے لشکر کو (بحرِ قلزم میں) غرق کر دیا۔ یہ واقعہ متعدد بار بیان ہو چکا ہے۔ ”وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى۔“

يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ
وَالسَّلْوٰى ۝ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِىْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ
غَضَبِىْ فَقَدْ هَوٰى ۝ وَاِنِّىْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ۝

بنی اسرائیل پر خدائی اِنعامات

ان آیات میں اللہ پاک نے بنی اسرائیل پر اپنے اہم انعامات کا تذکرہ فرمایا کہ ہم نے تمہیں فرعون سے نجات دی۔ ہم نے تمہارے راہ نما، حضرت موسیٰ کو نبوّت اور تورات سے نوازا اور تمہیں طرح طرح کے آسمانی کھانے عطا کیے۔ ان احسانات کا تقاضا یہ ہے کہ تم اللہ کے مطیع بن کر رہو، سرکشی اور نافرمانی مت کرو، ورنہ میرا غضب نازل ہوگا۔

عظیم بشارت

''وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی'' فرمایا کہ جو شخص توبہ کر کے ایمان لے آئے اور اعمالِ صالحہ کرے اور پھر اسی پر دوام اختیار کرے تو میں اُسے بخش دیتا ہوں۔

فَرَجَعَ مُوْسٰٓی اِلٰی قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ یٰقَوْمِ اَلَمْ یَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۚ اَفَطَالَ عَلَیْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ یَّحِلَّ عَلَیْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِیْ ﴿۸۶﴾

قوم کی گاؤ پرستی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جلال

حضرت موسیٰ تورات لینے گئے تو پیچھے سے قوم نے گاؤ پرستی شروع کر دی، بچھڑے کی پوجا پاٹ شروع کر دی، سامری (جس کا اصل نام ''موسیٰ بن ظفر'' تھا) نے قوم کو گمراہ کر کے شرک پر لگا دیا تھا۔ یہ واقعہ تفصیل سے پہلے بیان ہو چکا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب طور سے واپس لوٹے تو اپنی قوم پر بہت ناراض ہوئے۔ کہا: ''یٰقَوْمِ اَلَمْ یَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا'' کیا تم سے اللہ نے اچھائی کا وعدہ نہیں کیا تھا کہ میں تمہیں کتابِ ہدایت عطا کروں گا؟ ''اَفَطَالَ عَلَیْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ یَّحِلَّ عَلَیْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِیْ'' یا اللہ کے اس وعدے کو اتنی دیر ہو گئی تھی کہ تم نے مایوس ہو کر اپنی طرف سے عبادت کا طریقہ مقرر کر لیا! تم نے کیوں اپنے اوپر اللہ کے غضب کو دعوت دی اور مجھ سے کیے گئے وعدے کی خلاف ورزی کی؟ معلوم ہوا کہ رسول کے احکامات کی خلاف ورزی، فتنہ میں مبتلا ہونے کا سبب بن جاتی ہے۔

قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِیْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَی السَّامِرِیُّ ﴿۸۷﴾

بُت پرستی کا لغو عذر

قوم نے بت پرستی کی وجہ یہ بیان کی کہ یہ سب ''سامری'' کی شرارت تھی، ہم اُسی کی باتوں میں آگئے تھے۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ سامری نے انہیں اس پر مجبور نہیں کیا تھا۔ خود ہی سمجھ داری کا مظاہرہ کرتے تو اس فتنے سے بچ سکتے تھے۔ ان کا یہ عذر بے بنیاد اور لغو ہی تھا۔

قَالَ يٰهٰرُوۡنُ مَا مَنَعَكَ اِذۡ رَاَيۡتَهُمۡ ضَلُّوۡۤا ۝ اَلَّا تَتَّبِعَنِ ؕ اَفَعَصَيۡتَ اَمۡرِىۡ ۝ قَالَ يَبۡنَؤُمَّ لَا تَاۡخُذۡ بِلِحۡيَتِىۡ وَلَا بِرَاۡسِىۡ ؕ اِنِّىۡ خَشِيۡتُ اَنۡ تَقُوۡلَ فَرَّقۡتَ بَيۡنَ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ وَلَمۡ تَرۡقُبۡ قَوۡلِىۡ ۝

اِجتہادی طور پر رائے میں اختلاف ہو جانا مذموم نہیں

حضرت موسیٰ نے اس موقع پر اپنے بھائی ہارونؑ سے بھی ناراضگی کا اظہار کیا کہ آپ نے بت پرستی میں مبتلا اس جماعت کو سمجھایا کیوں نہیں؟ بت پرستی سے کیوں نہیں روکا؟ آپ ایسی جماعت سے جہاد کرتے ورنہ کم سے کم انہیں چھوڑ کر میرے پاس طور پر آجاتے!

حضرت ہارون علیہ السلام کا معقول جواب

حضرت ہارونؑ نے اپنا عذر بیان کیا کہ میں نے حتی الامکان انہیں سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ مقابلہ اس لیے نہیں کیا کہ یہ لوگ تعداد میں بہت زیادہ تھے اور بت پرستی سے متنفر ساتھی ان کی نسبت تھوڑے تھے۔ نیز انہیں چھوڑ کر اس لیے نہ آسکا کہ کہیں قوم میں تفرقہ بازی نہ ہو جائے اور خدانخواستہ میں اس انتشار کا باعث بن جاؤں جس سے آپ کو مزید پریشانی ہو، اس لیے آپ کی واپسی تک انتظار اور ڈھیل کو مناسب سمجھا۔

قَالَ فَمَا خَطۡبُكَ يٰسَامِرِىُّ ۝ قَالَ بَصُرۡتُ بِمَا لَمۡ يَبۡصُرُوۡا بِهٖ فَقَبَضۡتُ قَبۡضَةً مِّنۡ اَثَرِ الرَّسُوۡلِ فَنَبَذۡتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتۡ لِىۡ نَفۡسِىۡ ۝

''سامری'' سے پوچھ گچھ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے پوچھا کہ یہ کیا تو نے حرکت کی تھی؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے ایسی چیز دیکھی تھی جسے قوم نہ دیکھ سکی، میں نے جبرائیل کی سواری کے نشانِ قدم کی مٹی اٹھائی تھی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام چونکہ روح الامین ہیں، اس لیے مجھے لگا کہ ان کے نقشِ قدم کی مٹی جس چیز میں بھی ڈالی جائے گی، اس میں زندگی کے آثار پیدا ہو جائیں گے۔ (شیطان نے یہ بات اسے سکھائی تھی یا اُس نے خود اس کا مشاہدہ کیا تھا۔ دونوں روایات ہیں۔ معارف: ۶/ ۱۴۴) اسی وجہ سے میں نے وہ مٹی، سونے چاندی سے بنے ہوئے بچھڑے میں ڈال دی۔ میرے دل کو ایسا ہی اچھا لگا تو میں نے کر دیا۔

قَالَ فَاذۡهَبۡ فَاِنَّ لَكَ فِى الۡحَيٰوةِ اَنۡ تَقُوۡلَ لَا مِسَاسَ ۖ وَاِنَّ لَكَ مَوۡعِدًا لَّنۡ تُخۡلَفَهٗ ۚ وَانۡظُرۡ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِىۡ ظَلۡتَ عَلَيۡهِ عَاكِفًا ؕ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنۡسِفَنَّهٗ فِى الۡيَمِّ نَسۡفًا ۝

سامری کے لیے بددُعا

اس موقع پر حضرت موسیٰؑ نے اس بچھڑے کو جلا دیا اور جلا کر اس کی راکھ خاک میں ملا دی، اور سامری (جو اِس فتنے

کا ماسٹر مائنڈ تھا) کے لیے آپ نے عذاب کا اعلان کیا، فرمایا کہ "فَاذۡهَبۡ فَاِنَّ لَكَ فِي الۡحَيٰوةِ اَنۡ تَقُوۡلَ لَا مِسَاسَ وَاِنَّ لَكَ مَوۡعِدًا لَّنۡ تُخۡلَفَهٗ" (طٰہٰ:۹۷) دفع ہو جا تیرے لیے یہی عذاب ہے کہ تو ساری زندگی لوگوں کو یہی کہتا پھرے گا کہ مجھے ہاتھ نہ لگانا۔ جو اسے ہاتھ لگاتا تھا، وہ بیمار ہو جاتا تھا، وبائی بیماری میں مبتلا ہو جاتا تھا۔ یہ حضرت موسیٰؑ کا تفصیلی واقعہ ہوا۔

وَيَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡجِبَالِ فَقُلۡ يَنۡسِفُهَا رَبِّيۡ نَسۡفًا ۙ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفۡصَفًا ۙ لَّا تَرٰى فِيۡهَا عِوَجًا وَّلَاۤ اَمۡتًا ؕ يَوۡمَئِذٍ يَّتَّبِعُوۡنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ۚ وَخَشَعَتِ الۡاَصۡوَاتُ لِلرَّحۡمٰنِ فَلَا تَسۡمَعُ اِلَّا هَمۡسًا ۞ يَوۡمَئِذٍ لَّا تَنۡفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنۡ اَذِنَ لَهُ الرَّحۡمٰنُ وَرَضِيَ لَهٗ قَوۡلًا ۞ يَعۡلَمُ مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡ وَلَا يُحِيۡطُوۡنَ بِهٖ عِلۡمًا ۞ وَعَنَتِ الۡوُجُوۡهُ لِلۡحَيِّ الۡقَيُّوۡمِ ؕ وَقَدۡ خَابَ مَنۡ حَمَلَ ظُلۡمًا ۞ وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلۡمًا وَّلَا هَضۡمًا ۞

قیامت کی ہولنا کیوں کا مختصر تذکرہ

ان آیات سے قیامت کا کچھ تذکرہ شروع کیا گیا ہے، فرمایا کہ: "وَيَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنِ الۡجِبَالِ فَقُلۡ يَنۡسِفُهَا رَبِّيۡ نَسۡفًا" یہ لوگ آپ سے پہاڑوں کے متعلق پوچھتے ہیں کہ قیامت میں ان کا کیا ہوگا؟ بتادو کہ تیرا ربّ اِن سب کو اُڑا دے گا۔ "فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفۡصَفًا" اِن کو چٹیل میدان بنادے گا اور زمین بالکل سیدھی ہو جائے گی "لَّا تَرٰى فِيۡهَا عِوَجًا وَّلَاۤ اَمۡتًا" اس طرح قیامت قائم ہوگی۔ خدائی مرضی کے بغیر کوئی کسی کے کام نہ آسکے گا۔ گندے لوگ پریشان ہوں گے جب کہ نیک صالح مؤمنین ایسی ہولنا کی میں بھی مطمئن ہوں گے۔

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الۡمَلِكُ الۡحَـقُّ ۚ وَلَا تَعۡجَلۡ بِالۡقُرۡاٰنِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ يُّقۡضٰۤى اِلَيۡكَ وَحۡيُهٗ ۖ وَقُلۡ رَّبِّ زِدۡنِيۡ عِلۡمًا ۞

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیحت

آیت کے اس حصہ میں اللہ پاک نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نصیحت فرمائی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جب قرآن نازل ہوتا تھا آپ اسے یاد کرنے کے لیے جلدی جلدی ہونٹ ہلایا کرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بھول جائے۔ اس پر اللہ پاک نے فرمایا کہ آپ قرآن لینے میں جلدی نہ کیا کریں، اسے یاد کرانا ہماری ذمہ داری ہے۔ آپ بس یہ دُعا کرتے رہا کریں کہ "رَّبِّ زِدۡنِيۡ عِلۡمًا" یہ دُعا ہر لحاظ سے جامع ہے اور اس کی تعلیم ہمارے لیے بھی ہے۔

علم میں اضافہ مطلوب ہے

معلوم ہوا کہ علم ایسی چیز ہے جس کی کوئی انتہا نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسی کائنات کی سب سے زیادہ علم والی ہستی کو تلقین کی جا رہی ہے کہ اپنے رب سے علم میں اضافے کی دُعا مانگو۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ۝ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ۝ فَقُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ۝

حضرت آدم علیہ السلام کے واقعے میں اُمت کے لیے سبق

اس رکوع میں حضرت آدم علیہ السلام اور شیطان کا واقعہ ذکر کیا، یہ واقعہ بھی کئی بار گزر چکا ہے، اس قصے کو ذکر کرنے سے مقصد یہ ہے کہ شیطان کے بہکاوے میں نہ آؤ۔ شیطان تمہارا ازلی دشمن ہے۔ اس نے تمہارے ماں باپ (یعنی آدم وحوّا) سے بھی دشمنی نکالی تھی۔ اس لیے اپنے آپ کو شیطانی چالوں اور وسوسوں سے بچا کے رکھو۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ۝ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْۤ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ۝

ذِکرُاللہ سے اِعراض کی سزا

اس رکوع کے آخر میں اللہ نے اپنے ذکر سے اعراض کرنے والوں کی سزا بیان کی: ''وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا'' جس نے میرے ذِکر سے اِعراض کیا ہم اس کی گزران اور معاشی حالت تنگ کر دیں گے۔ ''وَنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى'' اور قیامت کے دِن اسے اندھا کر کے اُٹھائیں گے۔

اِعراض کا مطلب

اس بارے میں حضراتِ مفسرین کرامؒ کی آراء مختلف ہیں:

۱۔ بعض اہلِ علم کہتے ہیں کہ اس کی تفسیر یہ ہے کہ جو شخص قرآنی احکامات پر عمل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے منہ موڑے گا، اس کا انجام یہ ہوگا۔

۲۔ بعض نے اس کو اپنے عموم پر رکھا ہے، کہ جو بھی خدا کے ذکر سے اعراض کرے گا، اس کی گزران تنگ ہوگی۔

واللہ تعالیٰ اَعلم بالصواب!

معیشت تنگ ہونے کا مطلب

حضراتِ مفسرینؒ کے نزدیک اس کے دو مطلب ہیں:

۱۔ ایسے لوگوں سے قناعت کا وصف چھین لیا جائے گا اور یہ لوگ مال دار ہونے کے باوجود ہر وقت دنیا کی حرص میں مبتلا رہیں گے۔ ان لوگوں کو قلبی سکون نصیب نہیں ہوگا۔

۲۔ دُنیا میں اگرچہ یہ لوگ مالدار ہوں گے لیکن قبر اور برزخ میں ان کی زندگی، تنگ کر دی جائے گی اور یہ عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ (معارف القرآن جلد ۶، صفحہ ۱۹۰)

"قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِىۡۤ اَعۡمٰى وَقَدۡ كُنۡتُ بَصِيۡرًا" وہ پوچھے گا کہ اے رَبّ! تُو نے مجھے اندھا کیوں اٹھایا، میں تو بینا تھا، تو اللہ کہیں گے کہ "قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتۡكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيۡتَهَا‌ ۚ وَكَذٰلِكَ الۡيَوۡمَ تُنۡسٰى" (۱۲۶) جس طرح ہماری آیات تیرے پاس آئی تھیں لیکن تُو نے اُنہیں بھلا دیا تھا، آج ہم بھی تجھ کو بھلا دیں گے۔

"وَكَذٰلِكَ نَجۡزِىۡ مَنۡ اَسۡرَفَ وَلَمۡ يُؤۡمِنۡۢ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ‌ ؕ وَلَعَذَابُ الۡاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبۡقٰى ۝" اللہ فرماتے ہیں کہ یہی سزا ہے اس شخص کی جو حد سے تجاوز کرے، اور ہماری آیات پر ایمان نہ لائے، اور آخرت کا عذاب تو بڑا سخت بھی ہے اور باقی رہنے والا بھی۔

فَاصۡبِرۡ عَلٰى مَا يَقُوۡلُوۡنَ وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ قَبۡلَ طُلُوۡعِ الشَّمۡسِ وَقَبۡلَ غُرُوۡبِهَا‌ ۚ وَمِنۡ اٰنَآىِٔ الَّيۡلِ فَسَبِّحۡ وَاَطۡرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرۡضٰى ۝ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيۡنَيۡكَ اِلٰى مَا مَتَّعۡنَا بِهٖۤ اَزۡوَاجًا مِّنۡهُمۡ زَهۡرَةَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۙ لِنَفۡتِنَهُمۡ فِيۡهِ‌ ؕ وَرِزۡقُ رَبِّكَ خَيۡرٌ وَّاَبۡقٰى ۝ وَاۡمُرۡ اَهۡلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصۡطَبِرۡ عَلَيۡهَا‌ ؕ لَا نَسۡـَٔلُكَ رِزۡقًا‌ ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُكَ‌ ؕ وَالۡعَاقِبَةُ لِلتَّقۡوٰى ۝

جنابِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پانچ اَحکامات

ان آیات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پانچ احکامات سے سرفراز فرمایا گیا ہے، ان میں اطمینانِ قلب کا سامان بھی ہے اور ساتھ میں تبلیغ کے لیے تشجیع اور ہمت افزائی بھی ہے کہ لوگوں کی باتوں کی پرواہ مت کیجیے۔

پہلا حکم: ملنے والے مصائب پر صبر

"فَاصۡبِرۡ عَلٰى مَا يَقُوۡلُوۡنَ" لوگوں کی باتوں پر صبر کیجیے، مبلغ پر طرح طرح کی باتیں ہوتی ہیں، فقرے کسے جاتے ہیں، ان باتوں کی طرف ہرگز توجہ مت دیجیے، صبر سے کام لیجیے۔

دوسرا حکم: پنج گانہ نمازوں کی پابندی

"وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ" اس آیت میں "سبح" سے مراد "صلِّ" ہے یعنی پانچ اوقات میں نماز ادا کیجیے۔ اوقات بھی خود اللہ پاک نے بیان فرما دیے ہیں۔

تیسرا حکم: دُنیوی مال ومتاع قابلِ توجہ ہی نہیں ہے

"وَلَا تَمُدَّنَّ عَيۡنَيۡكَ اِلٰى مَا مَتَّعۡنَا بِهٖ" آپ ان دُشمنانِ خدا کی دُنیوی عیش وعشرت اور زیب وزینت کی طرف ہرگز توجہ مت دیجیے، یہ سب آزمائش اور عارضی رونق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے طے کردہ رزق ہی آپ کے لیے بہت بہتر ہے۔

چوتھا حکم: گھر والوں کو نماز کی تلقین

"وَاۡمُرۡ اَهۡلَكَ بِالصَّلٰوةِ" اپنے گھر والوں کو نماز کی تلقین کرتے رہا کرو۔

پانچواں حکم: نماز پر ثابت قدمی

"وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا" خود بھی نماز پر ڈٹے رہو۔ آخری دم تک نماز پڑھتے رہو "واعبد ربك حتى يأتيك اليقين" مرتے دم تک عبادت میں لگے رہو۔ خود بھی نماز پہ جمے رہو، ایسا نہ ہو کہ خود تو نماز کے عادی ہو لیکن نہ بیوی نماز پڑھ رہی ہے، نہ بچے نماز پڑھ رہے ہیں، ان کو بھی نماز کا عادی بناؤ، ان کو بھی نماز کی تلقین کرتے رہو، نماز کا کہتے رہو۔

جو شخص اللہ کے کاموں میں لگ جائے، اس کے لیے رزق کا معاملہ آسان ہو جاتا ہے

"لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا" ہم آپ سے رزق کا سوال نہیں کرتے، یعنی ہم آپ کو یہ نہیں کہتے کہ میرے حبیب آپ اپنے اہل وعیال کے لیے رزق کمائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذریعہ معاش کیا تھا؟

نبوّت ملنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ذریعہ معاش نہیں تھا، تجارت بھی آپ نے نبوّت سے پہلے فرمائی۔ نبوّت کے بعد آپ کی ایک ہی ذمہ داری تھی اور وہ تھی "دین کی تبلیغ"، آپ کی کفالت اللہ کی طرف سے ہوتی تھی، حضور علیہ السلام کا گزر بسر حضرات صحابہ کرامؓ کے ہدایا پر تھا، بعد میں آپ کا گزر بسر مالِ فَیْ اور مالِ غنیمت کے حصوں پر ہوتا تھا۔ جس کی تفصیل "سورۂ انفال" میں آپ کے سامنے پیش کی جا چکی ہے۔

اسی لیے فرمایا کہ ہم آپ سے یہ نہیں کہتے کہ آپ کوئی پیشہ اختیار کریں، بلکہ "نَحْنُ نَرْزُقُكَ" آپ کا رزق ہمارے ذمہ ہے۔ "وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى" اچھا انجام تو تقویٰ والوں کے لیے ہے۔ یہ اس پارے کے اہم مضامین ہوئے۔

سورت کا اِجمالی درس

حاصل یہ ہے کہ قرآنِ کریم سے راہ نمائی حاصل کر کے اسبابِ سعادت اختیار کریں اور شقاوت سے بچیں۔

قرآنِ کریم اور رسول کی اطاعت، سعادت مندی کی علامات ہیں۔ توحید و رسالت کی سعادت کو ڈنکے کی چوٹ پر بیان کریں۔ خود بھی سعادت پر قائم رہیں اور اپنی نسلوں کو بھی اسی پر قائم رکھیں۔

جو لوگ، اللہ اور اس کے پیغمبر کی اطاعت نہیں کرتے، وہ شقی اور بد بخت ہیں۔ ایسے شقیوں سے خود بھی بچیں اور اپنی نسلوں کو بھی ان کی پیروی سے بچا کے رکھنا دینی فریضہ ہے۔ کامیابی کا مدار، ایمان پر قائم رہنا ہے، دُنیوی مال و دولت کامیابی کی دلیل نہیں۔ اس لیے ایمان پر جمے رہیں۔ مالدار اشقیاء سے متأثر ہونے کی ہرگز ضرورت نہیں۔

تمت سورۃ طٰہٰ بفضل اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْاَنْبِيَآءِ

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے۔ موجودہ ترتیب کے مطابق اس سورت کا اکیسواں (۲۱) نمبر ہے، جب کہ نزول کے لحاظ سے یہ اکہتر ویں (۷۱) نمبر پر ہے، سات رکوع اور ایک سو بارہ آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

اس سورت میں چونکہ کثرت سے انبیائے کرام کا تذکرہ ہے، اس لیے اسے یہ نام دیا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

قرآن پاک کی ہر سورت کا پچھلی سورت سے اور ہر رکوع کا پچھلے رکوع سے ربط اور جوڑ ہوتا ہے۔ سورۂ انبیاء سے پہلے سورۂ طٰہٰ ہے، اور دونوں میں کئی اعتبار سے ربط اور جوڑ ہے، جن میں سے اہم یہ ہے کہ سورۂ طٰہٰ میں اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ "میں معبود برحق اور وحدہ لاشریک ہوں"، جب کہ اس سورت میں اللہ نے بیان فرمایا: "وما ارسلنا من قبلك من رسول الا نوحی الیه...الخ" کہ صرف موسیٰ کی بات نہیں، ہم نے ہر نبی کو یہی وحی کی کہ "میں ہی معبودِ برحق ہوں، میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں" لہٰذا ہر نبی کا یہی پیغام رہا کہ اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے ساتھ شرک نہ کرو۔

مرکزی موضوع

اس سورت میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سمیت تمام انبیاء کا اللہ ربّ العزّت کی طرف سے "رحمت" ہونا بتایا گیا ہے۔

عمومی مضامین

اس سورت میں چند مضامین بطورِ خاص بیان فرمائے گئے ہیں:

۱- ایک یہ ہے کہ قیامت قریب آ چکی ہے، لیکن لوگ قیامت اور اس کی تیاری سے غافل ہیں۔

۲-اس سورت میں اللہ پاک نے کفّار اور نہ ماننے والوں کو تنبیہ کی ہے کہ تم ذرا پیچھے مڑ کر اپنے سے پہلے والے اُن لوگوں کو دیکھو، جنھوں نے انبیاء کی تکذیب کی اور ہمارے احکامات کو نہیں مانا! دیکھو کہ ہم نے انہیں کیسے تباہ و برباد کر دیا، کہیں تم بھی انہی کے نقش قدم پر چل کر ہلاکت میں نہ پڑ جانا۔

۳-اس سورت میں گزشتہ چند اُمتوں کے احوال بیان فرمائے گئے ہیں۔

۴-قیامت کے احوال اللہ نے اس سورت میں بیان کیے ہیں۔

۵-اللہ پاک نے اپنی قدرت کے کچھ نمونے پیش کر کے لوگوں کو اپنا قادرِ مطلق اور واحد ہونا سمجھایا ہے۔

اہمیت

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ سورت کہف، مریم، طٰہٰ اور سورت الانبیاء نزول کے اعتبار سے ابتدائی سورتیں اور میری قدیم دولت ہیں، جن کی میں ہمیشہ حفاظت کرتا ہوں۔ (تفسیر قرطبی بحوالہ معارف القرآن)

پارہ نمبر ۱۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ①

قیامت قریب آچکی

لوگوں کے حساب و کتاب کا وقت قریب آچکا ہے، لیکن وہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں، اعراض کر رہے ہیں۔ اسے اگنور کر رہے ہیں۔ حالانکہ ان کے اعراض کرنے سے قیامت ٹلے گی نہیں، حساب و کتاب ٹلے گا نہیں۔ آگے اللہ پاک ذکر فرمائیں گے کہ قیامت میں لوگوں کے اعمال تولے جائیں گے، ایک ایک نیکی اور ایک ایک بدی تولی جائے گی، اعمال کی کیفیت اور مقدار پر ہی جنّت اور جہنّم کا فیصلہ ہوگا، تو فرمایا کہ قیامت کچھ زیادہ دور نہیں ہے۔

عالمِ برزخ بھی اِک قیامت ہے

چھوٹی قیامت تو مرتے ہی قائم ہو جاتی ہے، چھوٹے چھوٹے سوال تو قبر میں ہی شروع ہو جاتے ہیں۔ میدانِ کارزار بھی زیادہ دور نہیں ہے، یعنی اگر اس کی ہولنا کی کو دیکھا جائے، تو قیامت کے آنے میں بہت زیادہ وقت نہیں رہا۔

مَا يَأْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ② لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ③

کفّار کی غفلت

اللہ پاک فرماتے ہیں: ''مَا يَأْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ'' ان کے پاس جب بھی

ان کے ربّ کی طرف سے کوئی نئی نصیحت (قرآن یا حدیث کی شکل میں) آتی ہے، یہ اس کا مذاق اڑانے لگ جاتے ہیں۔ اس کو کھیل بنا لیتے ہیں۔ "وَأَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِينَ ظَلَمُوا" آپس میں یہ ایک دوسرے کو چھپ چھپ کر کہتے ہیں: "هَلْ هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" کہ یہ جو اپنے آپ کو نبی اور رسول کہتا ہے یہ تو ہم جیسا ہی انسان اور عام بندہ ہے، کوئی فرشتہ تو ہے نہیں کہ ہم اس کی بات مان لیں۔ نبی تو کسی فرشتے کو ہونا چاہیے تھا۔ "أَفَتَأْتُونَ السِّحْرَ وَأَنتُمْ تُبْصِرُونَ" قرآنِ کریم کی حلاوت اور تاثیر کا تو کافر لوگ انکار نہیں کر سکتے تھے، بس اس سے توجہ ہٹانے کی یہی صورت نکالی کہ اسے سحر اور جادو کہہ دیں اور لوگوں سے کہتے پھریں کہ جب یہ جادو ہے تو ایسا کلام سننا دانشمندی کے خلاف ہے۔

قٰلَ رَبِّيْ يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ۡ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۝ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ ۝

تمہاری سب حرکات ہمارے علم میں ہیں

اللہ پاک نے فرمایا: "يَعْلَمُ الْقَوْلَ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ" کہ تم جو چھپ چھپ کر باتیں کرتے ہو، اللہ سب جانتا ہے، تمہاری چھپی ہوئی باتوں کو اللہ خوب جانتا ہے، وہ سب سنتا ہے۔

مشرکین کی ذہنی پستی

"بَلْ قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ بَلِ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ فَلْيَأْتِنَا بِآيَةٍ كَمَا أُرْسِلَ الْأَوَّلُونَ" دراصل قرآن کے بلیغ انداز کو سن کر مشرکینِ مکہ حواس باختہ ہو چکے تھے، کسی ایک بات پر ٹھہرتے ہی نہیں تھے، کبھی کہتے کہ یہ قرآن جادو ہے، اور کبھی کہتے کہ یہ ملی جلی باتیں ہیں، "أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ" ہیں، خواب کی باتیں ہیں، کبھی کہتے کہ یہ تو حضور نے خود گھڑ لی ہیں، اور کبھی کہتے کہ یہ تو شعر و شاعری کی باتیں ہیں، شاعرانہ تخیل ہے، سجع بندی کی گئی ہے، پھر کہتے تھے کہ کوئی نشانی لے آؤ۔ وغیرہ وغیرہ۔

تکذیب کا انجام

"مَا آمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَفَهُمْ يُؤْمِنُونَ" فرمایا کہ پچھلی اُمتوں نے بھی اپنے نبیوں کو جھٹلایا، وہ ہلاک ہوئے، اب یہ لوگ فیصلہ خود کر لیں کہ نبی کی تکذیب کر کے ہلاک ہونا چاہتے ہیں یا ایمان لانا چاہتے ہیں؟

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ۝ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ۝

کیا انبیائے کرام علیہم السلام ''بشر'' نہیں ہوتے؟

مشرکینِ مکہ کا یہ کہنا کہ یہ (محمد ﷺ) ہماری طرح انسان ہی ہے۔ نبی تو کسی فرشتے کو ہونا چاہیے تھا! تو اللہ نے فرمایا: ''وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ'' کہ ہم نے آپ سے پہلے جتنے نبی بھیجے سب انسان ہی تھے اور مرد تھے، اگر تمہیں نہیں پتہ اور جاننا چاہتے ہو تو علم والوں سے پوچھ لو۔ ''وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ'' اور ہم نے جتنے نبی بھیجے وہ کوئی ایسے اجساد نہیں تھے جو کھانا نہ کھاتے ہوں اور کوئی نبی ایسا نہیں آیا جو ہمیشہ رہنے والا ہو، سارے انبیاء پر موت آئی۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکینِ مکہ کی اس سوچ کی بھرپور تردید فرمائی۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ۝ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۝ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۭ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ۝

زمین و آسمان کی تخلیق عبث اور بے کار نہیں

فرمایا: ''وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ'' ہم نے آسمان اور زمین کو فضول پیدا نہیں کیا، یہ زمین کا اتنا بڑا نظام، آسمان کا اتنا بڑا نظام، ان کے درمیان کی مخلوق، یہ کوئی کھیل نہیں ہے، جس طرح زمین و آسمان اور اس کی تمام مخلوقات کی تخلیق عینِ حکمت اور مصالح پر مبنی ہے، اسی طرح جن بستیوں کو ہلاک کیا گیا، ان کی تباہی بھی حکمت پر مبنی تھی۔ یہ دنیا دار العمل ہے، کل کو تمہارا حساب ہونا ہے، اسی آزمائش اور امتحان کے لیے ہم نے یہ کائنات بنائی ہے، اس کو کھیل تماشا نہ سمجھو، اور جو ذات اتنا بڑا نظام چلاتی ہو وہ اس لائق ہے کہ اسی کی ہی عبادت کی جائے۔

اتنے عظیم کام، کھیل تماشے کے لیے نہیں ہوتے!

فرمایا: ''لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ۖ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ'' کہ اگر ہم نے اس دُنیا و مافیہا کو کھیل تماشا کے طور پر ہی بنانا ہوتا تو ہمیں اس قدر تکلف کی کیا ضرورت تھی! اس مشغلے کے لیے ہم کچھ اور بھی کر سکتے تھے۔ معلوم ہوا کہ یہ عظیم کاریگری محض تماشا نہیں، بلکہ توحیدِ باری کی طرف دعوتِ فکر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ''بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ'' یہ دُنیا میدان کارزار ہے، یہاں حق و باطل کی جنگ ہے، اور ہم حق کو (یعنی توحید کو جو اِن عظیم مصنوعات سے نمایاں ہوتی ہے) باطل کی کھوپڑی میں مارتے ہیں جس سے باطل چلا جاتا ہے (شرک کی بالکل گنجائش ہی نہیں رہتی) جھوٹ چلا جاتا ہے، کفر، حق کے سامنے ٹھہر ہی نہیں سکتا، شکست کھا جاتا ہے۔ لیکن تم ان دلائل کے باوجود شرک اور جھوٹ پر ڈٹے ہوئے ہو، اس لیے تمہارے لیے ہلاکت اور بڑی خرابی ہے۔

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ۝ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ۝

اللہ پاک ہی سب جہانوں کا اکیلا مالک اور معبود ہے

فرمایا کہ اس کی توحید اور اس کی عظمت کا اس بات سے اندازہ لگالو کہ وہ آسمان اور زمین اور اس ساری کائنات کا اکیلا مالک ہے، اور اللہ کے فرشتے بھی اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور وہ اللہ کی عبادت میں سستی نہیں کرتے، فرشتے دِن رات اللہ کی تسبیح کرتے کرتے تھکتے نہیں ہیں، جو ذات اِن صفات کی حامل ہو، حقیقت میں وہی اِلٰہ ہوا کرتی ہے۔

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ۝

اللہ کی وحدانیت پر عقلی دلیل

توحید باری پر اللہ پاک نے ایک بہترین اور عقلی دلیل دی، جو دلوں کو اپیل کرتی ہے، فرمایا: "لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا" کہ اگر معبود ایک نہ ہوتا، بلکہ ایک سے زائد ہوتے، جیسے اِن مشرکین کا نظریہ ہے، بعض مشرک کہتے ہیں کہ معبود تین ہیں، بعض کہتے ہیں دس ہیں، بعض کہتے ہیں سو (۱۰۰) ہیں، مشرکین مکہ تو ۳۶۰ معبودوں کو مانتے تھے، ہندوستان کے بت پرست ہندو، کروڑوں معبودوں کو پوجتے ہیں، اللہ نے فرمایا کہ کوئی عقل کی بات کرو، اگر ایک سے زائد خدا ہوتے، تو پھر یہ دنیا قائم نہ رہ سکتی، یہ دنیا تباہ و برباد ہوجاتی، اس لیے کہ فرض کریں اگر صرف دو ہی خدا ہوں، تو اس دنیا کے نظام کو چلانے کے لیے عقلی طور پر تین صورتیں ہوسکتی ہیں:

۱- یہ بتائیں کہ اس دنیا کا جو نظام ہے، وہ دونوں مل کر، ایک دوسرے کے مشورے سے چلاتے ہیں یا دونوں میں سے ہر ایک الگ الگ چلاتا ہے؟ اگر دونوں ایک دوسرے کے مشورے سے چلاتے ہیں تو معنی یہ ہوا کہ دونوں کمزور ہیں، دونوں بے اختیار ہیں، کیونکہ دونوں ایک دوسرے کے مشورے کے پابند ہوگئے! معلوم ہوا کہ ان میں سے کوئی ایک بھی خودمختار نہیں، بلکہ دونوں ناقص اور محتاج ہیں، حالانکہ خدا تو کسی کا محتاج ہو ہی نہیں ہوسکتا۔ اس لیے مشورے سے چلانے والی بات تو خدائی اختیار کے خلاف ہے۔

۲- اور اگر ان میں سے ایک خدا اس سارے نظام کو چلارہا ہے، اپنی مرضی کے فیصلے کرتا ہے، دوسرے کے احکامات چلنے نہیں دیتا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دوسرا مغلوب اور بے بس ہوگیا۔ حالانکہ بے بس اور مجبور، خدا ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لیے ایک سے زائد خداؤں کی بات لغو ہوئی۔

۳- اور اگر دونوں خدا برابر کی طاقت اور پاور رکھتے ہوں اور دونوں مستقل طور پر کائنات کا نظام چلارہے ہوں تو کائنات کی کوئی چیز بن ہی نہیں سکتی، اس لیے کہ ان دونوں میں اختلاف رائے تو ضرور ہوگا، کیونکہ ہر ذی شعور میں اختلاف

رائے ہوتا ہے، باپ بیٹے میں، میاں بیوی میں، استاد شاگرد میں اختلاف رائے ہوتا ہے، تو جب مخلوقات میں اختلاف رائے ہوتا ہے تو خالق میں تو بطریق اولی ہوگا، تو جب خالق میں اختلاف رائے ہوگا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک خدا کی منشا ہوگی کہ زمین پر بارش برسنی چاہیے، جب کہ دوسرے خدا کی منشا ہوگی کہ زمین پر شدید دھوپ ہونی چاہیے، تو اب ایک کا حکم ہوگا بارش کا اور دوسرے کا حکم ہوگا دھوپ کا۔ ایک چاہے گا کہ اس وقت رات ہو جب کہ دوسرا اپنی مختاری برقرار رکھنے کے لیے اس وقت دِن کا آرڈر کرے گا، تو دنیوی نظام ہی فاسد ہوجائے گا، کوئی چیز معرض وجود میں ہی نہیں آسکے گی (اگر دونوں باہمی مشورے اور اتفاق سے کام کرنا چاہیں تو اس کی خرابی ہم شق نمبر ایک میں بیان کر چکے) ایک ملک میں دو وزیر اعظم نہیں رہ سکتے، ایک گھر میں دو سربراہ نہیں رہ سکتے، ورنہ گھر اور ملک کا نظام نہیں چل سکتا، اداروں کا سربراہ ایک ہی ہوتا ہے، قوتِ حاکمہ اور فیصلے کا اختیار ایک کے پاس ہوتا ہے، تو دنیا کا نظام چلانے کے لیے ایک سے زیادہ خدا کیسے ہوگئے! ایک سے زیادہ مشکل کشا کیسے ہوگئے! ایک سے زیادہ حاجت روا کیسے ہوگئے! ایک سے زیادہ بگڑی بنانے والے کیسے ہوگئے! ایک سے زیادہ پکاریں سننے والے کیسے ہوگئے! اسی لیے فرمایا کہ اگر ایک سے زیادہ خدا ہوتے تو کائنات فاسد ہوجاتی۔

اللہ تعالیٰ ہر قسمی شریک سے پاک ہے

''فَسُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ'' اے اللہ! تُو پاک ہے ان تمام الزامات سے جو یہ مخلوق تجھ پر لگا رہی ہے کہ تیرے شریک ہیں۔

ساری مخلوق اللہ کو جواب دہ ہے

''لَا يُسْـَٔلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ'' وہ جو کچھ کرے کوئی اس سے پوچھ نہیں سکتا اور مخلوق جو کچھ کرے وہ ان سے پوچھتا ہے۔ جب عظمت وقوت میں اس کا کوئی ثانی نہیں تو معبودیت میں اس کا کوئی شریک کیسے ہوسکتا ہے!

سارے انبیاء توحید کی دعوت دیتے آئے ہیں

''وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ إِلَّا نُوْحِيْ إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُوْنِ'' کہ ہم نے آپ سے پہلے آنے والے ہر نبی پر یہ وحی بھیجی تھی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، لہٰذا میری ہی عبادت کرو، یعنی اللہ کی عبادت کرو، اس آیت میں یہ بتلا دیا کہ عقیدہ توحید تمام انبیاء کا اجماعی، مشترکہ، متفقہ، عقیدہ ہے، ہر نبی کو یہ عقیدہ ملا، ہر نبی پر یہ وحی آئی، ہر نبی کو رب نے یہ حکم دیا کہ میری مخلوق کو بتادو، اپنی اُمتوں کو بتادو کہ معبود میں اکیلا ہوں، لہٰذا میری ہی عبادت کرو۔

توحید کا بنیادی مقصد صرف اسی ایک کی عبادت ہے

معبود اسی لیے ہوتا ہے کہ صرف اس کو معبود جانو ہی نہیں، بلکہ معبود مانو بھی سہی، اس کی عبادت بھی کرو۔ بہت سے لوگ اپنے آپ کو موحد کہتے ہیں، حالانکہ نماز ایک نہیں پڑھتے، روزہ ایک نہیں رکھتے، بس کہتے رہتے ہیں کہ ہم موحد ہیں۔

ارے بھائی! تیرے ایسے موحد ہونے کا کیا فائدہ؟ توحید کی غرض تو عبادت ہے، اللہ نے فرمایا: ''وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون'' کہ انسانوں اور جنات کو پیدا کرنے کی غرض ہی یہی ہے کہ وہ میری عبادت کریں، توحید کا مقصد عبادت ہے کہ میری اور صرف میری ہی عبادت کرو۔

توحید پر ایک اور دلیل

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ۭ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاۗءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۭ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ۝

اے کافرو! کیا تم آسمان اور زمین کی تاریخ میں غور نہیں کرتے! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہ آسمان پہلے بند تھا، زمین بند تھی، ہم نے اُن دونوں کو اپنی قدرت سے کھول دیا۔

آسمان وزمین کے بند ہونے کا مطلب

اس کی تفسیر میں اقوال مختلف ہیں۔ راجح یہ ہے کہ ان دونوں کے مسامات بند تھے۔ نہ آسمان سے کوئی بارش ہوتی تھی اور نہ زمین پر کوئی نباتات اُگتی تھیں۔ جب اللہ پاک نے زمین پر انسان کو آباد کیا تو زمین وآسمان کو کھول دیا، ''فَفَتَقْنٰهُمَا'' ہم نے آسمان کے مسام کھول کر مینہ برسادیا، ہم نے زمین کے مسام کھول کر پھل، پھول، سبزہ اور درخت اُگادیے۔ (معارف القرآن: جلد۶، صفحہ ۱۸۱)

ہر جاندار کی تخلیق اور بقاء میں ''پانی'' کا دخل ہے!

''وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاۗءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ۭ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ'' ہم نے ہر چیز کو پانی سے زندہ کردیا۔ ہر چیز کی حیات کا ذریعہ پانی ہے، مجھے اور آپ کو پانی نہ ملے تو ہم مرجائیں، درختوں کو پانی نہ ملے تو درخت خشک ہوجائیں، کھیتوں کو پانی نہ ملے تو کھیت سوکھ جائیں، جانوروں کو پانی نہ ملے تو جانور مرجائیں، تو ہر چیز کی حیات کا ذریعہ پانی ہے، یہ پانی آسمان سے آیا ہے جس نے تمہیں زندگی بخشی ہے۔

باطنی حیات کا مدار چشمۂ الٰہی ہے

قرآن، دیگر آسمانی صحف اور کتب بھی آسمان سے آئے ہیں جنہوں نے تمہارے دلوں کو زندہ کیا ہے۔ آسمان سے آنے میں یہ دونوں مشترک ہیں، اس لیے قرآن نے بھی ان دونوں کو بہت سی جگہوں پر اکٹھے ذکر کیا ہے، جس طرح آسمان سے آنے والا پانی بالکل صاف اور شفاف ہوتا ہے اس میں کوئی آلودگی نہیں ہوتی، اسی طرح آسمان سے آنے والا کلام بھی ہر قسم کے شک وشبہ سے بالکل پاک وصاف ہے۔ نیز جس طرح آسمانی پانی سے ہر چیز کی ظاہری حیات وابستہ

ہے، اسی طرح آسمانی تعلیمات سے ہر چیز کی باطنی حیات متعلق ہے۔ اس کے بغیر باطن مُرجھا جاتے ہیں اور کفر وشرک کا چٹیل میدان بن جاتے ہیں۔

وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ ۖ وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ۞ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚ وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ۞

سب تمہارے لیے......تم ہمارے لیے

فرمایا: ''وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ '' دیکھو زمین میں ہم نے پہاڑ رکھ دیے تا کہ یہ توازن میں رہے اور تمہیں لے کر دب نہ جائے۔ ''وَجَعَلْنَا فِيْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ '' ہم نے اس میں کشادہ راہیں، سڑکیں اور روڈ بنادیے، تاکہ تم راہ پاسکو، سفر کرسکو۔ ''وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا '' آسمان کو ہم نے محفوظ چھت بنادیا جو گرنے اور ٹوٹنے سے محفوظ ہے، اور جب تک اللہ کی منشا ہوگی، یہ قائم رہے گا۔ ''وَهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ '' لوگ پھر بھی ان نشانیوں میں غور نہیں کرتے۔ اپنے خالق کو پہچاننے کی کوشش نہیں کرتے!

دِن، رات، سورج اور چاند سب کا خالق اللہ ہے

''وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ '' اسی اللہ نے دِن اور رات، سورج اور چاند کو پیدا فرمایا، یہ سب اپنے اپنے مدار میں گھوم رہے ہیں، لہٰذا سمجھو کہ اللہ وحدہ لاشریک لہ ہے۔

مشرکینِ مکہ کی بے ہودہ خواہش اور اس کے دو جوابات

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ۖ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ۞

کافر کہتے تھے کہ یہ شخص (یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) جب تک زندہ ہے تب تک رونق ہے، یہ جب چلا جائے گا تو یہ ساری رونق ختم ہوجائے گی، جو لوگ اس کے اردگرد جمع ہیں یہ سب چلے جائیں گے، یہ جو نیا دین پھیل رہا ہے یہ بھی ختم ہوجائے گا۔ اللہ نے فرمایا کہ اس خواہش سے تمہارا کیا مقصد ہے؟

۱۔ اگر مقصد یہ ہے کہ حضور پر موت آنا ان کی نبوّت کے منافی ہے تو جن انبیاء اور رسولوں کو تم بھی تسلیم کرتے ہو، کیا اُن پر موت نہیں آئی! موت تو کوئی عیب نہیں ہے، موت تو سب پر آنی ہے، ''ما جعلنا لبشر من قبلك الخلد'' ہم نے آپ سے پہلے کسی بشر کو ہمیشہ نہیں رکھا، آپ بھی بشر ہیں لہٰذا آپ بھی ہمیشہ نہیں رہیں گے، نبی آئے، چلے گئے، اللہ نے ایک جگہ فرمایا: ''وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل '' حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ سارے ہی چلے گئے، اور انہیں (حضرت عیسیٰؑ کو) بھی خلد نہیں ہے، وہ بھی ہمیشہ نہیں رہیں گے، وہ زمین پر آئیں گے، اپنی ڈیوٹی پوری کریں گے، انہیں بھی موت آئے گی اور وہ حضور کے ساتھ روضہ اطہر میں دفن ہوں گے۔ لہٰذا انتقال کر جانا نبوّت اور پیغمبری کے منافی نہیں ہے۔

۲-اور اگر یہ مشرک سوچ رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال پر انہیں خوشی منانے کا موقع ملے گا، جیسا کہ بعض گھٹیا لوگ، دوسروں کی موت پر خوش ہوتے ہیں تو یاد رکھو! "افائن مت فهم الخالدون" "میرے حبیب! اگر آپ فوت ہوجائیں گے تو کیا یہ لوگ زندہ رہیں گے؟ ان سب نے بھی تو مرنا ہی ہے۔ پھر کسی کی موت پر خوش ہونے کا کیا مطلب! لہٰذا اے کافرو! اِن کی موت کی تمنا کرنے کے بجائے ان کی اتباع کرو، حیاتِ جاودانی نصیب ہوگی۔

موت برحق ہے

"كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ" "ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے۔ ہر زمینی جاندار نے موت کی خاص تکلیف محسوس کرنی ہے۔

ہر تکلیف وراحت میں انسان کا امتحان ہوتا ہے

"وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَّاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ" "تمہیں ہم دنیا میں شر یعنی تکلیف دے کر بھی آزماتے ہیں۔ خلافِ طبیعت امور بھی آزمائش ہوتے ہیں، جیسے کبھی بیمار ہوتے ہو، کبھی تنگدستی ہوتی ہے، کبھی مصائب آجاتے ہیں، کبھی پریشانیاں آجاتی ہیں، کبھی غم آجاتے ہیں، یہ سب ہماری طرف سے آزمائش ہوتی ہے۔

کبھی ہم خیر دے کر آزماتے ہیں، سب کام طبیعت کے موافق ہو رہے ہوتے ہیں، خوشحالی آجاتی ہے، دولت آجاتی ہے، جوانی ہوتی ہے، صحت ہوتی ہے، خوشیاں ہی خوشیاں ہوتی ہیں، فرمایا کہ یہ سب خوشیاں اور تکالیف ہماری آزمائشیں ہیں تاکہ معلوم ہوجائے کہ کون خلافِ طبع امور پر صابر اور موافقِ طبع امور پر شاکر رہتا ہے۔ تم سب کو ہمارے پاس لوٹ کر آنا ہے۔

کُفّار کا تمسخر اور اس کا جواب

وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ۭ اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝

یہ کافر، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا یہ ہیں وہ صاحب جو تمہارے خداؤں کا (بُرائی سے) ذکر کرتا ہے! حالانکہ یہ لوگ خود، رحمٰن (اللہ پاک) کے ذکر پر انکار اور کُفر کرتے ہیں۔ دراصل انہی کی اپنی حالت ہی قابلِ استہزاء ہے۔ یہ لوگ اُلٹا آپ کا مذاق اُڑاتے ہیں۔

دِینی شعائر کا مذاق اُڑانا کُفر ہے

اللہ نے حضور کو تسلی دی کہ میرے نبی آپ ان کے مذاق اڑانے پر غمگین نہ ہوا کریں "وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ" "آپ سے پہلے بھی انبیاء کا مذاق اُڑایا گیا، ہر نبی کا ان کی اُمت نے مذاق اُڑایا، صرف نبیوں کا نہیں، نبیوں کے

جانشینوں کا بھی مذاق اڑایا جاتا ہے، دین داروں کا مذاق اڑایا جاتا ہے، اور یہ مذاق اڑانا کُفر کی علامات میں سے ہے، انبیاء اور دین کا مذاق اُڑانا کُفر ہے۔

لوگ اذان کا مذاق اڑاتے ہیں، موذن کا مذاق اڑاتے ہیں، مسجد کے نمازی کا مذاق اڑاتے ہیں، داڑھی کا مذاق اڑاتے ہیں، خواتین کے پردے کا مذاق اڑاتے ہیں، یہ نئی بات نہیں ہے، تاریخ گواہ ہے کہ یہ باطل والے اور شیطان کو خوش کرنے والے اللہ کے نیک بندوں کا مذاق اُڑاتے آئے ہیں، لیکن انجام کیا ہوا ایسے لوگوں کا؟ اللہ فرماتے ہیں: ''فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ''مذاق اُڑانے والوں کو اللہ کا عذاب گھیر لیا کرتا ہے، لہٰذا اگر اس عذاب سے بچنا ہے تو انبیاء کا مذاق نہ اڑاؤ۔

وحدانیت پر ایک اور اِستدلال

''قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ۭ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ '' میرے نبی! ان سے پوچھئے کہ کون ہے جو دِن رات، رحمٰن (کے عذاب) سے تمہاری حفاظت کر رہا ہے! کوئی بھی نہیں ہے۔ دُنیا میں جو تم عذاب سے محفوظ ہو تو یہ بھی اللہ رحمان کی مہربانی ہے۔ ورنہ کسی ''لات ومنات'' اور پیر فقیر کی یہ جرأت نہیں ہے کہ اللہ پاک کے مقابل آسکے۔ اس کا تقاضا یہ تھا کہ تم اس کے احسان مند ہوتے اور توحید کے قائل ہو جاتے۔ لیکن تم تو پھر بھی اللہ سے اعراض کرتے ہو۔

اعمال کا وزن برحق ہے

''وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـــــًٔا ۭ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۭ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ '' دن قیامت کا ہوگا، اعمال کے ترازو قائم ہوں گے، جس میں تمہارے اعمال تُلیں گے، ایک پلڑا اتنا بڑا ہوگا کہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں اس پلڑے میں سمو سکتے ہیں، اللہ کے عرش کے نیچے یہ ترازو اور میزان ہوں گے، اللہ نیکیاں بھی اس میں ڈالیں گے اور گناہ بھی اس میں ڈالیں گے، پھر اسی کے مطابق فیصلہ ہوگا، اس دِن سب کو ایک ایک نیکی کی ضرورت ہوگی، ایک آدمی کو صرف ایک نیکی کی ضرورت ہوگی لیکن دنیا کا کوئی آدمی اس کو وہ نیکی دینے کو تیار نہیں ہوگا، کہتے ہیں کہ اللہ فرمائیں گے کہ جا! اور کسی سے ایک نیکی لے آ، وہ بھائی کے پاس جائے گا اور کہے گا کہ ایک نیکی دے دو، وہ کہے گا کہ نہیں نہیں، مجھے خود ضرورت ہے، باپ سے پوچھے گا، ماں سے کہے گا، حتیٰ کہ بیوی سے پوچھے گا، لیکن کوئی اسے ایک نیکی دینے کو تیار نہیں ہوگا، ''يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ لِكُلِّ امْرِیٍٔ مِّنْهُمْ يَوْمَىِٕذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ '' (عبس) آدمی اپنے گھر والوں اور رشتہ داروں سے بھی بھاگے گا، ہر آدمی کو اپنی پڑی ہوئی ہوگی۔ تو فرمایا کہ اعمال کے یہ ترازو لگیں گے، ''فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـــــًٔا '' کسی شخص پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا، ''وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا ۭ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ '' کہ اگر کسی کی رائی کے دانہ کے برابر کوئی نیکی ہوئی تو اللہ اس کو لائیں گے، اور اگر برائی

لائے گا تو اللہ اسے بھی ترازو میں ڈالیں گے، سارے چھوٹے بڑے اور اچھے بُرے اعمال کا وزن ہوگا۔ اور ہم (اللہ تعالیٰ) ہی حساب کے لیے کافی ہے۔ ایسا انصاف کا حساب ہوگا کہ پھر کسی حساب کتاب کی ضرورت ہی نہیں رہے گی۔

سترہ انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کی دعوت کا مختصر تذکرہ

اس کے بعد اب سترہ انبیاء کا تذکرہ فرمارہے ہیں، اس سورت کو "سورۃ الانبیاء" بھی اسی لیے جاتا ہے کہ اس میں کثرت سے انبیاء کا تذکرہ ہے، ہر نبی کی دعوت اللہ کی توحید کی تھی، ہر نبی کی دعوت اللہ کی اطاعت کی تھی، ہر نبی کی دعوت گناہ چھوڑنے کی تھی، ہر نبی کی دعوت نیکیاں کرنے کی تھی، لہٰذا انبیاء کی ان دعوتوں پر لبیک کہو۔

حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی تعلیمات

"وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ" فرمایا کہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو ہم نے توراۃ دی تھی، جو حق اور باطل میں فرق کررہی تھی، دلوں کو روشنی بھی دے رہی تھی اور متقین کے لیے نصیحت کی فراہمی کا کام بھی کررہی تھی۔ توراۃ کی بھی یہی تعلیمات تھیں، جو قرآن پاک کی ہیں۔

سب انبیاء کی دعوت ایک ہی تھی

ہر نبی کا پیغام ایک رہا ہے، اصول میں سارے انبیاء ایک ہیں، شریعتیں جدا جدا ہیں، یعنی عقائد سب کے متفق اور ایک جیسے ہیں، فروعی احکام جدا جدا ہیں، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سارے انبیاء باپ کی طرف سے بھائی بھائی ہیں، جبکہ مائیں جدا جدا ہیں، اس کا کیا مطلب ہوا، یہی کہ عقائد تو سب کے ایک ہیں، احکام اور شریعتیں جدا جدا ہیں۔ تو یہی دعوت توراۃ کی تھی، یہی دعوت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی تھی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ
اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۝ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ۝ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝
قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ۝ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ۖ
وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ ۝

فرمایا: "وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ" ہم نے اپنے خلیل، ابراہیم علیہ السلام کو رشد عطا کیا تھا، اور ہم انہیں خوب جانتے تھے، بچپن سے ہی ہم نے اپنے ابراہیم کو صلاحیتیں دی تھیں، ہدایت دی تھی، وہ بچپن میں بہت سمجھ داری والی باتیں کرتے تھے، بڑے بڑوں کو لاجواب کردیتے تھے۔

سمجھداری کا اِک نمونہ اور قوم سے سوال

اسی سمجھداری کا ایک نمونہ پیش فرمایا: ''اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ'' وہ بچپن میں کہا کرتے تھے کہ ابا جان، چچا جان، ماموں جان اور میری برادری والو! یہ جو تم نے مورتیاں بنائی ہوئی ہیں اور ان کے سامنے اعتکاف کر کے بیٹھے ہوئے ہو یہ کیا ہیں! یہ کوئی نفع نقصان دیتے ہیں آپ لوگوں کو! کیا یہ بولتے ہیں، کیا یہ سنتے ہیں! قرآن نے پکار پکار کر لوگوں سے شرک چھڑوایا ہے۔

ایک جگہ فرمایا: ''اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۭ'' (الاعراف:۱۹۵) تم نے جو معبود بنا رکھے ہیں کیا ان کے کوئی پاؤں ہیں جن سے یہ چلتے ہوں؟ کیا ان کے کوئی ہاتھ ہیں جن سے یہ پکڑتے ہوں؟ کیا ان کے کوئی کان ہیں جن سے یہ سنتے ہوں؟ کیا ان کی کوئی آنکھیں ہیں جن سے یہ دیکھتے ہوں؟ اللہ کے بندو! یہ کچھ بھی نہیں ہیں، بے بس اور عاجز ہیں۔

قوم کا لغو جواب

ابراہیم علیہ السلام نے یہی بات کی تھی، لیکن جواب کیا آیا؟ وہی جو جاہل لوگ کہا کرتے ہیں، کوئی دلیل تو ان کے پاس ہوتی نہیں۔ قوم نے کہا: ''وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ'' ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی عبادت کرتے ہوئے پایا، اسی لیے ان کی عبادت کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے اس جواب کی تردید

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ ''لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ'' کہ تم بھی اور تمہارے آباؤ اجداد بھی غلطی کرتے آئے ہیں، تم سب گناہ کرتے آئے ہو۔

قوم کا تعجب

کہنے لگے: ''اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ'' کیا تم واقعی سیریس ہو یا بس ویسے گپ شپ لگا رہے ہو!

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حقیقت کشا جواب

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پہلے تو ان کو سمجھایا: ''بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِيْ فَطَرَهُنَّ ڮ وَاَنَا عَلٰي ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ'' یہ مورتیاں رَبّ نہیں ہیں۔ ہمارا رَبّ تو وہ ہے جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور میں گواہی دیتا ہوں اور اس دعویٰ پر دلیل بھی رکھتا ہوں کہ ہمارا رَبّ وہی ہے، یہ مورتیاں نہیں ہیں۔

بتوں کی بے بسی پر کاری وار

لیکن قوم کو یہ بات سمجھ نہیں آئی۔ دعوت نہیں مانی، کیونکہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے، حضرت ابراہیمؑ

نے ان کے سامنے بتوں کی کمزوری ثابت کرنے کے لیے کہا: ''وَتَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِيْنَ۝'' کوئی میلہ تھا، قوم اس میلے میں چلی گئی، آپ نے فرمایا کہ تم جاؤ، جب تم واپس آؤ گے تو میں تمہارے ان خداؤں کے ساتھ تدبیر کروں گا، ان کی گت بناؤں گا۔ تب تمہیں ان کی بے بسی کا اندازہ ہوگا۔

''فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ۝'' قوم نے اسے مذاق سمجھا اور مطمئن ہو کر میلے وغیرہ پر چلی گئی، پیچھے یہ سب خدا (بت) اکیلے تھے، حضرت ابراہیمؑ نے کلہاڑا اٹھایا اور ان بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے، لیکن ان میں سے جو بڑا خدا تھا اس کو چھوڑ دیا اور اس کے کندھے پر کلہاڑا رکھ دیا تاکہ قوم کے لوگ واپس آ کر اس بڑے خدا سے پوچھ سکیں کہ او بڑے بابا جی! یہ چھوٹے بابوں کو کیا ہوا؟ کس نے انہیں مارا؟

قوم جب واپس آئی اور بت کدے میں داخل ہوئی تو کیا دیکھتے ہیں کہ سارے بت ٹوٹے اور بکھرے پڑے ہیں، کسی کا ہاتھ یہاں پڑا ہے، کسی کا پاؤں وہاں پڑا ہے، کسی کا سر اُترا ہوا ہے، کسی کے دو ٹکڑے ہوئے پڑے ہیں تو کسی کے چار ٹکڑے، جب یہ منظر دیکھا تو دہل گئے اور ایک شور مچ گیا، کہنے لگے کہ آج تو بہت منحوس دِن ہے، کچھ نہ رہا ہمارے خداؤں کا۔ ''قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ۝'' جس نے بھی ہمارے خداؤں کے ساتھ یہ کیا وہ بہت بڑا ظالم ہے۔

دُرگت بنانے والے کی تلاش

لیکن آخر وہ ہے کون؟ ذرا ایجنسیاں اس کے پیچھے لگاؤ، سی آئی ڈی کے ذمہ تحقیقات لگاؤ، مختلف ایجنسیز اس شخص کو ڈھونڈنے لگ گئیں، بالآخر ایجنسیوں کی رپورٹ آگئی: ''قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ۝'' انہوں نے کہا کہ ایک نوجوان ہے جو پہلے سے ہمارے خداؤں کی برائیاں کرتا رہتا ہے، اس کا نام ابراہیم ہے، رپورٹ ہمراہ لف ہے اور یہ دہشت گرد محسوس ہوتا ہے، حق والوں کو شروع سے لوگ دہشت گرد کہتے آئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیشی اور تفتیش

''قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ۝'' کہا کہ گرفتار کرو اس کو اور لوگوں کے سامنے پیش کرو تاکہ سب کو پتہ چلے کہ ان کا قومی مجرم کون ہے؟ ''قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ۝'' انہوں نے پوچھا کہ اے ابراہیم! کیا یہ سب آپ نے کیا ہے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مُسکِت جواب

آپ نے جواب دیا: ''بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ۝'' بہت پتے کی بات ارشاد فرمائی، فرمایا کہ یہ جو بڑا کھڑا ہے اسی نے کیا ہوگا، اسی کے کندھے پر کلہاڑا ابھی ہے، تم ان سے پوچھو اگر یہ بولتے ہیں، یہ تو تمہارے خدا ہیں، تمہارے مشکل کشا ہیں، تمہارے حاجت روا ہیں، تمہاری پکار اور تمہاری دعاؤں کا جواب دیتے ہیں، تو یہ بولتے تو ہوں گے ناں، لہٰذا انہیں سے پوچھ لو کہ ان کا قاتل کون ہے؟ ان کے ٹکڑے ٹکڑے کس نے کیے ہیں؟

بات تو سچ ہے مگر...... بات ہے رُسوائی کی

"فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ" حضرت ابراہیمؑ کے اس عجیب جواب پر وہ دل ہی دل میں کہنے لگے کہ واقعی یار! بات تو پتے کی ہے، ہم ہی بے وقوف ہیں، یہ بت بولتے تو ہیں نہیں اور ہم ان کو خدا سمجھے جا رہے ہیں۔

بے بسی کا اعتراف

"ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ" پھر سر جھکا کر کہنے لگے کہ اے ابراہیم! آپ کو پتہ تو ہے کہ یہ بولتے نہیں ہیں۔ ان سے پوچھنا بے کار ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ان سے یہی کہلوانا چاہتے تھے، یہ مناظرانہ انداز تھا، آج کئی لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مناظروں سے دنیا کو کیا ملا؟ مناظروں کو فضول کی ذہنی ورزش سمجھتے ہیں۔ ارے میاں! اگر یہ مناظر نہ ہوتے تو یہ دنیا کہیں کی کہیں ہوتی۔ یہ ان اہلِ علم لوگوں کا احسان ہے کہ انہوں نے احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کیا ہے، البتہ مناظرے میں حکمتِ عملی ضروری ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بلیغ خطاب

"قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ۝ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ" "افسوس ہے کہ تم لوگ ان کی پوجا کرتے ہو جو نہ تمہیں کوئی نفع دے سکتے ہیں اور نہ کوئی نقصان دے سکتے ہیں، جو نہ سمجھتے ہیں اور نہ بولتے ہیں۔

دلیل کا جواب طاقت سے

جب جاہل کے پاس دلیل کا جواب نہ ہو تو وہ مقابلے پر اُتر آتا ہے۔ یہی کام ان لوگوں نے کیا: "قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ" کہنے لگے کہ اس کو جلادو آگ میں اور اپنے معبودوں کی مدد کرو۔ تو انہوں نے "خدا بچاؤ تحریک" کا آغاز کیا۔

آگ میں ڈالنے کی سزا تجویز ہوئی

اس مقصد کے لیے ایک چھِنز (آگ کا الاؤ) تیار کیا گیا۔ بعض تاریخی روایات میں ہے کہ اس کے لیے سارے شہر کے لوگوں نے مل کر ایک ماہ تک لکڑیاں اکٹھی کیں، پھر سات دِن تک آگ جلا کر بھڑکاتے رہے، آسمان تک اس کے شعلے پہنچ رہے تھے، اوپر سے کوئی پرندہ گزر نہیں سکتا تھا، کوئی قریب نہیں جا سکتا تھا۔ (معارف القرآن ۶/ ۲۰۲)

اب انہوں نے سوچا کہ اب ابراہیم کو آگ میں ڈالیں کیسے؟ تو شیطان نے ان کو ایک تدبیر سکھائی اور کہا کہ منجنیق (جو توپ کی ابتدائی شکل جیسی چیز تھی اس) میں ان کو ایک پتھر کے ساتھ باندھ کر آگ کی طرف فائر کرو، تو یہ آگ میں جا گریں گے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

فرشتوں کی چیخیں نکل گئی تھیں کہ یا اللہ وہ تیرا خلیل آگ میں ڈالا جا رہا ہے! فرشتے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آگئے اور آ کر عرض کی کہ ابراہیم! ہمارے لائق کوئی حکم! حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا کس نے بھیجا ہے؟ اللہ نے بھیجا ہے؟ عرض کی کہ نہیں ہم خود آئے ہیں۔ فرمایا پھر میں جانوں میرا اللہ جانے! اسی کو خلیل کہتے ہیں کہ بیچ میں فرشتوں کا واسطہ بھی قبول نہیں کیا اور فرمایا کہ میں جانوں اور میرا خدا جانے! تم جاؤ۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ گلزار کی۔

آگ کا گلزار ہوجانا

حضرت ابراہیم علیہ السلام جونہی آگ میں گرے، ادھر سے اللہ کا حکم آگیا "قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ" ہم نے کہا اے آگ! تُو ہمارے ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہوجا۔ "وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ" انہوں نے حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ ایک تدبیر کرنی چاہی، اللہ نے ان کو خسارہ میں ڈال دیا، اور بُری طرح ناکام کردیا، آگ ٹھنڈی ہوگئی، رسیاں جل گئیں۔

تاریخی روایات میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں سات دِن رہے۔ آپؑ مزے سے فرمایا کرتے تھے کہ میری زندگی کے سب سے بہترین لمحات وہ تھے جو میں نے آگ میں گزارے۔

"خلیل اللہ" لقب کی وجہ

بخاری شریف کی شرح "ارشاد الساری" مؤلف کی طرف نسبت کرتے ہوئے جس کو شرح قسطلانی بھی کہا جاتا ہے، اس میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور میں ایک بار بہت شدید قحط آگیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق سے ہجرت کر کے آگئے تھے، ان کا ایک دوست عراق میں رہتا تھا، بہت سیٹھ تھا، پیسوں والا تھا، تو کسی نے ان سے کہا کہ آپ ان سے رابطہ کریں تا کہ وہ کچھ غلہ دے دے، لوگوں کا فائدہ ہوجائے گا، ابراہیم علیہ السلام نے اونٹ بھیج دیے، اور دوست کو پیغام بھجوایا کہ غلہ بھجواؤ، دوست وہ جو مصیبت میں کام آئے، دوست نے کہا کہ ابراہیم نے اگر خود کھانا ہوتا تو میں ضرور دیتا، اتنا مہنگا غلہ ہے، قحط کا زمانہ ہے، وہ تو جناب مہمان نواز آدمی ہے، وہ غلہ مجھ سے منگوا رہا ہے تو وہ ساری بستی اور شہر کو بلوا کر مفت بانٹ دے گا، اور میرے پاس سب کے لیے نہیں، چنانچہ خالی بھیج دیا۔ پتہ نہیں کتنے اونٹ تھے جو خالی آئے، تو راستے میں ایک شخص نے کہا کہ میاں خالی ہاتھ جا رہے ہیں لوگ مذاق اڑائیں گے، کیونکہ سب منتظر ہیں کہ ابھی ابراہیم کا غلہ آئے گا اور سب کی دعوت ہوگی، تو بوریوں میں کم از کم ریت ہی بھر لو، تو لوگوں کو نظر آئے گا کہ کوئی چیز آرہی ہے، تو بوریوں میں ریت بھر کر اونٹوں پر لاد کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس پہنچے، ادھر لوگوں میں مشہور ہوگیا کہ ابراہیم کے دوست نے ابراہیم کے لیے غلہ بھجوایا ہے، ان بوروں کو جب کھولا گیا تو وہ بورے سارے کے سارے گندم سے بھرے ہوئے تھے، حضرت ابراہیم

علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ میرے دوست نے میرے لیے نہیں بھیجا یہ میرے خلیل نے میرے لیے بھیجا ہے۔ تب سے ان کا لقب "خلیل اللہ" مشہور ہو گیا۔

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ۝

ان کے ذکر کے بعد حضرت لوط علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا، یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قریبی رشتہ دار تھے اللہ نے ان کی قوم کو بھی ہلاک کیا، اور ان کو نجات دی۔ تفصیلی واقعہ پہلے گزر چکا ہے۔ آگے بھی ذکر ہو رہا ہے۔

اللہ کی طرف سے نیک صالح اولاد کا انعام

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ ۭ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ۭ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ۝

ہم نے ابراہیم کو اسحاق اور یعقوب جیسی اولاد دی اور ان سب کو نیک بنایا۔ "وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاۗءَ الزَّكٰوةِ ۚ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ۝" اور ہم نے ان سب کو پیشوا بنایا، جو ہمارے امر سے لوگوں کی رہنمائی فرماتے تھے، اور ہم نے ان سب پر نیکیوں کی وحی کی، ہم نے ان سب پر وحی کی کہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ دیں، یہ سب ہماری عبادت کرتے تھے۔

قومِ لُوط کا اِجمالی تذکرہ

وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَـبٰۗىِٕثَ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ۝ وَاَدْخَلْنٰهُ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۝

لوطؑ کو بھی ہم نے علم دیا، حکمت دی، نجات دی، ان کی بستی کے بارے میں فرمایا "تعمل الخبائث" وہ بُرے کام کرتی تھی، اغلام بازی کرتی تھی، ہم جنس پرستی کرتے تھے، اس لیے قوم تباہ کر دی گئی، جب کہ لوطؑ (اور ان کے متبعین) کو ہم نے اپنی رحمت میں لے لیا۔

حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا مختصر ذکر

"وَنُوْحًا اِذْ نَادٰي مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ۝ وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ۝" مشکلات میں نوحؑ نے بھی ہمیں پکارا، "نادیٰ" کا معنی ہے پکارنا، اسی سے "نادِ علی" ہے، یہ "نادِ علی" شرک ہے، اس کا مطلب ہے مشکل میں علی کو پکار، اللہ فرماتے ہیں کہ نوح نے مجھے پکارا تو ہم نے ان کی دُعا کو قبول کیا، ان کو اور ان کے اہل و عیال کو بڑی گھبراہٹ سے نجات دی، اتنی بڑی گھبراہٹ کہ چھ ماہ تک طوفان رہا، اتنے بڑے طوفان سے ہم نے نوحؑ اور اس کے متبعین کو نجات دی، اور وہ قوم جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا انہیں ہم نے غرق کر دیا۔

خوش نصیب باپ بیٹے (حضرت داؤد وسلیمان علیہما السلام) کا تذکرہ

"وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِى الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ" داؤد علیہ السلام بھی خلیفۃ اللہ فی الارض تھے، انہیں بھی اللہ نے حکومت اور بادشاہی عطا کی تھی۔ ان کے بعد ان کے بیٹے سلیمان علیہ السلام کو تو اللہ نے بہت بڑا ملک عطا کیا تھا (اس کا تذکرہ آگے آرہا ہے) داؤد بھی فیصلے کرتے تھے اور سلیمان علیہ السلام بھی فیصلے کرتے تھے۔

باپ بیٹے کے دو عظیم الشان فیصلے

داؤد علیہ السلام کے پاس ایک کیس آیا، ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ یہ جو چرواہا ہے اس نے رات کے اندھیرے میں اپنی بکریاں میرے کھیت میں چھوڑ دیں، جس سے میرا سارا کھیت اجڑ گیا، کچھ کھیتی کھا گئی ہیں اور کچھ کھیتی کو روند ڈالا ہے۔ لہٰذا مجھے انصاف دیا جائے! حضرت داؤد علیہ السلام نے گواہوں کی روشنی میں مدعی کو سچا پایا، تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ چونکہ چرواہے کی بکریوں نے اس شخص کے کھیت کا نقصان کیا ہے، لہٰذا چرواہا اس نقصان کی تلافی کرے اور ہرجانہ ادا کرے۔ (اور بظاہر ان سب بکریوں کی قیمت، اس ضائع شدہ کھیتی کی قیمت کے برابر ہوگی، اس لیے) چرواہا اپنی سب بکریاں کھیت والے کو دے دے۔ ظاہر ہے کہ یہ فیصلہ قانوناً و شرعاً ہر لحاظ سے درست تھا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو جب اس فیصلے کا علم ہوا تو فرمایا: اگر اس مقدمے کا فیصلہ میں کرتا تو وہ فریقین کے لیے زیادہ مفید ہوتا۔ داؤد علیہ السلام نے پوچھا کہ آپ کا کیا فیصلہ ہے؟ تو سلیمان علیہ السلام نے جواب دیا کہ ابا جان! آپ کچھ عرصہ کے لئے چرواہے کی ساری بکریاں کھیت والے کو دے دیں، تاکہ وہ ان کا دودھ پیتا رہے۔ اور کھیت والے کی زمین، چرواہے کو دے دیں تاکہ وہ کھیت کو پانی لگائے، اس کی دیکھ بھال کرے اور کھیتی تیار کرے، جب فصل تیار ہو جائے اور اُسی حالت میں آجائے جس حالت میں بکریوں نے اس کا نقصان کیا تھا تو کھیتی، کھیت والے کو دلوا دیں اور بکریاں بکریوں والے کو۔ کتنا خوبصورت اور جانبین کی رعایت رکھنے والا فیصلہ ہے! حضرت داؤدؑ نے اسی فیصلے کو پسند فرمایا۔ "وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ" فرمایا کہ ہم اس فیصلے کے وقت موجود تھے جب داؤد نے فیصلہ کیا تھا۔

فیصلے دونوں درست تھے، البتہ صلح زیادہ پسندیدہ ہے

"فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۖ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۭ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ" ہم نے سلیمان کو زیادہ سمجھ عطا کی تھی، بعض چیزیں خداداد ہوتی ہیں، اور بعض چیزیں عبادات پر، طاعات پر اللہ کی طرف سے ملتی ہیں، وہ کتابوں میں نہیں ملتیں، وہ پڑھنے سے نہیں ملتی، اللہ فرماتے ہیں یہ ہماری سلیمانؑ پر خصوصی عنایت تھی۔ "وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۖ" اور ہم نے ان دونوں کو حکمت بھی عطا کی تھی اور علم بھی دیا تھا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کو عطا کردہ معجزات

"وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۚ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ" ہم نے داؤد علیہ السلام کو ایک معجزہ بھی دیا تھا، وہ بڑے خوش الحان تھے، داؤد علیہ السلام جب زبور پڑھتے تھے تو پرندے رُک جاتے تھے، اور جب آپ تسبیح کرتے تھے تو پہاڑ بھی آپ کے ساتھ تسبیح کرتے تھے اور پرندے بھی آپ کے ساتھ تسبیح کرتے تھے، یہ کہتے تھے سبحان اللہ! تو پہاڑ سے آواز آتی تھی سبحان اللہ! اور سارے پرندے ان کے ساتھ مل کر سبحان اللہ، سبحان اللہ کا ورد کرتے تھے۔

"وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ" فرمایا کہ ہم نے داؤد علیہ السلام کو ایک معجزہ یہ بھی عطا کیا کہ ان کو لباس کی صنعت عطا کی، کون سا لباس؟ لوہے کا لباس جو تمہیں جنگوں میں بچاتا ہے، وہ بلٹ پروف جیکٹس کی طرح، تلواروں سے بچانے والی جیکٹس تیار کرتے تھے، اللہ نے ان کے لیے لوہا نرم کر دیا تھا جس کی وجہ سے اپنے ہاتھ سے چیزیں بنا لیتے تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام پر انعاماتِ خداوندی

"وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۚ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ" اور ان کے بیٹے سلیمانؑ کے لیے ہم نے تند و تیز ہواؤں کو مسخر کر دیا تھا، ہوائیں ان کے حکم پر چلتی تھیں اور ان کا تخت اڑا کر لے جاتی تھیں، مُلکِ شام کی طرف، ہمیں ہر چیز کا علم ہے۔ یہ ہوائی جہاز تو ابھی تقریباً سو، ڈیڑھ سو سال قبل ہی ایجاد ہوئے ہوں گے، سلیمان علیہ السلام کے پاس آج سے ہزاروں سال پہلے ایک تخت تھا، اس پر بیٹھتے، ضرورت کی چیزیں رکھتے اور ہوا کو حکم دیتے، ہوا اس کو اپنے دوش پر اٹھاتی اور جہاں سلیمان علیہ السلام حکم فرماتے وہاں لے جاتی، اگر وہ حکم فرماتے تو ہوا تیز چلتی، وہ کہتے تو آہستہ چلتی، گویا کہ ریموٹ کنٹرول تخت تھا، اور ریموٹ بھی سلیمان علیہ السلام کا ارادہ تھا، سائنسدانوں سے کہو کہ بنا کر دکھائیں ایسی تخلیق! سلیمان علیہ السلام اس پر بیٹھ کر کبھی یمن سے شام، شام سے یمن، سفر فرماتے تھے، بعض روایات میں ہے کہ صبح سے شام تک یہ تخت، دو ماہ کی مسافت طے کر لیتا تھا۔ مہینوں کی مسافت تھی جس پہ وہ تخت کبھی آ رہا ہے، تو کبھی جا رہا ہے۔

"وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ" دوسرا معجزہ یہ عطا فرمایا کہ ہم نے شیاطین اور جنات ان کے تابع کر دیے تھے، وہ ان سے بڑے بڑے کام لیتے تھے۔ جب مسجد اقصیٰ بنائی تو حضرت سلیمانؑ لاٹھی لے کر کھڑے ہو گئے اور شیاطین و جنات سے فرمایا کہ سب مل کر کام کرو! جنات مستری مزدوروں والا کام کرتے تھے، کبھی حکم فرماتے کہ سمندروں سے ہیرے جواہرات لے آؤ، تو جنات لے کر آتے۔ فرمایا کہ یہ ساری چیزیں ہم نے ان کو دی تھیں۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا قصہ

"وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّيْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ" ہمارے ایک نبی جناب ایوب علیہ السلام بھی

تھے، (سارے نبی توحید پرست اور توحید کے مبلغ تھے، اور ان کے سب معجزے ہماری قدرت کی نشانیاں تھیں) حضرت ایوب علیہ السلام زمیندار نبی تھے۔ اتنے بڑے زمیندار تھے کہ ان کے پاس تین ہزار اونٹ اور دو ہزار بیل تھے۔ اس زمانے میں بیلوں کے ساتھ ہل چلایا جاتا تھا۔ جب دو ہزار جوڑے بیلوں کے ہل چلانے کے لیے ہوں گے تو اندازہ لگایے کہ رقبہ کتنا ہوگا! پھر باغات، کھیتیاں اور بیوی کی دولت اللہ نے دی، بچے، بیٹے، پوتے، نواسے، پوتیاں، نواسیاں سب اللہ نے دیں۔

اللہ کی طرف سے آزمائش پر پیغمبرانہ صبر

تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ایک بیٹے نے سارے خاندان کی دعوت کی، دعوت کے دوران گھر کی چھت گر گئی اور سارے کے سارے دَب کر شہید ہو گئے۔ صرف حضرت ایوب علیہ السلام اور ان کی اہلیہ باہر تھے، وہ بچ گئے۔

بہر کیف! اتنی بات یقینی ہے کہ اللہ پاک کی طرف سے ان پر سخت آزمائش آئی تھی، جس کی وجہ سے حضرت ایوب علیہ السلام بیمار ہو گئے۔ اہل وعیال سب غائب ہو گئے (سب فوت ہو گئے یا کسی اور وجہ سے دور ہو گئے۔ واللہ اعلم) لوگوں نے کھیت اُجاڑ ڈالے، قبضے کر لیے، اب صرف ایک بیوی ہے اور بیمار شوہر، جسمانی بیماری بھی ایسی سخت کہ جس کو دیکھ کر لوگ گھبرا جائیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ جسم میں کیڑے پڑ گئے تھے، یہ بات غلط ہے، اللہ اپنے نبی کو کسی ایسی بیماری میں کبھی مبتلا نہیں فرماتے کہ جس سے لوگ گھِن کریں، نبی کا اپنا ایک مقام ہوتا ہے۔

کبھی رَبّ دے کر آزماتا ہے، تو کبھی رَبّ لے کر آزماتا ہے، تو رَبّ نے اب لے کر آزمایا، لیکن حضرت ایوب علیہ السلام پہلے شاکر تھے اور اَب صابر ثابت ہوئے، ''صبرِ ایوبیؑ'' ضرب المثل بن گئی، آپ نے صبر کیا، اور اللہ سے دُعا کرتے رہے، مانگتے رہے۔

انبیائے کرام علیہم السلام صرف ''اللہ مدد'' کے قائل تھے

اللہ نے فرمایا: ''وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ'' ایوب نے بھی اپنے رَبّ کو پکارا، اللہ کو پکارا، یہ نادِ رَبّ ہے۔ بہر حال ایوب علیہ السلام نے اللہ کو پکارا کہ اے میرے رَبّ! مجھے تکلیف پہنچی ہے، بیشک تو ہی رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے، تیری رحمت کا محتاج ہوں، رَبّ نے یہ دُعا قبول فرمائی۔

اپنا ایک واقعہ

آدمی جب بیمار ہو تو حضرت ایوبؑ کی اس دُعا کو پڑھنے میں بہت مزہ آتا ہے۔ میں جب بیمار تھا اور ہسپتال میں داخل تھا تو ڈائیلیسز کے دوران میری ٹانگ کی رگ پھٹ گئی تھی اور خون کے فوارے بہنا شروع ہو گئے تھے، اب وہ دو دو تین تین لوگ، کاٹن رکھ کر خون کو دبا رہے تھے، اس رات میں نشتر میں تھا، یہ تقریباً ۱۹۹۶ کی بات ہے، مجھے ڈاکٹروں نے سختی سے منع کیا کہ ساری رات ٹانگ نہیں ہلانی، آدمی کی فطرت ہے کہ جس چیز پر پابندی ہو، اسی چیز کو کرنے کا جی چاہتا

ہے، میں ساری رات یہی سوچتا رہا کہ ٹانگ بھی نہیں ہلا سکتا، میرے پاس جو بچے خدمت کر رہے تھے ان میں سے ایک بچے کو میں نے کہا کہ قرآن کا بھی رکوع پڑھو، وہ پڑھتا رہا اور مجھے مزہ آتا رہا، میں بھی ساتھ ساتھ پڑھتا رہا: "اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ"۔

قرآن کہتا ہے: "فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ۝" کہ ہم نے ان سے تکلیف دور کی اور ان کو اور ان کی اہلیہ کو اپنی رحمت دی۔ روایات میں ہے کہ اللہ پاک نے ان کا مال و دولت بھی انہیں واپس عطا فرمایا اور اولاد بھی۔ نیز اولاد کے برابر مزید اولاد بھی عطا فرمائی، (تفصیل کے لیے معارف القرآن: ۶/ ۲۱۷ ملاحظہ فرمائیں)۔

حضرت اسماعیل، حضرت ادریس اور حضرت ذُوالکفل علیہم السلام کی تعریف

فرمایا: "وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا ۭ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝"
اسماعیل علیہ السلام، ادریس علیہ السلام اور ذوالکفل علیہ السلام یہ سب صبر کرنے والے تھے۔

کیا حضرت ذُوالکفل نبی تھے؟

ذوالکفل کی نبوّت میں اختلاف ہے۔ امام ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ ان کے نامِ نامی کو دو معروف پیغمبروں کے ساتھ ذکر کرنے سے ظاہر یہی ہے کہ یہ بھی نبی ہیں۔ جب کہ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ نبی نہیں، بلکہ نیک صالح اور ولی آدمی تھے۔

ان کا عجیب واقعہ

مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت یسع علیہ السلام (جو معروف نبی تھے اور ذوالکفل انہی کے اُمتی تھے) جب ضعیف ہو گئے تو انہوں نے چاہا کہ کسی کو اپنا خلیفہ بنا دیں۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے اپنے اصحاب کو جمع فرمایا اور پوچھا: تم میں سے کون ہے جس میں یہ تین خوبیاں اور اوصاف پائے جاتے ہوں: جو ان اوصاف کا حامل ہوگا، وہی میرا خلیفہ ہوگا۔

۱۔ جو کبھی غصہ نہ کرتا ہو۔

۲۔ دن کو ہمیشہ روزہ رکھتا ہو۔

۳۔ رات کو ہمیشہ عبادت کرتا ہو۔

حضرت ذوالکفل (جو اس محفل میں غیر معروف تھے) نے ہاتھ کھڑا کیا کہ مجھ میں یہ تینوں خوبیاں موجود ہیں۔

پھر کسی روز حضرت یسعؑ نے اپنا سوال دہرایا تو حضرت ذوالکفل نے پھر وہی جواب دیا۔ تو حضرت یسعؑ نے انہیں اپنا خلیفہ نامزد کر دیا۔ شیطان سے یہ برداشت نہ ہوا کہ ذوالکفل میں یہ صفات باقی رہیں۔ اس لیے اس نے پہلے تو اپنے چیلوں کو اس کام میں لگایا۔ جب وہ ناکام ہو گئے تو خود سامنے آ گیا۔ اس نے حضرت ذوالکفل کے معمولات کا بغور مشاہدہ کیا۔ دیکھا کہ یہ

ساری رات عبادت کرتے ہیں، اور دن میں روزہ رکھتے ہیں اور لوگوں کے فیصلے کرتے ہیں اور بھی معمولات پورے کرتے ہیں جس میں دوپہر کا قیلولہ بھی شامل تھا، تو اسے اندازہ ہو گیا کہ اگر ان کا دوپہر کا آرام کسی طرح ضائع کر دیا جائے تو رات کی عبادت ان کے لیے مشکل ہو جائے گی۔

ایک دن دوپہر کو جب حضرت ذوالکفل قیلولہ فرما رہے تھے تو شیطان، انسانی شکل میں آیا اور آ کر زور سے دروازہ کھٹکھٹانے لگا، اور دہائی دینے لگا کہ فلاں شخص نے میرے حق پر قبضہ کر لیا ہے، مجھے میرا حق نہیں دیتا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا اس کو میرے فیصلے کے اوقات میں لے آنا، ابھی تو قیلولے کا وقت ہے، لیکن وہ عدالت کے اوقات میں نہ آیا، اس نے کیا آنا تھا (اس کا مقصد تو قیلولہ خراب کرنا تھا) اگلی رات پھر عبادت میں گزر گئی، دن کام کاج میں گزر گیا، دوپہر ہوئی آپ آرام کے لیے لیٹے، ابھی آنکھ لگی ہی تھی کہ اس نے پھر آ کر دروازہ کھٹکھٹانا شروع کر دیا، حضرت ذوالکفل اٹھ گئے، پھر نیند خراب ہو گئی، اڑتالیس گھنٹے ہو چکے تھے، آ کر اس سے پوچھا کہ تم عدالتی اوقات میں کیوں نہیں آئے تھے؟ اس نے کہا کہ دراصل اس نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تمہارا حق دیتا ہوں، اس لیے عدالت آنے کی ضرورت باقی نہ رہی۔ لیکن اب پھر مکر گیا اور حق نہیں دیتا، آپ نے فرمایا کہ اچھا اس کو ظہر کے بعد لے آنا، لیکن وہ پھر بھی نہ آیا، اب تیسرا دن ہوا تو تین دن کی تھکاوٹ تھی، نیند کا غلبہ تھا لہٰذا آپ نے سونے سے پہلے باہر دربان کھڑا کر دیا کہ کسی کو آنے مت دینا اور دروازہ مت بجانا، اب شیطان نے جب باہر دربان دیکھے تو روشندان سے کود کر اندر آ گیا، اور اندر سے دروازہ بجایا۔ آپ صورتِ حال دیکھ کر پہچان گئے، پوچھا کہ کیا تو شیطان ہے؟ اس نے اقرار کیا کہ ہاں میں شیطان ہوں، آپ نے پوچھا تو کیا چاہتا ہے؟ اس نے بتایا کہ مجھے آپ کے یہ اوصاف برداشت نہیں ہیں۔ اللہ نے آپ کو ان اوصاف پر قائم بھی رکھا اور بعد میں نبوّت بھی عطا کی۔ (معارف القرآن: ۶/ ۲۱۸، ۲۱۹)

ذُوالکفل کا خطاب

اسی واقعے کی وجہ سے آپ کو "ذوالکفل" کا خطاب دیا گیا، کیونکہ ذوالکفل کا مطلب ہے اپنے عہد اور وعدے کو پورا کرنے والا شخص۔ چونکہ آپ نے اپنے وعدے کی پاس داری کی تھی، اس لیے ذوالکفل مشہور ہوئے۔ واللہ اعلم (معارف القرآن)

مچھلی والے نبی

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۚ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُـنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۞

اور مچھلی والے نبی کو بھی یاد کرو، یعنی یونس علیہ السلام، جب وہ غصہ ہو کر جا رہے تھے، "فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ" ان کو شاید یہ گمان ہوا ہو کہ ہم ان پر قادر نہیں ہیں، وہ چونکہ غصہ ہو کر جا رہے تھے، اس لیے ان کے فعل سے ایسا سمجھا گیا۔ ورنہ نبی سے ایسے اعتقاد کا تصوّر بعید ہے۔ یہ قصہ پہلے بیان ہو چکا۔ مختصر یہ کہ حضرت یونسؑ نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ ایمان لے آؤ،

ورنہ تین دن بعد عذاب آجائے گا، قوم ایمان نہ لائی، آپ چلے گئے، آپ گئے تو عذاب کے آثار شروع ہو گئے، قوم نے آپ کو ڈھونڈا، لیکن آپ ملے نہیں، تو قوم گھروں سے باہر نکلی، چیخی، چلائی، رو دھو کر اللہ سے معافیاں مانگیں، عذاب ٹل گیا، یونس علیہ السلام کو پتہ چلا کہ قوم ابھی تک زندہ ہے، ان پر عذاب نہیں آیا۔ علمِ غیب تو نہیں تھا نا! اگر نبی عالم الغیب ہوتے تو آپ کو پتہ چل جاتا کہ قوم ایمان لا چکی ہے، عالم الغیب صرف اللہ کی ذات ہے۔ حضرت یونسؑ نے سوچا کہ اب اگر میں قوم کے پاس واپس گیا تو وہ کہیں گے کہ یونس نے ہم سے عذاب کا جھوٹ بولا تھا، وہ مجھے قتل ہی نہ کر دیں۔ چنانچہ آپ کشتی میں بیٹھ کر چلے گئے، کشتی بھنور میں پھنس گئی، تو آپ کو دریا میں ڈال دیا گیا، مچھلی نے آپ کو پیٹ میں لے لیا۔

ہر مشکل میں اللہ ہی کو پکارنا انبیاء کا شیوہ رہا ہے

"فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ﴿﴾ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿﴾" اس مچھلی کے پیٹ کے اندھیرے میں یونسؑ نے اللہ کو پکارا کہ یا اللہ! تیرے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی مشکل کشا نہیں، تو پاک ہے، میں گناہگار تھا۔ یہ آیت کریمہ ہے، اس کے ورد سے مشکلات ٹل جاتی ہیں۔ "فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿﴾" اللہ نے فرمایا کہ ہم نے ان کی دُعا قبول کی اور ان کو غم سے نجات دی اور ہم ایسے ہی نجات دیا کرتے ہیں۔

یہ دُعا ہر زمانے میں، ہر شخص کے ہر مقصد کے لیے مقبول ہے

اللہ پاک نے فرمایا: "وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ" جس طرح ہم نے یونسؑ کو اس کی مصیبت سے نجات دی، اسی طرح جو مؤمن بھی صدق واخلاص سے ہماری طرف متوجہ ہوگا اور ہم سے پناہ مانگے گا، ہم اسے بھی نجات عطا کریں گے۔ حدیث پاک میں ہے کہ جو مسلمان بھی "دعائے یونس" کے ذریعے اپنے کسی خاص مقصد کے لیے دعا کرے گا، اللہ تعالیٰ اس دعا کو قبول فرمائیں گے۔ حدیث کی عبارت درج ذیل ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: دعوة ذي النون إذ دعا وهو في بطن الحوت: لا إله إلا أنت سبحانك إني كنت من الظالمين، فإنه لم يدع بها رجل مسلم في شيء قط إلا استجاب الله له.

(سنن الترمذي: ٥/٢٩، من الشاملة)

حضرت زکریا علیہ السلام کا اِجمالی تذکرہ

وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۡ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿﴾

حضرت زکریا علیہ السلام کا قصہ ذکر کیا، یہ قصہ تفصیل کے ساتھ سورۂ آل عمران اور سورۂ مریم میں گزر چکا ہے، انہوں نے بھی اللہ کو پکارا: "اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ" کہ اے میرے رب مجھے اکیلا نہ چھوڑنا، آپ بہتر وارث بنانے والے ہیں، اللہ نے ان کی دُعا قبول کی اور یحییٰ جیسا بیٹا عطا کیا۔

حضرت مریم علیہا السلام کی پاک دامنی کی گواہی

وَالَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۝

پھر اللہ نے فرمایا کہ مریم علیہا السلام کو بھی یاد کرلو، اپنے کردار کی حفاظت کرنے والی پاک دامن خاتون تھیں۔

قرآن نے ان کی پاکدامنی کی تعریف کی، فرمایا کہ ہم نے ان میں اپنی روح پھونکی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوگئے۔

سب انبیاء اور آسمانی کُتب، توحید کی داعی رہی ہیں

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ۝

فرمایا کہ یہ تمہاری اُمت ایک ہی اُمت ہے، تم سب کا ایک ہی طریقہ ہے جس میں کسی نبی اور شریعت میں اختلاف نہیں رہا۔ وہ طریقہ یہ ہے کہ میں ہی تمہارا ربّ ہوں، تم میری ہی عبادت کرو، سب نبیوں کا عقیدہ ایک تھا۔

قیامت کی ایک نشانی

حَتّٰٓی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ۝

یاجوج ماجوج کا ذکر ہم سورۂ کہف میں کرچکے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ''رحمۃ للعالمین'' ہیں

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۝

ویسے تو سارے نبی رحمت ہیں، لیکن میرے اور آپ کے آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں، اور یہ قرآن کا بہت عجیب اسلوب ہے۔ اللہ نے اپنے متعلق فرمایا: ''الحمد للہ رب العلمین'' میں پوری کائنات کا ربّ ہوں اور پوری کائنات کی ضرورتوں کو پورا کرنے والا ہوں۔ جب کہ اپنے آخری نبی کے بارے میں فرمایا: ''وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۝'' میرے نبی کی رحمت تمام جہانوں کے لیے ہے، زمین، آسمان، نباتات، جمادات، انسان، جن، حتّٰی کہ حشرات الارض، زمین کے اندر کی، زمین کے اوپر کی، زمین کے نیچے کی، آسمانوں کے اوپر کی، فضائی، سمندری، بری، بحری، تمام مخلوقات کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت بن کر آئے۔

توحید کا اعلان، علی الاعلان ہونا چاہیے

رسالت کے تذکرہ کے بعد پھر توحید کا مسئلہ بیان کیا:

قُلْ اِنَّمَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰی سَوَآءٍ ۭ وَاِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ۝

اے میرے نبی! اب آپ اپنی رسالت والی نطق سے، لسانِ نبوت سے اعلان کر دیں کہ "اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ، تمہارا ایک ہی معبود ہے۔ "فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝" ، اب میری رسالت اور میرے ربّ کی توحید کو مانتے ہو یا نہیں؟

"فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ۝" اگر نہیں مانتے تو پھر تمہارا اور میرا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، اللہ جانتا ہے کہ عذاب قریب ہے یا دور ہے، اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱- سورت کے آغاز میں قیامت کے حق ہونے اور لوگوں کی غفلت کو بیان کیا گیا ہے۔

۲- سورت میں گزشتہ اقوام کا تذکرہ فرما کر کفار و مشرکین مکہ اور بعد میں آنے والے انسانوں کو ان سے عبرت حاصل کرنے کی تنبیہ کی گئی ہے۔

۳- سورت میں کئی انبیاء علیہم السلام کے احوال بیان کیے گئے ہیں۔

۴- سورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین قرار دیا گیا ہے۔

تمت سورۃ الأنبیاء بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَۃُ الْحَجّ

سورت کا تعارف

یہ سورت قرآنی ترتیب کے اعتبار سے بائیسویں (۲۲) نمبر پر ہے، نزول کے اعتبار سے ایک سو تین (۱۰۳) نمبر پر ہے، اس کی اٹھتر (۷۸) آیات ہیں اور دس رُکوع ہیں۔ جمہور کے نزدیک یہ آیاتِ مکیہ اور آیاتِ مدنیہ سے مخلوط سورت ہے تاہم عام طور پر اسے "مدنی" لکھا جاتا ہے۔

وجہِ تسمیہ

اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں "حج" کا بطور خاص ذکر کیا ہے، اس لیے سورت کا نام بھی سورۂ حج ہے۔ اس سورت میں اللہ پاک نے حج کی دعوت کا ذکر کیا ہے، حج کے احکام، منافع اور آداب کو تفصیل سے بیان فرمایا، کیونکہ حج کے ذریعہ انسانوں کے کردار کی تعمیر ہوتی ہے، عقیدہ بنتا ہے، عمل بنتا ہے، ڈسپلن آتا ہے، حج کی وجہ سے انسان کو اپنے اوپر ضبط اور کنٹرول ہوتا ہے، جب آدمی حج پہ جاتا ہے تو بہت سی پابندیاں اپنی ذات پر قبول کر لیتا ہے۔

ماقبل سے مناسبت

سورۂ انبیاء میں اللہ نے انبیاء علیہم السلام کے واقعات ذکر فرما کر یہ بتا دیا کہ میں وحدہ لاشریک لہ ہوں، اور سورۂ حج میں اللہ نے شرک کی نفی کی۔

خصوصیات

اس سورت کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کی کچھ آیات مکہ میں نازل ہوئیں اور کچھ مدینہ میں، کچھ دن کو نازل ہوئیں تو کچھ آیات رات میں، کچھ آیات سفر کے دوران ناز ہوئیں تو کچھ آیات حضر میں اُتری ہیں۔

نیز اس سورت میں دو آیاتِ سجدہ ہیں، ان میں سے حضراتِ احناف کے نزدیک ایک جبکہ حضراتِ شوافع کے یہاں دونوں سجدے واجب ہیں۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع اُمت کی تعمیر و ترقی میں حج کا کردار بیان کرنا ہے۔

عمومی مضامین

حج کے علاوہ اس سورت میں اللہ پاک نے تقویٰ کا حکم دیا، توحید کے دلائل دیے اور اس سورت میں بیت اللہ کی تعمیر کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ نیز اس میں شعائرِ اسلام اور عبادات کے تحفظ کے لیے جہاد کی اجازت، حق کی تکذیب کرنے والوں کی ہلاکت کے نمونے، ہجرت کی فضیلت اور فوائد کے بیان کے ساتھ ساتھ مثالوں کے ذریعے کفار پر حجت بھی قائم کی گئی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ①

مرنے سے پہلے موت کی تیاری کرلو!

لوگو! اپنے ربّ سے ڈرو، خوفِ خدا پیدا کرو، کیونکہ کل کو قیامت آنی ہے اور قیامت بہت ہولناک چیز ہے، اس کا زلزلہ بھی بہت بڑی چیز ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے ایک بار فرمایا کہ کل قیامت کے دن جب اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے جہنم میں چلے جائیں، تو اس وقت خوف کا عالم یہ ہوگا کہ بچے بوڑھے ہو جائیں گے اور حاملہ عورتوں کا حمل خوف کی وجہ سے ساقط ہو جائے گا۔ صحابہ کرامؓ یہ سنتے ہی ڈر گئے اور ان کے دل دہل گئے، عرض کی یا رسول اللہ! پھر ہمارا کیا بنے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تسلی دی کہ یہ نو سو ننانوے تم میں سے نہیں ہوں گے بلکہ یہ یاجوج ماجوج ہوں گے۔ (صحیح مسلم: ۱/۲۰۱)

يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ②

قیامت کی ہولناکی کا نقشہ

قیامت کا دن ایسا ہوگا کہ اس دن کے خوف سے دودھ پلانے والی ماں اپنے بچے کو پھینک دے گی، حاملہ عورت کا حمل گر جائے گا، لوگ نشے میں نہیں ہوں گے لیکن ایسے لگ رہے ہوں گے جیسے نشہ میں ہوں، درحقیقت اللہ کے عذاب کا خوف ہی اس قدر ہوگا کہ لوگ حواس کھو بیٹھیں گے۔ لہٰذا اس دن کی ہولناکی سے نجات کے لیے حصولِ تقویٰ بہت ضروری ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ۚ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ۚ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ⑤

اپنی تخلیق میں غور کرو!

فرمایا: ''يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ '' اے لوگو! اگر تمہیں قیامت کے بارے میں شک ہے تو ذرا اپنی خلقت پر غور کرو!

تخلیق کے مختلف مراحل

''فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ '' ہم نے تمہارے ابا آدم کو مٹی سے پیدا کیا، اور تمہارے لیے بھی تمہاری خوراک مٹی سے بنائی اور ''ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ '' خوراک سے نطفہ بنایا، پھر نطفہ ماں کے پیٹ میں جاتا ہے، اور تقریباً چالیس دِن تک نطفہ رہتا ہے، ''ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ '' پھر گاڑھا خون بن جاتا ہے، ''ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ '' پھر وہ بوٹی بن جاتی ہے، پھر فرشتہ اللہ سے پوچھتا ہے کہ ''مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ '' یا اللہ! اسے کامل پیدا کرنا ہے یا اسے گرادینا ہے، جیسے حمل ساقط ہوتے ہیں، تو اگر حمل ساقط کرنا ہو تو حدیث میں آتا ہے کہ وہ خون بن کر نکل جاتا ہے، اور اگر مکمل کرنا ہو تو اللہ فرماتے ہیں کہ ''مُّخَلَّقَةٍ '' ہوگا۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس بچے کو صحیح سالم اور تندرست پیدا کرنا مقصود ہو تو وہ ''مُّخَلَّقَةٍ '' اور جسے ناقص اور معذور پیدا کرنا مقصود ہو تو وہ ''وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ '' کہلاتا ہے۔ (معارف القرآن)

پھر فرشتہ پوچھتا ہے کہ اس کا رزق کتنا ہوگا؟ اس کی عمر کتنی ہوگی؟ یہ نیک بخت ہوگا یا بد بخت ہوگا؟ یہ سب باتیں لکھ لی جاتی ہیں، پھر تم پیدا ہو جاتے ہو، ''وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى '' ایک وقت تک تو تم ماں کے پیٹ میں رہتے ہو ''ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا '' پھر پیدا ہوتے ہو تو کمزور، ہر جسمانی قوت کمزور ہوتی ہے۔ ''ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ '' پھر تمہیں رفتہ رفتہ طاقت اور جوانی آتی ہے، ''وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى '' پھر کچھ تو جوانی میں ہی مرجاتے ہیں، اور ''وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا '' تم میں سے بعض اس عمر تک پہنچتے ہیں جس عمر میں انسان دوسروں کا محتاج ہو کر حافظہ کھو بیٹھتا ہے، اپنی یادداشت کھو بیٹھتا ہے، فرمایا کہ جیسے ضعیف آئے تھے ویسے ہی ضعیف گئے۔

تمہاری طرح کائنات کو بھی بقاء نہیں ہے

جیسے تم نے تدریجاً تدریجاً وقت گزارا، پہلے ماں کے پیٹ میں نطفہ، پھر علقہ، پھر مضغہ، پھر ہڈیاں، پھر ہڈیوں پہ گوشت، پھر روح، پھر کامل بچہ، پھر پیدائش، پھر جوان، پھر بوڑھا، پھر بالکل بوڑھا، ایسے ہی اس کائنات کے بھی مدارج ہیں، جیسے تم مرجاتے ہو ایسے ہی یہ کائنات بھی فنا ہو جائے گی اور قیامت آجائے گی۔

یہ ذہن میں رہے کہ قیامت کے دو اجزاء ہیں ۱۔ کائنات کا فنا ہونا۔ ۲۔ مُردوں کا دوبارہ زندہ ہونا۔ پہلے جزء کی عقلی دلیل بیان کردی گئی ہے، اب مُردوں کو دوبارہ زندہ کرنے کی دلیل پیش کی جارہی ہے: ''وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا

عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ '' کہ زمین ویران وخراب ہو کر مُردہ ہو چکی ہوتی ہے، لیکن جب اس پر بارش برستی ہے تو وہ زمین زندہ ہو کر سرسبز وشاداب ہو جاتی ہے۔ جیسے رب، مُردہ زمین کو زندہ کرتا ہے، ایسے ہی مُردہ جسموں کو بھی دوبارہ زندہ کردے گا، بلاشُبہ وہ اس پر پوری طرح قادر ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَإِنْ أَصَابَهُ خَيْرٌ اطْمَأَنَّ بِهٖ ۖ وَإِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ⑪

اِیمان پر پختگی اور اِستقامت مطلوب ہے

فرمایا: ''وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ '' لوگ اللہ کی عبادت ایسے کرتے ہیں جیسے کنارے پہ کھڑے ہوں، یعنی متردد ہو کر رب کی عبادت کرتے ہیں، اگر کوئی بھلائی اور اچھائی آجائے تو یہ دین ٹھیک ہے، اور اگر تکلیف آجائے تو فاسق وفاجر، گنہگار اور بعض لوگ کافر بن جاتے ہیں۔ یہی حالت بعض مسلمانوں میں بھی ہے۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی گھر کے دروازے پر کھڑا ہو، اچھائی آئے گی تو نکل جاؤں گا، بُرائی آئے گی تو گھر میں گھس جاؤں گا۔ فرمایا کہ یوں تردد کے ساتھ اللہ کی عبادت نہ کرو، جو شخص مرتد ہو گیا ''خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ '' اس کی دنیا بھی برباد ہو گئی اور اس کی آخرت بھی برباد ہو گئی۔

يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ۚ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ⑫ يَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗٓ أَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ۚ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ⑬

بتوں اور بت پرستی کی حقیقت

فرمایا: ''يَدْعُوْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ '' کافر لوگ، اللہ کو چھوڑ کر اُن بتوں کی عبادت کرتے ہیں جو اس قدر بے بس ہیں کہ نہ تو انہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی نفع دے سکتے ہیں۔ یہ لوگ ان کو پکار رہے ہیں جن سے نقصان تو مل سکتا ہے نفع نہیں مل سکتا۔ ''لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ '' ایسا آقا بھی بے کار اور ایسا دوست بھی!

إِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ ۚ إِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ⑭

اہلِ ایمان کے لیے بشارتیں

فرمایا: ''إِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ '' اہل ایمان کا ٹھکانا جنّت ہے جہاں وہ مزے سے رہیں گے۔

إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئِيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ أَشْرَكُوْٓا ۖ إِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ⑰

قیامت والے دِن دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہوجائے گا

فرمایا کہ یہ جوآج دنیا میں مختلف مذاہب آپس میں دست وگریباں ہیں اور ہر کوئی اپنی حقانیت کا دعویدار ہے،کل قیامت میں اللہ ان سب کا فیصلہ فرمائیں گے۔

فیصلہ کیا ہوگا؟

اس فیصلے کی وضاحت قرآنِ پاک میں بار بار کی جاچکی ہے کہ توحید پرستوں اور مؤمنین کے لیے لازوال راحتیں اور عالیشان ٹھکانے ہوں گے جب کہ کُفّار اور توحید کے منکرین کے لیے دائمی عذاب ہوگا۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ وَكَثِیْرٌ حَقَّ عَلَیْهِ الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ یُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ ۩

تمام مخلوقات اللہ کی فرمانبرداری کرتی ہیں

فرمایا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آسمانی اور زمینی جتنی مخلوقات ہیں، وہ سب اپنی اپنی حالت کے مناسب اللہ کے سامنے عاجز رہتی ہیں۔ حتٰی کہ سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت، جانور اور بہت سے مؤمن انسان اللہ کو سجدہ کرتے ہیں، اللہ کی اطاعت کرتے ہیں۔ البتہ بہت سے انسان، کافر اور عبادت سے منحرف بھی ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر عذاب کی مہر لگ چکی ہے۔

نیز یوں تو ساری کائنات ہی اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدہ ریز ہوتی ہے،لیکن بطورِ خاص ان مخلوقات کے سجدہ ریز ہونے کا ذکر کیا جنہیں مشرکین نے خدا بنایا ہوا تھا۔ اس سے ان مخلوقات کی عاجزی خوب ظاہر ہوگئی ہے۔

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ ؗ فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ ؕ یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ ۝ یُصْهَرُ بِهٖ مَا فِیْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ ۝ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِیْدٍ ۝ كُلَّمَاۤ اَرَادُوْۤا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِیْدُوْا فِیْهَا ۗ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ ۝ اِنَّ اللّٰهَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ؕ وَلِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ ۝

مؤمنین وکُفّار کے درمیان فیصلے کے چند پیشگی مناظر

فرمایا: ''هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ'' کہ یہ دو فریق ہیں (جنسِ مؤمن اور دوسرا جنسِ کافر) جنہوں نے اپنے رَبّ کے بارے میں باہم (اعتقاداً) بحث ومباحثہ اور اختلاف کیا۔

کُفّار کے بارے فیصلہ

قیامت میں اس اختلاف کا فیصلہ اس طرح ہوگا کہ "فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ" ان کُفّار کے لیے آگ کے کپڑے تیار کیے جائیں گے۔ (آگ ان کے پورے جسم کو اس طرح گھیرے میں لیے ہوئے ہوگی جیسے لباس ہوتا ہے)۔

سورۃ ابراہیم میں فرمایا: "سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ" (ابراہیم:۵۰) کپڑے گندھک کے تیار شدہ ہیں، گندھک میں بدبو بھی ہوتی ہے اور آگ بھی جلدی پکڑتی ہے۔ جب کہ یہاں فرمایا کہ آگ کے کپڑے پہنائے جائیں گے۔ "يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ" سر کے اوپر سے گرم پانی ڈالا جائے گا جو جلا کر راکھ کر دے گا اور زبردستی منہ میں گرم پانی اُنڈیلا جائے گا، "يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ" اس سے جو کچھ پیٹ میں ہوگا، نکل جائے گا، چمڑے بھی جل جائیں گے۔ "وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ۝ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝" لوہے کے گرز اور ہتھوڑے ہوں گے۔ جن سے ان کی پٹائی ہوگی، جب بھی یہ اس جہنم سے نکلنا چاہیں گے، انہیں دوبارہ اس جہنم میں دھکیل دیا جائے گا۔ بار بار ان کے چمڑے بدلے جائیں گے تاکہ عذاب کی شدت کو محسوس کر سکیں۔

مؤمنین کے بارے فیصلہ

"اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۭ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ" دوسری طرف مؤمنین اور موحدین کا انجام یہ ہوگا کہ وہ اللہ کے فضل سے جنّت میں جائیں گے جہاں نہریں چل رہی ہوں گی۔ ان کو اللہ تعالیٰ زیب و زینت سے نوازیں گے، انہیں سونے اور موتیوں کے کنگن پہنائے جائیں گے، ریشم کا لباس پہنایا جائے گا۔ "وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ښ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ" بہترین باتوں کی اللہ نے انہیں توفیق دی، اور اللہ نے انہیں صراطِ مستقیم عطا کیا۔

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـــًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّاۗىِٕفِيْنَ وَالْقَاۗىِٕمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰي كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۝ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰي مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَاۗىِٕسَ الْفَقِيْرَ ۝ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۝

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور بیت اللہ کی تعمیر کا تذکرہ

طوفانِ نوح میں کعبہ گر گیا تھا، اس کے نشان بھی مٹ گئے تھے۔ اللہ نے جب دوبارہ بیت اللہ کو آباد کرنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت ابراہیمؑ کو بتا دیا کہ فلاں جگہ کعبہ کی بنیادیں موجود ہیں۔ انہیں بنیادوں پر بیت اللہ کی دوبارہ تعمیر کرو! حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ تعمیر کیا تو اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانی یہ اعلان کروایا کہ "اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـــًٔا"

میرے ساتھ شرک نہ کرنا، ظاہر ہے کہ ابراہیم تو بت شکن تھے، شرک کا شائبہ بھی نہیں ہو سکتا تھا، اس لیے مراد یہ ہے کہ ان کی زبانی عوام الناس کو یہ تنبیہ کی گئی کہ جب خلیل اللہ کو یہ حکم دیا جا رہا ہے تو دوسروں کو تو زیادہ اہتمام کر کے شرک کی نحوست سے بچنا چاہیے اور اللہ کے ساتھ کسی کو خدائی میں شریک نہ سمجھنا چاہیے۔

نیز حکم دیا کہ "وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ" کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لیے، قیام کرنے والوں کے لیے اور رکوع، سجود کرنے والوں کے لیے شرک سے بھی صاف رکھیے اور گند خرابے سے بھی صاف رکھیے، ظاہری اور باطنی صفائی کا اہتمام کیجیے، شرک نجاست ہے، اللہ نے فرمایا "انما المشرکون نجس" مشرک نجس ہیں، لہٰذا میرے گھر میں بت پرستی نہ آنے دینا۔

حج کا عالمگیر اعلان!

اس کے بعد اللہ نے حضرت ابراہیم سے فرمایا: "وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ" "میرے گھر کی آبادی کے لیے حج کا اعلان کرو! آپؑ نے عرض کی یا اللہ! میں تو یہاں میدان میں کھڑا ہوں، میری آواز کون سنے گا؟ اللہ نے فرمایا کہ اعلان کرنا تمہارا کام ہے اور آواز پہنچانا میرا کام ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک روایت کے مطابق جبل ابی قبیس اور دوسری روایت کے مطابق مقام ابراہیم والی جگہ پر کھڑے ہوئے اور اعلان کیا کہ لوگو! حج کے لیے بیت اللہ کی طرف آؤ! اللہ نے آپ کی آواز سب جگہ پہنچائی۔ کہتے ہیں کہ اس وقت جس جس نے عالمِ موجودات اور عالمِ ارواح میں اس دعوت پر لبیک کہا اللہ نے اس کے مقدر میں حج لکھ دیا۔ (معارف القرآن: ۶/۲۵۶)

علماء فرماتے ہیں کہ اس موقع پر جس نے ایک بار لبیک کہا، وہ ایک بار حج کرے گا، جس نے دو بار کہا، وہ دو بار حج کرے گا، اور جس نے تین بار کہا، وہ تین بار کرے گا، الغرض جس نے جتنی بار کہا، اتنی بار حج کی توفیق دی جائے گی۔

پھر فرمایا: "يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ" کہ آپ اعلان کرو، لوگ پیدل بھی آئیں گے اور سواریوں پر دور دراز سے بھی آئیں گے۔

نکتہ:- اس آیت میں سواریوں پر آنے والوں سے پیدل حج کرنے والوں کا ذکر پہلے کر کے اشارہ فرمایا کہ دولت مند اپنی دولت کی وجہ سے نہ اترائیں، حج میں غریب و امیر دونوں شریک ہیں بلکہ بعض وجوہ سے پیدل والوں کا ثواب زیادہ ہے۔

حج میں بے شمار دینی و دُنیوی فوائد مضمر ہیں

فرمایا: "لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ" یعنی جو لوگ دُور دراز سے آئیں گے، وہ اپنے ہی نفع (دینی و دُنیوی) کے لیے آئیں گے۔

سب سے معروف دُنیوی نفع یہ ہے کہ شادی بیاہ کی رسموں پر خرچ کر کے تو لوگوں کو کنگال ہوتے دیکھا گیا ہے لیکن

ایک ایک پائی جوڑ کر حج وعمرہ کرنے والوں میں سے کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں ملے گا جو ان مبارک اسفار میں خرچ کرنے سے فقیر ہو گیا ہو بلکہ حدیث میں ہے کہ حج کے بعد عمرہ کرنے سے فقر اور گناہ دونوں دور ہوتے ہیں۔

جب کہ دوسری طرف احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ "من حج لله فلم يرفث ولم يفسق رجع كيوم ولدته أمه" (صحیح البخاری: ۱۴۲۷) جو بندہ شرعی احکامات کے مطابق حج کر کے آتا ہے اور گناہوں سے بچنے کا اہتمام کرتا ہے، وہ گناہوں سے ایسے پاک صاف لوٹتا ہے جیسے نوزائیدہ بچہ، گناہوں سے پاک ہوتا ہے۔

"وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰي مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَاۗىِٕسَ الْفَقِيْرَ" "اور اللہ کو یاد کریں گے معلوم دنوں میں، خاص جو حج کے دن ہیں ان میں اہتمام سے ذکر کیا جاتا ہے، اسی طرح ایام تشریق میں ہر فرض نماز کے بعد تکبیر پڑھنا واجب ہے۔ اور اللہ نے جو جانور دیے ہیں ان کے بارے میں فرمایا: "فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَاۗىِٕسَ الْفَقِيْرَ" کہ اس میں سے خود بھی کھاؤ اور تنگدست فقیر کو بھی کھلاؤ۔

حج کی قربانی کے احکام

حج میں دو طرح کی قربانیاں ہوتی ہیں:

دَمِ شکر

ایک تو وہ ہوتی ہے جو عمرہ اور حج کو جمع کرنے کی ہوتی ہے، جسے دمِ تمتع اور دمِ قران کہتے ہیں۔ یعنی جب کوئی ایک سفر میں حج بھی کرے اور عمرہ بھی، یہ شکرانے کی قربانی ہوتی ہے، اس قربانی میں سے خود بھی کھا سکتے ہو اور دوسروں کو بھی کھلا سکتے ہو۔

دَمِ جنایت

ایک قربانی وہ ہوتی ہے جو کسی کوتاہی کی تلافی کے طور پر دی جاتی ہے، مثلاً کوئی واجب چھوٹ گیا یا فرض میں کوتاہی ہو گئی، یہ دونوں قسم کی قربانیاں حرم میں ہی کرنی ہوتی ہیں، لیکن اس دوسری قسم کی قربانی سے آدمی خود نہیں کھا سکتا، بلکہ یہ قربانی کھائے گا تو صرف حرم کا فقیر کھائے گا۔

قربانی کے بعد

"ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ" "احرام کی پابندیاں چونکہ سخت ہوتی ہیں، بال، ناخن تراشنا اور خوشبو لگانا ممنوع ہوتا ہے، اس لیے فرمایا کہ جب تم نے حج کے افعال ادا کر لیے اور دس ذی الحجہ کو قربانی بھی کر لی تو اب اپنی جسمانی میل کچیل دور کر کے صاف ستھرے ہو جاؤ۔

"۱۰ ذی الحجہ" میں چار اہم کام

اس دن چار کام کرنے ہوتے ہیں، "رمی، نحر، حلق اور طواف" جن کو آسانی کے لیے "رنحط" سے تعبیر کرتے ہیں

(اس میں اشارے کے طور پر ہر کام کا پہلا حرف لے لیا گیا ہے) تو جب ان میں سے پہلے تین کام کر چکو تو غسل کرو، اپنے جسم سے میل کچیل اور مٹی کا گرد و غبار دور کرو اور منتیں بھی پوری کرو۔ لیکن منتیں اللہ کے لیے ہوں، طواف، قربانیاں اور نیازیں بھی اللہ کے لیے ہوں۔ یہاں طواف سے مُراد "طوافِ زیارۃ" ہے، جو حج کا اہم رُکن ہے، اس کے بغیر حج نہیں ہوتا۔

پالتو جانور، حالتِ اِحرام میں بھی حلال ہیں

وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ۝

تمہارے لیے جانور حلال کر دیے گئے ہیں سوائے چند جانوروں کے جو تمہیں بتا دیے گئے ہیں، یعنی مردار جانور حرام، دَمِ مسفوح حرام، خنزیر حرام اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جانے والا جانور حرام، ان کے علاوہ بھی کچھ جانور ہیں جن کا تذکرہ سورۂ مائدہ میں ہو چکا ہے، یہ سب حرام ہیں، ان کے علاوہ باقی حلال ہیں، لیکن تم شرک اور بتوں کی گندگی سے بچو اور جھوٹ سے بھی بچو۔

قُربانی کا حکم ہر اُمّت کے لیے ہے

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۭ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا ۭ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ۝ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰي مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۝

ہر اُمّت اللہ کے نام پر جانور کی قربانی دیتی آئی ہے، تمہاری بھی ایک قربانی ہے، اللہ نے چونکہ تمہیں جانور دیے ہیں اس لیے جانور ذبح کرو لیکن اللہ کے نام پر ذبح کرو، کیونکہ "فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا" "تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے، سو اسی کے سامنے جھک جاؤ اور اسی کی فرمانبرداری کرو! فرمایا: "وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ" "جو رَبّ کے سامنے جھک جائے گا، عاجزی کرے گا، میرے نبی آپ اس کو خوش خبری سنا دیں۔

"مَنْسَكْ" کی وضاحت

عربی زبان میں "منسك" تین معانی میں بولا جاتا ہے: ۱-قربانی ۲-افعالِ حج ۳-مطلقاً عبادت۔

اس آیت میں تینوں معانی مراد لیے جاسکتے ہیں کہ قربانی ہو، افعالِ حج ہوں یا عبادات، یہ صرف اُمّتِ محمدیہ پر لازم نہیں ہیں بلکہ اس سے پہلی اُمتیں بھی یہ فرائض سرانجام دیتی آئی ہیں۔ (معارف القرآن: ۶/ ۲۶۶)

خوش بخت لوگ

"الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰي مَآ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۝"

اللہ کے سامنے جھکنے والے کون لوگ ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر، اللہ کے ذکر کے وقت، عظمت کی وجہ سے ہیبت طاری ہو جاتی ہے۔ جو مصیبت پر صبر کرتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور اللہ کے دیے ہوئے مال میں سے خرچ کرتے ہیں۔

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۚ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

قربانی میں دینی و دُنیوی فوائد موجود ہیں

اونٹ (اور گائے وغیرہ) کے بارے فرمایا کہ سب اللہ کے دین کی یادگار ہیں اور تمہارے لیے ان میں دینی (ثواب) اور دُنیوی (خود کھانا اور دوسروں کو کھلانا وغیرہ) فائدہ ہی فائدہ ہے۔

اُونٹ ذبح کرنے کا طریقہ

"فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۚ" اس میں اللہ پاک نے اونٹ کی قربانی کا طریقہ بتایا کہ عام جانوروں کو تو لٹا کر ذبح کیا جاتا ہے لیکن اونٹ کے ذبح میں آسانی اور بہتری اسی میں ہے کہ اسے قبلہ رخ کھڑا کر کے (اس کا اگلا دایاں یا بایاں پاؤں باندھ کر) اس کی گردن پہ چھری ماری جائے۔ اس سے خون اور روح نکلنے میں آسانی رہتی ہے۔ جب اونٹ زمین پر گر جائے (اور ٹھنڈا ہو جائے) تو اَب اس سے تم بھی کھاؤ اور فقیروں کو (چاہے وہ زبان سے سوال کریں یا چپکے چپکے بیٹھ کے دیکھتے رہیں) بھی کھلانا چاہو تو کھلا سکتے ہو۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۚ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ۚ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

قربانی وہی مقبول ہے جو خالص ربّ کی رضا کے لیے ہو

فرمایا کہ ان قربانیوں میں بھی تم اخلاص کو مدِ نظر رکھو "لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا" تمہارے ان قربانی کے جانوروں کا خون اللہ کے پاس نہیں پہنچتا نہ ہی گوشت اور کھال پہنچتی ہے "وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ" اللہ کے پاس تو تمہارے دل کا اخلاص پہنچتا ہے۔ دکھلاوے کے لیے قربانی نہ کرو، گوشت کھانے کی نیت سے قربانی نہ کرو، اللہ کی رضا کی نیت سے قربانی کرو، "كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ" دیکھو اللہ نے بڑے بڑے جانور تمہارے تابع بنا دیے تاکہ تم اللہ کی کبریائی بیان کرو، یہ مضمون یہاں مکمل ہوا۔

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۝ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۚ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۚ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝

حج اور جہاد میں مناسبت

حج کے احکام کے بعد جہاد کے ذکر سے درحقیقت حج کا جہاد سے تعلق ظاہر کرنا مقصد ہے۔

جہاد میں سفر، امیر کی اطاعت اور لشکر کی صورت میں آمد و رفت ہوتی ہے، یہ سب چیزیں حج میں بھی ہوتی ہیں، حج میں مجاہدین کے لیے دعائیں بھی ہوتی ہیں اور جہاد کے لیے مشورہ بھی کیا جاسکتا ہے۔

نیز حج کا قیامت سے بھی تعلق ہے کہ جس طرح قیامت میں سب لوگ ایک میدان میں جمع ہوں گے، حج میں بھی سب لوگ، میدانِ منیٰ، مزدلفہ اور میدانِ عرفات میں جمع ہوتے ہیں۔ جیسے قیامت میں سب لوگ ایک آواز پر اُٹھ کھڑے ہوں گے، حج میں بھی ہزار تھکن کے باوجود ایک اذان پر سارے حاجی صبح کے وقت اُٹھ جاتے ہیں۔

کُفّار سے قتال کی اجازت مل گئی

اصل میں یہ سورت ایسی ہے کہ مکہ میں اس کے نزول کی ابتداء ہوئی اور اس کا کچھ حصہ ہجرت کے بعد مدینہ میں بھی نازل ہوا۔ مکہ میں مسلمان پٹتے رہے، ظلم سہتے رہے، لیکن جہاد کی اجازت نہیں تھی، لڑنے کی اجازت نہیں تھی، مدینہ میں آئے تو وہاں یہ آیات نازل ہوئیں کہ اب تمہیں جہاد کی اجازت ہے اور ساتھ میں جہاد کی حکمت بھی بیان کی، فرمایا: ”اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ“ کہ اب تک تم سے لڑائی کی جاتی رہی، تم مظلوم ہو، اللہ تمہاری مدد پر قادر ہے، تمہیں بلاوجہ گھروں سے نکالا گیا، لہٰذا اب تم جہاد کرو۔

قتال کی حکمت

”وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذْكَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِیْرًا ؕ وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ۝“ فرمایا کہ جہاد کا حکم کوئی نیا حکم نہیں ہے۔ پچھلی اُمتوں کو بھی یہ احکام دیے گئے تھے۔ اگر یہ حکم نہ دیا جاتا تو کسی مذہب اور دین کی خیر نہیں تھی۔ سب عبادت خانے ڈھا دیے جاتے، کیونکہ قوموں کا یہ عام رویہ ہے کہ وہ ایک دوسرے پر چڑھائی کرنا چاہتی ہیں، ان پر غلبہ حاصل کرنا چاہتی ہیں، تو اگر تم جہاد نہیں کرو گے اور اپنا دفاع نہیں کرسکو گے، تمہارے مخالف لوگ، عبادت خانے بھی گرادیں گے، یہودیوں کے دور میں ان کے عبادت خانے گرا دیے جاتے اگر جہاد نہ ہوتا، عیسائیوں کے دور میں ان کے عبادت خانے گرادیے جاتے اگر جہاد نہ ہوتا، اور آج مسجدیں گرادی جاتیں اگر مزاحمت نہ ہوتی اور جہاد نہ ہوتا۔ اسی مزاحمت کی وجہ سے یہ عبادت گاہیں بچی ہوئی ہیں، لہٰذا تمہیں جہاد کی اجازت ہے۔ جہاد کے نتیجے میں حکومت ملتی ہے۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ۝

غلبہ کا بنیادی مقصد اِعلائے کلمۃ اللہ ہے

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ

اللہ پاک جب اپنے نیک بندوں کو غلبہ اور سلطنت سے نوازتے ہیں تو وہ حضرات نماز قائم کرتے ہیں، بے نمازی نہیں ہوتے، زکوٰۃ دیتے ہیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ کی مدد بھی انہی اوصاف کے حامل اہلِ ایمان کو نصیب ہوا کرتی ہے۔

غلبہ کی یہ نشانیاں اللہ پاک نے خلفائے راشدینؓ کے پاکیزہ ادوار میں پوری کر کے دکھادیں۔ ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ کے ادوارِ حکومت میں یہی کچھ ہوتا تھا۔ یہی دینی نظام قائم تھا۔

بادشاہوں کے لیے نصیحت

اس آیت میں اُن لوگوں کے لیے ہدایت بھی ہے جن کو اللہ پاک، سلطنت عطا فرمادیں کہ وہ اپنی حدودِ سلطنت میں یہ سب کام سرانجام دیں جو خلفائے راشدین نے اپنے ادوار میں سرانجام دیے تھے۔ (معارف: ۶/ ۲۷۱)

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ۝ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ ۝
وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ ۚ وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۚ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ۝ فَكَاَيِّنْ مِّنْ
قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِىَ ظَالِمَةٌ فَهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ۝ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا
فِى الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ
تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ ۝

انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت کو جھٹلانے والے تباہ ہوگئے

جن قوموں نے اللہ کو نہیں مانا، پیغمبروں کی دعوت کو تسلیم نہیں کیا، وہ قومیں تباہ و برباد ہوگئیں، قومِ ثمود ہے، قومِ عاد ہے، ابراہیم علیہ السلام کی قوم ہے، لوط علیہ السلام کی قوم ہے، قوم مدین ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نہ ماننے والے ہیں۔

”دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو!“

یہ سب اپنے اپنے دور کے سیکولر اور لبرل لوگ شمار ہوتے تھے لیکن دلوں پر چونکہ الحاد اور کفر و شرک کا زنگ چڑھا ہوا تھا، اس لیے حق اور باطل میں فرق نہ سمجھ سکے۔ حرفِ غلط کی طرح مٹادیے گئے۔ ان کی بستیاں اور آبادیاں ویران پڑی ہیں، ان کے مکانات اور بنگلے سبھی اُجڑ گئے ہیں۔ ذرا گھوم پھر کر ان کا انجام تو دیکھ لو!

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ
كَرِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِىْۤ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰۤئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہی میں نجات ہے

فرمایا: ”قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ“ اے لوگو! میں پوری کائنات کے لیے کھلا ڈرانے والا، خبردار کرنے والا ہوں، شفقت و پیار سے سمجھانے والا ہوں۔ لہٰذا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو مان کر، نیک اعمال کے ذریعے اللہ کو راضی کرلے گا، وہ کامیاب ہوجائے گا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک راستے کی مخالفت کرنے والے ناکام ہوجائیں گے۔

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤی اَلْقَی الشَّیْطٰنُ فِیْۤ اُمْنِیَّتِهٖ ۚ فَیَنْسَخُ اللّٰهُ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ ثُمَّ یُحْكِمُ اللّٰهُ اٰیٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ۙ لِّیَجْعَلَ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِیَةِ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَفِیْ شِقَاقٍۭ بَعِیْدٍ ۙ وَّلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَیُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ

شیطان نے ہر موقع پر ٹانگ اَڑائی ہے..........منہ کی کھائی ہے

”وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ اِلَّاۤ اِذَا تَمَنّٰۤی اَلْقَی الشَّیْطٰنُ فِیْۤ اُمْنِیَّتِهٖ“ ایک اہم بات ارشاد فرمائی کہ ہم نے جب بھی کوئی رسول اور نبی بھیجا، اُس نے جب بھی تلاوت کی، شیطان نے اس کی تلاوت کے بارے میں لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالے (اور کفار انہی شبہات اور وسوسوں کو پیش کرکے انبیاء کی مخالفت کیا کرتے تھے۔ معارف ۶/۲۷۶)۔

”فَیَنْسَخُ اللّٰهُ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ ثُمَّ یُحْكِمُ اللّٰهُ اٰیٰتِهٖ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ“ اللہ شیطان کے وسوسوں کو دور کرکے اپنی آیات اور اپنے فیصلے کو پختہ کردیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ علیم وحکیم ہیں، شیطان کی سازشیں ناکام ہی ہوتی ہیں۔

”رسول“ اور ”نبی“ میں مشہور فرق

رسول اور نبی میں فرق بارے اقوال مختلف ہیں۔ راجح یہ ہے کہ رسول اسے کہتے ہیں جسے مستقل کتاب اور شریعت دی جائے۔ جب کہ نبی وہ ہوتا ہے جس کے پاس وحی آتی ہو، چاہے اسے مستقل کتاب دی جائے یا پہلی شریعت کی تبلیغ کے لیے مامور ہو۔ معلوم ہوا کہ ہر رسول، لازماً نبی ہوتا ہے لیکن ہر نبی کے لیے رسول ہونا ضروری نہیں۔ (معارف القرآن: ۶/۲۷۷)

شیطانی وساوِس کے چند نمونے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی آیت تلاوت کی: ”حُرِّمَتْ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةُ“ (المائدۃ: ۳) جو حلال جانور قدرتی موت مرجائے، اسے کھانا حلال نہیں ہوتا۔ شیطان نے لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ دیکھو جی! خدا کی ماری ہوئی نہیں کھاتے، اپنی ماری ہوئی (اپنے ہاتھ سے ذبح کی ہوئی) کھاتے ہیں۔ اسی طرح قرآن میں آتا ہے: ”اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ“ (الانبیاء: ۹۸) ”جن جھوٹے خداؤں کی تم عبادت کرتے ہو، تم بھی اور وہ بھی، سب جہنم کا ایندھن

ہیں۔ اب شیطان نے وسوسہ ڈالا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی بھی تو عبادت کی جاتی ہے تو کیا نعوذ باللہ وہ بھی جہنم کا ایندھن ہیں؟ یہ وسوسہ اللہ نے دور کر دیا، قرآن میں اس کا جواب آ گیا، تو فرمایا کہ ہم اپنی آیات کو پختہ کرتے ہیں اور شیطانی وساوس کو دور کر دیتے ہیں۔

اللہ کی خاطر ہجرت کرنے والوں کے لیے ثواب ہی ثواب ہے

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ
الرّٰزِقِيْنَ ۝ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۝

فرمایا: ''وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا'' کہ جن لوگوں نے ہماری راہ میں ہجرت کی، پھر وہ شہید ہو گئے یا طبعی انتقال کر گئے تو: ''لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ'' ہم انہیں بہترین رزق دیں گے، اور ہم بہترین رزق دینے والے ہیں۔ ہم انہیں بہترین ٹھکانے عطا کریں گے جہاں یہ سب ہنسی خوشی رہیں گے۔

اللہ ہی قادرِ مطلق ہے

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۭ وَيُمْسِكُ السَّمَاۗءَ اَنْ تَقَعَ عَلَي
الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ۡ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ۭ
اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ۝

فرمایا کہ اللہ نے پوری زمین تمہارے نفع کے لیے بنائی ہے، کشتیاں دریاؤں میں اللہ کے حکم سے چلتی ہیں، اللہ نے آسمان کو گرنے سے روکا ہوا ہے، وہی تمہیں زندہ کرتا ہے وہی تمہیں مارتا ہے، پھر وہی تمہیں کل قیامت کے دِن زندہ کرے گا۔ یہ سب ہماری وحدانیت کے دلائل ہیں، لہٰذا ہمیں وحدہ لاشریک مانو۔ صرف میری ہی عبادت کرو!

تسخیر کا مطلب

مسخر کرنے کا بے غبار مطلب یہ ہے کہ یہ سب چیزیں اگرچہ اللہ کے حکم کے تابع ہیں لیکن یہ سب انسان کی خدمت میں لگی ہوئی ہیں۔ انسان ان سب چیزوں کو اپنے مقاصد کے حصول کے لیے بے دھڑک استعمال کر سکتا ہے۔ (معارف: ۶/۲۸۱)

لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ۭ اِنَّكَ لَعَلٰى
هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ۝ وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا
كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝

سب شریعتوں کے اُصول ایک ہیں

فرمایا: ہر نبی کو ہم نے بندگی کا ایک طریقہ دیا تھا جس پر وہ چلتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو الگ الگ شریعت دی

ہے جن میں جزوی طور پر احکامات مختلف ہوتے ہیں۔ نیز ایک شریعت کا اتباع اُس اُمت پر اس وقت تک لازم ہوتا ہے جب تک اللہ کی طرف سے کوئی دوسری شریعت نہ آجائے۔ جب دوسری شریعت آجائے تو اب سابقہ شریعت کا اتباع درست نہیں رہتا بلکہ اسی نئی شریعت کا اتباع کرنا لازم ہوتا ہے۔ اور اگر اس نئی شریعت کا کوئی حکم سابقہ شریعت کے حکم کے برعکس ہے تو سابقہ حکم کو ہی منسوخ سمجھا جائے گا۔

لہٰذا مشرکین اگر یہ سمجھتے ہیں کہ شریعتِ محمدیہ کے احکامات، ان کے آبائی مذہب کے خلاف ہیں اور اسی لیے وہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑا کرتے ہیں تو وہ سن لیں کہ پچھلی کسی کتاب کا نئی شریعت سے مقابلہ کرنا اور پچھلی شریعت کی وجہ سے نئی شریعت سے جھگڑا کرنا ہرگز درست نہیں۔ اصول، عقائد اور نظریہ تو سب انبیاءؑ کا ایک تھا، لیکن بندگی کا طریقہ سب کا الگ الگ رہا، لہٰذا کوئی ہمارے نبی سے اس بارے میں نہ جھگڑے۔ البتہ اگر یہ لوگ پھر بھی گڑبڑ کرتے رہیں تو ہم خود ان سے نمٹ لیں گے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ۝

اس سے بڑھ کر بے بسی کیا ہو سکتی ہے؟

ان آیات میں اللہ پاک نے شرک اور مشرک کی ایک مثال پیش کی، فرمایا غیر اللہ کو ماننے والو ایک مثال سن لو، "يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ" اے ساری دنیا کے لوگو! ہند، سندھ کے لوگو! چین و جاپان کے لوگو! عرب و عجم کے لوگو! ایک مثال سن لو! "اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو، "لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ" اللہ نے تو اتنا بڑا جہان بنا دیا، انہوں نے تو ایک مکھی تک نہیں بنائی، اللہ نے تو اتنا بڑا آسمان، زمین، سورج، چاند، ستارے، کہکشاں، بر و بحر اور یہ کائنات بنائی، اور جن کو تم اللہ کے ساتھ شریک بناتے ہو انہوں نے تو ایک مکھی بلکہ ایک مچھر بھی نہیں بنایا، اور ان کے عجز و بے بسی کا عالم یہ ہے کہ سارے مل کر مکھی بھی نہیں بنا سکتے، امریکا، یورپ، سارے مل کر بھی مکھی نہیں بنا سکتے۔ "وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ" مکھی بنانا تو بڑی بات ہے، تم روز اِن بتوں کے سامنے چڑھاوے چڑھاتے ہو، مٹھائی اور پھل وغیرہ رکھتے ہو۔ اگر کوئی مکھی ان کی مٹھائی وغیرہ لے جائے تو ان سے تو اتنا بھی نہیں ہو سکتا کہ مکھی سے اپنی چیز چھڑوا لیں، تمہاری مدد کیا خاک کر سکیں گے! "ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ" یہ جھوٹا پکارنے والا بھی کمزور اور اس کا جھوٹا خدا بھی کمزور۔ طاقتور بنو، طاقتور کو پکارو، اللہ کو پکارو، تمہیں بھی اللہ قدرت دے دیں گے۔

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۝

حق تو یہ ہے کہ حق ادا، نہ ہوا

ہائے افسوس! انہوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسا کہ قدر کرنے کا حق تھا، اللہ کی تعظیم تو یہ تھی کہ صرف اسی کی عبادت کی

جاتی، ان لوگوں نے شرک کر کے دوسروں کو خدائی عہدیدار بنادیا۔ حالانکہ اللہ بڑے طاقتور ہیں، غالب ہیں۔ عبادت خالص اللہ پاک کا حق تھا لیکن لوگوں نے ناشکری کی۔

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝

اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے، پیمبری کے لیے منتخب کرلیتا ہے

فرمایا: ”اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ“ کہ ہم نے فرشتوں میں سے بھی رسول بنائے یعنی انبیائے کرام تک پیغام الٰہی پہنچانے والا بنا کر بھیجا، اور انسانوں میں سے بھی ہم نے جس کو چاہا، عوام تک دعوت پہنچانے کے لیے اپنا نبی اور رسول بنادیا۔ اللہ کو خوب معلوم ہے کہ کسے اپنا قاصد بنانا ہے۔ بشریت یا ملکیت اس کے منافی نہیں ہے۔

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ۭ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ۭ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ۭ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ڏ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَي النَّاسِ ښ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝

خدائی احکامات کی تعمیل میں جان کھپا دیا کرو

فرمایا کہ ”وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ“ دین کے لیے خوب محنت کرو، جہاد کرو، اس جہاد میں یہ بھی شامل ہے کہ کافروں سے لڑو، یہ بھی شامل ہے کہ شیطان سے لڑو، یہ بھی شامل ہے کہ اپنے نفس سے لڑو، بس شرط یہ ہے کہ خالص ربّ کی رضا کے لیے ہو، دکھلاوا، شہرت یا مال و دولت کی طلب ہرگز نہ ہو۔

یہ ہمارا نفس اور شیطان بھی ہمارے دشمن ہیں، یہ ہمیں گناہوں پہ لگاتے ہیں۔ لہٰذا اس نفس اور شیطان سے لڑو، ان کو دباؤ، اس نفس اور شیطان سے زندگی بھر کی لڑائی ہے:

نفس سے ہے لڑائی عمر بھی کی
کبھی تو دبا دے، کبھی وہ دبا دے!

نفسانی خواہشات کو دبانا، جہادِ اکبر ہے

حضراتِ صحابہ کرامؓ ایک غزوہ سے فارغ ہو کر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قدمتم من الجهاد الأصغر إلى الجهاد الأكبر قالوا وما الجهاد الأكبر قال مجاهدة العبد لهواه ويروى من حديث سعد بن أنس عن النبي صلى الله عليه وسلم“ (جامع العلوم والحکم، ص: ۱۹۶) ”یعنی تم سب چھوٹے جہاد سے فارغ ہو کر اب بڑے جہاد کی طرف جا رہے ہو!

صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ بڑا جہاد کیا ہے؟ فرمایا "اپنی نفسانی خواہشات کے خلاف جہاد" اس جہاد کے لیے اللہ والوں کی صحبت بہت ضروری ہے، اللہ والوں کی صحبت سے انسان نفس اور شیطان کو ہرانا، ان کو پچھاڑنا، اور خواہشات پر قابو پانا سیکھتا ہے۔

اُمّتِ محمدیہ، اللہ کی منتخب اُمّت ہے

"هُوَ اجْتَبٰىكُمْ" "تم اللہ کے چنے ہوئے ہو۔" "وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ" "تمہارے دین میں اس نے کوئی مشکلیں نہیں رکھیں، تمہارا دین آسان ہے۔

دِین میں تنگی نہ ہونے کا مطلب

حضراتِ مفسرینؒ نے اس کے چار مطلب بیان فرمائے ہیں اور یہ سب درست ہیں:

۱- دین میں ایسا کوئی گناہ نہیں جو توبہ سے معاف نہ ہوسکے۔ حالانکہ پچھلی اُمتوں میں بعض گناہ ایسے تھے جو توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتے تھے۔ پچھلی اُمتوں کی تو توبہ ہی آسانی سے قبول نہیں ہوتی تھی، تمہاری توبہ تو فوری قبول ہوجاتی ہے۔

۲- اس دین میں ایسے سخت احکامات نہیں ہیں جو بنی اسرائیل پر لازم کیے گئے تھے۔ ان کے لیے مالِ غنیمت استعمال کرنے کی اجازت نہ تھی، تمہارے لیے اس کی اجازت ہے۔ تمہارا دین بڑا آسان ہے۔

۳- اس دِین میں کوئی حکم ایسا نہیں جو بذاتِ خود نا قابلِ برداشت ہو۔ باقی تھوڑی بہت محنت مشقت تو دین کے ہر کام میں برداشت کرنی پڑتی ہے۔

۴- یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ منتخب اُمّت ہونے کی وجہ سے دین کی راہ میں بڑی سے بڑی مشقت اٹھانا بھی آسان اور لذیذ ہوجائے۔ جب دل میں ایمانی حلاوت پیدا ہوجائے تو مشقت میں بھی راحت ملنے لگتی ہے اور سب بھاری کام، ہلکے پھلکے محسوس ہونے لگ جاتے ہیں۔ (معارف القرآن ۶/ ۲۸۹، ۲۹۰)

تم ملّتِ ابراہیمی پر رہو!

"مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ" "تم اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی ملت ہو۔" "هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا" اُسی نے قرآن نازل ہونے سے پہلے ہی اہلِ ایمان کا نام "مسلمان" رکھا ہے۔ اس سے مراد وہ جماعت المسلمین نہیں ہے، بلکہ مسلمان مراد ہے، کچھ لوگوں نے ایک فرقہ بنایا اور اس کا نام رکھ دیا "جماعت المسلمین" اور کہنے لگے کہ ہمارا نام تو قرآن میں ہے، ہم تو قرآن والے ہیں، عجیب انداز سے لوگوں نے فرقے بنائے ہوئے ہیں، کہتے ہیں کہ اب تک کی ساری اُمّت گمراہ اور کافر تھی بس ہم مسلمان ہیں، ہم جماعت المسلمین ہیں۔ تو اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔

مختلف تعارفی نسبتوں میں باہم کوئی تضاد نہیں ہوتا

یاد رکھیے کہ ہم "مسلمان" ہیں غیر مسلموں کے مقابلے میں۔ ہم "اہلِ سنّت والجماعت" ہیں دوسرے فرقوں کے

مقابلے میں۔ یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے ہم پاکستانی ہیں دوسرے ممالک والوں کے مقابلے میں اور ہم پنجاب والے ہیں دوسرے صوبے والوں کے مقابلہ میں، اور ہم ملتان والے ہیں باقی اضلاع کے مقابلہ میں۔ اب اگر ہم اپنے نام کے ساتھ "شجاع آبادی" لکھیں تو اس کا ہرگز یہ مطلب تو نہیں ہے کہ ہم پاکستانی یا پنجابی نہیں رہے۔

بعض لوگوں کی طرف سے ڈالا جانے والا وسوسہ

ہم جب اپنے آپ کو سنی یا حنفی یا دیوبندی کہتے ہیں تو بعض لوگ کہنے لگتے ہیں کہ دیکھو بھائی! اللہ کہتا ہے کہ مسلمان بنو! یہ حنفی اور دیوبندی بن گیا؟ کبھی کبھی یہ وسوسہ بھی ڈالا جاتا ہے کہ محمدی بنو! حنفی یا شافعی یا دیوبندی نہ بنو! حالانکہ یہ تو ایسی ہی احمقانہ بات ہے جیسے کوئی کراچی میں رہنے والا اپنے آپ کو "کراچوی" کہے تو اس پر کوئی اعتراض کرے کہ یہ اپنے آپ کو پاکستانی نہیں کہہ رہا، کراچوی کہہ رہا ہے، دونوں میں کوئی تضاد تو نہیں ہے، ایسے وسوسوں کی حقیقت کو سمجھنا چاہیے، جلدی پریشان نہیں ہو جانا چاہیے۔ ہمارا جو مذہب ہے الحمدللہ وہ بھی سچا ہے اور ہمارا جو مسلک ہے، الحمدللہ وہ بھی سچا ہے، ہم اعتدال والے لوگ ہیں۔

یہ اُمّت بھی گواہ... اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی گواہ

"لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ" فرمایا کہ قیامت کے دن حضور تم پر گواہ ہوں گے۔ اس بات کی گواہی دیں گے کہ میں نے اللہ پاک کے احکامات اس اُمت تک پہنچا دیے تھے۔ اُمتِ محمد یہ اس کا اقرار کرے گی۔ لیکن جب دوسرے انبیائے کرام اپنی اپنی اُمتوں تک دعوت پہنچانے کی بات کریں گے تو ان کی اُمتیں مُکر جائیں گی کہ ہم تک دعوت پہنچی ہی نہ تھی۔ اس وقت اُمتِ محمد یہ اُن انبیاءؑ کی تائید کرے گی کہ ہمارے صادق و مصدوق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا تھا کہ ہر نبی نے اپنی اُمت تک دین کا پیغام پہنچایا تھا۔ اس لیے تم سب جھوٹے ہو اور تمہارے پیغمبر سچ کہتے ہیں۔ ہم سب ان کی تصدیق کرتے ہیں۔ (معارف القرآن ۶/ ۲۹۱)

فَأَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ۭ هُوَ مَوْلٰىكُمْ ۚ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ۝

خدائی اَحکامات کی پابندی کرو

جب اللہ پاک نے تم پر اتنے عظیم احسانات فرمائے ہیں تو تمہارا بھی فرض بنتا ہے کہ اللہ کے احکامات کی پوری پابندی کرو! "فَأَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ" نماز قائم کرو، صرف پڑھو نہیں، بلکہ مکمل خشوع خضوع کے ساتھ نماز کے مکمل حقوق ادا کرو! "وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ" زکوٰۃ دو۔

صرف نماز اور زکوٰۃ کے ذِکر کی وجہ

بدنی عبادات میں سے سب سے اہم عبادت "نماز" اور مالی عبادات میں سے سب سے اہم "زکوٰۃ" ہے۔ اس لیے صرف اہم عبادتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ ورنہ بھی شرعی احکام کی پابندی مراد ہے۔

اللہ سے تعلق مضبوط بناؤ

فرمایا: "وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ" اور اللہ سے تعلق مضبوط کرو۔ مضبوطی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ہی پر بھروسا رکھو، اسی سے دُعائیں اور حاجات مانگو اور قرآن وسنت کے احکامات پر جم کر عمل کرو! کیونکہ "هُوَ مَوْلٰىكُمْ" وہی اللہ تمہارا مولیٰ ہے، "فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ" اور اللہ بہترین مولیٰ اور بہترین مدد کرنے والا ہے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔سورت میں قیامت کا اثبات اور اس کے وقوع کے وقت کی ہولناکی کو بیان کیا گیا ہے۔

۲۔انسان کی تخلیق کے مراحل کو ذکر کیا گیا ہے۔

۳۔حج سے متعلق اَحکام ذکر کیے گئے ہیں۔

۴۔قربانی سے متعلق احکام بیان کیے گئے ہیں۔

۵۔اللہ ربّ العزّت کی قدرت کے نمونے ذکر فرما کر اس کی توحید کی جانب لوگوں کو دعوت دی گئی ہے۔

تم الجزء "السابع عشر" بعونِ اللہ تعالیٰ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُوْن

سورت کا تعارف

یہ سورت ''المومنون'' ہے، یہ سورت مدنی ہے، جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئی۔ قرآنی ترتیب کے اعتبار سے یہ تیئیس (۲۳) نمبر پر ہے، جب کہ نزول کی ترتیب کے اعتبار سے چوہتر (۷۴) نمبر پر ہے، اس کے چھ رُکوع اور ایک سو اٹھارہ (۱۱۸) آیات ہیں۔

وجہِ تسمیہ

اس سورت کے دو نام معروف ہیں:

۱- اَلْمُؤْمِنُوْن: کیونکہ اس سورت میں مومنین کے اوصاف کا ذکر ہے، مومنین کی نشانیوں کا ذکر ہے، مومنین کی خوبیوں کا ذکر ہے۔ اس سورت میں اللہ نے مضمون بھی یہی بیان کیا کہ مومنین کی اوصاف کیا ہیں اور کافروں کا انجام کیا ہے۔

۲- قَدْ اَفْلَحَ: کیونکہ اس سورت کی ابتداء اسی جملہ سے ہوئی ہے۔ (أتدبر القرآن: ۱۱۷)

ماقبل سے ربط

سورۂ حج میں اللہ پاک نے اُن اسباب کو بیان فرمایا ہے، جو تقویٰ کے حصول میں مددگار ثابت ہوتے ہیں، اس سورت میں بھی انہی اسباب کا بیان ہے۔ گزشتہ سورت میں بھی توحید کا بیان تھا اس سورت میں بھی توحید کا بیان ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع مومنین اور کفار کی صفات اور ان کے انجام کا موازنہ کرنا ہے۔

عمومی مضامین

اس سورت کے چند اہم مضامین یہ ہیں:

۱- مومنین کے اوصاف کا بیان۔

۲- مومنین کی جزا اور بدلے کا بیان۔

۳-اہلِ ایمان کی نسل درنسل تاریخ کا بیان۔

۴-مشرکینِ مکہ اور کفار کے خلاف دلائل قائم کیے گئے ہیں۔

۵-مومنین اور کافرین دونوں کے انجام کا تذکرہ۔

پارہ نمبر ۱۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝١ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝٢ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝٣
وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝٤ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝٥ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ
اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝٦ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝٧ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ
وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝٨ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝٩

کامل مؤمن کے سات اہم اوصاف

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝١

بلاشبہ مومن کامیاب ہوگئے۔ مومن کون ہوتے ہیں؟ ان آیات میں مؤمنین کے اہم اوصاف بیان فرمائے گئے ہیں۔

فلاح کا جامع مفہوم

فلاح کا مطلب ہے "ہر مُراد پوری ہو اور ہر تکلیف دور ہو" ظاہر ہے کہ کوئی انسان اس سے زیادہ کی خواہش کر ہی نہیں سکتا۔ نیز یہ بھی یقینی ہے کہ ایسی کامل فلاح، جنت میں ہی حاصل ہوگی، تاہم دنیا میں بھی اللہ پاک اپنے مخصوص بندوں کو عطا فرمادیا کرتے ہیں۔

اس آیت میں انہی "فلاح یافتہ" طبقے کی چند نشانیوں کو بیان فرما کر یہ اشارہ کیا گیا ہے کہ آخرت کی فلاح تو انہی کا مقدر بنے گی ہی، دنیا میں بھی جس قدر فلاح ممکن ہو، انہی کو حاصل ہوگی۔ کیونکہ جو شخص تمام وقتی تکالیف کے باوجود اِن قرآنی اوصاف پر جما رہے، اللہ پاک اس کی تکالیف جلد دور فرماتے ہیں۔ ساری دنیا ان کی عزّت کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے اور نیک نام انہی کا باقی رہتا ہے۔ (معارف القرآن ملخصا: ٦ / ۲۹۴، ۲۹۵)

ان آیات کا شانِ نزول

حضرت عمر فاروق ؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی تو ہم خدائی حکم سُننے کے لیے ٹھہر گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم التحیات کی شکل میں بیٹھ کر یہ دُعا مانگنے لگے: "اللّٰهم زدنا ولا تنقصنا وأكرمنا ولا تهنا ولا تحرمنا وآثرنا ولا تؤثر علينا وأرضنا وارض عنا۔ ثم قال: لقد أنزلت علي عشر آيات من أقامهن دخل

الجنة ثم قرأ: قد أفلح المؤمنون الذين هم فى صلاتهم خاشعون "یااللہ! تو ہمیں زیادہ دے، کمی نہ فرما۔ ہماری عزت میں اضافہ فرما، اہانت نہ فرما۔ ہمیں عطا فرما، محروم نہ فرما۔ ہمیں غلبہ عطا فرما، مغلوب نہ فرما۔ ہم سے راضی ہوجا اور ہمیں بھی اپنی رضا سے راضی کردے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر دس آیات ایسی اُتری ہیں کہ جو ان پر پورا پورا عمل کرلے، جنت میں جائے گا۔ اس کے بعد اس سورت کی پہلی دس آیات تلاوت فرمائیں۔ (سنن النسائی الکبری: وفیہ نوع نکارۃ واللہ اعلم، ۱۰/ ۲۵۰)

الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝

پہلا وصف: نماز میں ہر لحاظ سے اللہ کی طرف متوجہ رہتے ہیں

"الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝" اہلِ ایمان وہ ہیں، جو اپنی نمازوں میں خشوع وخضوع اختیار کرتے ہیں۔ خشوع کا معنی ہے: ڈرنا، سکون اختیار کرنا، یعنی جو نماز میں اللہ کا خوف رکھتے ہیں اور ٹھہر کر سکون سے نماز ادا کرتے ہیں، دل میں خوفِ خدا ہے، احکم الحاکمین کے دربار میں پیشی کا تصور ہے۔ دل اور اعضا ہر لحاظ سے اللہ کی طرف متوجہ ہیں۔ نہ دل میں غیر اللہ کا خیال ہے اور نہ ہی جسمانی اعضا اِدھر اُدھر مصروف ہوں۔ آنکھیں جھکی ہوئی ہیں، طبیعت میں سکون ہے، حرکتیں بند ہیں، یہ ہے خشوع وخضوع۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝

دوسرا وصف: گناہ تو گناہ، فضول اور لایعنی کاموں سے بھی بچتے ہیں

دوسرا وصف یہ ہے: "وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝" لغو سے اعراض کرتے ہیں، بے ہودہ باتوں اور کاموں سے اعراض کرتے ہیں، ان کے پاس بے ہودگی کے لیے وقت ہی نہیں ہوتا، وہ تو ہمہ وقت علم وعمل اور ذکر اللہ میں مشغول ہوتے ہیں، وہ اپنا وقت برباد نہیں کرتے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝

تیسرا وصف: مال اور دِل، دونوں کو پاک رکھتے ہیں

فرمایا: "وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۝" وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، یعنی گناہوں سے بچ کر خود کو بھی صاف رکھتے ہیں، اور زکوٰۃ ادا کرکے مال کو بھی صاف کرتے ہیں، زکوٰۃ سے مال پاک وصاف ہوجاتا ہے۔ اللہ پاک نے فرمایا: "خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا" (التوبۃ: ۱۰۳) "میرے نبی ان سے صدقات اور زکوٰۃ لیجیے اور ان کو پاک کیجیے، ان کے دلوں اور مالوں کا تزکیہ کیجیے۔ زکوٰۃ جس طرح دینے والے کے دل اور مال کے تزکیہ کا ذریعہ ہے، اسی طرح زکوٰۃ لینے والے کے مال اور دل کے تزکیہ کا بھی باعث ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝

چوتھا وصف: اُجلے کردار کے مالک ہیں

کامل مؤمن کی چوتھی نشانی ہے: ''وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝'' وہ عفیف اور پاکدامن ہیں۔ اپنے کردار کے دھنی ہیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت فرماتے ہیں، ان کی جنسی ضروریات، صرف جائز ذرائع (بیوی یا اپنی مملوکہ لونڈی) تک محدود رہتی ہیں۔ ان کے علاوہ حرام ذرائع سے بچتے ہیں۔

''فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝'' فرمایا کہ جو شخص نفسانی خواہشات کی تکمیل کے لیے مذکورہ بالا دو ذرائع (بیوی یا اپنی مملوکہ لونڈی) کے علاوہ کوئی اور ذریعہ ڈھونڈتا ہے، وہ زیادتی کرتا ہے، حد سے تجاوز کرتا ہے، بدمعاشی کرتا ہے۔

اہلِ علم فرماتے ہیں کہ ''متعہ'' بھی اسی میں شامل ہے کیونکہ وہ بھی نکاح نہیں ہے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝

پانچواں اور چھٹا وصف: امانت دار اور عہد کے پابند ہیں

ان کا پانچواں وصف اور نشانی یہ ہے کہ وہ اپنی امانتوں اور اپنے عہدوں کا پاس رکھتے ہیں، وہ امانت میں خیانت نہیں کرتے، جو زبان دیتے ہیں، اس کو نبھاتے ہیں، جو عہد کرتے ہیں، اس کو پورا کرتے ہیں۔

امانت کا مفہوم

اس آیت میں لفظ ''امانت'' کو جمع لایا گیا ہے تاکہ ہر قسمی امانت کو یہ لفظ شامل ہو جائے، خواہ اُن امانتوں کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے۔ سب امانتوں کی حفاظت کرنا اور ان میں کسی قسم کی خیانت نہ کرنا ہی کامل مؤمن کی شان ہے۔ (معارف القرآن ملخصا: ۶/ ۲۹۸)

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝

ساتواں وصف: نمازوں کی پابندی کرتے ہیں

''وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝'' وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں، پابندی سے نماز ادا کرتے ہیں، ایسا نہیں کرتے کہ رمضان آیا تو پڑھ لی اور رمضان گیا تو چھوڑ دی، یا جب دل کیا تو پڑھ لی ورنہ چھوڑ دی، بلکہ نمازوں کی پوری حفاظت اور پابندی کرتے ہیں اور انہیں اُن کے مستحب اوقات میں ادا کرتے ہیں۔

علمی نکتہ

مؤمنِ کامل کے ان سات اوصاف کی ابتدا بھی نماز سے ہوئی ہے (اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝) اور انتہا بھی

نماز پر ہوتی ہے (وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ) اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر نماز کو اس کے مکمل اداب کے ساتھ پابندی سے ادا کیا جائے تو باقی اوصاف خودبخود انسان میں پیدا ہوتے چلے جائیں گے۔ واللہ اعلم

(معارف القرآن: ۶/۲۹۹)

أُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ

جنّت الفردوس کا انعام

جن لوگوں میں یہ نشانیاں پائی جائیں گی، وہ کامیاب ہیں اور ان کی کامیابی کی شکل یہ ہے کہ وہ جنّت الفردوس کے وارث ہیں۔ قرآن کریم میں صرف دو مقام پر جنّت الفردوس کا ذکر ہے، ایک سورۃ کہف میں اور ایک یہاں سورۃ مومنون میں۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۤ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ۭ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ڰ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ

انسانی تخلیق کے سات مراحل

ان آیات میں اللہ پاک نے انسانی تخلیق کے مختلف ادوار کا ذکر فرمایا ہے۔ کئی سورتوں میں یہ مضمون بار بار آیا ہے اور اس سے مقصد، اللہ کی توحید اور قیامت کا اثبات ہے۔ یہ مضمون انسان کو اپنی اصلیت یاد دلا کر، موت، قبر، حشر اور آخرت کی یاد اور تیاری کی فکر دلاتا ہے۔

تخلیق کا پہلا مرحلہ

"وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ" "ہم نے انسان کو چُنی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔ یعنی ابتدائی تخلیق مٹی سے ہوئی تھی۔ پھر بعد میں ایک انسان کا نطفہ ہی، دوسرے انسان کی تخلیق کا باعث بنا۔

دوسرا مرحلہ

"ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ" پھر (ہم نے اس مٹی سے غذا، خوراک اور تمہارے کھانے پینے کی چیزیں پیدا کیں، پھر اس غذا اور خوراک سے) ہم نے نطفہ پیدا کیا اور وہ نطفہ، محفوظ مقام (رحم مادر) میں جا کر ٹھہرا۔

بقیہ پانچ مراحل

"ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً" چالیس دِن تک یہ نطفے کی شکل میں رہا، اس کے بعد وہ نطفہ، جما ہوا خون بن گیا۔ "فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً" پھر یہ گوشت کا لوتھڑا بن گیا، "فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا" اس کے بعد وہ ہڈیاں بن گئیں، "فَكَسَوْنَا

الْعِظٰمَ لَحْمًا ٭ ”پھر چالیس دِن بعد ہڈیوں پر گوشت چڑھ گیا“ ”ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ٭“ پھر ہم نے اسے دوسری زندگی عطا کردی، یعنی پہلے سارے مراحل، ایک بے جان جسم میں طے پارہے تھے۔ اب عالمِ ارواح سے روح لاکر اس میں ڈال دی گئی تو اب یہ بے جان سے جان دار اور زندہ انسان بن گیا۔

نکتہ

چار مہینے، یعنی تین چلے گزرنے کے بعد ربّ، بچّے میں روح پھونک دیتے ہیں، یہ جو تبلیغ والے تین چلّے لگواتے ہیں، اس کی بھی حکمت ہے، کیونکہ ماں کے پیٹ میں تین چلّے گزرنے کے بعد جان آتی ہے، اور یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے راستے میں تین چلّے لگانے کے بعد ایمان میں جان آتی ہے، وہاں جان میں جان آتی ہے، یہاں ایمان میں جان آتی ہے۔

پھر فرمایا کہ دیکھو! منی کے ناپاک قطروں سے بن کر تو کتنا خوبصورت انسان بن گیا: ”فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝“

ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ۝

”زندگی، موت کے آنے کی خبر دیتی ہے!“

”ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۝“ دُنیا میں آنے کے بعد اب تمہیں موت بھی آئے گی۔ موت سے کوئی نہیں بچ سکتا ”ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ۝“ پھر قیامت کے دِن تم زندہ کرکے اُٹھائے جاؤ گے، تاکہ تمہارے اعمال کا حساب کرکے اصلی ٹھکانے (جنّت یا جہنّم) تک تمہیں پہنچادیا جائے۔ فرمایا کہ یہ تمہاری تخلیق، تمہاری پیدائش، پھر موت اور بعد میں دوبارہ زندگی، یہ سب جس طرح اللہ کی کامل قدرت کی نشانی اور اس کی توحید کی دلیل ہے، اسی طرح قیامت کی حقّانیت کی دلیل بھی ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ٭ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ۝ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِي الْاَرْضِ ٭ وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ۝ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ۝ وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ۝

توحیدِ باری اور اِنسان پر خدائی احسانات کا مختصر تذکرہ

”وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ٭“ ”ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنادیے۔ ”طریقہ“ کا لفظ، عربی میں دو معنٰی کے لیے آتا ہے اور یہاں دونوں مراد لیے جاسکتے ہیں۔ ایک معنٰی ہے ”طبقہ“ یعنی ہم نے تہ برتہ سات آسمان بنائے۔ دوسرا معنٰی ہے ”راستہ“ مطلب یہ ہوگا کہ یہ ساتوں آسمان، فرشتوں کی گزرگاہیں ہیں۔ (معارف: ۶/ ۳۰۵) ”وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ۝“ اور ہم انسان کو پیدا کرکے غافل بھی نہیں ہوگئے بلکہ اس کی آسائش اور غذا کا سامان بھی ہم نے مہیا کیا۔

آب رسانی کا عجیب وغریب نظام

"وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ" بادلوں سے ہم نے پانی برسایا، ایک خاص مقدار کے ساتھ۔ ہم بادلوں سے پانی ایک خاص مقدار سے بہاتے ہیں، یہ نہیں کہ بادلوں کا سارا پانی ایک ہی بار زمین پر گرادیں، جس سے تمہارے مکان گر جائیں، فصلیں اور باغات تباہ ہو جائیں، سیلاب آجائے۔ اس لیے پانی ایک مقدار کے ساتھ اتارتے ہیں، تاکہ انسانی ضروریات پوری ہوتی رہیں۔

پانی کی حفاظت اللہ کی مہربانی ہے

"فَاَسْكَنّٰهُ فِی الْاَرْضِ ۖ" اس بلیغ جملے میں پانی کی حفاظت کا سارا نظام بیان فرمایا گیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر اللہ پاک، روز کی ضرورت کا پانی روز برسا دیا کرتے تو انسان کا نظامِ زندگی ہی متاثر ہو جاتا۔ اور اگر یہ کہہ دیا جاتا کہ اب بارش اتنے عرصہ بعد ہوگی، لہٰذا تم ابھی سے پانی کا ذخیرہ جمع کرلو! تب بھی انسان کے لیے اس قدر ذخیرہ جمع کرنا اور اُسے سڑنے سے بچانا ممکن نہ تھا۔ اس کا نظامِ قدرت نے یہ کیا کہ پانی کا بہت بڑا حصہ، برف کی شکل میں اتنے بلند وبالا پہاڑوں کی چوٹیوں پر محفوظ فرما دیا جہاں تک نہ تو آلودگی اور گرد وغبار کی رسائی ہے اور نہ ہی گلنے سڑنے اور ناپاک ہونے کا کوئی امکان۔ پھر یہ برف کا پانی، آہستہ آہستہ رس کر زیرِ زمین پھیلی قدرتی پائپ لائنوں کے ذریعے زمین کے گوشے گوشے تک پہنچ جاتا ہے۔ کسی جگہ قدرتی چشموں، ندی نالوں اور نہروں کے ذریعے تازہ بتازہ جاری پانی سے انسانوں اور جانوروں کو سیراب کیا جاتا ہے تو کہیں ضرورت کے وقت کنویں اور زیرِ زمین بور کرکے باآسانی پانی حاصل کیا جاسکتا ہے۔ یہ سب اللہ پاک کی کمال مہربانی ہے۔

پانی تک رسائی بھی اللہ کا خاص کرم ہے

فرمایا: "وَاِنَّا عَلٰی ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ۚ" اگر ہم چاہیں تو یہ پانی واپس لے جائیں، کیونکہ پانی کی طبعی خاصیت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ زمین کی گہرائی میں اُترتا چلا جاتا جہاں تک تمہاری رسائی ہی ممکن نہ ہوسکے۔ یہ خاص ہمارا کرم ہے کہ ہم نے پانی کو تھوڑی سی گہرائی میں رکھ دیا ہے اور تم بور کرکے آسانی سے حاصل کر لیتے ہو۔ اگر ہم پانی بہت نیچے لے جائیں تو تم قحط میں مبتلا ہو جاؤ۔

فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِیْهَا فَوَاكِهُ كَثِیْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۙ

پانی سے پیدا شدہ پیداوار کا تذکرہ

فرمایا: "فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ" ہم اس پانی سے باغات اگاتے ہیں، "مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۘ" کہیں کھجوروں کے باغات، کہیں انگوروں کے باغات، "لَكُمْ فِیْهَا فَوَاكِهُ كَثِیْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۙ" اس میں تمہارے لیے بکثرت (تازہ) میوے ہیں اور انہی میں سے (خشک کرکے بطورِ غذا) تم کھاتے ہو، "وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَیْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ

لِّلْاٰكِلِيْنَ۝ ''زیتون کا درخت (جو طورِ سیناء میں بکثرت اُگتا ہے) اسی پانی سے اُگتا ہے، جس میں سے تیل نکلتا ہے جو مالش اور چراغ جلانے کے کام بھی آتا ہے اور کھانے میں سالن کا کام بھی دیتا ہے۔ اس میں روٹی ڈبو کر کھائی جا سکتی ہے۔

جانور بھی عطیۂ خداوندی ہیں

''وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ۝'' جانوروں میں بھی تمہارے لیے عبرت کا سامان ہے۔ ان کے پیٹ سے ہم دودھ نکال کر تمہیں پلاتے ہیں، ''وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ'' ان جانوروں میں تمہارے لیے بڑے بڑے منافع ہیں، ان کے جسم کے ایک ایک حصے پر بے شمار انسانی صنعتیں قائم ہیں۔ جانور کی کھال، ہڈی، آنتیں، بال اور دیگر اجزاء سے انسان اپنی ضرورت کے کتنے سامان تیار کرتا اور بیچتا ہے۔ ان کا دودھ تم پیتے ہو، ان کے چمڑوں سے تم لباس تیار کرتے ہو، ان کی اون اور بالوں سے تم گرم لباس اور شالیں بناتے ہو، اور ان جانوروں پر اور اسی طرح کشتیوں پر تم سوار ہوتے ہو، یہ ہماری نعمتیں ہیں۔ ان سب نعمتوں کے ساتھ ساتھ بڑا فائدہ یہ ہے کہ ان میں حلال جانوروں کا گوشت انسان کی بہترین غذا بھی ہے: ''وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ۝''

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ۝ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰۗىِٕكَةً ښ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَاۗىِٕنَا الْاَوَّلِيْنَ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ۝ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ۝ فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَاۗءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ۝

اِنسان کی رُوحانی تربیت کے لیے کیے گئے انتظام کا ذِکر

''وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ'' ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔

''شرک'' کی اِبتدا قومِ نوح سے ہوئی

حضرت نوحؑ پہلے نبی ہیں جن کی قوم بگڑی تھی، مشرک بن گئی تھی، ''وَدّ، سواع، یغوث، یعوق اور نسر'' کی پوجا کرنے والی تھی، اس لیے قرآن نے جا بجا اس قوم اور نوح علیہ السلام کا ذکر فرمایا، نوح علیہ السلام نے ان کو اللہ کی توحید کی طرف بلایا ''اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ'' اللہ کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں ہے، تقویٰ اختیار کرو، لیکن قوم نہ مانی۔

''توحید'' کی دعوت پر قوم کا جواب

''فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ

مَلٰٓئِكَةً ۚ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ۞ " ہر قوم نے نبی کی نبوّت پر اعتراض کیا، نوح علیہ السلام کی قوم نے بھی کیا کہ یہ ایک عام سا انسان ہے، شاید یہ نبوّت کا دعویٰ کر کے تم پر اپنی فوقیت ثابت کرنا چاہتا ہے۔ یعنی یہ محض عزّت ورتبے کا طالب ہے۔ اگر اللہ چاہتا تو اس کام کے لیے فرشتے بھیج دیتا۔ انسان کو نبی بنانے کی کیا ضرورت تھی! "اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ " ہمیں تو یہ لگتا ہے کہ یہ مجنون ہے جو سارے زمانے کے برعکس بات کرتا ہے کہ معبود صرف ایک ہی ہے اور میں اس کا بھیجا ہوا رسول ہوں، لہٰذا اسی ایک اللہ کی عبادت کرو۔ یہ مجنونانہ باتیں ہیں۔ مجنون لوگ جلدی گزر جاتے ہیں، لہٰذا اس کے مرنے تک انتظار کرو، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اس کی باتوں میں مت آنا۔

قوم سے مایوس ہو کر پیغمبر کی دُعا

ساڑھے نو صدیوں کی طویل دعوت کے بعد بھی جب قوم (بحیثیت مجموعی) سیدھے رستے پر نہ آئی اور نبی کو ستانے کا سلسلہ جاری رکھا تو مایوس ہو کر نوح علیہ السلام نے اللہ سے دُعا کی: "قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ " اے میرے رَبّ! یہ جو مجھے جھٹلا رہے ہیں، ان پر میری مدد فرما۔

دُعا قبول ہوئی

اللہ نے فرمایا: "اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا " کہ اے نوح! میری نگرانی میں کشتی تیار کر۔ کشتی تیار ہو گئی، "فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ۚ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ " پھر جب ہمارا حکم (عذاب کا وقت) آ پہنچے، جس کی نشانی یہ ہے کہ زمین سے پانی ابلنا شروع ہو جائے تو اس کشتی میں ہر قسم کے جانوروں (جو انسان کے لیے کارآمد ہیں اور پانی میں زندہ نہیں رہ سکتے) کے جوڑے میں سے دو دو عدد سوار کر دو اور اپنے اہل یعنی ایمان والوں کو بھی، لیکن جن پر میرے عذاب کا فیصلہ ہے ان کو سوار نہ کیجیے اور نہ ہی ان کافروں سے متعلق کوئی سفارش کیجیے، ان کا غرق ہونا طے ہو چکا ہے۔

تنور کا مطلب

روٹی پکانے والی خاص جگہ کو بھی تنور کہا جاتا ہے اور ساری زمین پر بھی تنور کا اطلاق ہوتا ہے۔ ہم نے تفسیر میں دوسرا معنیٰ مراد لیا ہے۔ پہلا معنیٰ بھی درست ہے۔ نیز بعض حضرات نے مخصوص جگہ کے تنور سے پانی نکلنے کو بھی عذاب کی علامت قرار دیا ہے۔ واللہ اعلم۔ (معارف: ۶/ ۳۱۰)

عذاب سے نجات پر شکرانہ ادا کریں

"فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۞ " جب کشتی میں

سوار ہو جاؤ تو یہ دُعا کرنا: "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۝" "یا اللہ! تیرا شکر ہے کہ تُو نے ہمیں ظالم قوم سے نجات عطا فرمائی، (یہ واقعہ تفصیل سے پہلے بیان ہو چکا ہے)۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ۝ فَاَرْسَلْنَا فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ
غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ۝ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِی الْحَیٰوةِ
الدُّنْیَا ۙ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ یَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَیَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ۝ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا
مِّثْلَكُمْ ۙ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ۝ اَیَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ۝
هَیْهَاتَ هَیْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ۝ اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَنَحْیَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا
رَجُلُ ِۨافْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِیْنَ۝ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ۝ قَالَ عَمَّا قَلِیْلٍ
لَّیُصْبِحُنَّ نٰدِمِیْنَ۝ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّیْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۝

قومِ عاد و ثمود کا واقعہ

ترتیب کے لحاظ سے نوح علیہ السلام کے بعد قومِ عاد آئی، لیکن اس رکوع میں جس عذاب کا ذکر ہے، وہ عذاب "صیحہ" ہے۔ اگر اس کا اصطلاحی معنیٰ "چیخ" مراد ہو تو چونکہ یہ عذاب قومِ ثمود پر آیا تھا، اس لیے بعض حضرات کے نزدیک ان آیات میں قومِ ثمود کا تذکرہ ہے۔ اور اگر "صیحہ" کو مطلق عذاب کے معنیٰ میں لیا جائے تو یہ "قومِ عاد" کے ساتھ بھی لگ سکتا ہے۔ قرآن نے کسی قوم کی تخصیص نہیں کی۔ قرائن کی وجہ سے ہم نے پہلے مصداق کو لیا ہے۔ واللہ اعلم۔

فرمایا کہ حضرت صالح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو اللہ کی توحید کی طرف بلایا تو ان کی قوم نے انکار کر دیا۔ ان کا بھی یہی اشکال تھا کہ نبی تو بشر نہیں ہو سکتا، تم کیسے نبی ہو، جو کھاتے بھی ہو پیتے بھی ہو اور تمہیں بشری تقاضے بھی ہوتے ہیں؟ نیز اُنہوں نے قیامت کا بھی انکار کر دیا اور اپنے نبی کی بے حرمتی کی، جس پر حضرت صالح علیہ السلام نے ان کے خلاف اللہ سے مدد کی دُعا کی جس کے نتیجے میں قوم پر چیخ اور زلزلے کا عذاب آیا، جس سے وہ کوڑا کرکٹ کی طرح ہو گئے، جیسے کوڑا دان میں کوڑا کرکٹ پڑا ہوتا ہے ویسے ہی یہ پڑے ہوئے تھے۔ سو خدا کی مار ہے کافر قوموں پر، (تفصیلی واقعات پہلے بیان ہو چکے ہیں، اعادے کی حاجت نہیں)۔

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِیْنَ۝ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا یَسْتَاْخِرُوْنَ۝ ثُمَّ اَرْسَلْنَا
رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِیْثَ ۚ فَبُعْدًا
لِّقَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ۝

تکذیب کرنے والی قومیں...... قصۂ پارینہ بنا دی گئیں

پھر ان کے بعد اللہ نے دوسری قوموں کو پیدا کیا اور مسلسل رسول بھیجے، جب بھی کوئی رسول آیا تو ان کی قوم نے ان

کی تکذیب کی، جس پر ہم نے انہیں ہلاک کر دیا اور انہیں قصہ پارینہ بنا دیا "فَبُعۡدًا لِّقَوۡمٍ لَّا یُؤۡمِنُوۡنَ﴿۴۴﴾" جو قوم اللہ پر ایمان نہیں لاتی وہ اللہ کی رحمت سے دور ہوتی ہے۔

ثُمَّ اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰی وَ اَخَاہُ ہٰرُوۡنَ ۬ۙ بِاٰیٰتِنَا وَ سُلۡطٰنٍ مُّبِیۡنٍ ﴿ۙ۴۵﴾ اِلٰی فِرۡعَوۡنَ وَ مَلَا۠ئِہٖ فَاسۡتَکۡبَرُوۡا وَ کَانُوۡا قَوۡمًا عَالِیۡنَ ﴿ۚ۴۶﴾ فَقَالُوۡۤا اَنُؤۡمِنُ لِبَشَرَیۡنِ مِثۡلِنَا وَ قَوۡمُہُمَا لَنَا عٰبِدُوۡنَ ﴿ۚ۴۷﴾ فَکَذَّبُوۡہُمَا فَکَانُوۡا مِنَ الۡمُہۡلَکِیۡنَ ﴿۴۸﴾ وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ لَعَلَّہُمۡ یَہۡتَدُوۡنَ ﴿۴۹﴾

سلسلۂ نبوّت حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچتا ہے

چلتے چلتے نبوّت کا سلسلہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام تک پہنچا۔ وہ بھی معجزات لے کر فرعون کے پاس آئے، لیکن قوموں کا تکبر، ان کی محرومی کا سب سے بڑا سبب بن جاتا ہے۔ فرعون نے بھی وہی کیا، اور اپنے آپ کو بلند بنا کر پیش کیا اور کہا کہ ہم تو خود ان کی قوم کے حاکم ہیں، یہ سب ہمارے تابع اور محکوم ہیں۔ ہم اپنے محکوموں کے تابع کیسے ہو سکتے ہیں! جب دُنیوی شاہی ہماری ہے تو دینی شاہی میں ہم کسی کی پیروی کیسے کریں؟ اس تکذیب پر فرعون اور اس کی قوم ہلاک کر دی گئی۔

وَ جَعَلۡنَا ابۡنَ مَرۡیَمَ وَ اُمَّہٗۤ اٰیَۃً وَّ اٰوَیۡنٰہُمَاۤ اِلٰی رَبۡوَۃٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِیۡنٍ ﴿۵۰﴾

مریمؑ اور ابنِ مریمؑ ہماری نشانی تھے

اللہ نے فرمایا کہ ہم نے عیسیٰ اور اس کی والدہ کو نشانی بنایا "وَّ اٰوَیۡنٰہُمَاۤ اِلٰی رَبۡوَۃٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِیۡنٍ ﴿۵۰﴾" ہم نے ان کو اونچی جگہ میں جو غلات اور پھلوں کی وجہ سے رہائش کے قابل اور چشمے کی وجہ سے شاداب جگہ تھی، وہاں ٹھہرایا۔

"ربوۃ" کا مفہوم و مصداق

"ربوۃ" عربی میں اونچی جگہ کو کہتے ہیں،، مفسرین کے نزدیک، حضرت عیسیٰ علیہ السلام جہاں پیدا ہوئے تھے وہ اونچی جگہ تھی، جہاں اللہ نے بی بی مریمؑ کے لیے نیچے پانی کا چشمہ جاری کر دیا تھا اور اوپر کھجور تھی تو اس ربوہ سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش والا ٹیلہ ہے۔

ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ ایک بادشاہ حضرت عیسیٰ کے خلاف ہو گیا تھا: کیونکہ اسے ایک نجومی نے پیشین گوئی کی تھی کہ یہ بچہ تمہیں نقصان پہنچائے گا، وہ بادشاہ آپ کے خلاف منصوبے بنانے لگا جس کی وجہ سے حضرت مریمؑ آپ کو مصر لے آئیں۔ مصر چونکہ دریائی سطح سے اونچی جگہ ہے، اس لیے "ربوہ" سے "مصر" مراد ہے۔

قادیانیوں کی تلبیس

قادیانیوں نے اپنے ایک شہر کا نام "ربوہ" رکھا ہے۔ پہلے وہ کہتے تھے کہ ربوہ کشمیر میں ہے اور سری نگر کے قریب (معاذ اللہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے (کیونکہ قادیانیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ وفات پا چکے ہیں) وہ جگہ

چونکہ اونچی ہے، اس لیے قرآن میں موجود "ربوۃ" سے یہی جگہ مراد ہے۔ جب پاکستان بنا تو انہوں نے یہاں ایک شہر کا نام ربوہ رکھ دیا۔ حالانکہ ان کے ان شہروں کا قرآن میں موجود "ربوۃ" سے دور دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ عوام الناس کو دھوکا دیتے ہیں۔ ہمارے حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ کی کاوشوں سے حکومتِ پنجاب نے اس نام نہاد "رَبْوَۃ" کا نام تبدیل کر کے "چناب نگر" رکھ دیا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿﴾ وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿﴾

تمام انبیاء کے لیے دو خاص ہدایات

۱۔غذا حلال ہو۔ ۲۔عمل صالح کا اہتمام ہو۔

اللہ پاک نے ان آیات میں رسولوں کو خطاب کر کے ہمیں پیغام دیا ہے۔ فرمایا: "يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ" "اے رسولو! پاکیزہ اور حلال رزق کھاؤ اور نیک اعمال کرو، تم جو کرتے ہو میں جانتا ہوں۔

"حلال" اور "طیب" میں فرق

اللہ تعالیٰ نے یہ مضمون قرآن پاک میں کئی جگہ بیان کیا ہے کہ اے رسولو! حلال اور پاک کھاؤ، حلال عام ہے اور حلال میں سے پاک خاص ہے، حلال سے مراد تو وہ ہے جس کو اللہ نے حلال کیا ہے، اور طیب سے مراد یہ ہے کہ وہ چیز حلال ہونے کے ساتھ اپنی ذاتی ملکیت ہو، غیر کی نہ ہو۔ مثلاً گندم کی روٹی ہے، اسے اللہ نے حلال قرار دیا ہے لیکن اگر کوئی چوری کر کے روٹی کھائے تو اس نے حلال چیز تو کھائی لیکن طیّب نہیں کھائی۔ بکری بھی حلال ہے لیکن اگر پڑوسی کی پکڑ کر کھاؤ گے تو بکری حلال تو ہوگی لیکن طیّب نہیں ہوگی، اس لیے فرمایا کہ رسولو! حلال اور پاکیزہ رزق کھاؤ اور نیک اعمال کرو۔

رزقِ حلال کا نیک اعمال کی توفیق میں اثر ہوتا ہے

مفسرین فرماتے ہیں کہ جب غذا حلال ہوتی ہے تو خود بخود نیک اعمال کی توفیق ہونے لگ جاتی ہے۔ نیک اعمال میں رزقِ حلال اور طیب کا دخل ہے، جو چیز بوؤ گے وہی چیز کاٹو گے، جو کھیتی کاشت کرو گے وہی نکلے گی، رزق حلال ہوگا بیوی فرمانبردار ہوگی، رزق حلال ہوگا تو اولاد نیک ہوگی، رزق حلال ہوگا تو نمازی اور شکر گزار بنے گا، رزق حلال ہوگا تو زکوٰۃ دے گا، رزق حلال ہوگا تو ذکرُ اللہ کرے گا، رزق حلال ہوگا تو حرام سے بچے گا۔ اگر رزق حرام ہوگا تو یہ بات جان لو کہ حرام چیز، حرام ہی لاتی ہے اور حلال چیز حلال کو کھینچ کر لاتی ہے۔ اس لیے فرمایا کہ اگر نیک اعمال کرنے ہیں تو اپنا رزق حلال رکھو، باقی تم حلال کھاتے ہو یا حرام کھاتے ہو یا جو بھی کرتے ہو، اللہ سب جانتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَاۤ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿﴾ اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿﴾

نیکی کر کے بھی اللہ سے ڈرتے رہنا، صالحین کی نشانی ہے

فرمایا کہ اللہ کے نیک بندے جب کوئی عمل کرتے ہیں، تو ان کے دل کانپ رہے ہوتے ہیں اور وہ یہ سوچ رہے ہوتے ہیں کہ ہمیں اللہ کے پاس جانا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یہ کام کر کے ڈرنے والے وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے اور چوری کرتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں! بلکہ یہ وہ لوگ ہیں جو نمازیں پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، صدقات دیتے ہیں، اس کے باوجود اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ شاید ہمارے یہ عمل، اللہ کے نزدیک (ہماری کسی کوتاہی کے سبب) قبول نہ ہوں۔ (سنن الترمذی ت شاکر: ۵/ ۳۲۷)

حضرت حسن بصریؒ فرماتے تھے کہ ہم نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو نیک عمل کر کے اتنا ڈرتے تھے کہ تم برے عمل کر کے بھی اتنا نہیں ڈرتے۔ (معارف القرآن: ۶/ ۳۱۸)

جو مؤمن کامل ہوتا ہے وہ نماز پڑھتا ہے تو ڈرتا ہے کہ پتہ نہیں اللہ قبول کرے گا یا نہیں، روزہ رکھتا ہے تو ڈرتا ہے کہ اللہ قبول کرے گا یا نہیں، زکوٰۃ دیتا ہے تو ڈرتا ہے کہ پتہ نہیں اللہ میرا مال قبول کرتا ہے یا نہیں، نیکی کرتا ہے تو ڈرتا ہے کہ اللہ قبول کرے گا یا نہیں؟ اللہ فرماتے ہیں: "اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ۝" کہ یہی ایمان والے ہیں جو ایک دوسرے سے نیکیوں میں آگے بڑھ رہے ہیں۔

بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِىْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ۝

کفّار کی حالت

مؤمنین تو دین پر عمل کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں، لیکن کافر لوگوں کے دل، دین کی طرف سے جہالت اور شک میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ کسی طرف سے بھی دین کی روشنی اُن دلوں تک نہیں پہنچ سکتی۔ پھر وہ اسی جہالت کے پردے پر اکتفاء نہیں کرتے، بلکہ ساتھ ساتھ دوسرے اعمالِ خبیثہ بھی مسلسل کرتے رہتے ہیں۔

حَتّٰىٓ اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ۝ لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ۝ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِىْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ۝ مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ۝

جب خدائی گرفت ہوتی ہے، تو سب حفاظتی اسباب بے کار ہو جاتے ہیں

فرمایا: "حَتّٰىٓ اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ۝" ہمارا طریقہ یہ رہا ہے کہ ہم جب نافرمان قوم پر عذاب مسلط کرتے ہیں، تو ہمارے عذاب سے کوئی بھی نہیں بچ سکتا۔ چاہے وہ مال دار ہوں یا غریب۔ لیکن اس آیت میں بطورِ خاص، مالدار اور خوش حال لوگوں کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ ایسے لوگ، دنیوی مصائب سے بچنے کے لیے کچھ نا کچھ اسباب

کر کے رکھتے ہیں۔ مگر جب اللہ کا عذاب آتا ہے تو سب سے پہلے یہی لوگ بے بس ہو کر رہ جاتے ہیں اور ان کے اسباب، ان کے کسی کام نہیں آتے۔ غریب غُرباء تو کسی کھاتے میں نہ رہے۔ غرض جب ان سب پر ہماری گرفت ہوتی ہے تو وہ چلا اُٹھتے ہیں اور سب غرور و تکبر نکل جاتا ہے۔

کر لے جو کرنا ہے، آخر موت ہے

ہم کہتے ہیں "لَا تَجْـَٔرُوا الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ" "آج چلاؤ مت! اب رونے کا کوئی فائدہ نہیں۔ آخرت دار الجزاء ہے۔ اب ہر عمل کا بدلہ ملے گا۔ تم ہم سے بچ نہیں سکتے۔" "قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ" "دنیا میں تو تمہارا حال یہ تھا کہ جب تم پر میری آیات (انبیاءؑ کی زبان سے) سنائی جاتی تھیں، تو تم اس وقت اُلٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہوتے۔" "مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ" "تکبر کرتے تھے (قرآن کے بارے میں طرح طرح کی) باتیں بناتے تھے۔ دنیا میں جیسے کیا تھا، اب اس کی سزا بھی بھگتو!

اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ۝ اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ۭ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ۝ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝

کیا یہ پانچ چیزیں تمہارے ایمان لانے سے مانع تھیں؟

یہاں سے اللہ پاک نے پانچ چیزیں ایسی بیان فرمائی ہیں جو کسی درجہ میں مشرکین کے ایمان نہ لانے کا عذر بن سکتی تھیں۔ دو چیزیں قرآن سے متعلق ہیں اور تین چیزیں صاحبِ قرآن (آپ صلی اللہ علیہ وسلم) سے متعلق۔

پھر اللہ پاک نے ہر ایک عذر کا صراحت سے رد فرمایا کہ ان میں سے کوئی عذر بھی درست نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ایمان نہ لانے کی وجہ صرف تکبر اور ہٹ دھرمی ہے۔ باقی سب بہانے ہیں۔

قرآن کی تکذیب کے دو عذر

۱۔ "اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ" "کیا انہوں نے اس کلام (قرآن) میں غور و فکر نہیں کیا تا کہ اس کلام کا اعجاز اُن پر ظاہر ہو جاتا اور وہ ایمان لے آتے!

۲۔ "اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ" "یا تکذیب کی وجہ یہ ہے کہ یہ کوئی نئے احکامات ہیں جو ان کے بڑوں کے پاس نہیں آئے تھے؟ حالانکہ خدائی احکامات تو ہمیشہ سے ہی حضرات انبیاءؑ کے ذریعے ان کی اُمتوں تک پہنچائے جاتے رہے ہیں۔ یہ احکامات بھی اسی سلسلے کی کڑی ہیں، کوئی نئے احکامات نہیں ہیں۔ پھر نہ ماننے کا کیا بہانہ باقی ہے!

پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کے بہانے

۱-"اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ" "کیا یہ لوگ اپنے نبی کی تکذیب اس وجہ سے کرتے ہیں کہ وہ اپنے رسول (کی صداقت، دیانت اور امانت) سے واقف نہیں ہیں! یہ وجہ تب درست ہوتی جب نبی، ان کی قوم سے نہ ہوتا، بلکہ کہیں باہر سے آیا ہوتا اور یہ لوگ اس نبی کے نام، نسب اور حالات سے واقف نہ ہوتے، تو پھر بلاشبہ یہ کہہ سکتے تھے کہ ہم اس کے حالات سے واقف نہیں ہیں، تو اسے نبی کیسے تسلیم کرلیں! حالانکہ یہاں یہ عذر بھی نہیں پایا جارہا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم، قریش ہی کے اعلیٰ نسب ہیں۔ ساری جوانی انہیں کے سامنے گزری، آپ کی صداقت و دیانت پر سب قریش کا اتفاق تھا۔ اپنے نبی کو نہ پہنچاننے کی وجہ بھی یہاں نہیں چل سکتی۔

۲-"اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ" "کیا تکذیب کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے پیغمبر کو (معاذ اللہ) مجنون سمجھتے ہیں! حالانکہ حقیقت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا، کامل العقل اور اعلیٰ بصیرت کا حامل ہونا واضح ہے۔ لہٰذا تکذیب کی یہ سب وجوہات باطل ہیں۔ رسالت کے انکار کی کوئی ایک عقلی یا طبعی وجہ بھی نہیں ہے۔

۳-"بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ" "انکار کی اصل وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حق بات لے کر آئے ہیں اور ان میں سے اکثر لوگ، حق سننا ہی نہیں چاہتے، حق سے نفرت رکھتے ہیں۔ ان کی بڑی خواہش ہے کہ دین، ان کے خیالات کے تابع ہوجائے۔ ان کے اعتقادات پر زد نہ پڑے بلکہ قرآن ہی میں ترمیم کردی جائے۔ اگر حق، ان کی خواہشات کے تابع ہوجائے تو دنیا میں فساد مچ جائے۔ علامہ اقبالؒ نے اسی سوچ کی خوب تصویر کشی کی ہے:

خود بدلتے نہیں، قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم، بے توفیق!
ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب
کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق!

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ

پیمبری کا دعویٰ کر کے ذاتی مفادات حاصل کرنے کا شبہ بھی غلط ہے

شاید یہ لوگ یہ سوچ کر ایمان نہ لاتے ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے رسمی پیروں کی طرح مال و دولت وصول کریں گے۔ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کسی ذاتی مفادات کا شاخسانہ ہیں، تو یہ سوچ بھی درست نہیں۔ تیرے رب کی عطا سب سے بہتر ہے۔

وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ

دُنیوی مصائب پر بھی رجوع الی اللہ نہیں کرتے

فرمایا: ''وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ'' ہم نے اپنے نافرمانوں کو ایک عذاب میں مبتلا کیا تھا (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بددُعا سے مکہ میں اس قدر شدید قحط آیا تھا کہ یہ لوگ، مُردار کھانے پر مجبور ہو گئے تھے) جس پر چاہیے تو تھا کہ یہ لوگ سرکشی سے رُک جاتے، اللہ کے حضور جھک جاتے، معافیاں مانگ لیتے، لیکن (قریش کے نمائندوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر، عذاب ٹلنے کی دُعا کرنے کی التجا کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا سے یہ عذاب دور ہوا) اس کے باوجود ''فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ'' یہ اپنے شرک و کُفر پر اسی طرح جمے رہے۔ اللہ کے حضور جھک کر عاجزی اختیار نہیں کی۔

حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ

جب اصل گرفت ہوگی تب طبیعت ٹھیک ہوگی

فرمایا: ''حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ'' جب ہمارے سخت عذاب کا دروازہ ان پر کھلے گا (دُنیا میں عذاب آئے یا نہ آئے، بعد الموت تو یقینی ہے) تو اس وقت ان کی اُمیدیں ٹوٹ جائیں گی اور بالکل حیرت زدہ سے ہو کر رہ جائیں گے۔

مَرنے سے پہلے اللہ کے راستے پر آجاؤ

اس لیے اللہ کے دروازے پہ آجاؤ، اس سے توبہ کرو، استغفار کرو، جو بھی تنگی آئے، اُسے اللہ کی طرف سے تنبیہ سمجھو، الارم سمجھو، اشارہ سمجھو کہ مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے، جس پر ربّ کی طرف سے یہ اشارہ آیا ہے۔ بیماری آئے یا کوئی مالی نقصان ہو جائے تو اللہ کی طرف دوڑو اور معافی مانگو۔

بحیثیتِ مجموعی ہمارا طرزِ عمل

ہماری قوم کا عمومی طرزِ عمل یہ ہو گیا ہے کہ اگر ان پر کوئی بیماری یا کاروبار میں نقصان ہو تو اِدھر، اُدھر پیروں فقیروں کے پاس بھاگتے ہیں کہ حساب لگاؤ، کسی نے جادو کروایا ہے۔ ارے بھائی! تم پر شیطان نے جادو کروایا ہے، یہ تیرے گناہ ہیں، ان سے توبہ کرو، استغفار کرو! پیر صاحب نے اور مولوی صاحب نے تو الٹا تجھ سے پیسے لے لینے ہیں، اس سے ربّ نے راضی نہیں ہونا، یہ عذاب نہیں ٹلنا۔ یہ عذاب تبھی ٹلے گا جب تو اللہ سے معافی مانگے گا۔ اس لیے اپنی زندگی اور معمولات کا جائزہ لو کہ کس عمل میں کوتاہی ہو رہی ہے؟ کہاں خدائی حکم ٹوٹ رہے ہیں اور کہاں اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے چھوٹ رہے ہیں، اپنا طرزِ زندگی اسلامی کر لو، سب معاملات درست ہو جائیں گے۔

وَهُوَ الَّذِيْۤ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ
وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝

قادرِ مطلق کی طرف لوٹ آؤ

فرمایا کہ اُس اللہ سے تعلق جوڑو جو معبودِ برحق ہے۔"اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ" اس نے تمہیں کان جیسی نعمت دی ورنہ بہرے ہوتے، آنکھ جیسی نعمت دی ورنہ اندھے ہوتے، دل دیا، ورنہ حقیقی ادراک سے عاجز ہوتے۔لیکن تم نے پھر بھی خدائی دعوت کو تسلیم نہیں کیا، بلکہ"قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ" بہت ہی کم شکر کرتے ہو۔

"وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ" اس نے تمہیں زمین میں پھیلا دیا،تم نے بھی اُسی کے پاس لوٹ کے جانا ہے۔

"وَهُوَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ" وہی جلاتا ہے مارتا ہے۔"وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ" دِن رات میں ادل بدل کرتا ہے، اور مشرک بھی یہ مانتے تھے کہ زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا اللہ ہے، اور وہ کہتے تھے کہ ساتوں آسمانوں اور عرش کا رب اللہ ہے، پوری کائنات کا نظام چلانے والا اللہ ہے۔پھر فرمایا:"اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ" اِدھر اُدھر کیوں جاتے ہو۔کیا تمہیں اتنی بات بھی سمجھ نہیں آتی کہ جو خدا، یہ سب نظام چلا رہا ہے، وہی وحدہٗ لاشریک ہے اور قیامت میں دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے۔تم پھر بھی انکار کرتے ہو!

اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ۭ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ۝

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکارمِ اخلاق کی تربیت دی گئی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:"اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ" میرے حبیب! ان کافروں کے ساتھ اچھے انداز میں مدافعت کیجیے،لڑائی جھگڑا نہ کیجیے، ہمیں خوب پتا ہے جو یہ لوگ جھوٹی باتیں بناتے رہتے ہیں۔آپ ان کی بُرائی کا بدلہ اچھائی سے دیتے رہیے۔

یہ حکم، اگرچہ جہاد کا حکم نازل ہونے کے بعد منسوخ ہوگیا ہے تاہم پھر بھی، عینِ جہاد میں اس حُسنِ خلق کے بہت سے مظاہر باقی رکھے گئے ہیں کہ کن کن لوگوں پر تلوار نہیں اٹھانی اور دُشمن کی ذات سے ایسا ایسا سلوک نہیں کرنا۔

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۝ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۝

شیطانی وساوِس اور اپنے نفس پر قابو پانے کی عجیب دُعا

ممکن ہے کہ کسی وقت شیطان غُصہ دلا دے اور حُسنِ خلق پر عمل دشوار ہو جائے، اس لیے اللہ نے شیطانوں اور شریروں کے اثرات سے بچاؤ کی دُعا تلقین فرمائی:"رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۝ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۝" اے میرے رَبّ! میں شیطانی وسوسوں اور اُن کے اپنے قریب آنے سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں۔مجھے شیاطین سے بچانا۔یہ دُعا سب کو پڑھنی چاہیے۔شیطانی اور جناتی اثرات سے انسان کی حفاظت کرتی ہے۔

اس رکوع میں اللہ نے پہلے ان شیاطین کا ذکر فرمایا جو انسان تھے یعنی کافر، ان کے متعلق فرمایا کہ ان سے تم خود نمٹنا

"اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ" میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اب اُن شیاطین کا تذکرہ ہے جو جن ہیں، ان کے بارے میں فرمایا کہ ان سے تم خود نہیں نمٹ سکتے، ان سے بچاؤ کے لیے تمہیں اپنا آپ، اللہ کے سپرد کرنا پڑے گا، اللہ کی حفاظت میں آنا پڑے گا، لہٰذا اللہ سے پناہ مانگتے رہا کرو۔

رات کو نیند نہ آنے پر مسنون وظیفہ

حضرت خالد رضی اللہ عنہ جو معروف صحابی ہیں، انہیں نیند نہیں آتی تھی۔ رات کو بے چینی سی رہتی تھی۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے گزارش کی تو آپ نے انہیں ایک دُعا تلقین فرمائی جو اسی آیت سے ماخوذ ہے، فرمایا جب سونے لگو تو یہ پڑھا کرو "باسم الله أعوذ بكلمات الله التامة من غضبه وعقابه ومن شر عباده ومن همزات الشياطين وأن يحضرون فقالها فذهب ذلك عنه" اس کے بعد ان سے بے چینی کی وہ کیفیت دور ہوگئی۔ (سنن النسائی الکبری: ۶/ ۱۹۱)

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِۙ۝ لَعَلِّيْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ۝

دُنیوی زندگی کو غنیمت جانو

"حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ" فرمایا کہ ایک وقت آئے گا جب سب کو موت آئے گی۔ تو جب کافر کو موت آئے گی تو وہ اللہ سے کہے گا رَبِّ ارْجِعُوْنِ مجھے ایک بار دنیا میں واپس بھیج دے۔ پھر اگر میں کفر کروں تو مجھے بیشک سزا دینا، ہر فاسق و فاجر، معصیت کار، گناہ گار، کافر مرنے کے بعد یہی آرزو کرے گا کہ ایک بار موقع دے دو! لیکن اللہ فرمائیں گے: "ما يبدل القول لدي" میرے قانون نہیں بدلتے، میرے ہاں سے کوئی واپسی نہیں ہے۔

حضرت ربیع بن خُثیم رحمہ اللہ کی فکرِ آخرت

حضرت عبداللہؓ بن مسعود کے ایک شاگرد تھے "ربیع بن خُثیم" انہوں نے اپنے گھر میں قبر بنائی ہوئی تھی۔ جب کبھی طبیعت میں غفلت ہوتی تو اُس قبر میں جا کر لیٹ جاتے۔ اور جب کچھ دیر بعد وہاں سے اُٹھ کر واپس آتے تو کہتے: "يا ربيع قد أرجعت فاعمل الآن قبل أن لا ترجع" "اے ربیع! آج تو واپس آ گیا ہے، لہٰذا نیک اعمال کر لے! اس سے پہلے کہ وہ دن آ جائے جس دن تجھے اس قبر سے واپس کوئی نہیں آنے دے گا۔ اپنے آپ کو سمجھانے کے لیے انہوں نے ایسا کیا ہوا تھا۔

(إحياء علوم الدين ومعه تخريج الحافظ العراقي: ۳/ ۱۳۱)

واپس آنا بھی چاہیں گے تو نہیں آپائیں گے

فرمایا کہ کافر بھی یہی کہے گا: "لَعَلِّيْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ" مجھے دنیا میں واپس بھیج دے تا کہ میں نیک اعمال کر کے آؤں۔ اللہ کہیں گے: "كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ" ہرگز نہیں، یہ ایک بات ہے جسے یہ لوگ کہیں گے، لیکن اب اس

کا کوئی فائدہ نہیں رہا۔ "وَمِنْ وَّرَآىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ۝" اب مرنے سے لے کر قیامت تک کا جو عرصہ ہے یہ برزخ کا حصہ ہے اور قانون یہ ہے کہ برزخ میں پہنچ کر واپس دُنیا میں کوئی نہیں لوٹتا۔

کچھ عالَمِ برزخ کے بارے میں

برزخ کا معنٰی "آڑ" یا "رکاوٹ" ہے۔ مرنے کے بعد سے لے کر قیامت تک کے جہاں کو "عالَمِ برزخ" کہتے ہیں۔ اس عالَم کے احوال پوشیدہ رکھے گئے ہیں، باوجودیکہ مرنے کے بعد روح اور جسم پر احوال صادر ہوتے ہیں، قرآن وحدیث کی دسیوں نصوص اس پر شاہد ہیں، ایک مسلمان کا اس پر ایمان بھی ہے، لیکن عالَمِ برزخ میں ہونے کی وجہ سے ہمارے مشاہدے اور حواس میں نہیں آتے۔

مرنے کے بعد انسانی روح، انسانی جسم، مستقرِ ارواح اور زمینی قبر سب عالَمِ برزخ میں ہیں۔ عذاب وثوابِ قبر برحق ہے، تواتر کے ساتھ ثابت ہے، اہل السنت والجماعت کا اس پر اجماع بھی ہے تاہم یہ معاملات ہماری نظروں سے اوجھل ہیں۔ شہدائے کرام اور انبیائے کرام کی قبورِ مطہرہ میں حیات بھی برزخی ہے۔

برزخی کا معنٰی واضح کر دیا گیا کہ حیات تو روح کے تعلق یا تلبّس کے ساتھ جسم میں ہوتی ہے تاہم عالَمِ برزخ میں ہونے کی وجہ سے برزخی کہلاتی ہے۔

اس حیات کے بارے میں سلف کی تعبیر مختلف ہے۔ متقدمین میں سے بعض اسے "حیاتِ دُنیوی" کہتے ہیں جس کا معنٰی یہ مطلقاً نہیں کہ یہ حیات، عالَمِ دنیا میں ہے، بلکہ معنٰی یہ ہے کہ "یہ دُنیا والے جسم میں حیات ہے جو حقیقت میں برزخی ہے۔" بعض حضرات اسے "حیاتِ برزخی" سے تعبیر کرتے ہیں جس کا معنٰی عالَمِ برزخ کی حیات ہے۔ بعض اسے "اُخروی" کہتے ہیں کیونکہ "القبر اول منزل من منازل الآخر" مرنے کے بعد آخرت کا جہاں شروع ہو جاتا ہے، تو اس معنٰی میں "اُخروی" ہے۔

یہ صرف تعبیر کا فرق ہے، ورنہ اِن سب کا اتفاق ہے کہ حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام اور شہداء کے دُنیاوی جسم میں روح کے تعلق کے ساتھ عالَمِ برزخ میں حیات ہے۔

لہٰذا بعض حضرات کی طرف سے برزخ کا معنٰی "ارواح کا مستقر یا اوپر" کرنا غلط ہے، یہ کسی سے منقول نہیں ہے۔

فَاِذَا نُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَلَاۤ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ۝

میدانِ محشر میں کوئی کسی کے کام نہ آئے گا

"فَاِذَا نُفِخَ فِى الصُّوْرِ" "جس دن صور پھونکا جائے گا،" "فَلَاۤ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَىِٕذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ۝" اس دن نہ رشتہ داری کام آئے گی اور نہ ایک دوسرے سے کوئی تعلق کام آسکے گا۔ سارے دُنیوی عہدے اور تعلقات، دھرے کے دھرے رہ جائیں گے، صرف اپنے اپنے اعمال کام آئیں گے۔

مومنین وہاں بھی ایک دوسرے کے کام آئیں گے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کل نسب وصھر منقطع یوم القیامۃ الا نسبی وصھری'' یعنی قیامت میں سب نسبی اور زوجیت کے رشتے ختم ہو جائیں گے۔ (کوئی کسی کے کام نہ آئے گا) سوائے میرے نسب اور میری زوجیت کے رشتہ کے، کوئی رشتہ داری کام نہیں آئے گی۔ (المعجم الأوسط: ۴/۲۵۷)

علماء فرماتے ہیں کہ اس نبوی نسب میں ساری اُمّت کے مسلمان بھی داخل ہیں (کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُمّت کے باپ اور آپ کی ازواجِ مطہرات، اُمّت کی مائیں ہیں) خلاصہ یہ کہ محشر میں رشتہ داری اور دوستیوں کا کام نہ آنا، صرف کفّار کے ساتھ خاص ہوگا۔ مومنین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ایک دوسرے کی شفاعت اور مدد کریں گے۔ ان کے تعلقات وہاں بھی ایک دوسرے کے کام آئیں گے۔ (معارف القرآن: ۶/۳۳۵)

فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۝

اعمال کے مطابق جنّت یا جہنّم کا فیصلہ ہوگا

فرمایا کہ اس دِن اعمال تلیں گے، ''فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝'' جس کا نیک اعمال والا ترازو بھاری ہوا وہ کامیاب ہوگیا، ''وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۝'' اور جس کا ترازو ہلکا ہوا، وہ ناکام، یہی لوگ ہمیشہ کے لیے جہنّم میں رہیں گے۔

اس آیت میں صرف کامل مومنین اور کفّار کا انجام ظاہر کیا گیا ہے

اس آیت میں صرف یہ بتایا گیا ہے کہ مومنین کاملین (جن کے گناہ یا تو ہوں گے نہیں یا توبہ کی وجہ سے صاف ہو چکے ہوں گے) کا پلڑہ بھاری ہوگا اور اُنہیں فلاح نصیب ہوگی جب کہ کفّار کا پلڑہ ہلکا رہے گا جس کے نتیجے میں انہیں ہمیشہ کے لیے جہنّم میں رہنا پڑے گا۔

گناہ گار مومن کا انجام کیا ہوگا؟

باقی رہے وہ مومن جن کے نیکی کے پلڑے میں بھی اعمال ہوں گے اور گناہ کے پلڑے میں بھی اعمال ہوں گے، ان کے ذکر سے قرآنِ کریم میں عموماً سکوت اختیار فرمایا گیا ہے۔ البتہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسے مومن تین طرح کے ہوں گے:

۱۔ جس کی ایک نیکی بھی، اس کے گناہوں کی تعداد سے بڑھ گئی تو وہ جنّت میں جائے گا۔

۲-جس کا ایک گناہ بھی اس کی نیکیوں کی تعداد سے زیادہ ہوگیا تو اسے تطہیر کے لیے جہنّم ڈالا جائے گا۔ پھر پاک صاف کر کے وہ جنّت میں جائے گا۔

۳-جس شخص کی حسنات اور سیئات برابر سرابر ہوں گی، تو وہ تا حکمِ ثانی ''اعراف'' میں رہے گا۔ بالآخر اسے بھی جنّت میں داخل کیا جائے گا۔ (معارف القرآن:۶/ ۳۳۶)

تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ۝

جہنّم میں کُفّار کی حالت

فرمایا: ''تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ'' ''جہنّم کے شعلے ان کے چہروں کو لپٹ کر جلا ڈالیں گے، جھلسا دیں گے۔'' ''وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ۝'' ''جہنمی جہنّم میں بدصورت بن جائیں گے۔'' ''کالح'' اس شخص کو کہتے ہیں جس کے دونوں ہونٹ، اس کے دانتوں کو نہ چھپا سکیں۔ دانت کھلے ہوئے نظر آئیں۔ کہتے ہیں کہ جہنمیوں کا نیچے والا ہونٹ لٹک کر ٹھوڑی سے نیچے چلا جائے گا اور اوپر والا ہونٹ اُوپر کو سکڑ جائے گا، حتیٰ کہ چہرے کی کھال چل کر پیشانی سے اوپر چلی جائے گی، اور آدمی کی شکل بدصورت ہو جائے گی، دانت بڑے ہو جائیں گے۔ اللہ ہم سب کو محفوظ فرمائے، آمین یا ربّ العالمین!

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ۝ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ۝

فضیلت والی دو آیات

یہ دو آیتیں، بہت فضیلت والی ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا گزر ایک ایسے شخص پر ہوا، جو سخت امراض میں مبتلا تھا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کے دونوں کانوں میں یہ دو آیات، سورت کے آخر تک پڑھیں تو وہ اسی وقت ٹھیک ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ آپ نے کیا پڑھا؟ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بتایا کہ میں نے یہ دو آیات تلاوت کی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے! اگر کوئی آدمی جو یقین رکھنے والا ہو، یہ دو آیتیں پہاڑ پر پڑھ دے تو پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ سکتا ہے۔ (تفسیر المظہری:۶/ ۴۱۲)

کہتے ہیں کہ یہ دو آیات بیمار پر پڑھی جائیں، تو وہ شفایاب ہو جاتا ہے، بالخصوص وہ بیمار جو آسیب زدہ ہو، اس لیے جو ''منزل'' ہے جو ہمارے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمہ اللہ کا چھوٹا سا رسالہ ہے، جس میں وہ آیات جمع کر دی گئی ہیں جن کے پڑھنے سے شیاطین دور بھاگ جاتے ہیں، ان میں سورۂ فاتحہ ہے، سورۂ بقرہ کا ابتدائی حصہ ہے، آیت الکرسی ہے، یہ آیات بھی ہیں، سورۂ صافات کی کچھ آیات بھی ہیں، ہر آدمی کو وہ ''منزل'' پڑھنی چاہیے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، تم وہاں نماز نہیں پڑھتے، قرآن نہیں پڑھتے تو وہاں شیاطین بسیرا کر لیتے ہیں، تو ان کو بھگانے کے لیے خود بھی کچھ پڑھا کرو، صرف تعویذوں پر اکتفاء اور انحصار نہ کرو، سب

سے زیادہ جادو اور جنات کا اثر ان لوگوں پر ہوتا ہے جو پاک صاف نہیں رہتے، گناہوں کی دلدل میں پھنسے رہتے ہیں، غسل نہیں کرتے، حتیٰ کہ فرض غسل کی پروا بھی نہیں کرتے، انہیں شیاطین چمٹ جاتے ہیں، کیونکہ شیطان بھی نجاست پسند ہے، اس لیے اُسے نجاست والے لوگ پسند ہوتے ہیں۔

وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ۝

سورت کے آخر میں اللہ نے ایک اور دُعا تلقین فرمائی: ''رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَأَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ۝'' میرے نبی! آپ یہ دُعا مانگا کریں: ''اے میرے رَبّ! مجھ کو بخش دے اور رحم فرما!''

اہم نکتہ

اس آیت میں ''اغْفِرْ وَارْحَمْ'' کا مفعول ذکر نہیں ہے کہ کس گناہ کو بخش دے اور کس چیز کے ساتھ رحم کر! اس سے عموم کی طرف اشارہ ہے کہ دُعائے مغفرت (اغْفِرْ) ہر مضر چیز کے ازالے کو شامل ہے اور دُعائے رحمت (وَارْحَمْ) ہر محبوب چیز کے حصول کو شامل ہے۔ دونوں دُعاؤں میں عموم ہے۔ ہمیں بھی یہ دُعا وقتاً فوقتاً پڑھتے رہنا چاہیے۔ (التفسیر المظہری: ۶/ ۴۱۲)

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ انسان کو ہر وقت اپنا محاسبہ کرتے رہنا چاہیے کہ میرے اعمال اور اوصاف اُن مؤمنین کے مطابق ہیں یا نہیں جن کے اوصاف خود اللہ پاک نے بیان فرما کر اُن کی فلاح کی خبر دی ہے۔

۲۔ نیز کبھی بھی اپنی ظاہری حالت اور نیکی کی توفیق پر مطمئن نہیں ہونا چاہیے بلکہ شیطانی وساوس اور اللہ پاک کی گرفت سے ہر وقت ڈرتے رہنا چاہیے۔

۳۔ اعمال میں اخلاص تبھی پیدا ہوتا ہے، جب وہ خالص رَبّ کی رضا کے لیے ہوں، دکھلاوے اور شہرت کے لیے نہ ہوں۔

۴۔ سورت کی ابتدا (قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ) سے ہوئی تھی، جب کہ انتہا (لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ) پر کی گئی، اس سے معلوم ہوا کہ فلاح یعنی مکمل کامیابی، مؤمنین ہی کا حصہ ہے، کفار اس سے محروم ہیں۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو مستحضر رکھنا اور ہر وقت شکر کرتے رہنا چاہیے۔

۶۔ فکرِ آخرت اور جہنّم کی ہولناکیوں کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہیے، اپنی موت اور قبر کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ پاک عمل کی توفیق نصیب فرمائیں۔

تمت سورۃ المؤمنون بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سُوْرَةُ النُّوْر

سورت کا تعارف

یہ سورۃ ''النور'' ہے جو ہجرت کے بعد، مدینہ میں نازل ہوئی۔ یہ سورت، موجودہ ترتیب کے اعتبار سے چوبیس (۲۴) نمبر پر ہے جب کہ نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر، ایک سو دو (۱۰۲) ہے۔ اس سورۃ میں نو (۹) رُکوع اور چونسٹھ (۶۴) آیات ہیں۔

اب تک جتنی سورتیں بیان ہوئی ہیں، ان میں سے اکثر کی سورتیں تھیں۔ یہ سورۃ مدنی ہے جو ہجرت کے بعد نازل ہوئی۔

وجہِ تسمیہ

اس سورت کو سورۃ ''النور'' اس لیے کہا گیا کہ:

۱-اس میں ''نور'' کا تذکرہ ہے۔

۲-اس سورت میں ایسے خدائی قوانین بیان کیے گئے ہیں، جن پر عمل کرنے سے آدمی کے معاملات، اخلاق اور گفتگو میں نورانیت آجاتی ہے، اسی وجہ سے اس سورت کو ''سورت نور'' کہا جاتا ہے۔

ماقبل سے ربط

پچھلی سورت میں اللہ نے مؤمنین کی دنیوی واخروی فلاح کو جن اوصاف پر موقوف رکھا تھا، ان میں سے ایک اہم وصف ''شرم گاہوں کی حفاظت'' تھا جو ''عفت و پاک دامنی'' کے ابواب کا خلاصہ ہے۔ اس سورت میں ''عفت'' کے اہتمام کے لیے متعلقہ اُحکامات کو بیان کیا گیا ہے۔

نیز گزشتہ سورت میں اللہ پاک نے کامیابی کے قوانین بیان فرمائے ہیں، اس سورت میں بھی کامیابی کے قوانین بیان کیے گئے ہیں۔

سورت کی خاص فضیلت

یہ وہ سورت ہے جس میں اللہ رَبُّ العزّت نے اپنے حبیب کی حبیبہ، سیّدہ، طیبہ طاہرہ، اُمّی عائشہ صدیقہؓ کی طہارت، براءت، عظمت، شان اور پاکیزگی کا علی الاعلان ذکر کیا ہے، جو تا قیامت تلاوت کیا جاتا رہے گا۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع ''پردہ پوشی اور پاکدامنی'' ہے۔اس میں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر پردہ پوشی اور پاک دامنی کے قوانین بیان کیے ہیں۔معاشرے میں پاکدامنی کیسے برقرار رکھی جائے،عفت کیسے برقرار رکھی جائے،لوگوں کے عیوب کیسے پردہ میں رکھے جائیں،فحاشی اور عُریانی کے جرائم پر کنٹرول کیسے کیا جائے،یہ اس سورت کا موضوع اور مرکزی خیال ہے۔اسلام کا نظامِ عفت،اسلام کا نظامِ حیا،اسلام کا نظامِ تستر،اسلام کا نظامِ انسدادِ جرائم،انسدادِ فحاشی،یہ سارے قوانین اسی موضوع کے اردگرد ہی گھومتے ہیں۔

عمومی مضامین

اس سورت میں ''اصلاحِ معاشرہ'' کے ضمن میں درج ذیل مضامین بیان فرمائے گئے ہیں:

۱-زنا کرنے والے اور پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانے والے کی سزا کا بیان ہے۔

چونکہ ان دونوں طرح کے لوگوں سے معاشرے کو خطرہ ہوتا ہے،زانی معاشرے کو بگاڑ کے رکھ دیتا ہے،یہ ایک متعدی مرض ہے۔اسی طرح جب پاکدامن عورتوں پر تہمتیں لگیں گی،تو اس سے بھی معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوگا۔اس لیے ایسے افعال کے مرتکبین کو سخت سزائیں سنائی گئی ہیں،تاکہ معاشرے سے ان قبیح جرائم کی بیخ کنی کی جاسکے۔

۲-اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی (جھوٹے الزام اور تہمت سے) براءت بیان کی گئی ہے۔

۳-فحاشی کو پھیلانے سے منع کیا گیا ہے۔

فحاشی سے بچانے والے اہم اسباب

قرآنی تعلیمات سے معلوم ہوتا ہے کہ درج ذیل اسباب کو اختیار کرنے سے معاشرے کو فحاشی سے بچایا جاسکتا ہے۔مثلاً:

الف:''غضِ بصر''یعنی مرد ہو یا عورت،اپنی نظروں کی حفاظت کرے۔

ب:خواتین اپنے محارم کے علاوہ باقی سب سے پردے کا اہتمام کریں۔

ج:بچوں اور بچیوں کی جوان ہوتے ہی شادی کو،ترویج دی جائے۔

د:اجازت اور اطلاع دیے بغیر کسی کے گھر میں داخل نہ ہوں۔

ح:شیطان کی پیروی سے اپنے آپ کو بچا کے رکھیں۔

۴-عبادات،نماز،روزہ وغیرہ معاشرہ کی اصلاح کے اہم ذرائع ہیں۔ان کا اہتمام کریں۔

۵-مہمانی اور ضیافت کے آداب کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

۶-اللہ نے اس سورت میں ''اِستخلاف فی الارض'' کے اسباب بیان کیے ہیں۔

گویا اللہ تعالیٰ نے اصلاحِ معاشرہ کے تقریباً گیارہ قوانین کو اس سورت میں بیان فرمایا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِیْهَآ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ①

اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی اہمیت بیان کرنے کے لیے یہ آیت نازل فرمائی۔ فرمایا کہ یہ ایسی سورت ہے جس (کے الفاظ) کو ہم (ہی) نے نازل کیا اور اس (کے معانی یعنی اَحکام) کو ہم (ہی) نے مقرّر کیا ہے۔ اور ہم نے اس (سورت) میں (ان اَحکامات پر دَلالت کرنے کے لیے) صاف صاف آیتیں نازل کی ہیں۔ واضح اَحکام اور قوانین بیان کردیے ہیں تاکہ تم نصیحت حاصل کرو اور اس پر عمل کرو۔ اب ان قوانین کا آغاز فرمارہے ہیں:

اَلزَّانِیَةُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ۪ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْیَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآىِٕفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ②

حدود اور تعزیرات میں بنیادی فرق

اَحکامات کی وضاحت سے پہلے مناسب یہ ہے کہ ہم ''حدود اور تعزیرات'' کی تعریف اور اُن میں فرق ذہن نشین کرلیں تاکہ آئندہ مسائل سمجھنا آسان ہوجائے۔

''حدود'' کی تعریف

وہ سنگین جرائم جن کی سزا خود قرآنِ کریم اور احادیثِ متواترہ سے ثابت ہے۔ انہیں متعیّن سزاؤں کو شریعت کی اصطلاح میں ''حدود'' کہا جاتا ہے۔ یہ سزائیں کسی قاضی یا امیر کی رائے پر موقوف نہیں۔ قاضی یا حاکم وقت پر لازم ہے کہ اگر شرعی طریقہ کار کے مطابق یہ جرم ثابت ہوجائیں تو ان جرائم کے مرتکبین کو وہی سزا دیں جو نصوصِ قطعیہ سے ثابت ہے۔ اپنی طرف سے کمی بیشی کرنے کا ہرگز اختیار نہیں ہے۔

''تعزیرات'' کی تعریف

ان کے علاوہ باقی جرائم کو اس طرح متعیّن نہیں کیا گیا بلکہ قاضی یا امیر، مجرم کی حالت، جرم کی حیثیت اور ماحول وغیرہ کے مجموعے پر نظر رکھتے ہوئے جس قدر سزا مناسب سمجھے (جس سے مجرم کی اصلاح ہوجائے اور دوبارہ یہ جرم نہ ہو) دے سکتا ہے۔ ایسی سزاؤں کو شریعت کی اصطلاح میں ''تعزیرات'' کہا جاتا ہے۔

''حدودِ شرعیہ'' پانچ ہیں

حدود میں قصاص کے علاوہ درج ذیل چار جرائم شامل ہیں:

۱- چوری

۲- ڈکیتی

۳- کسی پاک دامن عورت پر بدکرداری کی تہمت لگانا۔
۴- شراب نوشی کرنا۔
۵- زنا کرنا۔

زِنا کا جرم، معاشرے کا سب سے سخت جرم ہے

یہ سب جرائم اپنی اپنی جگہ بڑے سخت، خرابیوں کے مجموعے اور معاشرے کے امن کو برباد کردینے والے ہیں۔ لیکن ان سب میں زنا کے نتائج جس طرح نظامِ انسانی کو برباد کرتے ہیں، شاید کسی اور جرم کے نتائج اس قدر سخت نہیں۔ معاشرے میں بگاڑ اور فساد کا سب سے بڑا ذریعہ "زنا" ہے۔

جس قوم میں یہ وبا پھیل جائے، وہاں آبرو ریزی کے نتیجے میں لڑائی اور قتل وقتال کے واقعات پیش آنا سب کے مشاہدے میں ہے۔ انتقام کا یہ جوش نسلوں تک چلتا ہے اور خاندانوں کو برباد کر کے رکھ دیتا ہے۔

نسب کی حفاظت، دین کے اہم اصولوں میں سے ایک ہے۔ زنا کی وجہ سے لوگوں کے نسب تک محفوظ نہیں رہتے۔ نیز دُنیا میں فساد کا بیشتر سبب "زن، زر اور زمین" ہی ہوتی ہے۔

اس لیے جو قانون، عورت کو صحیح معنیٰ میں تحفظ دے سکے، وہی قانون ہی امنِ عالم کا ضامن ہے۔ انہی خرابیوں کی وجہ سے اسلام نے زنا کی سزا، سارے جرائم کی سزاؤں سے زیادہ سخت رکھی ہے تاکہ معاشرے کی یہ بنیادیں کھوکھلی نہ ہوں اور لوگوں کی عزتیں محفوظ رہیں۔ فرمایا:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ

قانون نمبر ا- غیر شادی شدہ زِناکار کی سزا

زِنا کرنے والی عورت اور زِنا کرنے والے مرد (اگر غیر شادی شدہ ہوں، یا نکاح ہوا ہو لیکن بیوی کے ساتھ ابھی خلوت نہ ہوئی ہو تو ان) کی سزا یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو سو (۱۰۰) کوڑے لگاؤ۔

سزا، جرم ثابت ہونے کے بعد ہی دی جائے گی

شرعاً جرم تبھی ثابت ہوتا ہے جب ا- مجرم خود اپنے جرم کا اعتراف کرلے ۲- یا پھر مخصوص گواہوں کے ذریعے عدالت میں اس کا مجرم ہونا ثابت ہوجائے۔

یہی ضابطہ زِنا میں بھی جاری ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ زِنا کی سزا بہت سخت ہے، اس لیے اس کے ثبوت کا طریقہ کار بھی بڑا سخت رکھا گیا ہے تاکہ محض شبہات کی وجہ سے کسی کو اس جرم کا مرتکب نہ سمجھ لیا جائے۔

لہٰذا اگر مجرم خود آکر چار دفعہ زِنا کا اعتراف کرلے یا چار صالح مرد، اس بات کی گواہی دیں ہم نے انہیں اپنی

آنکھوں سے عین زنا میں مشغول دیکھا ہے، صرف دیکھنے سننے کی بات نہیں بلکہ اس طرح دیکھا ہے جیسے "کالمیل فی المکحلة" (اس کی مکمل تفصیل فقہ کی کُتب میں موجود ہے) اور یہ گواہ جرح کے بعد اپنی گواہی میں سچے ثابت ہوں تو اس وقت مجرم پر شرعی سزا جاری کی جائے گی۔

شادی شدہ زنا کار کی سزا بھی منصوص ہے

اور اگر زنا کرنے والا مرد اور عورت شادی شدہ ہوں اور (مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق) زنا ثابت ہو جائے تو اس کی سزا، "رجم" (سنگساری) ہے۔ یہ سزا بھی درحقیقت سنّتِ متواترہ سے ثابت اور کتاب اللہ کے احکامات کی طرح قطعی ہے۔ حضرات خلفائے راشدینؓ کے زمانے میں بھی سنگساری کی سزا تھی، بعد کے ادوار میں بھی یہ سزا رائج رہی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی فراست

اب کچھ لوگ جو حدیث کے منکر ہیں، کہتے ہیں کہ رجم کی سزا، قرآن میں نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ کی فراست کو سلام ہے کہ انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ مستقبل میں شاید کچھ ایسے کم نصیب لوگ آئیں گے جو اس سزا کو شرعی تسلیم کرنے سے انکاری ہو جائیں گے۔ اس لیے انہوں نے ایک دِن منبر پر کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا:

إِنَّ اللهَ قَدْ بَعَثَ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْحَقِّ، وَأَنْزَلَ عَلَيْهِ الْكِتَابَ، فَكَانَ مِمَّا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةُ الرَّجْمِ قَرَأْنَاهَا وَوَعَيْنَاهَا وَعَقَلْنَاهَا، فَرَجَمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَرَجَمْنَا بَعْدَهُ فَأَخْشَى إِنْ طَالَ بِالنَّاسِ زَمَانٌ أَنْ يَقُولَ قَائِلٌ: مَا نَجِدُ الرَّجْمَ فِي كِتَابِ اللهِ فَيَضِلُّوا بِتَرْكِ فَرِيضَةٍ أَنْزَلَهَا اللهُ وَإِنَّ الرَّجْمَ فِي كِتَابِ اللهِ حَقٌّ عَلَى مَنْ زَنَى إِذَا أَحْصَنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ، إِذَا قَامَتِ الْبَيِّنَةُ، أَوْ كَانَ الْحَبَلُ أَوِ الاعْتِرَافُ۔ (صحیح مسلم: ۱۳۱۷/۳)

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا اور آپ پر کتاب نازل فرمائی۔ جو کچھ کتاب اللہ میں نازل ہوا اس میں آیتِ رجم بھی تھی جسے ہم نے پڑھا، یاد کیا اور سمجھا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی رجم کیا اور ہم نے (بھی) آپ کے بعد رجم کیا۔ مجھے خطرہ ہے کہ زمانہ گزرنے کے بعد کوئی یوں نہ کہنے لگے کہ ہم رجم کا حکم کتاب اللہ میں نہیں پاتے۔ اس طرح وہ ایک نازل شدہ دینی فریضہ چھوڑنے کی وجہ سے گمراہ ہو جائیں گے۔ رجم کا حکم کتاب اللہ میں حق ہے اُس شخص پر جو شادی شدہ ہو، مرد ہو یا عورت، جب کہ (اس کے جرم پر) شرعی شہادت، اعتراف یا حمل پایا جائے۔

دوسری روایت میں ہے:

رجم رسول الله صلى الله عليه و سلم ورجم ابو بكر ورجمت ولولا أنى أكره أن أزيد فى كتاب الله لكتبته فى المصحف۔ الخ (الترمذی: ۳۸/۴)

ترجمہ:-رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے،صدیق اکبرؓ نے،اورمیں نے (اپنے اپنے زمانے میں) رجم کیا۔
اگر مجھے کتاب اللہ میں اضافے کا خوف نہ ہوتا تو میں خود کتاب اللہ ہی میں اس کی وضاحت کردیتا۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرِ فاروقؓ نے سورۃ النور کی مذکورہ آیت کی جو تفسیر، نبی کریم سے سنی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سو(۱۰۰) کوڑے لگانے کے حکم کو غیر شادی شدہ کے ساتھ مخصوص فرمایا اور شادی شدہ کے لیے رجم کا حکم دیا۔اس مجموعی تفسیر اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعامل کو حضرت عمرؓ نے ''کتاب اللہ'' اور'' آیت کتاب اللہ'' سے تعبیر فرمایا ہے کہ یہی تفصیل کتاب اللہ کے حکم میں ہے اور سورۃ النور کی انہی تشریحات کو حضرت عمرؓ نے قرآنِ پاک میں حواشی کے طور پر لکھنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔(معارف:۶/۳۴۶،۳۴۷)

نوٹ

بعض روایات میں ایک مستقل آیت:''الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما نکالا من اللہ'' کے الفاظ ملتے ہیں لیکن وہ روایات استنادی لحاظ سے اس قدر مضبوط نہیں ہیں کہ ان کی وجہ سے کلام اللہ میں اس کا اضافہ کیا جاسکے۔ حضراتِ فقہاء کرامؒ نے بھی اسے مثال کے طور پر ہی بیان فرمایا ہے ورنہ اس کا قرآنی آیت ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ (معارف:۶/۳۴۷) تاہم اس سے حضرت عمر فاروقؓ کے مذکورہ بالا فرمان کی تائید ضرور ہوجاتی ہے۔

وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۖ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲﴾

دینی فریضے کی ادائیگی میں مجرم پر نرمی کرنا ہرگز جائز نہیں

فرمایا:''وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ'' ان سزاؤں کے نفاذ میں نرمی نہ دکھاؤ کیونکہ اگر نرمی کی گئی تو معاشرہ بگڑ جائے گا۔مجرموں پر رحم کھانے کا مطلب،ساری مخلوق کے ساتھ بے رحمی ہی ہے۔اس لیے ان سے نرمی کا مظاہرہ بالکل نہ کرو،اگر واقعی تم مومن ہو اور اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔

ایسے مجرم کو سرِعام سزا دی جائے

''وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَائِفَةٌ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ'' سب کے سامنے سزا دی جائے۔مسلمان اکٹھے ہوں اور وہ ان مجرموں کو پٹتا اور مرتا دیکھیں تاکہ آئندہ اس سنگین جرم کے ارتکاب کی کوئی جرأت نہ کرسکے۔

یہ سزا کون دے گا؟

چلتے چلتے یہ بات بھی سمجھ لیں کہ زنا کی سزا (غیر شادی شدہ کو ۱۰۰ کوڑے مارنا اور شادی شدہ کو رجم کرنا) ایک

''حدِ شرعی'' ہے اور حد جاری کرنے کا اختیار صرف اور صرف حاکمِ وقت یا اس کے مقرر کردہ قاضی اور جج کو حاصل ہے۔ کسی جرگے اور پنچایت کو ایسی سزا دینے کا ہرگز حق نہیں ہے۔

پنچایت کو یہ سزا جاری کرنے کا ہرگز حق نہیں

یہ میں اس لیے عرض کررہا ہوں کہ ہمارے بعض علاقوں میں اگر نامحرم لڑکا لڑکی گھر سے بھاگ جائیں تو انہیں ''کاروکاری'' قرار دے کر محض اس شبہ میں قتل کردیا جاتا ہے کہ شاید انہوں نے زنا کیا ہو۔

نیز ''ونی'' کے نام پر مالی جرمانے اور متاثرہ فریق کو مجرم کے گھرانے کی لڑکیاں عوض میں دینے جیسے غیر شرعی، جاہلانہ بلکہ ظالمانہ فیصلے کیے جاتے ہیں اور یہ سب فیصلے پنچایت اور جرگہ کرتا ہے۔ حالانکہ آپ جان چکے کہ زنا ثابت ہونے کے شرعی طریقے کیا ہیں اور یہ بھی معلوم ہو چکا کہ شادی شدہ اور غیر شادی شدہ مجرم کی سزا میں کیا فرق ہے؟

افسوس ہے کہ ''غیرت'' کے نام پر ایسے ''بے غیرتی'' والے فیصلے ہوتے ہیں جن میں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ کو محض شک کی وجہ سے ایک جیسی سزا دی جاتی ہے اور فیصلے بھی وہ کرتے ہیں جنہیں شرعاً ایسے فیصلوں کا اختیار ہی نہیں ہے۔ کیونکہ جرگہ کی شرعی حیثیت ''حَکَم'' کی ہے اور حَکَم کو ''حدود وقصاص'' کے فیصلے کرنے کا ہرگز اختیار نہیں ہوتا اور نہ ہی وہ ''تعزیراً'' کسی کو قتل کرسکتے ہیں۔ ایسی صورت میں جو بھی لڑکے یا لڑکی کو قتل کرے گا یا قتل میں معاون ہوگا، وہ سب قاتل اور شرعاً وقانوناً مجرم شمار ہوں گے۔

ایسی جاہلانہ رسوم کی حوصلہ شکنی لازم ہے۔ البتہ پنچایت میں ایسے مناسب تادیبی فیصلے ضرور کیے جاسکتے ہیں جن سے ایسے اقدامات کی روک تھام ہو اور آئندہ کوئی یہ جرأت نہ کرسکے۔ تاہم یہ فیصلے بھی ان کے شرعی وقانونی اختیار کی حد تک ہی نافذ ہوں گے۔ اگر جرم کے قوی ثبوت موجود ہوں تب بھی عدالت سے رجوع کرنا ضروری ہے۔ حدود اللہ میں خود سے فیصل بننا شرعاً جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم!

ہمارے معاشرے کی حالت

جبکہ ہمارے یہاں معاملہ اس کے بالکل اُلٹ ہے، اب اعلانیہ بے حیائی کروائی جارہی ہے، سائن بورڈ لگائے جارہے ہیں، ٹی وی پہ ڈرامے اور فلمیں لائی جارہی ہیں اور اعلانیہ بدکاریوں کی ترغیب دی جارہی ہے۔ پوری اسلامی ثقافت کو تبدیل کیا جارہا ہے۔ ایسے ایسے معاشرتی پہلو دکھائے جارہے ہیں جن سے خواتین میں بے چینی اور بے اعتباری کی فضاء بڑھتی جارہی ہے۔ کورٹ میرج کا رجحان انہی ڈراموں اور فلموں کی عطا ہے۔ اس طرح معاشرے سے جرائم کم نہیں ہوں گے بلکہ مزید بڑھیں گے جن کے نتائج کسی بھی سمجھ دار شخص سے مخفی نہیں ہیں۔

اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً ؗ وَّالزَّانِیَۃُ لَا یَنْکِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ ③

قانون نمبر ۲- زِنا کے اخلاقی نقصانات

اس آیت میں کوئی شرعی حکم نہیں بلکہ عمومی مشاہدہ اور تجربہ بیان کیا جارہا ہے کہ زنا ایسی گندی چیز اور ایک اخلاقی زہر ہے جس سے انسان کا اخلاقی مزاج ہی بگڑ جاتا ہے۔ اسے اچھے، بُرے، حلال وحرام کی تمیز ہی نہیں رہتی۔ بس شہوت رسانی اور بُرائی ہی کے طریقے ڈھونڈتا رہتا ہے۔ جو عورت بھی پسند آئے، اولاً اسے زنا کاری کی طرف راغب کرتا ہے۔ ناکامی کی صورت میں مجبوراً نکاح پر راضی ہوتا ہے۔ چاہے وہ لڑکی مسلم ہو یا مشرکہ، اسے اس سے کچھ مطلب ہی باقی نہیں رہتا کیونکہ اس کا مقصد صرف زنا کاری ہی ہے۔ چاہے اس کے لیے کسی مشرکہ سے بأمرِ مجبوری نکاح ہی کیوں نہ کرنا پڑے (جو درحقیقت زنا ہی ہے) نکاح کر کے عفیف اور پاک دامن رہنا اس کا مقصد ہی نہیں ہوتا۔ ایسے آدمی کی رغبت بھی اُسی خبیث النفس کی طرف ہی ہوگی جو اس معاملے میں اس کا ہم مزاج ہو۔

حرام کام کی عار دِلانا مقصود ہے

بعض مفسرین کے نزدیک اللہ پاک نے عار دلانے کے لیے یہ فرمایا ہے کہ جو لڑکا یا لڑکی، زنا کے عادی ہوں اور اپنے اس فعل سے توبہ بھی نہ کریں تو اب وہ دونوں اس قابل ہی نہیں ہیں کہ کسی پاک دامن سے نکاح کریں، انہیں آپس میں نکاح کرنا چاہیے، زانی کو زانیہ یا مشرکہ سے نکاح کرنا چاہیے، کیونکہ یہ دونوں غدار ہیں بے وفا ہیں، مشرک بھی بے غیرت ہے جو خدا کی کھا کر دوسروں کے گُن گاتا ہے اور یہ زانی بھی بے غیرت ہے جو حلال رستہ اختیار کرنے کے بجائے حرام کاری کرتا ہے، اپنے حق کو چھوڑ کر دوسروں کی حق تلفی کرتا ہے۔ اس لیے عار دلانے کے لیے فرمایا کہ ان بے غیرتوں کو آپس ہی میں نکاح کرنا چاہیے، زانی لڑکا، زانیہ یا مشرکہ لڑکی سے اور زانیہ لڑکی، زانی یا مشرک لڑکے سے شادی کرے۔ پاک دامن سے نکاح کے یہ لائق ہی نہیں رہے۔

نوٹ

اس آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ زانی مرد یا زانیہ عورت کی شادی کسی پاکدامن عورت یا مرد سے شرعاً جائز ہی نہیں ہے! ایسا نہیں ہے۔ ان لوگوں کا پاک دامن مرد وعورت سے نکاح شرعاً درست ہے۔ عار دلانا الگ بات ہے۔ نکاح کا جائز ہونا الگ ہے۔ جمہور حضراتِ فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی موقف ہے۔

زِنا کرنا بھی حرام ہے اور قدرت کے باجود کسی کو زِنا سے نہ روکنا بھی حرام ہے

”وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝“ ”خود زِنا کرنا یا (شادی کے بعد اپنے شریکِ حیات کے) فعلِ زِنا پر راضی رہنا اور اختیار کے باوجود اُسے منع نہ کرنا ”دیوثیت“ ہے، جو شرعاً حرام ہے۔ (معارف، ملخصا: ۶/ ۳۵۲)

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا

لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

قانون نمبر ۳-حدِّ قذف

زِنا کی سزا چونکہ شریعت نے سب سے سخت رکھی ہے، اس لیے انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ اس معاملہ میں ثبوت کو بڑی اہمیت دی جائے تا کہ بغیر کسی شرعی ثبوت کے کوئی کسی پر زنا کا الزام لگانے کی جرأت نہ کرے۔

اس لیے فرمایا: ''وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً'' جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگاتے ہیں انہیں چاہیے کہ چار گواہ لے آئیں، کسی کی عزّت پر کیچڑ اُچھالنا آسان بات ہے کیا! اپنے دعوے پر چار گواہ لے کر آؤ! اور اگر چار گواہ پیش نہیں کرو گے تو اس کی سزا یہ ہے کہ مدعی کو ہی اسی (۸۰) کوڑے لگائے جائیں، یہی حکم عورت کے لیے بھی ہے جو کسی پاکدامن مرد پر تہمت لگائے۔ اس خاتون سے بھی چار گواہوں کا مطالبہ کیا جائے گا۔ اگر گواہ پیش کر نہ سکی تو اس پر ''حدِ قذف'' جاری کی جائے گی۔

اسلام نے پاک دامن لوگوں کا کتنا دفاع کیا ہے! اسلام کا اصول ہے کہ مجرم کو چھوڑنا نہیں ہے اور بے گناہ کو چھیڑنا نہیں ہے۔ اگر تم نے کسی کو خود جرم میں مبتلا دیکھا ہے لیکن تمہارے پاس چار گواہ نہیں ہیں تو درگزر کرو، اگر چار گواہ نہ ہونے کے باوجود تم اس پر الزام لگا رہے ہو جبکہ تمہیں یہ معلوم بھی ہے کہ چار گواہ لازم ہیں تو گویا تم اس کو جان بوجھ کر بدنام کر رہے ہو، اور جو دوسروں کو بدنام کرے گا وہ خود سزا بھگتے گا۔ لہٰذا انہیں اسی (۸۰) کوڑے لگاؤ، اور آئندہ کے لیے ان کی گواہی بھی کبھی قبول نہیں کی جائے گی، اور یہ فاسق و فاجر رہیں گے، ہاں اگر یہ توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرلیں تو فسق اور گناہ تو معاف ہو جائے گا لیکن گواہی کبھی بھی معتبر نہیں ہوگی۔

تہمت لگانے والے کو سزا دینے کی حکمت

اس سزا کا لازمی اثر یہ ہوگا کہ کسی پر زنا کا الزام کوئی شخص تبھی لگانے کی جرأت کرے گا جب اُس نے اس فعلِ خبیث کو اپنی آنکھوں سے ہوتے دیکھا بھی ہو اور اُسے یقین بھی ہو کہ میرے ساتھ تین اور لوگوں نے بھی مجرموں کو بعینہٖ جرم میں مبتلا دیکھ لیا ہے اور وہ میرے ساتھ عدالت میں اس بات کی گواہی بھی دیں گے۔ بصورتِ دیگر یہ شخص اپنے آپ کو سزا سے بچانے کی کوشش کرے گا اور نصاب کم ہونے کی وجہ سے عدالت میں گواہی کے لیے پیش نہیں ہوگا۔

غیر محرَم جوڑے کو قابلِ اعتراض حالت میں دیکھنے پر گواہی کا طریقہ؟

یہ بات ذہن نشین کر لیجیے کہ مذکورہ شرطیں (چار عاقل بالغ اور چشم دید مسلمان مرد، مخصوص طریقے سے عدالت میں زِنا کی گواہی دیں) اس وقت ضروری ہیں جب عین زنا کی حالت میں دیکھنے کا دعویٰ کیا جائے۔ لیکن اگر کسی نامحرم جوڑے کو

قابلِ اعتراض حالت میں یا بے حیائی کی باتیں کرتے دیکھا ہو لیکن اس کے پاس مذکورہ بالا تفصیل کے مطابق گواہ نہ ہوں تو پھر ''صریح زنا'' کے الفاظ سے گواہی نہ دے بلکہ بے حجابانہ اختلاط کی گواہی دے سکتا ہے: کیونکہ نامحرم مرد و عورت کا ایسا اختلاط بھی شرعاً قابلِ سزا جرم ہے۔ جرم ثابت ہونے پر حاکمِ وقت، ایسے لوگوں کو تعزیری سزا دے سکتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ
لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝٦ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝٧ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ
تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝٨ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝٩
وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۝١٠

قانون نمبر ۴- ''لِعان'' سے متعلق تفصیلی اَحکامات

سابقہ معاملہ عمومی تھا یعنی کوئی مرد یا عورت کسی مرد یا عورت پر الزام لگائے تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ اس آیت میں یہ بیان کیا جارہا ہے کہ اگر کوئی شوہر اپنی بیوی، یا بیوی اپنے شوہر پر یہ الزام لگائے تو اس کا کیا کیا جائے گا!

شانِ نزول

جب ''حدِّ قذف'' کے احکامات نازل ہوئے اور چار گواہوں کی گواہی شرط قرار دے دی گئی تو بعض صحابہ کرامؓ نے سوال کیا: یارسول اللہ! اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو کسی غیر مرد کے ساتھ دیکھے تو کیا کرے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چار گواہ لائے ورنہ ہم اس پر حدِ قذف جاری کریں گے۔ عرض کیا یارسول اللہ! کیا کوئی شخص یہ گوارا کرسکتا ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو دیکھے تو پہلے دوسرے لوگوں کو بلا کر دکھائے! جب تک لوگ جمع ہوں گے، وہ بندہ بھاگ جائے گا۔ ایسی صورت میں کیا حکم ہوگا؟

بات تو واقعی معقول تھی کہ اس کے ساتھ تو جو حادثہ ہوا سو ہوا، اب کیا وہ دوسرے لوگوں کو بھی پکڑ پکڑ کر لائے اور دکھائے کہ یہ میری بیوی ہے جو فلاں کے ساتھ منہ کالا کررہی ہے۔ آؤ تمہیں دکھاؤں! اسی طرح بیوی اپنے شوہر کے بارے میں لوگوں کو پکڑ پکڑ کر لائے اور دکھائے کہ چار لوگو! دیکھ لو میرا شوہر منہ کالا کر رہا ہے!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس تو یہی حکم ہے۔ کیونکہ اس وقت تک ''حدِّ قذف'' ہی کے بارے اَحکامات نازل ہوئے تھے اور اُس تفصیل کے مطابق واقعی حکم یہی تھا کہ چار گواہ لائے جائیں۔

خدا کا کرنا یہ ہوا کہ دو مختلف لوگوں نے آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی بیوی کی بدکرداری کی شکایت کی کہ ہم نے بچشم خود اُسے غیر کے ساتھ زنا میں مشغول دیکھا ہے اور ہم باخدا اپنے دعوے میں سچے ہیں! اس پر اللہ پاک نے مذکورہ بالا آیات نازل فرمائیں۔

''لِعان'' کا مطلب

''لِعان'' یا ''ملاعنت'' کا معنٰی ''ایک دوسرے پر لعنت اور خدائی غضب کی بدُعا کرنا ہے۔'' شریعت میں میاں بیوی کو چند مخصوص قسمیں دینے کو''لِعان'' کہا جاتا ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کوئی شوہر اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگائے یا یہ کہے کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے۔ جب کہ بیوی اس الزام کو جھٹلا دے اور شوہر پر ''تہمت کی سزا'' جاری کرنے کا مطالبہ کرے۔ یا پھر بیوی اپنے شوہر پر یہی الزام دے اور شوہر اس کی تکذیب کر کے بیوی پر سزا جاری کرانے کا مطالبہ کرے جب کہ چار گواہ کسی کے پاس نہ ہوں، تو ان سے کہا جائے گا کہ پانچ پانچ قسمیں اٹھاؤ، اس کو لعان کہتے ہیں۔

''لعان'' کا طریقہ

اس کا طریقہ یہ ہے کہ اگر شوہر بیوی پر تہمت لگائے تو اس کو چار دفعہ یہ قسم اٹھانی ہوگی: ''فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ۝'' اللہ کی قسم میں اپنے دعوٰی میں سچا ہوں، میری بیوی ایسی ہے، اللہ کی قسم میں سچا ہوں، میری بیوی ایسی ہے۔ پانچویں دفعہ میں یہ قسم دے گا: ''وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ۝'' اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو''۔

جب شوہر یعنی ایک فریق نے قسمیں اٹھالیں تو اب فریق ثانی یعنی بیوی سے کہا جائے گا کہ یا تو تم اپنا جرم تسلیم کرلو یا پھر تم بھی اسی طرح قسمیں دو! اگر وہ جرم تسلیم کر لیتی ہے تو اس پر ''حدِ زنا'' جاری کی جائے گی ورنہ اُس سے بھی مخصوص الفاظ سے قسم لی جائے گی۔ اگر وہ قسم دے دیتی ہے تو لعان مکمل ہو جائے گا۔

بیوی کے قسم کھانے کا طریقہ یہ ہے: ''اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ۝'' کہ وہ چار بار یہ قسم اٹھائے گی کہ اللہ کی قسم! میرا شوہر جھوٹا ہے۔ اور پانچویں بار قسم اٹھائے گی: ''وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۝'' مجھ پر اللہ کا غضب ہو اگر میرا شوہر میرے بارے میں سچ بول رہا ہے۔

جب دونوں فریق اس طریقے پر قسمیں اٹھالیں گے تو اس کے بعد قاضی ان کے درمیان تفریق کر دے گا کہ اب تم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ قاضی طلاق بائن واقع کر دے گا۔

اگر کوئی ایک فریق بھی قسم دینے سے انکار کر دیتا ہے تو اُسے مجبور کیا جائے گا کہ یا تو اپنے آپ کو اس الزام میں سچا ثابت کرو اور مخصوص الفاظ میں قسمیں دو، یا پھر جھوٹی تہمت لگانے کا اعتراف کرو۔ اگر جھوٹا ہونے کا اعتراف کر لے تو اس پر ''حدِ قذف'' جاری کی جائے گی۔

اَحکامِ لعان میں فطری جذبات کی رعایت کی گئی ہے

اللہ فرماتے ہیں: ''وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ '' کہ یہ جو میں نے قانون دیا ہے یہ میرا

فضل اور میری رحمت ہے، کیونکہ اس میں انسان کے فطری جذبات کی مکمل رعایت کی گئی ہے۔اگر یہ احکام نازل نہ ہوتے تو لوگ بڑی مشقت میں پڑ جاتے کہ اگر اکیلے گواہی دیتے ہیں تو حدِ قذف لگتی ہے، اگر گواہ جمع کرتے ہیں تو غیرت کے خلاف ہے اور اگر چپ رہتے ہیں تو بے غیرتی ہے۔ جائیں تو جائیں کہاں! اس لیے اللہ پاک نے فرمایا کہ میں نے ان احکامات کے ذریعہ تم لوگوں کو آسان رستہ دیا ہے۔ وگرنہ تم لوگ بڑی مصیبت کا شکار ہو جاتے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ۭ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ۭ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۱۱ لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ۱۲

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بُہتان لگنے کا تفصیلی واقعہ

اس رکوع میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا تفصیلی واقعہ ذکر کیا جا رہا ہے۔ حضور علیہ السلام سنہ ۶ ہجری میں غزوہ مُریسیع (غزوہ بنی المُصطلق) میں تشریف لے گئے۔ آپ کی زوجہ محترمہ سیدہ عائشہ صدیقہؓ آپ کے ساتھ تھیں۔ واپسی میں ایک جگہ قافلہ رُکا۔ کچھ کچھ وقفہ سے بشری تقاضوں اور نمازوں کے لیے قافلے رُکا کرتے تھے۔ رات کا آخری پہر تھا۔ اعلان ہوا کہ اپنی اپنی حاجات سے فارغ ہو جائیں، کچھ دیر میں روانگی ہے۔

اُمّی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا قضائے حاجت کے لیے جنگل کی طرف تشریف لے گئیں۔ وہاں اتفاق سے ان کا ہار ٹوٹ کے گر گیا۔ آپؓ یہ ہار، اپنی بڑی بہن حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے اس سفر کے لیے مانگ لائی تھیں (جیسا کہ خواتین میں یہ رواج ہے کہ ضرورت کے وقت قریبی خواتین سے زیور وغیرہ مانگ لیا جاتا ہے) تو ہار وہاں کھو گیا۔

اُمّی عائشہؓ کو ہار ڈھونڈنے میں کچھ وقت لگا۔ ادھر قافلے کی روانگی کا اعلان ہو گیا، جو صحابہ اُمّی عائشہؓ کا کجاوہ اُٹھانے پر مامور تھے، انہوں نے کجاوہ اُٹھا کر اُونٹ پر لاد دیا۔ چونکہ کجاوے کے چاروں طرف پردہ تھا (پردے کے اَحکامات نازل ہو چکے تھے) اور اُمّی عائشہ رضی اللہ عنہا بالکل ہلکی پھلکی تھیں، اس لیے اُن صحابہ کرامؓ کو اندازہ ہی نہ ہو سکا کہ اُمّی عائشہ رضی اللہ عنہا کجاوہ میں ہیں یا نہیں؟ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے بھی یہی سمجھا کہ اُمّی عائشہؓ، کجاوے میں ہیں۔ قافلہ روانہ ہو گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں تھے، ورنہ ان کو پتا ہوتا کہ کجاوے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نہیں ہیں۔ حضرت علی بھی ساتھ تھے، کسی کو بھی پتا نہیں چلا اور قافلہ اگلی منزل کے لیے کوچ کر گیا۔

اُمّی عائشہؓ جب واپس قافلے کی جگہ پہنچیں تو دیکھا کہ قافلہ جا چکا ہے۔ فرماتی ہیں کہ مجھے یقین تھا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو گا کہ میں کجاوے میں نہیں ہوں تو آپ ضرور واپس یہیں تشریف لائیں گے، اس لیے میں نے چادر لی اور وہیں لیٹ گئی، کہیں اِدھر اُدھر نہیں گئی۔ رات کا آخری پہر تھا۔ قلبی اطمینان حاصل تھا، کچھ دیر بعد آنکھ لگ گئی۔

ایک صحابی تھے حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ، ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خدمت کے لیے مقرر

فرمایا ہوا تھا کہ تم قافلے کے پیچھے رہنا، قافلہ روانہ ہونے کے بعد اس جگہ پہنچنا تا کہ قافلے والوں میں سے کسی کی کوئی چیز یا سامان رہ گیا ہو تو اسے اٹھا کر لیتے آنا، یہ ان کی ڈیوٹی تھی۔

صبح کے قریب حضرت صفوان رضی اللہ عنہ اُس جگہ پہنچے تو دیکھا کوئی بندہ لیٹا ہوا ہے۔ قریب جا کر دیکھا تو حضرت عایشہ صدیقہؓ کو آرام میں پایا (انہوں نے اَمّی عائشہ کو پردے کا حکم نازل ہونے سے پہلے دیکھا ہوا تھا اس لیے پہچان گئے) اس پر افسوس کی وجہ سے بے ساختہ اُن کی زُبان سے نکلا "انا للہ وانا الیہ راجعون!" اس جملے سے حضرت عائشہؓ کی آنکھ کھل گئی اور انہوں نے جلدی سے پردہ کرلیا۔ فرماتی ہیں کہ اس جملے کے سوا میں نے اُن کے منہ سے اور کوئی لفظ نہیں سُنا۔ باحیا صحابی تھے، نظریں جھکالیں، اُونٹ بٹھادیا، میں اُونٹ پر بیٹھ گئی، انہوں نے اُونٹ کی مہار پکڑلی، اور مدینے کی جانب چل پڑے۔

جب مدینے پہنچے تو رئیس المنافقین "عبداللہ بن اُبَی" اور کچھ دیگر منافقین نے جب دیکھا کہ صفوان، اَمّی عائشہ کو لے کر آرہے ہیں تو انہوں نے اَمّی عائشہ کے خلاف بکواس بازی شروع کردی، اَمّی عائشہ پر تہمت لگادی۔ بعض سیدھے سادے مسلمان بھی سنی سنائی باتوں میں آگئے، حضرت حسانؓ، حضرت مسطحؓ اور خواتین میں سے حضرت حمنہؓ اُن میں شامل تھیں۔

سفر سے واپسی کے بعد حضرت عائشہؓ چونکہ اپنے گھر کے کاموں میں مشغول ہوگئیں اور کچھ طبیعت بھی ناساز رہی، اس لیے کئی دن تک تو انہیں خبر ہی نہ ہوسکی کہ اُن کے بارے کیسی باتیں مشہور کی جارہی ہیں! تاہم یہ بات ضرور نوٹ کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ لطف وکرم دیکھنے کو نہیں ملتا تھا جو ہمیشہ سے میسر تھا، بس گھر تشریف لاتے، خیر خیریت پوچھ کر واپس تشریف لے جاتے۔ اس کی پریشانی ضرور تھی لیکن وجہ معلوم نہ تھی۔

فرماتی ہیں کہ ایک دِن میں قضائے حاجت کے لیے جارہی تھی، اس وقت مدینہ میں واش روم نہیں بنے تھے، حضرت اُمِّ مسطحؓ (حضرت مسطحؓ کی والدہ) ساتھ تھی۔ واپسی پر اُن کا پاؤں اپنی چادر میں اُلجھا تو حضرت اُمِّ مسطحؓ گر پڑیں۔ بے ساختہ اُن کی زُبان سے بدعائیہ کلمہ نکلا: "تعس مسطح!" (مسطح ہلاک ہو!) ماں کی زُبان سے اپنے بیٹے کے لیے بدعا سُن کر حضرت عائشہؓ کو عجیب لگا، اس لیے کہا: "أتسبين رجلًا شهد بدرًا" تم اپنے اُس نیک بیٹے کو بدعا دے رہی ہو جو بدر کی جنگ میں شریک رہا! بہت بُری بات ہے۔

اُمِّ مسطحؓ نے تعجب سے پوچھا کہ بیٹی! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ "مسطح" آپ کے بارے کیا کہتا پھر رہا ہے! میرے پوچھنے پر انہوں نے مجھے پوری بات بتادی۔

اَمّی عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہ باتیں سُن کر تو میرا مرض مزید بڑھ گیا۔ گھر واپسی پر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر میکے آگئی (مقصد یہ تھا کہ والدین سے معاملے کی تحقیق ہوجائے گی)۔

گھر آکر اپنی والدہ سے حقیقت معلوم کی تو انہوں نے تسلی دی کہ فکر نہ کرو! یہ معاملہ خود بخود صاف ہوجائے گا۔ دُشمن لوگ سازشیں کرتے ہی رہتے ہیں۔ لیکن مجھے کسی طور چین نہ آیا۔ ساری رات روتی رہی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشری پریشانی

اس دوران حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس خبر کی وجہ سے سخت پریشان تھے، تب تک اس معاملے سے متعلق کوئی وحی بھی نازل نہیں ہوئی تھی۔ حقیقت کا کچھ پتا نہیں چل رہا تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شخصیت بارے قریبی حضرات سے مشورہ

اب حضور علیہ السلام نے مختلف لوگوں سے مشورہ فرمایا کہ مجھے اس حوالے سے کیا کرنا چاہیے! حضرت اسامہؓ نے صاف عرض کیا کہ ہمیں تو حضرت عائشہؓ کے بارے کوئی بدگمانی نہیں ہے۔ آپ ان افواہوں کی ہرگز پرواہ مت کریں۔

آپ نے حضرت عمرؓ سے رائے طلب کی تو انہوں نے عجیب سوال کیا: ''آپ نے عائشہ سے شادی اپنی پسند سے کی تھی یا یہ اللہ کا حکم تھا؟'' آپ نے فرمایا کہ اللہ کا حکم تھا! حضرت عمرؓ نے عرض کی'' کہ جب عائشہ ہے ہی رَبّ کا انتخاب، تو یہ سب باتیں واضح جھوٹ ہیں، یہ ہو ہی نہیں ہوسکتا کہ عائشہ، اللہ کا انتخاب ہو اور اس میں کوئی عیب ہو، میں نہیں مانتا!''

آپ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ علی! تم کیا کہتے ہو؟ حضرت علی نے (آپ کو اس غم سے بچانے کے لیے) عرض کی کہ یا رسول اللہ! کیوں پریشان ہوتے ہیں؟ اگر عائشہؓ کی طرف سے فطری طور پر کوئی بات دل میں آ گئی ہے تو آپ کو عورتوں کی کمی تھوڑی ہے! ویسے یہ پریشانی اس طرح بھی ختم ہوسکتی ہے کہ آپ، عائشہؓ کی خادمہ، بریرہؓ سے حالات کی تحقیق کر لیجیے!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہؓ سے پوچھا کہ تم بتاؤ! انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! عائشہ تو بھولی بھالی لڑکی ہے، بعض اوقات آٹا گوندھ کر رکھتی ہے تو خود سو جاتی ہے اور بکری آٹا کھا جاتی ہے۔ اس قدر سادہ طبیعت لڑکی ہے۔ اسے ان باتوں کا کیا پتا!

اُمّی عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اگلا دن اور رات بھی روتے ہوئے گزری۔ میرے والدین میری حالت دیکھ کر بہت کُڑھتے تھے کہ کہیں دُکھ کی وجہ سے مجھے کچھ ہو نہ جائے!

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف آوری

اسی دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، میرے والدین کے گھر تشریف لائے۔ ایک ماہ ہو گیا تھا اس واقعے کو، میرے والدین بھی ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ میں رو رہی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مختصر خطبہ پڑھا اور مجھے فرمایا:

يا عائشة! إنه بلغني عنك كذا و كذا فإن كنت بريئة فسيبرئك الله وإن كنت ألممت بذنب فاستغفري الله وتوبي إليه، فإن العبد إذا اعترف ثم تاب، تاب الله عليه۔ (صحیح البخاری، ص: ۲۵۶)

ترجمہ:- عائشہ! مجھے تمہارے بارے میں یہ یہ باتیں پہنچی ہیں، اگر تم بری ہو تو اللہ تمہیں ضرور بری کر دیں گے۔ اور اگر تم سے کوئی لغزش ہو گئی ہے تو اللہ سے توبہ استغفار کر لو، اللہ پاک معاف فرما دیں گے۔

اُمّی عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کلام سُن کے میرا رونا تھم گیا، میرے آنسو رُک گئے، میں نے پہلے اپنے والدین سے کہا کہ آپ لوگ جواب دیں، والدین نے جواب سے معذوری ظاہر کی کہ ہم کیا کہ سکتے ہیں!

ہمارے ہاں تو رواج ہے نا کہ بیٹی جھوٹی بھی ہو تب بھی ماں لڑنے کو تیار ہو جاتی ہے، باپ لڑنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ اولاد بڑی کمزوری ہے، اچھے اچھے دیندار لوگوں کو دیکھا کہ وہ اولاد کی خاطر پٹڑی سے اتر جاتے ہیں، حق سچ کو چھوڑ دیتے ہیں، اولاد کو معصوم سمجھتے ہیں، ان کی غلطی ماننے کو لوگ تیار نہیں ہوتے۔ لیکن یہاں معاملہ صدیقؓ کا تھا۔ خاموش رہے اور بیٹی کو خود اپنی صفائی بیان کرنے کا موقع دیا۔

فرماتی ہیں کہ مجبوراً مجھے ہی بولنا پڑا، میں اس وقت کم عمر لڑکی تھی، قرآن بھی زیادہ پڑھا ہوا نہیں تھا، اس وقت میں نے جواب دیا:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عجیب وغریب خطبہ

إني والله! لقد علمت لقد سمعتم هذا الحديث حتى استقر في أنفسكم وصدقتم به فلئن قلت لكم: إني بريئة! لا تصدقوني! (لا تصدقونني) ولئن اعترفت لكم بأمر -والله يعلم أني منه بريئة- لتصدقني. فوالله! لا أجد لي ولكم مثلا إلا أبا يوسف حين قال: (فصبر جميل والله المستعان على ما تصفون). (صحيح البخاري، ص:۲۵۶)

ترجمہ:- بخدا میں جانتی ہوں کہ آپ نے اس بات کو سُنا ہے اور یہ بات آپ کے دل میں بیٹھ چکی ہے، اور آپ نے (عملاً) اس کی تصدیق بھی کر دی ہے۔ اگر مَیں آپ سے یہ کہوں کہ مَیں اس گناہ سے بَری ہوں -اور اللہ جانتا ہے کہ میں بَری ہوں- تو آپ میری بات کا یقین نہیں کریں گے۔ اور اگر میں آپ کے سامنے تسلیم کر لوں کہ مجھ سے گناہ ہو گیا ہے -حالانکہ اللہ جانتا ہے کہ میں اس سے بَری ہوں- تو آپ میری بات مان لیں گے۔ واللہ! اب میں اپنے اور آپ کے معاملے بارے وہی کہتی ہوں جو یوسف کے باپ نے کہا تھا: ''فصبر جميل والله المستعان على ما تصفون'' میں بھی یہی کہتی ہوں۔

فرماتی تھیں کہ غم کی شدت کی وجہ سے مجھے حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام بھول گیا تھا۔

بہرحال! میں اتنا جواب دے کر الگ اپنے بستر پر جا کر لیٹ گئی۔ مجھے یہ یقین تھا کہ اللہ میری براءت سے ضرور باخبر فرمائیں گے، لیکن یہ تو میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ میرے معاملے میں قرآن کی آیات نازل ہوں گی جو ہمیشہ تلاوت کی جاتی رہیں گی۔

آسمانوں سے براءت نازل ہوتی ہے

ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہیں تشریف فرما تھے اور سب گھر والے بھی وہیں بیٹھے تھے کہ جبرائیل علیہ السلام وحی

لے کر آگئے، آپ پر جب وحی آتی تھی تو سخت سردیوں میں بھی آپ کو پسینہ آجاتا تھا، آپ پر وہی کیفیت طاری ہوئی، جب یہ کیفیت دور ہوئی تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام مسکراتے ہوئے اُٹھے اور سب سے پہلے یہ فرمایا: ''ابشری یا عائشۃ! أما اللّٰہ فقد برأك'' عائشہ تجھے مبارک ہو، اللہ نے تیری براءت آسمان سے اُتار دی۔ اس موقع پر یہ دس آیات نازل ہوئیں۔

جب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ خوشخبری سنائی تو حضرت عائشہ کی والدہ نے کہا کہ عائشہ! اُٹھ اور حضور کا شکریہ ادا کر! اُمی عائشہ نے فرمایا: ''واللّٰہ لا أقوم إلیہ فإنی (وإنی) لا أحمد إلا اللّٰہ عز وجل'' نہ میں اس معاملے میں اللہ کے علاوہ کسی کا احسان مانتی ہوں اور نہ کسی کے لیے کھڑی ہوں گی۔ میں تو اپنے اللہ کا شکریہ ادا کروں گی جس نے میری براءت کا اظہار فرمایا۔ (صحیح البخاری، ص: ۲۵۷)

طبعی دُکھ کا اِظہار بیوی کا حق ہے

اس سے معلوم ہوا کہ اگر بیوی، اپنے متقی اور بزرگ شوہر سے طبعاً ناراضگی یا غم کا اظہار کرے تو یہ اُس کا حق ہے۔ شوہر اسے اپنی بے ادبی یا گستاخی ہرگز نہ سمجھے۔ یہ ناز و محبت بھرے تعلق کی دلیل ہے۔ شوہر کو بھی چاہیے کہ وہ بیوی کے طبعی غم کے اظہار کو دِل پر نہ لے، بلکہ اپنی بیوی کی اشک شوئی کرے۔

تہمت لگانے والوں پر ''حدِّ قذف'' جاری کی گئی

براءت نازل ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہمتیں لگانے والوں پر حد قذف جاری فرمائی، اس کے بعد مؤمنین نے توبہ کرلی، البتہ منافقین اپنی رَوِش پر قائم رہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طہارت کا منکر کافر ہے

علمائے اُمت کا اجماع ہے کہ قرآن کی صفائی آجانے کے بعد اگر کوئی شخص اُمی عائشہؓ صدیقہ کے کردار اور طہارت پر کیچڑ اُچھالنے کی ناپاک جسارت کرے، وہ شخص قرآن کا منکر ہے، بلاشبہ کافر ہے، پکا ٹھکا کافر ہے، سکہ بند کافر ہے، اس کے کُفر میں کوئی شک نہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خصوصی فضائل وکمالات

حُسنِ اتفاق سے یہ مقام، وفاتِ سیّدہ عائشہؓ کے روز ہی آگیا، اسی مناسبت سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی چند خصوصیات ذِکر کی جارہی ہیں جو صرف انہی کا خاصہ ہیں۔ کسی اور زوجہ محترمہ کو یہ نصیب نہیں ہوئیں:

۱- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سوا کسی کنواری لڑکی سے نکاح نہیں فرمایا۔ باقی جتنی عورتوں سے آپ نے شادی کی تھی وہ یا تو مطلقہ تھیں یا بیوہ تھیں۔

۲- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی سے پہلے حضرت جبرائیل علیہ السلام ایک ریشمی رومال میں (بعض

روایات کے مطابق اپنی ہتھیلی میں) ان کی تصویر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے اور آ کر عرض کی: "ھذہ زوجتک فی الدنیا والآخرۃ" یہ عائشہ ہے جو آپ کی دُنیا اور آخرت کی بیوی ہے۔

۳۔ ان کی یہ بھی خصوصیت تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بستر پر لیٹے ہوتے تھے تب بھی وحی نازل ہوتی تھی، قرآن آجاتا تھا۔ کسی اور زوجہ محترمہ کو یہ سعادت حاصل نہیں۔

۴۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری کے آخری ایام، ان کے گھر میں گزارے تھے۔

۵۔ حضور علیہ السلام کا جب وصال ہوا تو آپ کا سر امی عائشہ کی گود میں ان کی ٹھوڑی اور سینے کے درمیان رکھا ہوا تھا، اُمی عائشہ خود فرماتی ہیں: "وان رأسه لبين نحری وسحری۔" (صحیح البخاری، جلد اوّل، ص: ۲۵، الشاملۃ)

۶۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری وقت میں حضرت عائشہؓ کی چبائی ہوئی مسواک کو بغیر دھوئے استعمال فرمایا۔

۷۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین، حضرت عائشہؓ کے حُجرے میں ہوئی جو جنّت کا ٹکڑا ہے۔

۸۔ آپؓ صدیقہ بنت صدیق اور خلیفۃ الرسول کی بیٹی ہیں۔

رُکوع کی مختصر تفسیر

"اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ" فرمایا: جو لوگ تہمت لے کر آئے وہ تمہیں میں سے کچھ لوگ تھے، اکثریت اُن میں سے منافقین کی تھی جنہوں نے ظاہری لبادہ اسلام ہی کا اوڑھا ہوا تھا۔ "لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ؕ" ان کو اپنے لیے بُرا نہ سمجھو، بلکہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے، اللہ نے تمہاری صفائی قرآن میں بیان کر دی ہے، اب قیامت کی صبح تک منبر و محراب میں، اسٹیجوں پر، گھروں میں، خلوت و جلوت میں، اُمی عائشہ کی عفت و پاکیزگی کے چرچے ہوتے رہیں گے۔

"لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ" جس نے اس بہتان میں جتنا حصہ لیا، اُتنا ہی اُس نے گناہ اپنے سر لیا۔ "وَالَّذِیْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ⑪" جو اس سارے پروپیگنڈے کا مرکزی کردار تھا اس کو تو بڑا عذاب دیا جائے گا، اس کے علاوہ جس نے جتنا کردار ادا کیا اس کو اتنی دنیا اور آخرت کی سزا دی جائے گی۔

"لَوْلَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَیْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَاۤ اِفْكٌ مُّبِیْنٌ ⑫" اللہ نے مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی کہ جب تم نے یہ باتیں سنی تھیں تو تم نے اپنے مسلمان بہن بھائی کے بارے نیک گمان کیوں نہ کیا! یہ کیوں نہ کہہ دیا تھا کہ یہ تو بہتان ہے! تم تحقیقات میں کیوں پڑ گئے؟

مسلمان بارے حُسنِ ظن رکھنا واجب ہے

معلوم ہوا کہ جب تک کسی دلیلِ شرعی سے کوئی عیب یا گُناہ ثابت نہ ہو جائے، تب تک ہر مسلمان کے ساتھ نیک گمان رکھنا لازم اور ایمان کا تقاضا ہے۔ اسی طرح بلا کسی شرعی دلیل کے الزام لگانے والے کو جھوٹا قرار دینا بھی واجب ہے۔

لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۝

پھر یہ لوگ چار گواہ بھی نہیں لائے، جب یہ چار گواہ نہیں لائے تو ان کو قانون کے مطابق سزا ملنی چاہیے تھی، یہ تو قانون کے اعتبار سے بھی جھوٹے ہیں۔

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِىْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝

یہ اُن مؤمنین سے خطاب ہے جو غلطی سے عبداللہ بن اُبی کی سازش کے حصہ دار بن گئے تھے۔ فرمایا کہ اگر تم پر اللہ کا دُنیوی اور اُخروی فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم پر دنیا میں بھی عذاب آجاتا۔ لیکن اللہ نے تم پر فضل فرمایا کہ تمہیں اس تہمت سے سچی توبہ کی توفیق بخشی اور پھر توبہ کو قبول بھی فرمایا۔ اُخروی فضل یہ ہے کہ تم سے درگزر اور مغفرت کا وعدہ بھی کرلیا ہے۔

بلاتحقیق بات پھیلا دینا بہت بڑا جرم ہے

اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ۝

تم لوگوں نے بلا دلیل بس سنی سنائی بات آگے چلتی کردی اور تحقیق بھی نہ کی! یہ کوئی ہلکی بات نہیں بلکہ ایک مسلمان کی عزّت وآبرو کا مسئلہ تھا۔ اس طرح بلاتحقیق بات پھیلا دینا اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۝

تمہیں تو شروع میں ہی کہہ دینا چاہیے تھا کہ ہم اس بارے میں لب کشائی نہیں کریں گے، اللہ پاک ہے، اور یہ تو بہتانِ عظیم ہے، نبی کی بیوی پاک ہے، صاف ہے، حضور کا حرم، محترم ہے۔

آج کے بعد ایسا سوچنا بھی مت

"يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝" "اللہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ اگر تم ایمان والے ہو تو آج کے بعد ایسی حرکت نہ کرنا، اور نہ ہی کسی پر ایسے الزام لگانا۔

براءت نازل ہونے کے باوجود اپنی گندی سوچ پر ڈٹے رہنا ہلاکت کا ذریعہ ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

جو لوگ ایمان والوں میں بے حیائی کو رواج دیتے ہیں، براءت نازل ہونے کے بعد بھی اپنی گندی سوچ سے باز نہیں آتے، انہیں دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہوگا، اور اللہ جانتے ہیں، تم نہیں جانتے کہ کون بے حیائی کو رواج دے رہے ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

شیطانی نقشِ قدم پر مت چلو!

فرمایا: ایمان والو! ”لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ“ شیطان کے نقش قدم پہ نہ چلو، بے حیائی کو نہ پھیلاؤ، فحاشی کو رواج نہ دو، فحاشی کو ترویج نہ دو، جو شخص شیطان کی پیروی کرتا ہے تو شیطان اُسے ہمیشہ بے حیائی کے کاموں میں ہی لگا کے رکھے گا (واقعۂ اِفک کی مثال تمہارے سامنے ہے، کیسے کیسے الزامات لگائے گئے)۔

توبہ کی توفیق ملنا بھی اللہ کی عطا ہے

”وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ“ یہ تو اللہ کا کرم ہے کہ وہ تمہیں توبہ کی توفیق بھی دیتا ہے اور توبہ قبول بھی کرتا ہے۔ اگر اللہ کا خاص کرم اور رحمت نہ ہوتی تو یا تو وہ تمہیں توبہ کی توفیق ہی نہ دیتا (جیسے منافقین کو توفیق نہیں ہوئی) یا توبہ قبول ہی نہ کرتا اور تمہیں پاک صاف نہ کرتا۔ کیونکہ اللہ پر کوئی چیز واجب نہیں۔ یہ سب محض اللہ کا فضل و کرم ہے۔

وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْۤا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۪ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

صحابہؓ کی تربیت خود اللہ نے کی ہے

اُمّی عائشہؓ پر تہمت لگانے والوں میں ایک طرح کی شرکت، حضرت مِسْطَح رضی اللہ عنہ کی بھی ثابت ہوئی تھی، جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عزیز تھے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ خالہ زاد بھائی تھے، ”فإنه كان ابن خالة الصديق وكان مسكينًا لا مال له“ (تفسیر ابن کثیر: ۶/ ۳۱) اور حضرت ابوبکر صدیقؓ، ان کے ساتھ مالی تعاون کیا کرتے تھے، لیکن اس واقعے کے بعد طبعی رنج کی وجہ سے انہوں نے قسم اُٹھالی کہ آج کے بعد ”مسطح“ کی مدد نہیں کروں گا۔

ظاہر ہے کہ یہ مالی امداد حضرت صدیقِ اکبرؓ پر بہر صورت واجب بھی نہیں تھی، اس لیے امداد روک لینے میں کوئی گناہ بھی نہیں تھا، لیکن حق تعالیٰ شانہٗ چونکہ صحابہ کی جماعت کو دُنیا کا مثالی معاشرہ بنانے والے تھے، اس لیے اعلیٰ ترین اخلاق کی تعلیم فرمائی کہ ایسی قسم اُٹھانا، آپ کے بلند مقام کے مناسب نہیں۔

اس لیے اللہ پاک نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اہلِ علم و فضل جنہیں اللہ نے دینی کمالات اور راہِ خدا میں خرچ کرنے کی وسعت عطا فرمائی ہے، اُن کی شان کے مناسب نہیں کہ وہ رشتہ داروں کی امداد نہ کرنے کی قسم کھائیں۔

لوگوں سے درگزر کرو! اللہ تم سے درگزر فرمائیں گے

''وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا '' ابوبکر معاف کردو، درگزر کردو، ''أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ '' کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ بھی تمہیں معاف کردے!

جب حضرت ابوبکر نے یہ آیت سنی تو فوراً کہا: '' واللہ إني لأحب أن یغفر اللہ لی '' (بخاری، ص: ۳۹۲) بخدا میں ضرور چاہتا ہوں کہ اللہ مجھے معاف کردے، چنانچہ آپ ؓ نے اپنی قسم توڑ دی اور حضرت مسطح ؓ کی امداد جاری فرمادی۔ نیز یہ بھی فرمایا کہ اب کبھی یہ امداد بند نہیں ہوگی۔

إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝
يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝

براءت کے نزول کے باوجود بدزبانی کرنے والوں پر اللہ کی لعنت ہے

جن لوگوں نے حضرت عائشہ ؓ پر تہمت لگائی اور براءت نازل ہونے کے باوجود توبہ نہیں کی اور تہمت کے چرچے میں لگے رہے، ایسے لوگوں کے کُفر میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ ایسے لوگ دُنیا اور آخرت ہر لحاظ سے دُھتکارے ہوئے اور ملعون ہیں۔ جو شخص بھی قرآنی طہارت نازل ہونے کے باوجود اپنی اس غلیظ فطرت سے باز نہ آئے اور اس تہمت کو حق سمجھے یا اُس کا چرچا کرے، چاہے اس کا تعلق کسی بھی جماعت یا گروہ سے ہو، اس پر اللہ کی لعنت، فرشتوں کی لعنت اور روئے زمین کی ہر چیز کی لعنت برستی ہے اور وہ بہ اِجماعِ اُمت کافر ہے۔ قیامت کے دن خود ان کے اعضا ان کے جرائم کی گواہی دیں گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتَّىٰ تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلَىٰ أَهْلِهَا ۚ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝

پانچواں قانون: قانونِ اِستئذان

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فواحش کی روک تھام اور عفت کے تحفظ کے لیے ایسے احکامات دیے ہیں جن پر عمل کرنے سے ایسے حالات ہی پیدا نہیں ہوتے جن سے بے حیائی کو راستہ ملے۔ انہی احکامات میں سے ''استیذان'' کے احکام بھی ہیں۔ بغیر اجازت کسی کے گھر آنا جانا بھی چونکہ بے پردگی کا سبب بنتا ہے جو بنیاد ہے مزید خرابیوں کی، اس لیے اللہ پاک نے بغیر اجازت، کسی کے گھر داخل ہونے یا جھانکنے سے منع فرمادیا۔

اجازت لینے کی حکمتیں

''استئذان'' کی حکمتیں درج ذیل ہیں:

۱- یہ بات سب جانتے ہیں کہ گھر اور رہائش گاہ کا حقیقی مقصد ''سکون اور راحت'' ہے، ''وَاللَّهُ جَعَلَ لَكُم مِّن

بُیُوۡتِکُمۡ سَکَنًا'' اور یہ راحت تبھی ممکن ہے جب انسان دوسروں کی مداخلت کے بغیر آزادی سے آرام اور کام کر سکے۔ اس لیے اجازت لینے کی ایک اہم مصلحت لوگوں کی اس گھریلو آزادی میں خلل ڈالنے سے بچنا ہے۔

۲- اجازت لے کر کسی کے گھر جانا، شائستہ بندے کی نشانی ہے، اس سے گھر والوں کو بھی راحت ملتی ہے اور وہ بھی شائستگی سے پیش آتے ہیں۔ بصورتِ دیگر لڑائی جھگڑے اور دلی آزردگی ہونا واضح ہے۔

۳- اسی طرح ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ بے پردگی سے تحفظ ہو، تاکہ شیطان دل میں کوئی مرض نہ پیدا کر دے اور بات ''بدنظری'' سے ہوتے ہوئے ''زنا'' یا ''اسبابِ زنا'' تک جا پہنچے۔ (معارف القرآن: ۶/ ۳۸۶)

مکانات کی اقسام

مکانات کی عموماً چار قسمیں ہوتی ہیں:

۱- خاص اپنا رہائشی مکان جس میں غیر کے آنے کا کوئی احتمال نہیں۔ اس میں داخلے کے لیے چونکہ کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں، اس لیے اس کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔

۲- وہ مکان جس میں کوئی اور بھی ساتھ رہتا ہو (خواہ وہ اپنے محارم ہی کیوں نہ ہوں) یا اس میں کسی اور کے آنے کا احتمال ہو۔

۳- وہ مکان جس بارے یقینی بات معلوم نہ ہو کہ یہاں کوئی رہتا ہے یا نہیں! رہنے یا نہ رہنے دونوں کا احتمال ہو۔

۴- وہ مکان جو کسی خاص شخص کی رہائش کے لیے مخصوص نہ ہو بلکہ انتفاعِ عامہ کے لیے بنایا گیا ہو، جیسے مدرسہ، مسجد، ہسپتال وغیرہ۔ (معارف: ۶/ ۳۸۵)

مکانات کی دوسری قسم سے متعلق اَحکام

فرمایا: ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَدۡخُلُوۡا بُیُوۡتًا غَیۡرَ بُیُوۡتِکُمۡ حَتّٰی تَسۡتَاۡنِسُوۡا وَ تُسَلِّمُوۡا عَلٰۤی اَهۡلِهَا ؕ'' کسی کے گھر میں سلام کیے اور اجازت لیے بغیر مت داخل ہوا کرو! ''ذٰلِکُمۡ خَیۡرٌ لَّکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَذَکَّرُوۡنَ ﴿۲۷﴾'' اگرچہ ظاہری طور پر یہ بات تمھیں اپنی شان کے خلاف لگے، لیکن اسی میں تمھاری بہتری اور بھلائی ہے۔

تیسری قسم سے متعلق ہدایات

فَاِنۡ لَّمۡ تَجِدُوۡا فِیۡهَاۤ اَحَدًا فَلَا تَدۡخُلُوۡهَا حَتّٰی یُؤۡذَنَ لَکُمۡ ۚ وَ اِنۡ قِیۡلَ لَکُمُ ارۡجِعُوۡا فَارۡجِعُوۡا هُوَ اَزۡکٰی لَکُمۡ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ عَلِیۡمٌ ﴿۲۸﴾

اگر اُن گھروں میں تمھیں (ظاہری طور پر یہ) لگے کہ اُن میں کوئی نہیں ہے، تب بھی اُن گھروں میں بغیر اجازت داخل نہ ہوں، کیونکہ کسی اور کے خالی گھر میں بلا اجازت گھس جانا بھی شرعاً جائز نہیں ہے۔

"وَإِنْ قِيلَ لَكُمُ ارْجِعُوا فَارْجِعُوا ۖ هُوَ أَزْكَىٰ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ۝" "اگر اجازت طلب کرتے وقت تم سے یہ کہہ دیا جائے کہ (اس وقت) لوٹ جاؤ (ابھی ملاقات نہیں ہوسکتی، یا بندہ سویا ہوا ہے یا ابھی معروف ہے وغیرہ) تو (خوش دلی سے) واپس چلے جایا کرو! یہ تمہارے لیے زیادہ اچھا اور بہتر ہے (بنسبت اس کے کہ وہیں جم کے کھڑے رہو اور اُن کی اذیت کا باعث بنو)۔ یہی حکم اس وقت بھی ہے جب تین مرتبہ اجازت طلب کرنے کے باوجود کوئی جواب نہ ملے۔ اللہ تمہارے سب اعمال کی خوب خبر رکھتا ہے، اگر حکم کی خلاف ورزی کرو گے تو سزا ملے گی۔

بہرکیف! یہ حکم تو اجازت لینے والے کو ہے، تاہم گھر کے افراد کو بھی چاہیے کہ ملاقاتی کو اذیت میں مبتلا نہ کریں اور شدید مجبوری کے بغیر ملاقات سے انکار نہ کیا کریں۔ مہمان کا اکرام کرنا اُس کا شرعی و اخلاقی حق ہے۔

مکانات کی چوتھی قسم

"لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ مَسْكُونَةٍ فِيهَا مَتَاعٌ لَكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ۝"

اگر کوئی گھر ایسا ہو جہاں کسی کی رہائش نہ ہو مثلاً کوئی مدرسہ ہے، مسجد ہے، مرکز ہے، خانقاہ ہے، جہاں کسی فیملی کی رہائش نہیں ہوتی، رفاہِ عامہ کے جو مکانات ہوں (جو کسی کے لیے مخصوص نہ ہوں اور اُن میں داخلے کی کوئی خاص شرط نہ ہو) اور وہاں تمہارا سامان وغیرہ ہو تو بلا اجازت اندر جاسکتے ہو، اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ ایسے مکانات میں جانے کی عادۃً عام اجازت ہوتی ہی ہے۔ (استیذان کے تفصیلی مسائل کے لیے: معارف القرآن، جلد ۶، صفحہ ۳۸۴ تا ۳۹۵، ملاحظہ فرمایئے)۔

قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ۝ وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا ۖ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ النِّسَاءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ ۚ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝

چھٹا اور ساتواں قانون: مرد و عورت دونوں کے لیے نگاہوں کی حفاظت لازم ہے

ان آیات میں عفت کا ایک اور قانون بیان فرما رہے ہیں۔ عفت کے لیے ضروری ہے کہ "زنا" کے اسباب سے بچو! اور زنا کا بنیادی سبب "بدنظری" ہے۔ مرد بھی اپنی نگاہوں کو شرعی حدود میں رکھیں اور عورتیں بھی۔

نگاہ محفوظ ہو تو کردار محفوظ رہتا ہے

فرمایا: ''قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ '' مؤمن مردو! اپنی نظروں کی حفاظت کرو۔ غیر محرم عورت کی طرف تو دیکھو بھی مت! اسی طرح کسی کے شرعی ستر کو بھی بغیر کسی شرعی ضرورت کے دیکھنا جائز نہیں۔

''وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَھُمْ '' شہوت کا بنیادی سبب بدنظری اور اس کا آخری نتیجہ حرام کاری اور زنا ہے۔ قرآنِ پاک نے ابتدائی اور انتہائی نتیجے کو صراحتاً حرام قرار دیا ہے۔ درمیان کے جتنے مقدمات ہیں، وہ سب خود بخود اس میں داخل ہو گئے۔ اسی طرح شہوت رسانی کی ہر ممنوع صورت سے اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرنا ایک مؤمن کا شعار ہے، کیونکہ اگر نظریں محفوظ ہوں تو کردار محفوظ، نظر خراب تو کردار خراب، نظر خراب تو آدمی خراب، نظر خراب تو اعمال خراب۔ کہتے ہیں کہ جس کی نظر خراب ہے اس کی عبادت سے اللہ حلاوت اور لطف اُٹھا لیتے ہیں، اس کو عبادت میں کوئی چاشنی محسوس نہیں ہوتی۔

اس کے بعد عورتوں کو یہی حکم دیا: ''وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِھِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَھُنَّ '' جن چیزوں کو دیکھنا اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس کو خواتین بھی نہ دیکھیں، اپنے کردار اور اپنی نظروں کی حفاظت کریں۔ خواتین کو تاکید کے لیے الگ حکم بیان کیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ خواتین کے لیے پردے کے پیچھے سے بھی غیر محرم مرد کو سرسری نظر دیکھنا بھی خلافِ اولیٰ ہے، بُری نیت سے دیکھنا تو دور کی بات ہے!

عورت پر ''ستر پوشی'' کا اہتمام لازم ہے

''وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَھُنَّ اِلَّا مَا ظَھَرَ مِنْھَا '' فرمایا: عورت پر واجب ہے کہ وہ اپنی زینت (یعنی مواضعِ زینت) کو کسی غیر کے سامنے ظاہر مت کرے۔ ''اِلَّا مَا ظَھَرَ مِنْھَا '' البتہ کام کاج کے دوران جو اعضا عادۃً کھل جاتے ہیں (مثلاً ہاتھ کی ہتھیلیاں، پاؤں اور چہرہ (بشرطیکہ فتنے کا اندیشہ نہ ہو) اور انہیں چھپانا مشکل ہوتا ہے تو ان اعضا کے کُھلا رہنے میں گناہ نہیں۔

مجبوری میں چہرہ اور ہاتھ کھولنے کی گنجائش تو ہے، دیکھنے کی گنجائش نہیں ہے!

اس آیت سے معلوم ہوا کہ عورت کے لیے اصل حکم یہی ہے کہ وہ اپنی زینت کی کسی بھی چیز کو ظاہر نہ ہونے دے۔ حتّی الامکان اپنے ہاتھ کی ہتھیلیوں اور چہرہ وغیرہ کو بھی چھپا کر رکھے۔ تاہم کام کاج اور لین دین کے وقت بامرِ مجبوری اگر یہ اعضا کھل جائیں تو معاف ہے، گناہ نہیں ہے۔ اس کے علاوہ باقی جسم کو ڈھانپ کر رکھو، رشتہ داروں سے بھی ڈھانپ کر رکھو اور پبلک سے بھی ڈھانپ کر رکھو۔

یاد رکھو کہ یہ ''چہرہ، ہاتھ اور پاؤں'' ستر سے خارج ہیں، پردے سے خارج نہیں ہیں۔ بعض لوگوں کو غلط فہمی ہو گئی ہے، وہ کہتے ہیں کہ ان ظاہری اعضا کو اللہ نے مستثنیٰ قرار دیا ہے لہٰذا چہرے کا پردہ نہیں ہے، ارے بھائیو! اُمّی عائشہ رضی اللہ عنہا جب حضور کے ساتھ سفر میں تھیں تو پردے میں تھیں یا بے پردہ تھیں؟ پردے میں تھیں نا! اگر پردہ نہ ہوتا تو یہ مغالطہ ہی کیوں لگتا کہ عائشہؓ کجاوے میں موجود ہے یا نہیں!

نیز جب حضرت صفوانؓ آئے تو حدیث میں صراحت ہے کہ اُمّی عائشہؓ نے اُن سے پردہ کرلیا۔ معلوم ہوا کہ چہرے کا بھی پردہ ہے، ہاں ستر سے یہ خارج ہے، کیونکہ ضرورت کی چیز ہے، اسے محارم کے سامنے کھول سکتی ہے۔

بہرکیف! اس آیت سے یہ کہیں ثابت نہیں ہے کہ "اگر عورتوں کے لیے بأمرِ مجبوری چہرہ اور ہاتھ کھلے رکھنا جائز ہے تو مَردوں کے لیے بلاضرورت ان اعضا کو دیکھنا بھی جائز ہے" یہ کہیں بھی ثابت نہیں ہے!

مَردوں کے لیے اصل حکم وہی ہے کہ اپنی نگاہیں پست رکھو! عورت کی اگر مجبوری ہے تو تمہاری تو کوئی مجبوری نہیں ہے، تم کیوں دیکھ رہے ہو؟

فتنے کا اندیشہ ہو تو چہرے کا چھپانا بھی واجب ہے

حضراتِ فقہائے کرام نے فرمایا کہ اگر چہرے اور ہتھیلیوں پر نظر ڈالنے سے فتنے کا اندیشہ ہو (جیسا کہ موجودہ زمانے میں اس کا عام مشاہدہ ہے) تو اس وقت ان اعضا کو کھول کے رکھنا بھی جائز نہیں ہوگا۔ حُسن کا مرکز، انسانی چہرہ ہے، اسی سے معاملات بگڑتے ہیں۔ اس لیے غیر محرم کے سامنے عورت کا اپنے چہرے کو کُھلا رکھنا ممنوع ہے اور مَردوں کو بلاضرورت کسی غیر محرم خاتون کا چہرہ دیکھنا بھی جائز نہیں ہے۔

سینے پر بھی چادر پھیلا کر رکھو!

"وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ" "اور اپنے سینوں پر اوڑھنیاں ڈال کر رکھو! زمانہ جاہلیت میں عورتیں ایسے کرتی تھیں کہ سر پر اوڑھنی رکھ کر اس کے دونوں کنارے پشت پر ڈال لیتی تھیں جس سے سینہ، گلہ، گریبان وغیرہ کھلے رہتے تھے، سینے پر کوئی چادر نہیں ہوتی تھی، حالانکہ جو شہوت انگیز عضو ہے وہ تو اُبھرا ہوا سینہ ہے جو کہ کھلا ہوا ہے، اس لیے فرمایا کہ چادر سے اپنے سینے کو چھپا کر رکھو۔

سوشل میڈیا کا درست استعمال لازم ہے!

آج کل بے حیائی کا دور ہے، سوشل میڈیا پر بے حیائی اپنے پورے شباب پر ہے۔ ایک کلک کے فاصلے پر دُنیا بھر کی گندگی آپ تک پہنچ جاتی ہے۔ فحاشی اس حد تک گھروں میں داخل ہوگئی ہے کہ وقت سے پہلے بلوغت اور وقت سے پہلے بڑھاپا آنا شروع ہوجاتا ہے۔ ذہنی اور جسمانی کمزوریاں مزید تحفے ہیں۔ یہ سب اسی "بدنظری" کی نحوستیں ہیں۔

خدا کے لیے خود کو اور اپنی اولاد کو "بدنظری" سے بچاؤ! یہی بدنظری، آگے بڑھ کر بدکاری تک پہنچ جاتی ہے اور پھر لوگ روتے پھرتے ہیں کہ میری اولاد کا تو کسی سے ملنا ملانا نہیں تھا، پھر گھر سے بھاگ جانے جیسا واقعہ کیسے ہوگیا! بھائیو! اپنی اولاد کو زمانے بھر کی سہولیات ضرور دو، لیکن ساتھ میں کڑی نگرانی بھی جاری رکھو، ورنہ دُنیا میں تو جو ہو، سو ہو، قیامت کے دِن تم بھی برابر کے مجرم شمار ہوگے۔

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ
اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ
الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۖ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ
زِيْنَتِهِنَّ ۚ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

قانون نمبر ۸: پردے سے اِستثناء

اب یہاں سے اُن مَردوں کا ذکر ہے فرمایا ہے جن کے سامنے عورت بغیر حجاب کے آ جاسکتی ہے، کیونکہ یہ وہ محارم ہیں جن کی طبیعتیں اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر ایسی بنائی ہیں کہ وہ ان عورتوں کی عصمتوں کے محافظ ہوتے ہیں، ان کی ذات سے فتنے کا احتمال نہیں ہوتا۔

نیز شوہر کے علاوہ بقیہ سب مَردوں سے پردے کا استثناء ضرور ہے، شرعی ستر پوشی کا اہتمام ان سے بھی ضروری ہے۔

بارہ مَرد ایسے ہیں جن سے عام حالات میں پردہ ضروری نہیں

ان مَردوں میں سے آٹھ مَرد محارم میں سے ہیں اور بقیہ چار دوسرے لوگ ہیں۔

سب سے پہلے: ۱- شوہر کا ذکر کیا، کیونکہ شوہر کے سامنے تو بیوی کی کوئی چیز مخفی ہی نہیں ہے۔ ۲- خاتون کا باپ۔ اس میں دادا، پردادا سب داخل ہیں۔ ۳- شوہر کا باپ یعنی سسر، اس میں بھی اس کے دادا، پردادا سب داخل ہیں۔ ۴- خاتون کے اپنے بیٹے، ان سے بھی پردہ نہیں۔ ۵- شوہر کے وہ بیٹے جو دوسری بیوی سے ہوں۔ ۶- خاتون کے اپنے بھائی، خواہ وہ سگے ہوں، باپ شریک ہوں یا ماں شریک، سب اسی حکم میں داخل ہیں۔ عُرفی بھائی (خالہ زاد، ماموں زاد، پھوپھی زاد، یا منہ بولا بھائی) اس حکم میں داخل نہیں ہیں۔ ۷- بھائیوں کے بیٹوں (بھتیجوں) سے بھی پردہ نہیں ہے۔ یہاں بھی وہی تفصیل ہے جو نمبر چھ میں بیان ہوئی۔ ۸- بہنوں کے بیٹوں یعنی بھانجوں سے بھی پردہ نہیں۔ نمبر چھ والی تفصیل یہاں بھی لاگو ہوگی۔ ۹- خواتین کے سامنے بھی وہ اعضا کھولے جاسکتے ہیں جو اپنے باپ بیٹے کے سامنے کھولنا جائز ہے۔ کسی شرعی ضرورت کے بغیر خواتین کے سامنے بھی شرعی ستر کھولنا جائز نہیں۔ ۱۰- جو تمہاری لونڈیاں ہیں، چاہے وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم، ان سے بھی پردہ نہیں ہے۔ البتہ غلام سے پردہ ضروری ہے، کیونکہ وہ نامحرَم ہے۔ ۱۱- اسی طرح وہ غافل اور بدحواس مَرد جنہیں نہ تو عورتوں کی ذات سے کوئی رغبت اور دِلچسپی ہو، اور نہ اُن کے احوال اور حُسن و کمالات سے رغبت رکھتے ہوں کہ دوسروں کو بتاتے پھریں، گویا احمق اور مخبوط الحواس قسم کے مَردوں سے بھی پردہ ضروری نہیں ہے۔ البتہ مخنث اور ہیجڑے مَرد اور وہ مَرد جو بہت بوڑھا ہو چکا ہو، یا جماع پر قادر نہ ہو، یہ لوگ اس حکم میں داخل نہیں ہیں۔ ایسے لوگ اگرچہ حقیقت میں جماع پر قادر نہیں ہیں، لیکن عورتوں کے محاسن وصفات کی طرف رغبت فطری بات ہے، ایسے مَردوں سے محتاط رہنا اور پردہ کرنا ضروری ہے۔

۱۲-وہ نابالغ بچے جنہیں عورتوں کے محاسن اور مرد وعورت کے تعلقات بارے کچھ معلوم نہ ہو، ان سے بھی پردہ نہیں ہے۔ البتہ وہ بچہ جو قریب البلوغ ہو اور ان اُمور میں دلچسپی لیتا ہو، یا باریکیاں سمجھتا ہو، اس سے پردہ کرنا واجب ہے۔

وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ۭ

مخفی زینت کا اِظہار بھی جائز نہیں

فرمایا کہ عورتیں جب چلیں تو زمین پر اتنے زور سے پاؤں مار کر نہ چلیں جس سے زیور کی آواز نکلے یا ان کے زیوروں کی آواز مردوں تک پہنچے، بلکہ آہستہ اور آرام سے چلیں۔

خوشبو لگا کر اور کامدار برقعے پہن کر گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں

جب کوئی خاتون خوشبو لگا کر گھر سے باہر نکلے گی اور اس کی خوشبو کسی مرد تک پہنچے گی تو یہ بھی مخفی زینت کا اظہار ہوگا جو شرعاً جائز نہیں۔ بعض روایات میں پھیلنے والی خوشبو لگا کر گھر سے باہر جانے والی خاتون کو "زانیہ" تک فرمایا گیا ہے، کیونکہ خوشبو کی طرف لوگوں کو رغبت ہوگی اور لوگ اس کی طرف مائل ہوں گے جو زنا کا بنیادی مقدمہ ہے۔ "والمرأة إذا استعطرت فمرت بالمجلس فهي كذا وكذا. يعني زانية" (سنن الترمذی:۵/۱۰۶)

اسی طرح مزین رنگوں کے کامدار اور موتیوں والے برقعے اور چادریں پہن کر گھر سے باہر نکلنا بھی ممنوع ہے۔ (معارف:۶/۴۰۶) کیونکہ برقع کا مقصد پردہ ہے تاکہ لوگ اس خاتون کی طرف متوجہ نہ ہوں، جبکہ کامدار اور منقش برقعے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا باعث اور حجاب کے مقصد میں مخل ثابت ہوتے ہیں۔

اگر گھر سے باہر نکلنے کی کوئی شرعی وجہ ہو تب بھی ایسے سادہ لباس، سادہ شکل وصورت میں، خوشبو لگائے بغیر نکلنے کی اجازت ہے کہ کسی کی توجہ اور رغبت نہ ہو، اور خاتون کا پورا جسم ڈھیلے ڈھالے کپڑے میں لپٹا ہوا ہو۔

وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

اَحکامات پر عمل کرنے میں کمی کوتاہی ہو جائے تو فوراً توبہ کرو

مردوں اور عورت کو الگ الگ احکامات دینے کے بعد، اب سب سے اکٹھے خطاب ہے کہ شہوتِ نفسانی کا معاملہ بہت باریک ہے، ہر بندہ اپنے اپنے اعمال کا جائزہ لیتا رہے، اگر خدانخواستہ ان احکامات میں کوتاہی ہوگئی ہو تو اللہ سے خوب ندامت کے ساتھ توبہ کرے اور آئندہ اس گناہ سے دور رہنے کا پختہ عزم کرے۔

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآىِٕكُمْ ۭ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَاۗءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ
وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

قانون نمبر ۹: معاشرے میں نکاح کو عام کیا جائے

شریعتِ اسلام چونکہ ایک معتدل شریعت ہے، اس لیے اگر ایک طرف بے حیائی اور شہوت رانی کے ناجائز طریقوں سے روکا گیا ہے تو ضروری تھا کہ فطری جذبات وخواہشات کی تکمیل کا جائز اور صحیح طریقہ بھی بتایا جائے، اس لیے اِن آیات میں نکاح کے احکامات بیان کیے جارہے ہیں۔

فرمایا: "وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ؕ" نوجوان لڑکے لڑکیوں (خواہ آزاد ہوں یا غلام، بشرطیکہ شرعی حقوق ادا کرنے کے اہل ہوں) کی شادی کرو، یعنی اگر غیر شادی شدہ ہوں تو شادی کرو، اور اگر بیوی فوت ہوگئی یا شوہر فوت ہوگیا یا طلاق ہوگئی تو بھی ان کی شادیاں کرادو۔ اسی طرح اگر غلام یا باندیاں، نکاح کا تقاضا کریں تو آقاؤں پر لازم ہے کہ وہ ان کے نکاح میں روکاوٹ نہ بنیں، اجازت دے دیا کریں۔

ظاہری مال ودولت کو نکاح کے لیے معیار نہ بناؤ

"اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝" اگر فقر ہو یا یہ اندیشہ ہو کہ شادی کے بعد گزارا کیسے ہوگا؟ تو فرمایا کہ اس کی پروا نہ کرو، اللہ تمہیں غنا عطا فرمادیں گے، شادی کے بعد اللہ رزق میں وسعت پیدا فرمائیں گے، رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جسے چاہے، شادی کے بغیر بھی فقیر کردے اور جسے چاہے شادی کے باوجود غنی اور مال دار کردے، اس لیے جو شخص اپنی عفت کے لیے، سنّت سمجھ کر نکاح کرتا ہے اور اللہ پر پورا بھروسا رکھتا ہے، اس کے لیے اللہ کی طرف سے مال داری کا وعدہ ہے۔

نیز اس آیت میں یہ بھی تنبیہ ہے کہ رشتہ کرتے وقت مال داری کو بنیاد نہ بنایا کرو، اگر لڑکا صالح اور قابل ہے تو اللہ کے بھروسے پر رشتہ کردیا کرو، فی الحال غربت کی وجہ سے رشتے سے انکار نہ کرو، کیونکہ اصل چیز صلاحیت ہے، مال تو آنے جانے والی چیز ہے۔ شادی کے بعد احساسِ ذمہ داری کی وجہ سے مشاہدہ یہ ہے کہ شوہر محنت زیادہ کرتا ہے۔ اسی محنت کی برکت سے اللہ پاک تونگری نصیب فرمادیتے ہیں۔

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ

پاک دامن رہنے پر خدائی اِنعام کی اُمید ہے

فرمایا: جن لوگوں کے پاس فی الحال نکاح کی قدرت نہ ہو یا بیوی کے شرعی حقوق ادا کرنے کی وسعت نہ ہو تو وہ لوگ صبر کریں اور پاک دامنی کی زندگی گزاریں، پاکدامنی کی برکت سے اللہ پاک اپنے فضل سے اُنھیں اتنے مالی وسائل عطا فرمائیں گے کہ وہ نکاح پر قادر ہوجائیں گے۔

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ؕ

قانون نمبر ۱۰: قانونِ مکاتبت

فرمایا: ''وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ'' جو غلام یا باندی مکاتب بننا چاہے تو اسے مکاتب بنادو!

''مکاتبت'' کا مطلب

''مکاتب'' کا معنی یہ ہے کہ اگر کوئی غلام یا باندی اپنے مالک کو یہ کہے کہ میں اتنی رقم آپ کو کما کر دیتا ہوں (جو رقم بھی باہمی رضامندی سے طے ہوجائے، کوئی حرج نہیں) آپ مجھے بدلہ میں آزاد کردیں، تو اگر مالک یہ سمجھے کہ یہ واقعی اس لائق ہے کہ کما کر رقم دے سکتا ہے اور اس کی آزادی سے کوئی فتنہ فساد نہیں ہوگا، مسلمانوں کو کوئی نقصان نہیں ہوگا، معاشرے میں گڑبڑ بھی نہیں کرے گا تو اسے چاہیے کہ اپنے مملوک کی اس خواہش کو پورا کرے اور اسے مکاتب بنادیا کرے، یہ افضل اور باعثِ ثواب بھی ہے۔

''مکاتب'' کی رہائی میں تعاون کرنا مسلم معاشرے کی ذمہ داری ہے

ہمیں یہ حکم دیا گیا: ''وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۭ'' تمہیں جو اللہ نے مال دے رکھا ہے اس میں سے ان مکاتبوں کی مدد کرو، زکوٰۃ بھی اس مد میں دی جاسکتی ہے۔ یہ حکم عام مسلمانوں اور غلام کے آقاؤں سب کو ہے کہ مکاتب کے ساتھ مالی تعاون کرو اور اس کے ساتھ رعایت کا معاملہ کرو تاکہ جلد از جلد وہ غلامی سے نجات پاسکے۔

معلوم ہوا کہ جو لوگ شرعی حیثیت سے غلام ہیں، شریعت کا منشا یہ ہے کہ اُن کی آزادی کے زیادہ سے زیادہ راستے کھولے جائیں۔

وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَي الْبِغَاۗءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَنْ يُّكْرِھْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

لونڈیوں کو بھی غلط کاری سے بچا کر رکھو!

زمانۂ جاہلیت میں بعض لوگ اپنی باندیوں کو زنا پر مجبور کرتے تھے، ان سے دھندہ کرواتے تھے کہ پیسے کما کر لائیں، اللہ نے فرمایا کہ خبردار آئندہ ایسے نہیں کرنا! جو ان سے یہ فعل کرائے گا، سخت گناہ گار اور عنداللہ مجرم شمار ہوگا۔

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۭ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ۭ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْۗءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۭ نُوْرٌ عَلٰي نُوْرٍ ۭ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

پوری کائنات، خدائی نُور سے منوّر ہے

ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایمان کے نور کا ذکر کیا، اس کی مناسبت سے اس سورۃ کو "سورۃ نور" کہا جاتا ہے۔

مناسبت

پچھلے رکوع میں اللہ پاک نے "غضِ بصر" کے اَحکامات بیان فرمائے ہیں، ان احکامات کے بعد "نُور" کے بارے آیات لانا دلیل ہے اس بات کی کہ جو شخص اللہ کی رضا کے لیے اپنی نظروں کی حفاظت کرے گا، اللہ اُس کے دل کو اپنے خاص "نُور سے منوّر" فرمادیں گے۔ (تدبر القرآن، ص: ۱۲۲)

فرمایا: "اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔" پوری کائنات کی جو یہ رونق ہے، یہ اللہ کے نُور کی وجہ سے ہے، اللہ آسمان اور زمین اور کُل عالَم کی مخلوقات کے لیے منوِّر (نورِ ہدایت دینے والے) ہیں۔

"نُور" کی عجیب تمثیل

مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ۔ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ۔ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۔

عجیب وغریب تمثیل

"نُوْرِهٖ" کی ضمیر بارے اقوال مختلف ہیں کہ اس کی نسبت "اللہ" کی طرف ہے یا "مؤمن" کے دل کی طرف؟ ہم نے اکثر مفسرین کی اتباع میں دوسرا مفہوم مراد لیا ہے۔

فرمایا اس نور کو ایک مثال سے سمجھو! ایک طاقچہ ہے، اس طاقچے میں ایک چراغ ہے جو شیشے میں بند ہے، شیشہ بھی ایسا صاف ستھرا اور چمکدار جیسے روشن ستارہ ہوتا ہے، اُس پر کوئی داغ اور دھبہ نظر نہیں آتا۔ اس چراغ کا جو تیل ہے وہ زیتون کے ایسے درخت کا ہے جو چٹیل میدان میں کھڑا ہے، "لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ" نہ شرقی جانب (کوئی آڑ) ہے اور نہ غربی جانب (کوئی سایہ) کہ اس پر ٹھیک طرح سے دھوپ نہ پڑتی ہو، آڑ اور رکاوٹ نہ ہونے کی وجہ سے صبح سے شام تک اُس پر خوب دھوپ پڑتی ہے اور ایسے درخت کا روغن بہت صاف شفاف ہوا کرتا ہے۔

"يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ۔" اور وہ ایسا خالص اور چمکدار تیل ہے کہ اگر اسے آگ نہ بھی لگائی جائے تب بھی ایسے لگتا ہے جیسے یہ خود ابھی بھڑک اٹھے گا۔ "نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ۔" پھر اگر اس تیل کو آگ لگا دی جائے تو "نُور علیٰ نُور" ہے۔ کیونکہ ایک تو یہ تیل خود چمکدار تھا، اوپر سے اسے آگ لگادی گئی، پھر کیفیت بھی ایسی کہ چراغ، شیشے میں بند ہے اور شیشے کی چمک ودمک سے روشنی میں مزید اضافہ ہونا واضح ہے۔ پھر طاقچے میں رکھا ہونے کی وجہ سے چراغ کی روشنی اور چمک میں اور زیادہ اضافہ ہوگیا گویا کہ کئی روشنیاں جمع ہوگئی ہیں، "نُور علیٰ نُور" ہے۔

مثال کی تطبیق

ایسے ہی انسان کا بدن طاقچہ ہے جس میں اس کا دل شیشے کی مانند ہے، فطری نُورِ ہدایت، جو ہر مؤمن کے دل میں ودیعت رکھا جاتا ہے، اس کی مثال روغن اور تیل کی ہے جس کا اپنا خاصہ بھی قبولِ حق ہے لیکن جب اس فطری نُورِ ہدایت کے ساتھ وحیٔ الٰہی کا اتصال ہوجاتا ہے تو ایمان کی اور اللہ کی معرفت کی ایسی روشنی پھیلتی ہے کہ اس شخص کی پوری زندگی منور ہوجاتی ہے اور اس کے ذریعے کثیر لوگوں کو ہدایت کی روشنی ملتی ہے۔

نوٹ:- یہ بات ذہن میں رہے کہ فطری نُورِ ہدایت ہر شخص کو عطا کیا جاتا ہے: ''کل مولود یولد علی الفطرۃ'' (البخاری، ص:۲۰۷) تاہم چونکہ اس نُور سے فائدہ عموماً مومن ہی اُٹھاتا ہے، اس لیے مومن کے دل کو اس مثال کے لیے خاص کیا گیا ہے۔

رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۙ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ

بڑی سے بڑی مصروفیت بھی ''ذِکر اللہ'' سے غافل نہیں کرتی

کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ''لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ'' ان کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کے ذِکر سے، نماز سے، روزے سے، زکوٰۃ سے غافل نہیں کرتی۔

''تجارت'' اور ''بیع'' کو اَلگ الگ ذِکر کرنے کا مقصد

تجارت کے مفہوم میں اگرچہ ''بیع'' بھی داخل ہے لیکن بعض حضرات فرماتے ہیں کہ تجارت ایک وسیع مفہوم رکھتی ہے اور اس کے منافع وغیرہ مدتوں بعد وصول ہوتے رہتے ہیں، جب کہ ''بیع'' یعنی کوئی چیز فروخت کرکے نفع کے ساتھ اس کی قیمت عموماً نقد وصول کرلی جاتی ہے، گویا یہ نقد نفع دینے والی تجارت ہے۔ (معارف:۶/۴۲۹)

بہرکیف! ان مومنین کی یہ خاصیت ہے کہ کاروبار چاہے کچھ بھی ہو یہ اپنی نماز بروقت ادا کرتے ہیں، اللہ کے ذِکر اور نماز کے مقابلے میں وہ بڑے سے بڑے دنیوی فائدے کا بھی خیال نہیں کرتے۔ اپنے معمولات پورے کرتے ہیں، وہ اپنی روزانہ کی تلاوت پوری کرتے ہیں، وہ زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ سے ڈرتے ہیں۔ ہماری طرح نہیں کرتے کہ میں پہلے گاہک کو سودا دے دوں، پھر نماز پڑھتا ہوں، یہ گاہک نمٹالوں، نماز بھی پڑھ لوں گا، اسی میں نماز رہ جاتی ہے۔ اس لیے تمام مشاغل کو ''فرع'' اور معمولاتِ دینیہ کو ''اصل'' بنایا جائے، کسی بڑے سے بڑے مشغلے کی وجہ سے دینی معمولات، قضا نہ ہونے پائیں۔

مومن اعمال پر نہیں، خدا پر بھروسا کرتا ہے

"یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ" یہ لوگ اتنے عبادت گزار ہونے کے باوجود، ہر وقت آخرت کی فکر اور خوف میں ڈوبے رہتے ہیں، اپنے اعمال پر بھروسہ کر کے بیٹھ جانے والے نہیں ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کو اللہ پاک آخرت میں خوب نوازیں گے۔

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِیْعَةٍ یَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَهٗ لَمْ یَجِدْهُ شَیْـًٔا وَّ وَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ وَاللّٰهُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ۙ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَاۤ اَخْرَجَ یَدَهٗ لَمْ یَكَدْ یَرٰىهَا ؕ وَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ

کُفّار کی دو قسموں کے لیے الگ الگ مثال

یہاں سے کافروں کے لیے دو مثالیں بیان فرمائی گئی ہیں، کفار کی بنیادی طور پر دو قسمیں بنتی ہیں:

۱۔ بعض ایسے ہیں جو آخرت کی جزاء و سزا کے تو قائل ہیں لیکن اپنے بعض اعمال کو اپنے گمان کے مطابق نیکی اور ثواب کا باعث سمجھتے ہیں، اور ساری زندگی وہی اعمال کرتے رہتے ہیں، حالانکہ اُن اعمال کا نہ تو اللہ نے حکم دیا اور نہ ہی پیغمبر نے انہیں ثواب اور خدائی قُرب کا باعث بتایا، اُنہوں نے خود سے ہی بعض اعمال کو ثواب سمجھ رکھا ہے اور اُن پر اللہ تعالیٰ سے انعام کی امید رکھتے ہیں۔

۲۔ بعض کُفّار ایسے ہیں جو آخرت اور قیامت کے قائل ہی نہیں ہیں۔

پہلی قسم کے کُفّار کی مثال

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِیْعَةٍ یَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَهٗ لَمْ یَجِدْهُ شَیْـًٔا وَّ وَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ؕ وَاللّٰهُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ

جو کافر یہ سمجھتا ہے کہ اس کے اعمال درست اور اجر کا باعث ہیں، نیکیاں بھی ہیں، اس کی مثال ایسے ہے جیسے "كَسَرَابٍۭ بِقِیْعَةٍ یَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً" کوئی پیاسا، چٹیل میدان میں دور سے دیکھے تو چمکتی ہوئی ریت، اُسے پانی محسوس ہوتی ہے (حالانکہ وہ محض سراب ہوتا ہے) جب وہاں سفر کر کے پہنچتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو ریت تھی، پانی تھا ہی نہیں، تو شدتِ پیاس سے تڑپ تڑپ کر مر جاتا ہے۔

فرمایا کہ یہ کافر بھی سمجھ رہا ہے کہ اس کے پاس نیکیاں ہیں جو قیامت کے دن کام آئیں گی، حالانکہ "ایمان" کے بغیر، آخرت میں کوئی نیکی کام دینے والی نہیں۔ جب یہ کل قیامت کو اللہ کے پاس آئے گا تو جیسے اس پیاسے کو وہاں پانی نہیں

ملا، اسی طرح اس کافر کو اس کی کسی نیکی کا اجر نہیں ملے گا، جیسے وہ پیاسا مر گیا، اسی طرح یہ کافر بھی اپنی غلط توقع کی وجہ سے ابدی ہلاکت کا مستحق ہوگا۔

دوسری قسم کے کافروں کی مثال

"اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۭ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۭ" جیسے ایک سمندر کے اندرونی اندھیرے ہوتے ہیں، سمندر کی گہرائی کی وجہ سے تہہ میں اندھیرا سا ہوتا ہے، پھر اسے ایک بڑی موج نے ڈھانپ لیا (اندھیرا مزید گہرا ہوگیا) اس کے اُوپر موج کی ایک اور تہہ بن گئی، مزید اس کے اُوپر گہرے بادل ہوں کہ ستارے وغیرہ کی بھی روشنی نظر نہ آنے پائے۔ اُوپر نیچے اتنے گھٹا ٹوپ اندھیرے ہیں کہ ہاتھ کو ہاتھ نظر نہیں آتا۔

اسی طرح یہ کافر بھی چونکہ آخرت کے ہی منکر ہیں، انہوں نے آخرت کے لیے کوئی کام بھی نہیں کیا، اسی لیے ان کے پاس ظلمت ہی ظلمت ہے، کوئی نور اور روشنی بھی نہیں ہے۔ جیسا کہ اوپر کی مثال میں اندھیرا ہی اندھیرا ہے، اسی طرح یہ کفّار بھی، کفر کے اندھیروں میں، گناہوں کے اندھیروں میں، معاصی کے اندھیروں میں، لہو و لعب کے اندھیروں میں، ہر طرف اندھیروں ہی اندھیروں میں گھرے ہوئے ہیں۔

ہدایت، خالص اللہ کی عطا ہے

"وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝" جسے اللہ ہی نورِ ہدایت نہ دے، اسے کہاں سے نور اور روشنی میسّر آسکتی ہے! یہ کفّار بھی اپنی ہٹ دھرمی اور ضد کی وجہ سے ہدایت پر آنا ہی نہیں چاہتے، پیغمبر کی پیروی پر آمادہ ہی نہیں ہیں تو ہم نے بھی انہیں نورِ ایمان سے محروم کر دیا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰۗفّٰتٍ ۭ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاۗءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَاۗءُ ۭ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ۝ يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَاۗبَّةٍ مِّنْ مَّاۗءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰي بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰي رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓي اَرْبَعٍ ۭ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

"توحید" کے مسکت دلائل

ان آیات میں اللہ پاک نے اپنی توحید کے دلائل ذکر فرمائے کہ زمین و آسمان کی ہر مخلوق میری تسبیح کرتی ہے، بادل

بھیجنا، ضرورت کی جگہوں پر بارش برسانا، اولے گرانا، بجلیوں کی چمک، دن اور رات کا نظام اور قسما قسمی جانداروں کی تخلیق سب میرے کارنامے ہیں اور میں ہی اس سب نظام کو اکیلے دیکھنے اور چلانے والا ہوں، کوئی بھی میرا شریک نہیں۔ نیک رستے کے خواہشمندوں کو سیدھے رستے کی طرف لاتا ہوں جب کہ سرکش لوگوں کو اُنہی کے حال پر چھوڑے رہتا ہوں۔ اس سب کے باوجود لوگ شرک میں لگے ہوئے ہیں، میری توحید کے قائل نہیں۔

وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ۝

منافقین کی مطلب پرستی

اس کے بعد منافقین کا تذکرہ فرمایا کہ یہ دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے لیکن جب اس دعویٰ پر عمل کا وقت آتا ہے تو ان میں سے ایک گروہ (جو ذرا وجاہت اور مال داری رکھتے ہیں) پھر جاتا ہے۔ انہوں نے جب دوسروں کا حق دینا ہو اور وہ لوگ کہیں کہ چلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فیصلے کے لیے چلتے ہیں تو یہ بھاگ جاتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فیصلے کے لیے نہیں آتے کیونکہ انہیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حق کا فیصلہ کریں گے اور ہمیں لوگوں کا حق دینا پڑے گا جو انہیں گوارا نہیں۔ اور اگر خود کسی سے اپنا حق وصول کرنا ہو تو فیصلے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سرِ تسلیم خم کیے اور دوڑتے ہوئے چلے آتے ہیں۔ ایسے ہی منافقین کے لیے یہ آیات نازل ہوئی ہیں۔

اس مطلبی رویے پر چند عقلی احتمالات

اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ۭ بَلْ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

منافقین کے اس مطلبی رویے اور اِعراض کی چند عقلی وجوہات ہو سکتی ہیں

الف:- ان کے دلوں میں کفر چھپا ہوا ہو اور انہیں یقین ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول نہیں ہیں، اس لیے اعراض کرتے ہوں۔

ب:- یا انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبر ہونے میں شک ہو۔

ج:- انہیں ڈر ہوتا ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں انصاف پر مبنی فیصلے نہیں ہوتے اور ہم پر ظلم اور زیادتی ہوگی۔

د:- یا خود ان کے دل میں چور ہے اور یہ خود ان مقدمات میں ظالم ہوتے ہیں، اسی لیے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے فیصلہ کرانے سے ڈرتے ہیں کہ کہیں دوسروں کا حق واپس نہ کرنا پڑ جائے۔

فرمایا کہ یہی آخری وجہ ہی ہے جس کی وجہ سے یہ لوگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے یہودیوں سے فیصلہ کرانے کو ترجیح دیتے ہیں، کیونکہ یہ خود ظالم ہوتے ہیں۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ۝

کامیابی کی چار شرطیں

اس آیت میں چار چیزیں بیان کی گئی ہیں کہ جو شخص ان چار چیزوں کی پابندی کرے گا، وہ دُنیا اور آخرت میں کامیاب رہے گا۔ وہ چار اُمور یہ ہیں:

۱۔ اللہ کی اطاعت: یعنی فرائض کی پابندی کرتا ہے۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت: یعنی سنّتِ نبوی کی پیروی کرے۔

۳۔ خشیت: یعنی گزشتہ زندگی کی کوتاہیوں پر ندامت ہو، سابقہ غلطیوں پر توبہ کرے۔

۴۔ تقویٰ کی پابندی: مطلب آئندہ کے لیے تقویٰ اختیار کرے اور ہر قسمی گناہوں سے دور رہے۔

ان چار اُمور کی پابندی کرنے والا دونوں جہانوں میں سُرخرو رہے گا۔ یہ خدائی وعدہ ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِىْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِىْ شَيْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۝ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝

دِین پر ثابت قدمی کے نتیجے میں تین خدائی اِنعامات

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ جو لوگ دین پر پوری طرح ثابت قدم رہیں گے اور اللہ کے ساتھ کسی قسم کا کوئی شرک نہیں کریں گے تو اُنہیں دُنیا میں تین طرح کے انعامات سے نوازا جائے گا:

۱۔ زمین کی خلافت اور حکومت عطا کروں گا، جیسے میں نے پہلے والے لوگوں کو خلافت دی تھی۔

۲۔ اللہ کے پسندیدہ دینِ اسلام کو غلبہ ملے گا۔

۳۔ مسلمانوں کو اس قدر قوت ملے گی کہ دُشمن کا خوف ختم ہو جائے گا۔

نیز یہ حکمران دنیا کے بادشاہوں کی طرح نہیں ہوں گے، بلکہ ان کے دلوں میں میرا خوف ہوگا، وہ میری عبادت کرتے ہوں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔

خلفائے راشدینؓ کی خلافت، عند اللہ مقبول ہے

اس وعدے کا پورا پورا ظہور حضراتِ خلفائے راشدین کے زمانے میں ہوا کیونکہ اللہ پاک نے جن شرائط کی تکمیل

پر یہ وعدہ فرمایا تھا، وہ شرائط انہی حضرات میں سب سے زیادہ کامل و مکمل تھیں اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ بھی انہی نفوسِ قدسیہ کے عہد میں پورا ہوا۔ اللہ نے حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کو خلافت بھی دی، دین کو غلبہ بھی دیا اور دُشمنوں سے امن بھی دیا۔ ان حضرات نے اللہ کی عبادت بھی کی اور شرک کے خلاف جہاد بھی کیا۔

بعد کے زمانوں میں بھی جو جو ایسے پختہ مسلمان، عادل اور نیک حاکم آتے رہے، انہیں ان کے اعمالِ صالحہ کے مطابق اس خدائی وعدے میں سے حصہ ملتا رہا ہے۔ قُربِ قیامت میں آخری خلیفہ امام مہدی (محمد بن عبداللہ) تشریف لا کر اسلامی حکومت قائم فرمائیں گے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ؕ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

قانون نمبر ۱۱: گھر کے اَفراد کے لیے بھی تین وقت ''استئذان'' ضروری ہے

یہاں سے پھر عفت کے قوانین ذکر فرما رہے ہیں۔ فرمایا کہ تین وقت ایسے ہیں کہ ان تین وقتوں میں گھر کے افراد بھی (ایک دوسرے کے کمروں میں) اجازت لے کر جائیں، نابالغ بچے اور غلام بھی اس حکم سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔

وہ تین اوقات کون سے ہیں؟ فرمایا: ''مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ؕ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ'' فجر کی نماز سے پہلے، دوپہر کے وقت اور عشاء کی نماز کے بعد، کیونکہ ان تین اوقات میں عموماً آدمی آرام میں ہوتا ہے جس میں آدمی بے تکلف رہنا چاہتا ہے، اور تنہائی میں بسا اوقات اعضائے مستورہ کھل بھی جاتے ہیں، کبھی انسان کوئی ایسا مخصوص لباس بھی پہن لیتا ہے جسے لوگوں کے سامنے پہننا مناسب نہیں سمجھا جاتا، اس لیے ان تین اوقات میں بلا اجازت کسی کے پاس نہیں جانا چاہیے، اپنے مملوک لونڈیوں، نابالغ غلاموں (بالغ غلام، اجنبی اور نامحرم ہیں) اور نابالغ بچوں کو بھی سمجھا دو کہ ان تین اوقات میں اجازت طلب کر کے آئیں۔

ان اوقات کے علاوہ گھر کے افراد کے لیے آنے جانے میں حرج نہیں اور نہ ہی اجازت لینے کی ضرورت ہے، کیونکہ ان اوقات کے علاوہ انسان عموماً کام کاج میں مشغول اور مکمل لباس میں ملبوس ہوتا ہے، بے پردگی کا امکان نہیں ہوتا۔

بالغ اور قریب البلوغ لڑکوں کے لیے تو ویسے بھی اجازت کے وہی اَحکام ہیں جو بڑوں کے لیے ہیں، وہ بھی ایسے ہی اجازت مانگ کر اندر جائیں جیسے بڑے اجازت مانگ کر اندر آتے ہیں۔

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ
مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَةٍ ؕ وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝۶۰

قانون نمبر ١٢: بہت بوڑھی عورتوں کے لیے پردے کے اَحکام میں کچھ گنجائش ہے

فرمایا کہ وہ عورتیں جو اس قدر بوڑھی ہو چکی ہوں کہ نہ تو ان کی طرف کسی کی رغبت ہو اور نہ ہی وہ نکاح کے قابل ہوں، ان کے لیے سہولت ہے کہ جن اعضا کا چھپانا محرَم سے ضروری نہیں، غیر محرَم سے بھی وہ اعضا چھپانا اب ضروری اور لازم نہیں رہا۔ اُن کے سامنے پردے سے رہنا اب لازم نہیں رہا۔

بس شرط یہ ہے کہ بن سنور کر اور زیب و زینت کر کے نہ بیٹھے، تاہم اس رعایت کے باوجود اگر ایسی خواتین، غیر محرَم سے بھی پردہ کریں اور چادر اوڑھ لیں تو یہ اُن کے لیے زیادہ بہتر ہے۔

لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْمَرِیْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰۤی اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ
بُیُوْتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اٰبَآىِٕكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ
اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗۤ اَوْ صَدِیْقِكُمْ ؕ
لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِیْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِكُمْ تَحِیَّةً مِّنْ
عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَیِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۶۱

قانون نمبر ١٣: ایک دوسرے کے گھروں سے کھانے پینے کے اَحکامات

ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ جن گھروں میں تمہاری بے تکلفی ہو اور تمہیں یقین ہو کہ ان گھروں میں بلا اجازت خود کھانے پینے یا دوسروں کو کھلانے پلانے سے گھر والے محسوس نہیں کریں گے بلکہ گہرے تعلق یا رشتے کی وجہ سے انہیں اس بات سے خوشی ہو گی تو ایسے گھروں میں بلا تکلف کھانا پینا اور دوسروں کو کھلانا پلانا جائز ہے۔ تمہارے لیے بھی کھانا جائز ہے اور ان ضرورتمندوں کے لیے بھی وہ کھانا، کھانا جائز ہے جنہیں تم اس گھر سے کھلا رہے ہو۔

لیکن جس زمانے یا جس مقام میں ایسا رواج نہ ہو یا مالک کی اجازت مشکوک ہو تو وہاں گھر والوں کی صریح اجازت کے بغیر اس قدر بے تکلفی کا مظاہرہ کرنا اور اس قرآنی اجازت پر عمل کرنا جائز نہیں۔

وہ خاص گھر جہاں عُرفاً اس قدر بے تکلفی ہوتی ہے

فرمایا کہ اپنے گھروں (اولاد کے گھر بھی اسی میں شامل ہیں) سے بلا روک ٹوک کھانا کھا اور کھلا سکتے ہو، باپ، دادا کے گھر سے، ماں، نانی کے گھر سے، بھائیوں، بہنوں کے گھر سے، چچاؤں، پھوپھیوں، ماموؤں اور خالاؤں کے گھروں سے اور ان گھروں سے بلا تکلف کھا پی سکتے ہو جن کی چابیاں تمہارے پاس ہیں (تم ہی مالک اور مختار ہو)۔

اسی طرح اپنے بے تکلف دوستوں کے گھر میں بھی بغیر اجازت کھانا کھا اور کھلا سکتے ہو (اجازت کی شرط وہی ہے جو پہلے پیرایہ میں بیان کی گئی ہے) پھر خواہ ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاؤ یا الگ الگ، دونوں طرح ٹھیک ہے، بس گھر میں داخل ہوتے وقت سلام کرلیا کرو! یہی ہمارے دین کی تعلیمات ہیں۔

نوٹ:- بلا تکلف کھانے پینے کا یہ حکم صرف انہیں مخصوص گھروں تک محدود نہیں بلکہ ہر اُس شخص کے گھر کھانے پینے کا یہی حکم ہے جس کے بارے میں آپ کو یقین ہو کہ اس کی طرف سے ہمارے کھانے پینے یا کھلانے پلانے کی دلی اجازت ہے اور اسے اس سے تکلیف نہیں بلکہ راحت ہی پہنچے گی۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

پیغمبری مجلس کے خصوصی آداب و احکام

فرمایا کہ "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ۭ" ایمان والو! جب تم حضور کے پاس کسی دینی کام کے لیے جمع ہو، کسی اہم ضرورت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع فرمایا ہو تو پہلی کوشش تو یہ کیا کرو کہ مجلس ختم ہونے سے پہلے اُٹھ کر نہ جایا کرو بلکہ یکسوئی کے ساتھ مجلس میں بیٹھا کرو۔ اگر مجلس سے جانے کی ضرورت بھی ہو تو بغیر اجازت اُٹھ کر نہ جایا کرو، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لے کر جایا کرو۔

"فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝" اگر مناسب ہوگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجازت عطا فرمادیں گے اور اگر اجازت نہ ملے تو بیٹھے رہا کرو، چپکے سے کھسک جانا منافقین کا شیوہ ہے۔ نیز اے پیغمبر! جنہیں اجازت دی گئی ہو، ان کے لیے آپ استغفار بھی کریں کیونکہ ان کا کام چاہے جتنا بھی اہم ہو، بہر حال وہ ایک دنیوی کام ہے جب کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے دینی کام کے لیے بلا رکھا تھا، ایک لحاظ سے ان حضرات نے دُنیا کو دین پر ترجیح دی یا انہوں نے اپنی رائے سے ایک غیر ضروری معاملے کو ضروری سمجھ لیا ہو جو بہر حال ایک اجتہادی خطا ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دینے کے باوجود ان حضرات کے لیے استغفار کرنے کا حکم ہے۔ تاہم چونکہ ان صحابہ کی نیت درست تھی، اس لیے اللہ پاک اس اجازت لینے پر کوئی گرفت نہیں فرمائیں گے، اللہ بخشنے والے ہیں رحم کرنے والے ہیں۔

خصوصی مجالس کا یہ حکم ہے

یاد رہے کہ اجازت لینے کا یہ حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان مجالس کے لیے ہے جو کسی دینی ضرورت کے لیے بلائی

گئی ہوں، دیگر عمومی مجالس کے لیے یہ حکم نہیں ہے، کثرت سے واقعات ہیں کہ حضراتِ صحابہؓ، آپ کی عمومی مجالس سے اجازت لیے بغیر اپنی ضروریات کے لیے اُٹھ جایا کرتے تھے، ان پر کبھی نکیر نہیں فرمائی گئی۔

نوٹ:- اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر زمانے کے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ جب ان کے امیر انہیں کسی دینی ضرورت اور اجتماعی معاملے کے لیے جمع کریں تو وہ ان سے اجازت لیے بغیر اس مجلس سے نہ جائیں۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۚ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بُلانے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بُلانے کے اَحکام وآداب

اس آیتِ مبارکہ کی دو تفسیریں ہیں اور دونوں درست ہیں۔

پہلی تفسیر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب لوگوں کو بُلائیں تو اسے عام بندے کے بُلانے جیسا ہرگز مت سمجھو (جس میں نہ آنے کا اختیار ہوتا ہے) اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بُلائیں تو فوراً لبیکو، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم بلائیں تو آنا فرض اور بغیر اجازت واپس جانا حرام ہوجاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بُلائیں اور تم نماز میں ہو تو نماز توڑ دینا ضروری ہے۔

دوسری تفسیر

جب تم اپنی کسی ضرورت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرو تو عام لوگوں کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مت لو، ادب کے ساتھ نام لو، "یا محمدا" کہہ کر نہ بُلاؤ، بلکہ تعظیمی القاب کے ساتھ "یا نبی اللہ!" یا "یا رسول اللہ!" وغیرہ کہا کرو۔

معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کرنا، ادبی کلمات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرنا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر قسمی تکلیف سے بچانا مسلمانوں پر واجب ہے۔

"یا محمد" لکھنا تعظیم نہیں بلکہ بے ادبی ہے

عجیب بات ہے کہ آج کل لوگوں نے اپنے گھروں میں "یا اللہ۔ یا محمد" کے پوسٹر وغیرہ لکھوانے اور لگوانے کو تعظیم سمجھ رکھا ہے، حالانکہ اسی سے تو اللہ پاک نے منع فرمایا ہے کہ حضور کو ان کے نام سے نہ پکارو، جیسے ایک دوسرے کو نام لے کر پکارتے ہو، ادب کے ساتھ نام لو، "رسول اللہ" کہہ کر نام لو، "رحمۃ للعالمین" یا "نبی اللہ" کہہ کر نام لو۔

بزرگوں اور اپنے سے بڑوں کو نام لے کر بُلانا بھی بے ادبی ہے

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے بزرگوں اور بڑوں کو ان کے نام کے ساتھ بُلانا بھی بے تعظیمی ہے۔ انہیں بھی تعظیمی لقب سے بُلانا چاہیے۔ (معارف: ۶/۴۵۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت، دونوں جہانوں میں رُسوائی کا سبب ہے

"فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۝" جو لوگ، اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں، خطرہ ہے کہ اُن پر دنیا میں کوئی آفت یا آخرت میں کوئی عذاب نہ آجائے، یہ بھی ممکن ہے کہ نافرمانی کی نحوست سے دنیا اور آخرت دونوں میں عذاب میں گرفتار ہو جائیں۔

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قَدْ يَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ؕ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ۝

اللہ ہر چیز سے باخبر ہے

فرمایا: دُنیا جہاں کا مالک اللہ ہے اور اسے تمہارے سب اعمال کی خوب خبر ہے۔ قیامت کے دِن اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال تمہارے سامنے رکھ دے گا۔ اللہ سے کچھ بھی مخفی نہیں ہے۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ معاشرے کو جرائم سے پاک رکھو اور ہر ایسے کام سے اجتناب کرو جو بے حیائی کا سبب بن سکے۔

مثلاً اپنی نگاہیں جُھکا کر رکھو، پردے کا اہتمام کرو، بلا اجازت دوسروں کے گھروں میں مت جاؤ، اپنے گھر والوں کی پرائیویسی کا بھی خیال رکھو وغیرہ۔

۲۔ نیز اگر کسی بارے کوئی بات مشہور ہو جائے تو لوگوں پر درج ذیل کام کرنے لازم ہیں:

الف:۔ اپنے مسلمان بھائیوں پر حُسنِ ظن کا مظاہرہ کریں، بدگمانی نہ کریں۔

ب:۔ الزام لگانے والے کی تکذیب کریں اور اس سے دلیل اور ثبوت کا مطالبہ کریں۔

ج:۔ جب تک بات کا ہر پہلو واضح نہ ہو جائے، تب تک کسی قسمی تبصرے سے باز رہیں۔

۳۔ جس سے جرم (زنا، تہمت وغیرہ) ثابت ہو جائے، اُس کے ساتھ نرمی نہ کی جائے بلکہ اُسے (قاضی کے ذریعے) شرعی سزا دلوانے کا اہتمام کیا جائے تاکہ معاشرے سے ایسے قبیح جرائم کا خاتمہ ہو اور کسی کو یہ گناہ کرنے کی ہمت نہ ہو سکے۔

۴۔ اللہ اور اس کے رسول کے اَحکامات کی پاسداری کرو، ان سے سرِمو اختلاف نہ کرو، نیز کوئی کام اور کلمہ ایسا نہ کہو جس سے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی دل آزاری ہو یا اُن کی بے ادبی کا شائبہ ہو۔

تمت سورۃ النور بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ الْفُرْقَان

سورت کا تعارف

یہ سورۃ ''الفرقان'' ہے، جو ہجرت سے پہلے، مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ قرآنی ترتیب میں پچیسویں (۲۵) نمبر پر ہے، جب کہ نزول کے اعتبار سے اس کا نمبر بیالیس (۴۲) ہے، اس میں چھ رُکوع ہیں اور ستتر (۷۷) آیات ہیں۔

وجہ تسمیہ

اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے شروع میں قرآنِ پاک کا ایک صفاتی نام ''الفرقان'' بیان فرمایا ہے جس کا مطلب ہے ''فرق اور امتیاز کرنا''، قرآن چونکہ اپنی واضح تعلیمات کے ذریعے حق اور باطل میں فرق اور امتیاز بتاتا ہے، اس لیے اسے ''فرقان'' بھی کہا جاتا ہے۔ اسی مناسبت سے اس سورت کا نام ''الفرقان'' ہے۔

نیز اس سورت میں مشرکین اور متقین کے خاص اوصاف اور احوال بتا کر ان میں واضح فرق کر دیا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

گزشتہ سورت کے آخر میں توحید کے دلائل ذکر کیے گئے تھے، اس سورت کی ابتداء میں بھی یہی مضمون ہے۔

مرکزی موضوع

''حق اور باطل کے درمیان تفریق'' ہی اس سورت کا مرکزی موضوع ہے۔

عمومی مضامین

اس سورت میں قرآن کی صداقت، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت، قیامت اور احوالِ قیامت کا بیان، توحیدِ باری تعالیٰ کا اثبات اور مومنین کی صفات کو بیان کیا گیا ہے اور ساتھ ساتھ مشرکین کے کچھ شبہات کے جوابات بھی دیے گئے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝۱

وہ ذات بہت بابرکت ہے جس نے اپنے خاص بندے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر حق اور باطل کے درمیان فیصلہ کرنے والی کتاب نازل کی ہے، تاکہ وہ (رسول) سارے جہاں والوں کو (ایمان نہ لانے کی صورت میں عذابِ الٰہی سے) ڈرائے۔

الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا۝

توحید کے دلائل

پھر اللہ نے توحید کے دلائل دیے "الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" آسمان اور زمین کا ملک اللہ کا ہے، اس کی کوئی اولاد نہیں ہے، ملک میں اس کا کوئی شریک نہیں، اس نے ہر چیز کو اکیلے اور بغیر کسی سابقہ نمونے کے نہ صرف پیدا کیا بلکہ ہر چیز کے مقصد کے موافق اُس کے خواص، اجزاء اور جسمانی ساخت بھی بنائی ہے۔ زمین و آسمان کی ساری چیزیں محض مخلوق ہیں، خالق صرف ایک اللہ ہے۔

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكُ اِفْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَیْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا۝ وَقَالُوْۤا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِیَ تُمْلٰى عَلَیْهِ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا۝ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا۝

مشرکینِ مکہ کے پانچ بنیادی اعتراضات

مکہ کے مشرک لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب اور لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت سے دور رکھنے کے لیے قرآنِ پاک اور نبوتِ محمدی پر نت نئے اعتراض کیا کرتے تھے۔ یہاں سے اُن کے کچھ شبہات کو بیان کر کے اُن کا جواب دیا جارہا ہے:

اعتراض نمبر ۱

جس کلام کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کی طرف منسوب کر رہے ہیں، یہ اللہ کا کلام تھوڑی ہے! یہ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا اپنا خود ساختہ کلام ہے جو انہوں نے دوسرے لوگوں (وہ اہلِ کتاب جو ایمان لائے تھے یا ویسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے) کی مدد سے بنالیا ہے۔ اس کلام کی اللہ کی طرف نسبت غلط ہے۔ یہ ان کا اپنا گھڑا ہوا کلام ہے۔

کبھی یوں کہتے کہ یہ قرآن، پہلے والے لوگوں کے قصے کہانیوں کا مجموعہ ہے جسے یہود و نصاریٰ سے سُن سُن کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے عمدہ انداز میں اپنے ساتھیوں کو لکھوا دیا ہے۔ پھر انہی لکھے ہوئے قصوں کو صبح شام سُن کر یاد کرتے رہتے ہیں اور پھر آ کر ہمیں سناتے ہیں کہ اللہ پاک نے یہ "وحی" بھیجی ہے۔ معاذ اللہ!

جواب

فرمایا کہ یہ لوگ کتنی ڈھٹائی سے جھوٹ بولتے ہیں! سب دلیلیں اور جوابات ایک طرف، اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ کلام

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خود یا کسی کی مدد سے بنالیا ہے تو تمہیں قیامت تک کھلا چیلنج ہے کہ تمام جن وانس کو اپنے ساتھ ملا لو اور باہمی مشورے سے اس جیسا مکمل کلام تو کیا، اس جیسی ایک آیت ہی بنا کر لے آؤ!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں جان ومال تک کی بازی لگانے، دشمنی میں آخری حد تک جانے اور حد درجہ فصاحت وبلاغت رکھنے کے باوجود اُن لوگوں سے یہ چیلنج پورا نہ ہوسکا اور اس ناکامی کا وہ خود بھی اعتراف کیا کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ کسی انسان کا کلام ہے ہی نہیں بلکہ خالقِ دو جہان کا کلام ہے۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۙ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ۭ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ۝

اعتراض نمبر ۲

یہ مشرک کہتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا رسول ہونا ہم کیسے تسلیم کرلیں! کیونکہ یہ تو عام انسان ہیں اور انسانوں کی طرح ہی کھاتے پیتے اور (ضروریات کے لیے) بازار آتے جاتے رہتے ہیں! حالانکہ رسول اور پیغمبر تو کسی فرشتے کو ہونا چاہیے تھا جو اِن ضروریات سے مستغنی ہوتا اور اگر بالفرض رسول، خود فرشتہ نہ ہوتا تو کم سے کم اس کی تصدیق کے لیے کوئی فرشتہ اِن کے ساتھ ضرور ہونا چاہیے تھا۔ یا کم سے کم ان کے پاس اتنا خزانہ اور باغات ہوتے کہ یہ اپنی ضروریات کے لیے بازار کا رُخ نہ کرتے۔

چونکہ نہ تو یہ خود فرشتہ ہیں اور نہ کوئی فرشتہ ساتھ ہے اور نہ ہی مال داری حاصل ہے تو ایسی باتیں تو وہی بندہ کرسکتا ہے جس پر جادو ہوگیا ہو اور وہ جادو کی وجہ سے ایسی بہکی بہکی باتیں (نبوّت کا دعویٰ) کرتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ: ۱-ہم کسی انسان کو رسول ماننے کے لیے تیار نہیں جب تک اُس کے پاس مالداری نہ ہو۔ ۲-یا پھر یہ خود فرشتہ ہو یا کوئی فرشتہ ان کا معاون ہو جو ان کے رسول ہونے کی تصدیق کردے!

جواب

اللہ پاک نے پہلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ: ''اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝'' دیکھو یہ لوگ کیسی کیسی جاہلانہ باتیں کررہے ہیں! یہ گمراہ خود ہیں، لیکن یہ سمجھتے ہیں کہ یہ حق پر ہیں۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْٓ اِنْ شَاۗءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ۝

یہ فقر وفاقہ اِضطراری نہیں، اِختیاری ہے

فرمایا کہ یہ لوگ جو ہمارے حبیب کی رسالت اگر صرف اس وجہ سے تسلیم نہیں کررہے کہ ''ان کے پاس مال ودولت

اور باغات وغیرہ نہیں ہیں'' تو ہمارے لیے یہ قطعاً مشکل نہیں ہے کہ ہم اپنے نبی کو مال و دولت کے خزانے دے دیں، خوب صورت باغات اور عالیشان محلات دے دیں (جو مشرکین کے مطالبے سے بھی بڑھ کر ہوں) یا پھر بڑی بڑی عالیشان سلطنتوں کا مالک بنا دیں (جیسا کہ حضرت یوسف، داؤد اور سلیمان علیہم الصلوٰۃ والسلام کو عطا بھی کی گئی ہیں) لیکن مخلوق کی مصلحت اور بے شمار حکمتوں کا تقاضا یہ تھا کہ انبیاءؑ کو اس جھنجھٹ سے دور ہی رکھا جائے، نیز وہ پاکباز نفوس بھی مال و دولت میں کوئی دلچسپی نہیں لیتے بلکہ فقر و فاقہ ہی میں رہنا پسند کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ یہ فقر و فاقہ اختیاری ہے، اضطراری نہیں۔ انبیائے کرام کی اپنی خواہش بھی یہی ہے اور بے شمار مصلحتوں کا تقاضا بھی یہی ہے۔ ورنہ اللہ کے لیے مال و دولت کے خزانے کھول دینا کچھ مشکل نہیں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِى الْاَسْوَاقِ ۭ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۭ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ۝

کوئی ایک نبی/رسول ''فرشتہ'' دکھا دو!

باقی جہاں تک اس باطل گمان کا تعلق ہے کہ ''رسول تو انسان ہو ہی نہیں سکتا، وہ تو فرشتہ ہوتا ہے'' تو اس شبہ کا جواب یہ دیا: ''وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِى الْاَسْوَاقِ ۭ'' جن انبیاء کو تم بھی نبی اور رسول مانتے ہو، وہ بھی تو انسان ہی تھے! سب کھانا کھاتے تھے، بازاروں میں آمد و رفت رکھتے تھے، کوئی مافوق الفطرت نہیں تھا، کوئی بشریت سے باہر نہیں تھا، کوئی فرشتہ نہیں تھا، کوئی نوری نہیں تھا، سارے بشر تھے سارے انسان تھے، ساری انسانی ضروریات ان کے ساتھ وابستہ تھیں۔ معلوم ہوا کہ انسان ہونا یا انسانی ضروریات کا وابستہ ہونا، منصبِ نبوّت و رسالت کے خلاف نہیں۔ کوئی ایک نبی و رسول ایسا ثابت کر دو جو اپنی جنس کے لحاظ سے انسان نہ ہو بلکہ فرشتہ ہو! لہٰذا یہ لغو اعتراض ہے۔

معاشی مساوات نہ ہونے میں بڑی حکمت پوشیدہ ہے

فرمایا: ''وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۭ'' اللہ تعالیٰ کو مکمل قدرت تھی کہ دُنیا میں سب کو یکساں مالدار، عالی مرتبہ اور صحت مند بنا دیتے، کسی کو کسی پر کوئی معاشی، مرتبی، جسمانی و ذہنی فوقیت نہ ہوتی۔ لیکن اس سے عالَم کا نظام بگڑ جاتا، اسی لیے اللہ پاک نے سب کو یکساں نہیں بنایا اور اسی میں ہر طبقے کے لیے آزمائش بھی ہے۔

حضراتِ مفسرینؒ فرماتے ہیں کہ دنیا میں ہر آدمی کی حالت خود اس کے لیے بھی آزمائش ہے اور دوسروں کے لیے بھی آزمائش ہے، بیمار کے لیے بیماری آزمائش ہے اور صحت مند کے لیے صحت آزمائش ہے۔ بیمار کے لیے صبر اور صحت مند کے لیے صحت پر شکر کرنا لازم ہے۔ اسی طرح فقیر، دولت مند کے لیے آزمائش، رعایا، حاکم کے لیے آزمائش، تم سب ایک دوسرے کے لیے آزمائش ہو۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کا ظاہری فقر بھی اُمّت کے لیے آزمائش ہوتا ہے

اس لیے اللہ پاک نے اپنے انبیائے کرام کو دُنیا میں ایسی حالت پر رکھا ہے تا کہ اُمّت کے لیے آزمائش بن جائیں کہ کون ان کے بشری حالات اور غربت کو دیکھ کر ان کی تکذیب کرتا ہے اور کون ان کے نبوی کمالات میں غور کر کے ان کی تصدیق کرتا ہے۔

لہٰذا اے پیغمبر! "اَتَصْبِرُوْنَ" آپ کو ان کی باتوں پر صبر کرنا چاہیے "وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا" تمہارا رب خوب دیکھ رہا ہے اور وقت آنے پر انہیں اس پر خوب سزا بھی دے گا، آپ کو ان کے فضول اعتراضات سے پریشان نہیں ہونا چاہیے۔

پارہ نمبر ۱۹

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾

اعتراض نمبر ۳

مشرکین اور کفار، جن کا اللہ کی وحدانیت، حضور کی رسالت اور قیامت پر ایمان نہیں تھا، ان کا ایک شبہ یہ بھی تھا کہ اگر آپ نبی ہیں تو ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں آتے اور ہمیں اللہ نظر کیوں نہیں آتے! یا تو اللہ ہمیں نظر آئے اور ہمیں خود کہے کہ "محمد" میرا بھیجا ہوا ہے، یا پھر ہمارے پاس فرشتے آئیں جو آپ کی رسالت کی گواہی دیں!

جواب

اللہ نے اس کا جواب دیا کہ "لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ وَعَتَوْا عُتُوًّا كَبِيْرًا" تمہاری اس ڈھٹائی کی وجہ تمہارا تکبر ہے جس کے سبب تم اللہ اور فرشتوں کے دیکھنے کا مطالبہ کر رہے ہو، یا اپنے آپ کو اس قابل سمجھتے ہیں کہ فرشتے یا خود حق تعالیٰ آ کر ان سے کلام کرے! ایسی جاہلانہ فرمائشیں تو وہی کر سکتا ہے جو آخرت کا بالکل منکر ہو۔

محرومی کے دو اسباب

یاد رکھو کہ ہدایت سے محرومی کے دو اَسباب اللہ نے قرآن میں بار ہا ذکر فرمائے ہیں:

۱۔ ان میں سے ایک تکبر ہے۔

۲۔ دوسرا سبب سرکشی ہے۔

اللہ نے تمام قوموں کے تذکرے میں اس بات کا ذکر فرمایا کہ انہوں نے انبیاء کے پیغام کو نہ مانا جس کی وجہ ان کا تکبر تھا "فاستکبروا، لقد استکبروا" وغیرہ الفاظ کے ذریعے اس کی وضاحت کی گئی، کہ انہوں نے تکبر کیا، اپنے آپ کو بڑا

سمجھا جبکہ نبی کو حقیر سمجھا، اپنے آپ کو مقام والا سمجھا جبکہ نبی کو بے مقام سمجھا، داعی کو حقارت کی نظر سے دیکھا اور خود کو بلندی کی نظر سے دیکھا۔ دوسرا سبب سرکشی ہے۔

يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ وَيَقُوْلُوْنَ حِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۝

فرمایا کہ فکر مت کرو! فرشتے دیکھنے کی تمہاری خواہش ضرور پوری کریں گے، تمہیں فرشتے ضرور دِکھائیں گے، لیکن وہ دِن (قیامت کا دِن) ان کے لیے کوئی خوشی اور برکت والا دِن نہیں ہوگا بلکہ جب یہ فرشتوں کو عذاب کے اسباب کے ساتھ آتا دیکھیں گے تو اس وقت گھبرا کر پناہ مانگیں گے لیکن اب پناہ نہیں ملے گی، تباہی ان کا مقدر بن چکی ہوگی۔

وَقَدِمْنَآ اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ۝

کُفّار کے اعمال کو "ہوا" میں اُڑا دیا جائے گا

اور اس دِن اگر یہ کُفّار کچھ دنیوی نیکیاں لے کر بھی آئیں گے تو "فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا ۝" ہم اسے اُڑتی ہوئی خاک کی طرح کر دیں گے، ان کی ساری نیکیاں برباد ہو جائیں گی، کیونکہ آخرت میں ایمان کے بغیر کوئی نیکی کارآمد نہیں ہے۔

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ۝ وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ۝ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ ۭ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ عَسِيْرًا ۝

اُخروی اَحوال کی مختصر منظر کشی

جب حساب کتاب کا دِن ہوگا تو آسمان کُھل جائے گا، اس میں سے ایک بادل (اللہ پاک کی تجلّی کے ساتھ) نیچے آئے گا جس کے ساتھ بکثرت فرشتے بھی ہوں گے، اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ مخلوقات کے اعمال کا حساب لیں گے (جو بعض روایات کے مطابق نصف النہار تک مکمل ہو جائے گا) کافر لوگ اس دِن سخت پریشانی میں ہوں گے (کیونکہ ان کا انجام جہنّم ہی ہے) جب کہ جنّت کے ٹکٹ ہولڈر لوگ، اُس دِن دوپہر کا آرام بھی عالیشان ٹھکانوں میں کریں گے (دوپہر کو ہی اپنی اپنی جنّت میں پہنچ جائیں گے) اور ان کی مستقل رہائش گاہیں تو ہوں گی ہی عالیشان!

وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ۝ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا ۝ لَقَدْ اَضَلَّنِيْ عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ اِذْ جَآءَنِيْ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِلْاِنْسَانِ خَذُوْلًا ۝

غلط دوست دُنیا و آخرت کی رُسوائی کا باعث ہیں

اس دِن کافر اور ظالم لوگ افسوس کے ہاتھ ملیں گے، افسوس اور غصہ کی وجہ سے اپنے ہاتھوں کو کاٹیں گے، آدمی جب بہت زیادہ غصہ اور افسوس میں ہوتا ہے تو ہاتھ کاٹتا ہے، تو یہ بھی بہت زیادہ افسوس اور غصہ میں ہوں گے اور کہیں گے اے کاش! میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ تعلق بنا لیتا، اے کاش! میں حضور کی غلامی اختیار کر لیتا، اے کاش! میں حضور کا

فرمانبردار بن جاتا اور اے کاش میری گندے لوگوں کے ساتھ دوستی نہ ہوتی، میں فلاں بدبخت کو یار نہ بناتا جس نے مجھے گمراہ کیا، حالانکہ میرے پاس حق آچکا تھا، شیطان نے مجھے رُسوا کر دیا۔

سوچ سمجھ کر دوست بنانے چاہئیں

غلط سوسائٹی اور برے دوست آدمی کی گمراہی کا ذریعہ بھی ہوتے ہیں، اور وہ دوست رکاوٹ بن جاتے ہیں، اسی لیے حضور نے فرمایا: "الرجل علی دین خلیلہ فلینظر أحدکم من یخالل" (ابوداؤد: ۴/ ۴۰۷) آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، جیسے دوست بناؤ گے ویسے چلو گے، اسی کے دین پر چلو گے،" فلینظر أحدکم من یخالل" تو دوست بناتے وقت دیکھ لیا کرو کہ کسے دوست بنا رہے ہو، اس کا عقیدہ ٹھیک ہے؟ اس کا کریکٹر اور کردار ٹھیک ہے؟ وہ اللہ کا نیک بندہ ہے یا بدبخت اور بدکردار بندہ ہے؟ نمازی ہے یا بے نمازی ہے؟ شریف بچے، شریف لوگ شرابیوں کی سوسائٹی میں بیٹھ کر شرابی بن جاتے ہیں، چوروں اور ڈاکوؤں کی سوسائٹی میں جاتے ہیں تو چور اور ڈاکو بن جاتے ہیں، نیک نیک گھرانوں کے بچے اور آج کل کی نسل انہی غلط دوستیوں کی وجہ سے خراب ہو جاتی ہے۔

شانِ نزول

"عقبہ بن ابی معیط" ایک بڑا کافر تھا، اس کی عادت تھی کہ جب بھی سفر سے واپس آتا تو معززین مکہ کی دعوت کرتا تھا، ایسے ہی ایک موقع پر اس نے مکہ والوں کی دعوت کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بلایا، آپ تشریف لے گئے اور وہاں جا کر فرمایا کہ میں اس شرط پر کھانا کھاؤں گا کہ تم اسلام لے آؤ، اس نے کہا کہ میں کلمہ پڑھتا ہوں، کلمہ پڑھ کر اسلام قبول کر لیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کھانا تناول فرما کر واپس تشریف لے آئے۔

عقبہ کے گہرے دوست "اُبَیّ بن خلف" کو جب "عقبہ" کے اسلام قبول کرنے کا علم ہوا تو بہت ناراض ہوا اور "عقبہ" سے پوچھا کہ میں نے سنا ہے تو مسلمان ہو گیا ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں میں نے اسلام قبول کر لیا ہے: کیونکہ قریش کے معزز فرد محمد نے کہا تھا اگر تم اسلام قبول نہیں کرو گے، تو میں کھانا نہیں کھاؤں گا، مجھے مہمان کو خالی واپس بھیجنا مناسب نہیں لگا، اسی لیے کلمہ پڑھ لیا۔

اس نے کہا کہ اچھا اگر تُو اَب اسلام کو نہیں چھوڑتا تو تیری میری دوستی ختم، اور اگر میرے ساتھ دوستی رکھنی ہے تو ابھی جا اور......نعوذ باللہ......نعوذ باللہ......نعوذ باللہ...... نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ پر تھوک کے آ اور اس دین سے اظہار براءت کر! تب جا کر میں تجھے سچا سمجھوں گا!

اس بدبخت نے ایسے ہی کیا، جس پر اللہ پاک نے یہ آیت نازل فرمائی کہ یہ جو آج اپنے یار کی باتیں مان کر دینِ حق کو چھوڑ رہا ہے اور اتنی بڑی گستاخی کا مرتکب ہو رہا ہے، کل کو دونوں پچھتائیں گے، اور ایسا ہی ہوا! دونوں غزوہ بدر میں قتل ہوئے، دونوں یار جہنم رسید ہوئے، یہ تو دُنیوی رسوائی تھی، آخرت کی رسوائی بارے یہی آیت شاہد ہے کہ جب آخرت کے

عذاب کو دیکھے گا تو حسرت وندامت سے کہے گا کہ کاش میں "اُبی بن خلف" کو دوست نہ بناتا اور راہِ حق نہ چھوڑتا! پھر سوائے حسرت کے اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ اللہ تعالیٰ اچھے دوست نصیب فرمائے۔ آمین

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا۝

"میری اُمّت قرآن چھوڑ بیٹھی ہے!"

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک شکایت اللہ نے ذکر فرمائی، حضور نے دُنیا میں یہ شکایت کی یا آخرت میں شکایت کریں گے، دونوں قول ہیں (اگلی آیت میں اللہ کی طرف سے تسلی دینا اس بات کا ظاہری قرینہ ہے کہ دُنیا میں شکایت کی جا چکی ہے۔ واللہ اعلم) اور وہ شکایت یہ ہوگی کہ اے میرے رَبّ میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ دیا، پیٹھ پیچھے ڈال دیا، میری اُمّت، میرا کلمہ پڑھنے والے اور میری اُمّت کہلانے والوں نے اس قرآن کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا۔

قرآن کو عملاً ترک کرنا بھی بہت بڑا گناہ ہے

ظاہر یہی ہے کہ قرآن کو "مہجور ومتروک" کرنے سے مراد قرآن کا انکار ہے جو کفار ہی کا کام ہے، لیکن بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ، قرآن پر ایمان تو رکھتے ہیں لیکن اس کی تلاوت نہیں کرتے وہ بھی اس میں شامل ہیں، اور جو اس قرآن پر عمل نہیں کرتے وہ بھی اس شکایت میں شامل ہیں۔ (معارف القرآن: ۶/ ۴۷۱)

"اور تم خوار ہوئے تارکِ قُرآں ہو کر!"

آج اُمّت کا حال سب کے سامنے ہے! اس پستی کا بنیادی سبب ہی قرآن اور قرآنی تعلیمات کو چھوڑ دینا ہے، ورنہ آپ دیکھیں قرآن نے ہمیں کتنے شاندار، سونے سے قیمتی نصائح دیے، اَحکام دیے، عبرتیں بیان کیں، علوم کے خزانے عطا کیے، کتنے قیمتی قیمتی موتی فراہم کیے، قرآنی مجالس اور دروس سے ہمیں روحانی ترقی اور اللہ کی رحمت کے ساتھ ساتھ پتا نہیں کیا کیا موتی ملتے ہیں! اللہ ہم سب کو قرآن کریم کا حق ادا کرنے والا بنائے۔ آمین

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِيْنَ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا۝

دِین کے کام میں آنے والی مشکلات سے گھبرانا نہیں چاہیے

فرمایا: میرے نبی! اگر عقبہ بن اَبی معیط اور اُبیّ بن خلف جیسے آپ کے دشمن ہیں جو قرآن کو نہیں مانتے تو آپ کو اس پر صبر کرنا چاہیے، یہ کوئی نئی بات نہیں جس پر پریشان ہوا جائے، ہر نبی کے لیے کچھ مجرم لوگ، دشمن بنتے آئے ہیں، وہ انبیاء بھی اس پر صبر کرتے رہے، لہٰذا آپ بھی تسلی رکھیں، اس پر گھبرائیں نہیں۔ ہدایت دینا بھی آپ کے رَبّ کا کام ہے اور مجرموں کے خلاف آپ کی مدد کرنا بھی آپ کے رَبّ کی ذمہ داری ہے، آپ اطمینان سے دعوت وتبلیغ کا فریضہ سرانجام دیتے رہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا۝

مشرکین کا اعتراض نمبر ۴

کفارِ مکہ کے عامیانہ اعتراضات میں سے ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ "اگر قرآن خدائی کلام ہے تو اکٹھے کیوں نہیں نازل ہو جاتا! وقفے وقفے سے نازل ہونے کا مطلب یہی ہے کہ یہ خدائی کلام نہیں ہے بلکہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خود سوچ سوچ کر تھوڑا تھوڑا کلام بناتے رہتے ہیں" العیاذ باللہ!

جواب

اللہ پاک فرماتے ہیں کہ ہم نے یہ کلام اس لیے تدریجاً نازل کیا کہ اس میں بہت سی حکمتیں پوشیدہ ہیں:

انہی حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ کفار کے نت نئے اعتراضات کے جواب میں جب تازہ کلام نازل ہوتا ہے تو جیسے یہ خدائی معیت کی دلیل بنتا ہے، ویسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ سلیم کے لیے تسلی اور اطمینان کا باعث بھی بنتا ہے۔

وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ﴿۳۳﴾

یہ لوگ جیسا بھی سوال کریں، ہم اس کا زبردست اور بہترین جواب آپ کو بتا کر آپ کے لیے دلی تقویت کا سامان کرتے ہیں۔ انہی وجوہات کی وجہ سے ہم نے تدریجاً کلام نازل کیا، ورنہ یکبارگی نازل کرنا کچھ بھی مشکل نہ تھا۔ اگر پورا قرآن یکبارگی نازل ہو بھی جاتا تب بھی اِن لوگوں نے انکار کا اور کوئی بہانہ ڈھونڈ ہی لینا تھا۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَا مَعَهُ أَخَاهُ هَارُونَ وَزِيرًا ﴿۳۵﴾ فَقُلْنَا اذْهَبَا إِلَى الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَدَمَّرْنَاهُمْ تَدْمِيرًا ﴿۳۶﴾

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قلبی تسلی کے لیے گزشتہ انبیاء کے احوال بیان کیے جاتے ہیں

ان آیات میں زمانہ ماضی کے چند واقعات اور حضرات انبیاء علیہم السلام کے تذکرے شروع فرمارہے ہیں، اور ان میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کا سامان ہے کہ جیسے گزشتہ انبیائے کرام کی اللہ نے مدد فرمائی اور انہیں ان کے دشمنوں پر غالب فرمایا، یہ سب آپ کے لیے بھی ہوگا اور آپ کے دشمن عنقریب مغلوب ہو جائیں گے۔ لہٰذا آپ پریشان نہ ہوئیے!

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے کی طرف اشارہ

ان واقعات میں سے سب سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ فرمایا۔ چنانچہ فرمایا: "وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَا مَعَهُ أَخَاهُ هَارُونَ وَزِيرًا" "ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا کی اور ان کے بھائی ہارون کو ان کا وزیر بنایا۔

پھر ہم نے ان سے کہا: "فَقُلْنَا اذْهَبَا إِلَى الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَدَمَّرْنَاهُمْ تَدْمِيرًا ﴿۳۶﴾" دونوں اس قوم کے پاس جاؤ جو ہماری آیات کو (جو پچھلے انبیاء کے توسط سے ان تک پہنچی ہیں یا توحید کے عقلی دلائل کا انکار مراد

ہے۔معارف) جھٹلا رہے ہیں، لیکن ان لوگوں نے سمجھانے کے باوجود اپنے انبیاءؑ کی باتوں کا کوئی اثر نہیں لیا تو ہم نے انہیں اُکھیڑ پھینکا اور بالکل تباہ کر ڈالا۔

وَقَوْمَ نُوْحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ اَغْرَقْنٰهُمْ وَجَعَلْنٰهُمْ لِلنَّاسِ اٰيَةً ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ عَذَابًا اَلِيْمًا

قومِ نوح بھی تکذیب کی وجہ سے ہلاک کی گئی

فرمایا کہ نوح علیہ السلام کی قوم کو دیکھ لو، انہوں نے بھی ہمارے رسولوں کو جھٹلایا (کیونکہ ایک نبی کا انکار در حقیقت سب انبیاؑ کا انکار ہے) تو ہم نے اُنہیں غرق کر کے دنیا والوں کے لیے عبرت بنا دیا اور آخرت میں ہم نے ان کے لیے دردناک سزا تیار کر رکھی ہے۔

وَّعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ وَقُرُوْنًۢا بَيْنَ ذٰلِكَ كَثِيْرًا

قومِ عاد، قومِ ثمود اور بہت سی قومیں تباہ کردی گئیں

اسی طرح قوم عاد کو دیکھ لو، قوم ثمود کو دیکھ لو، اسی طرح اُس قوم کو دیکھ لو جو ''کچے کنویں'' کے قریب آباد تھی جنہیں ''اَصْحٰبَ الرَّسِّ'' کہا جاتا ہے۔ان سب کو اور ان کے بیچوں بیچ بہت سی اُمتوں کو ہم نے ہلاک کر دیا۔

''اَصْحٰبَ الرَّسِّ'' کون ہیں؟

''رَسّ'' کا لغوی معنٰی ہے ''کچا کنواں'' جس کی پختہ منڈیر نہ ہو، قرآنِ کریم اور صحیح احادیث میں نہ تو اس قوم کے احوال بیان کیے گئے ہیں اور نہ ہی ان پر آنے والے عذاب کی کوئی تفصیل بتائی گئی ہے۔

اسرائیلی روایات اس بارے مختلف ہیں، راجح یہ ہے کہ یہ ''قومِ ثمود'' کے باقی ماندہ لوگ تھے جو کسی کنویں کے قریب آباد تھے، اسی مناسبت سے انہیں ''اَصْحٰبَ الرَّسِّ'' کہا جاتا ہے۔ واللہ اعلم! (معارف: ۶/ ۴۷۶)

تفسیرِ خازن میں ہے: ''سعید بن جُبَیر کا فرمان ہے کہ اس قوم کے نبی ''حضرت حنظلہ بن صفوان'' تھے، قوم نے انہیں شہید کر دیا۔ بعض دوسری تفسیروں میں اس کی یہ تفصیل مذکور ہے کہ قوم نے حضرت حنظلہ کو کنویں میں ڈال کر کنویں کا منہ بند کر دیا۔ حضرت کا خادم اور غلام رات کو چھپ کر وہاں جاتا اور حضرت کی خدمت کرتا جس کی وجہ سے حضرت کنویں میں بھی حیات رہے۔ کچھ دِنوں بعد قوم نے کنویں سے پتھر ہٹایا تو اس وقت بھی پیغمبر نے انہیں ''توحید'' کی دعوت دی تو قوم نے انہیں زندہ درگور کر دیا۔ اس پر آسمان سے عذاب کی صورت میں آگ اُتری اور پوری قوم کو جلا کر راکھ کر دیا گیا۔

بعض تفاسیر میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر موٹی گردنوں والے پرندے مسلط کر دیے جو ان کے بچے اُٹھا کر لے جاتے تھے، پیغمبر کی دُعا سے یہ مصیبت ٹلی لیکن قوم پھر بھی ایمان نہ لائی اور پیغمبر کو شہید کر دیا۔ نتیجے میں قوم بھی صفحۂ ہستی سے مٹا دی گئی۔

وَكُلًّا ضَرَبْنَا لَهُ الْاَمْثَالَ ۡ وَكُلًّا تَبَّرْنَا تَتْبِيْرًا ۝

ان سب کی ہلاکت کے پیچھے تکبّر اور سرکشی کارفرما تھی

ہم نے ان سب قوموں کی ہدایت کے لیے انبیاء بھیجے، ان کے توسط سے ہم نے اُنہیں موثر مضامین سنوائے، لیکن جب انہوں نے ہدایت قبول نہ کی تو ان سب کو ہم نے برباد کیا، اُکھیڑ کے پھینک مارا، قصۂ پارینہ بنا دیا۔

وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِیْۤ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ؕ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ۝

مکہ والو! قومِ لُوط کے کھنڈرات سے عبرت پکڑو!

پھر اللہ نے حضور کے نہ ماننے والوں کو تخویف فرمائی، فرمایا کہ ڈروائے مکہ والو! ڈرو! تم فرعون سے زیادہ قوی نہیں ہو، قوم عاد اور ثمود سے زیادہ قوی نہیں ہو، قومِ نوح سے زیادہ قوی نہیں ہو، قومِ لوط کو ہی دیکھ لو جن پر پتھروں کی بارش ہوئی تھی، تم اپنے سفروں میں ان کی بستیوں سے گزر کر جاتے ہو، ان کی رہائش گاہ کے کھنڈرات تمہارے سامنے ہوتے ہیں، تم اپنی آنکھوں سے ان کھنڈرات کا مشاہدہ کرتے ہو، پھر بھی تم عبرت نہیں پکڑتے اور کفر و تکذیب سے باز نہیں آتے! اصل وجہ یہ ہے کہ تم کفر کو گناہ اور وبال کا باعث سمجھتے ہی نہیں ہو، تم قیامت کے دِن اٹھنے کی امید رکھتے ہی نہیں ہو، اس لیے تمہیں ان واقعات سے عبرت نہیں ہوتی اور انہیں تم محض اتفاقی واقعات سمجھتے ہو!

وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِیْ بَعَثَ اللّٰهُ رَسُوْلًا ۝ اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَاۤ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ؕ وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝

اعتراض نمبر ۵

فرمایا کہ یہ تو پچھلی قوموں کا حال اور ان کا انجام ہے، میرے آخری نبی کی قوم کا حال یہ ہے کہ: "وَاِذَا رَاَوْكَ اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا" کہ جب وہ آپ کو دیکھتے ہیں تو آپ کا مذاق اڑاتے ہیں، کہتے تھے کہ اللہ کو یہی رسول ملا تھا، (نعوذ باللہ!) کیا اللہ نے "عبداللہ" کے اس دُرِّ یتیم کو ہی نبوّت دینی تھی! اگر نبوّت دینی ہی تھی تو کسی مالدار اور رئیس کو نبوّت دی جاتی، ایسے غریب شخص کو تو رسول نہیں ہونا چاہیے تھا!

اِنْ كَادَ لَيُضِلُّنَا عَنْ اٰلِهَتِنَا لَوْلَاۤ اَنْ صَبَرْنَا عَلَيْهَا ؕ

مشرکینِ مکہ کی خوش فہمی

یہ لوگ اپنے گمان میں خود پر فخر کرتے تھے کہ شکر ہے ہم ہدایت پر (بتوں کی عبادت پر) ڈٹے رہے اور اس نبی (محمد) کے جھانسے میں نہیں آئے، ورنہ تو یہ ایسا جادو بیان ہے کہ ہمیں ہمارے معبودوں سے ہٹا کر گمراہ کر کے ہی چھوڑتا! یہ تو ہمارے خداؤں سے ہمیں ہٹانا چاہتا ہے۔

وَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ حِیْنَ یَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِیْلًا ۝

جواب: مرتے ہی سب منظر صاف ہو جائے گا!

اللہ نے فرمایا: میرے حبیب! آپ صبر کریں، ابھی تو یہ خود کو ہدایت یافتہ اور آپ کو (معاذ اللہ) گمراہ سمجھ رہے ہیں، ابھی دُنیا میں جو مرضی آئے، کہتے رہیں، مرنے کے بعد جب اللہ کے عذاب کو دیکھیں گے تو اس وقت انہیں خوب معلوم ہو جائے گا کہ کون گمراہ تھا اور کون حق پر تھا!

اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ ؕ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَیْهِ وَكِیْلًا ۝

یہ سب خواہشاتِ نفس کے پجاری ہیں!

آپ نے ایسے شخص کو دیکھا جو صرف اپنی نفسانی خواہشات ہی کو مان کر چلتا ہے، اسی کی پوجا پاٹ کرتا ہے، گویا اپنی خواہشات کو ہی اپنا خدا بنا رکھا ہے، حق سننے اور سمجھنے کو تیار ہی نہیں ہے، تو آپ بھی ان کے راہِ راست پر نہ آنے سے پریشان مت ہوئیے اور نہ ہی ان سے ہدایت پر آنے کی توقع کیجیے، آپ ان کے نگران نہیں ہیں، آپ کا کام صرف حق پہنچا دینا ہے، بس!

اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ یَسْمَعُوْنَ اَوْ یَعْقِلُوْنَ ؕ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِیْلًا ۝

اِن میں حق سننے، سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے!

آپ کو لگتا ہوگا کہ یہ لوگ حق سنتے یا سمجھتے ہیں! ایسا نہیں ہے، ان کے سننے اور سمجھنے کی قوت گویا کہ سلب ہو گئی ہے، یہ جانوروں کی طرح ہیں، بلکہ جانوروں سے بھی گئے گزرے ہیں، جانور مکلف نہیں، اس لیے ان کا نہ سمجھنا مذموم بھی نہیں، یہ لوگ تو مکلف ہیں، پھر بھی نہیں سمجھ رہے! یہ لوگ تو ہدایت کے مقابلے میں ضلالت لاتے ہیں، حق کے دشمن بنتے ہیں، اللہ کے دین کے راستوں میں رکاوٹ کھڑی کرتے ہیں!

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَیْهِ دَلِیْلًا ۝ ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَیْنَا قَبْضًا یَّسِیْرًا ۝

دُھوپ اور چھاؤں بھی (اپنی تمام کیفیات کے ساتھ) اللہ کے وجود کی دلیل ہے

دُھوپ اور چھاؤں اللہ کی ایسی عظیم نعمتیں ہیں کہ اگر یہ نعمتیں بوقتِ ضرورت اور بقدرِ ضرورت نہ ملیں تو ہر جاندار مصیبت کا شکار ہو جائے۔ یہ اللہ پاک کی کمال مہربانی ہے کہ یہ دونوں نعمتیں مسلسل عنایت ہو جاتی ہیں۔ اگر مسلسل دُھوپ رہے یا مسلسل سایہ اور اندھیرا چھایا رہے تو دُنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے۔

اس لیے فرمایا: اے خدا کی توحید کے منکرو! خدا کی توحید کی آیات میں ذرا غور تو کرو، "اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَیْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ" "جب سورج طلوع ہوتا ہے تو اللہ پاک چیزوں کے سائے کو کیسے پھیلا (لمبا) دیتا ہے، اگر اللہ چاہے تو سورج کی روشنی

ہی زمین تک نہ پہنچنے دے اور اگر وہ چاہے تو روشنی پھیلنے کے باوجود اشیاء کے سائے کو ایک ہی حالت میں رکھے، یہ سایوں کا گھٹنا، بڑھنا بھی ربّ کی مہربانی ہے اور سورج کی قابلِ برداشت تپش کا انسانوں تک وصول بھی اسی کی عنایت ہے۔

نیز ان سایوں کے گھٹنے بڑھنے کا ظاہری سبب ہم نے سورج (کی روشنی کا مشرق سے مغرب کی طرف انحراف) کو بنایا ہے۔

"ثُمَّ قَبَضْنٰهُ إِلَيْنَا قَبْضًا يَّسِيْرًا" پھر ہم اس سائے کو اپنی قدرتِ کاملہ سے سمیٹ لیتے ہیں، صبح کو تو سایہ ہوتا ہے، لیکن جیسے جیسے دِن چڑھتا جاتا ہے، سایہ گھٹنا شروع ہو جاتا ہے، دوپہر کو سایہ ختم ہو جاتا ہے، پھر جب سورج مغرب کی طرف ڈھل جاتا ہے تو سایہ پھر سے بڑھنے لگتا ہے، شام کو سایہ پھیل جاتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ النَّهَارَ نُشُوْرًا

رات اور دِن کی تخلیق بھی ہماری وحدانیت کی علامت ہے!

فرمایا کہ رات کو ہم نے تمہارے لیے اوڑھنا بنایا، ایک ایسی قُدرتی چادر بنایا جو کائنات پر ڈال دی جاتی ہے۔ نیند کو تمہاری تھکان کے ازالے کا ذریعہ بنایا، تھک ہار کے سوتے ہو اور صبح کو تر و تازہ اور فریش ہو کر اٹھتے ہو۔ نیند چونکہ "موت" کے مشابہ ہوتی ہے، اس لیے فرمایا کہ ہم نے دِن کو زندگی اور جی اُٹھنے کا ذریعہ بنایا ہے، تمہارے سارے کاروبار اور معاشی معاملات کے لیے دن جیسی عظیم نعمت عطا فرمائی ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۚ وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً طَهُوْرًا لِّنُحْيِۦَ بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا

وَّنُسْقِيَهٗ مِمَّا خَلَقْنَآ اَنْعَامًا وَّاَنَاسِيَّ كَثِيْرًا

یہ خوشگوار ہوائیں اور بارشیں بھی ہمارا پتا دیتی ہیں!

ہم نے خوشگوار ہوائیں بھیجیں جو بارش کی علامت اور نشانی بن کر آتی ہیں، ہم نے آسمان سے پاکیزہ پانی (بارش کی شکل میں) اتارا، پھر ہم نے اس بارش کے ذریعہ مردہ زمین کو زندہ کیا، اپنی مخلوقوں کو بارش کا پانی پلایا، جانوروں کو پلایا، جنگلوں، ویرانوں میں رہنے والے انسانوں (جن کا عمومی گزارا بارش ہی کے پانی پر ہوتا ہے) کو اس نعمت سے سیراب کیا۔ اللہ نے کتنے اچھے اچھے دلائل دیے اپنی وحدانیت کو سمجھانے کے لیے!

وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا ۖ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا

بارشوں کی کمی بیشی میں بھی خدائی حکمت ہوتی ہے

فرمایا: ہم اپنے اختیار سے کسی علاقے میں کم اور کسی علاقے میں زیادہ بارشیں عطا کرتے ہیں، اس میں حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ بارشوں کی قلت بھی آزمائش ہوتی ہے اور ان کی کثرت بھی (ہماری طرف سے) آزمائش ہوتی ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ ۚ وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۝

دو طرح کا پانی بنانا اور پھر انہیں اکٹھے نہ ہونے دینا ''صانعِ اعظم'' ہی کی صناعی ہے

ہم نے اپنی مخلوق کی ضروریات کے لیے دو طرح کا پانی بنایا، جہاں جہاں انسانی آبادی ہے، وہاں وہاں ہم نے (چشموں، دریاؤں، ندی نالوں کی شکل میں) میٹھا پانی بنا دیا، ''هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ'' یہ میٹھا اور خوشگوار پانی ہے۔ باقی خشکی کے اردگرد ہم نے کھارے پانی کے سمندر بنائے ''وَهٰذَا مِلْحٌ اُجَاجٌ'' پھر جب یہ متضاد پانی آپس میں ملتے ہیں تو دور تک (کسی ظاہری حد اور رُکاوٹ کے نہ ہونے کے باوجود) ایک دوسرے سے الگ الگ چلتے ہیں، ''وَجَعَلَ بَيْنَهُمَا بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا ۝'' ان کے درمیان، ہم نے آڑ بنا دی، اِدھر کا پانی اُدھر مکس نہیں ہوتا اور اُدھر کا پانی اِدھر مکس نہیں ہوتا۔

دنیا میں ایسی بہت ساری جگہیں ہیں جہاں اس کیفیت کا عینی مشاہدہ کیا جا سکتا ہے، ایک کالے رنگ کا سمندر اور دوسرا سفید رنگ کا سمندر، ایک کا پانی کڑوا، اور دوسرے کا پانی میٹھا، اور دونوں اکٹھے چل رہے ہیں، ایک دوسرے میں مکس نہیں ہوتے، اگر موج اُدھر چلی بھی جاتی ہے تو پھر واپس چلی آتی ہے، ایسے بہت سے مشاہدات ہیں، یہ سب ہماری قدرت کی نشانیاں ہیں۔

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ۭ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا ۝

اِنسان اور اِنسانی رِشتوں کی تخلیق بھی اللہ کی بڑی نعمت ہے

اللہ وہ ہے جس نے گندے پانی (منی) سے انسان پیدا کیا، پھر انسان کو رِشتہ داریاں بھی دیں، نسبی اور خونی رشتہ داریں بھی دیں اور سسرالی رشتہ داریاں بھی دیں۔ کچھ رشتہ داریاں تمہارے ماں باپ کی طرف سے بن گئیں اور کچھ رشتہ داریاں تمہارے سسرال کی طرف سے بن گئیں، یہ رشتہ داریاں خوشگوار زندگی کے لیے ضروری ہیں۔ فرمایا: تیرا ربّ ہر چیز پر قادر ہے، جو چاہے، جیسے چاہے بنا دے۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُهُمْ وَلَا يَضُرُّهُمْ ۭ وَكَانَ الْكَافِرُ عَلٰى رَبِّهٖ ظَهِيْرًا ۝

ان سب اِحسانات کے باوجود کافر لوگ پھر بھی باز نہیں آتے

ان سب خدائی کمالات کا لازمی تقاضا تو یہ تھا کہ صرف اسی ایک اللہ کی ہی عبادت کی جاتی، لیکن کافر لوگ پھر بھی غیر اللہ کی پوجا کرتے ہیں جن کی نہ عبادت نافع ہے اور نہ ہی اُن سے اعراض نقصان دہ ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝

کافروں کی بدبختی پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جاتی ہے

فرمایا کہ میرے نبی! آپ ان کافروں کی بدبختی اور حق کی مخالفت پر پریشان نہ ہوا کریں۔ حق قبول کریں گے تو

انہی کا فائدہ ہوگا اور اگر مخالفت کریں گے تو اپنا ہی نقصان کریں گے۔ "وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا" ہم نے آپ کو صرف (اہلِ ایمان کے لیے جنّت کی) خوشخبری دینے والا اور (کافروں کو دوزخ سے) ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ آپ ان کی وجہ سے پریشان نہ ہوں۔ بس حق پہنچا دینا ہی آپ کی ذمہ داری ہے۔

قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِلَّا مَنْ شَآءَ اَنْ يَّتَّخِذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا

دعوتِ حق میں کسی پیغمبر کا کوئی مفاد وابستہ نہیں ہوتا

ان کافروں پر خوب واضح کر دیجیے کہ تمہاری اس اصلاح کی کوشش میں میرا کوئی مفاد نہیں ہے اور نہ تم سے کوئی معاوضہ اور فیس لینی ہے۔ تمہارے مفاد ہی کے خاطر یہ سب مشقتیں برداشت ہو رہی ہیں۔

نبوی سنّت یہ ہے کہ دین کے کام پر اجرت نہیں ہوتی، دین کے کام پر کوئی پیسے کا مطالبہ اور تقاضا نہیں ہوتا۔ اسی کو ہمارے اکابر نے زندہ رکھا، بغیر کسی خودغرضی کے، بغیر کسی لالچ کے، بغیر کسی تقاضے کے، بغیر کسی مطالبہ کے دین کا کام کیا، اللہ نے اپنے نبی کی ضرورتوں کو بھی پورا کیا، اور اللہ کے نبی کے ورثاء جو بغیر کسی دُنیوی مفاد کے دین کا کام کرتے چلے آرہے ہیں، اللہ ان کی بھی ضروریات پوری کر دیتے ہیں۔

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهٖ ۭ وَكَفٰى بِهٖ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا

اپنے خدا پر مکمل بھروسا رکھیے!

اے میرے نبی! آپ اپنے ربّ پر توکّل کیجیے اور اُسی کی عبادت میں لگے رہیے، اللہ کو خوب معلوم ہے کہ کون کیا کر رہا ہے! جسے جو مناسب سمجھے گا، سزا دے دے گا۔ آپ ان کی مخالفتوں سے پریشان نہ ہوں۔

الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ ۚ اَلرَّحْمٰنُ فَسْـَٔلْ بِهٖ خَبِيْرًا

خدا کی معرفت "اہلِ معرفت" سے ملے گی

فرمایا: زمین و آسمان اور ان میں موجود تمام تر اشیاء کا حقیقی خالق صرف "رحمٰن" ہی ہے۔ اور کوئی اس خدائی میں شریک نہیں ہے۔ اگر "رحمٰن" کے بارے جاننا ہے تو کسی باخبر سے پوچھ لیں۔ وہ راہبر خود حق تعالیٰ بھی ہیں (جنھوں نے قدم قدم پر اپنی معرفت کی راہیں اور نشانیاں دی ہوئی ہیں) جبرئیلِ امین بھی ہے اور کُتبِ سابقہ کے علماء بھی اس میں شامل ہیں جنھوں نے اپنے انبیاء سے اللہ کی معرفت حاصل کر رکھی ہے۔ (معارف:۶/۴۸۷)

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ قَالُوْا وَمَا الرَّحْمٰنُ ۤ اَنَسْجُدُ لِمَا تَاْمُرُنَا وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا

مشرک لوگ، عناد میں، جانتے ہوئے بھی ''رحمٰن'' سے لاعلمی ظاہر کرتے ہیں

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان مشرکین کو ''خدائے رحمٰن'' کے آگے سجدہ ریز ہونے کی دعوت دیتے تو مکہ کے مشرک، ضد میں آکر کہتے کہ ''یہ رحمٰن کیا ہے؟'' (حالانکہ اس کا مطلب سب جانتے تھے، لیکن اللہ پاک کے لیے یہ لفظ استعمال نہیں کرتے تھے) جس کے بارے بھی تم کہہ دو، ہم اُسے سجدہ کرنے لگ جائیں! اس طرح وہ مزید مخالفت اور نفرت میں آجاتے تھے۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ۝ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ شُكُوْرًا ۝

زمین وآسمان کی یہ سب تخلیقات بے مقصد نہیں ہیں

وہ ذات بہت بابرکت اور شان والی ہے جس نے آسمان میں برج بنادیے، بڑے بڑے ستارے اور سیارے بنادیے، اس میں سورج اور چاند بنادیے، دن کے بعد رات اور رات کے بعد دن لائے، یہ سب کائنات بے مقصد نہیں بنائی گئی بلکہ اس لیے بنائی گئی ہے تاکہ لوگ اس کی عجیب وغریب تخلیق اور فوائد کو دیکھ کر سمجھ سکیں کہ ان چیزوں کا بنانے والا ضرور کوئی ہے! یہ سارا حکیمانہ نظام یوں ہی نہیں چل رہا! اس نظام میں غور وفکر کرکے اپنے خالق ومالک کو پہچان سکیں (اس پہچان کے لیے مشاہداتی نگاہ ہی کافی ہے، کسی قسم کے سائنسی آلات وتحقیقات کی ضرورت نہیں) اور شکر گزار کو شکر کرنے کا موقع ملے۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝ اِنَّهَا سَآءَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝ وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۝

''عبادالرحمٰن'' اور اُن کے پندرہ اوصاف

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اُن مخصوص ومقبول بندوں اور اولیاء اللہ کی نشانیاں اور علامات بیان فرمائیں، جن کی پوری زندگی شرعی احکامات کے تابع ہے، تاکہ لوگوں کو پتہ چل سکے کہ ''اولیاء اللہ'' کون ہوتے ہیں، ان آیات میں ان پاکباز ہستیوں کی تقریباً پندرہ صفات اور نشانیاں اللہ پاک نے بیان فرمائی ہیں۔ ان نشانیوں کی روشنی میں مقبولانِ خدا ہستیوں اور بناوٹی پیروں فقیروں کے درمیان فرق، باآسانی معلوم کیا جاسکتا ہے۔

پہلا وصف: ''عبدیت'' یعنی سراپا اللہ کے بندے ہوتے ہیں

حقیقت یہ ہے کہ اللہ پاک نے انہیں بڑا عالیشان لقب عنایت فرمایا کہ وہ ''عِبَادُ الرَّحْمٰنِ'' ہیں۔ ان کی پہلی صفت ہی یہ ہے کہ وہ اللہ کے عبد، بندے اور غلام ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ''بندہ'' کہلانے کا حق دار وہی شخص ہوسکتا ہے جو ہر حال

میں اپنے رَبّ کی رضا میں راضی رہے۔ اپنے نفس کا بندہ نہ رہے، بلکہ اپنی مرضی کو اللہ کی مرضی میں فنا کردے۔ یہ لوگ بھی ایسے ہیں کہ صبح سے لے کر شام تک، اُن کا ہر کام اور ہر معمول، اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے۔ ہنسنا، بولنا، کھانا، پینا، حقوق العباد کی ادائیگی، بیوی بچوں کے حقوق، غرض سب اُمور، رَبّ تعالیٰ کی رضا کے لیے سرانجام دیتا ہے۔

یہ ایسے بندے ہیں جو اپنے عقائد وخیالات اور اپنے ہر فعل اور ارادے کو اپنے رَبّ کے حکم اور مرضی کے تابع رکھتے ہیں۔ اپنی مرضی چلانا اور اپنی خواہشات کی پیروی کرنا ''عبدیت'' کے خلاف ہے۔

دوسرا وصف: اُن میں ''صفتِ رحمت'' غالب ہوتی ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت سی صفات ہیں، لیکن یہاں پر صفتِ ''رحمٰن'' ذکر فرمائی کہ ''یہ اس ذات کے بندے ہیں جو بڑی مہربان ہے'' اس سے معلوم ہوا کہ ان بندوں میں بھی صفتِ رحمت غالب ہوتی ہے، اُن کی طبیعت میں سختی نہیں ہوتی، اگر کبھی وہ سختی کرتے بھی ہیں تو ضرورت کی وجہ سے سختی کرتے ہیں، ورنہ حقیقت میں وہ بہت مہربان، بااخلاق اور نرم طبیعت کے مالک ہوتے ہیں۔ تند خو، بدمزاج اور متکبر نہیں ہوتے۔

الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا

تیسرا وصف: اُن کی چال میں اعتدال اور وقار چھلکتا ہے

ان کا تیسرا وصف یہ ہے کہ جب یہ چلتے ہیں تو ان کی چال میں اعتدال، بے تکلفی، سکینت اور وقار ہوتا ہے، نہ تو یہ اَکڑ اَکڑ کر اور متکبرانہ انداز میں چلتے ہیں (جہاد اور حج وعمرہ کے بعض افعال اس سے مستثنیٰ ہیں) اور نہ ہی بہ تکلف آہستہ آہستہ اور جھک جھک کر چلتے ہیں کہ دیکھنے والا انہیں بڑا بزرگ اور متقی سمجھے، یا پھر بیمار اور معذور سمجھے۔

عاجزی کا تعلق دل سے ہے، اللہ کے مقبول بندے، دل میں عاجزی رکھتے ہوئے چلتے ہیں، تکبر کرتے ہوئے نہیں چلتے، اکڑتے ہوئے نہیں چلتے۔ ان کی چال میں تصنع اور بناوٹ نہیں ہوتی، اپنی فطری چال چلتے ہیں۔

لہٰذا اس طرح چلنے کی ''ایکٹنگ'' کرنا کہ لوگ آپ کو ''بڑا حضرت'' سمجھیں اور آپ کی بزرگی سے متاثر ہوجائیں، سخت ناپسندیدہ، تکبر کی علامت اور گناہ ہے۔

وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۝

چوتھا وصف: گفتگو میں سلامتی

اللہ کے نیک بندوں کا جب جاہلوں سے واسطہ پڑجائے تو وہ ان کو سلامِ متارکت کرتے ہیں، سلامِ اعراض کرتے ہیں، جاہلوں سے بحث میں اُلجھتے نہیں ہیں، سلام کر کے کنارہ کر لیتے ہیں۔

نیز اگر کبھی جواب دینا بھی پڑ جائے تو اُن کی گفتگو بڑی محتاط ہوتی ہے، وہ بدتہذیب نہیں ہوتے اور نہ ہی بدتمیزی کا

جواب بدتمیزی سے دیتے ہیں، بلکہ بدتہذیبی کے جواب میں بھی سلامتی والی بات کرتے ہیں، ان سے درگزر کرتے ہیں، انتقامی معاملہ نہیں کرتے۔

جاہل سے مُراد

اس سے مُراد "بے علم" آدمی نہیں بلکہ ہر وہ شخص مُراد ہے جو جہالت کی اور لغو بات کرے، خواہ وہ حقیقت میں اعلیٰ تعلیم یافتہ اور "ویل ایجوکیٹڈ" ہو، بعض لوگ پڑھ لکھ کر بھی تہذیب سے جاہل رہتے ہیں۔

تہذیب سکھاتی ہے جینے کا قرینہ
تعلیم سے "جاہل کی جہالت" نہیں جاتی

وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا ۝

پانچواں وصف: اُن کی خلوتیں اللہ کے لیے وقف ہوتی ہیں

راتوں کو عبادت کرنا اور تہجد کا اہتمام کرنا (جب کہ اس میں دکھلاوے کا امکان نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے) اولیاء اللہ کا خاص وصف ہے۔ منشا یہ ہے کہ ان کے دن رات، اللہ کی عبادت اور اطاعت میں مشغول گزرتے ہیں، دن میں دینی تعلیم، تبلیغ اور جہاد وغیرہ کی مصروفیات ہوتی ہیں، جب کہ راتوں کو تھکاوٹ کے باوجود چپکے چپکے اُٹھ کر عبادت میں مصروف رہتے ہیں، ان کی راتیں کبھی سجدوں میں گزرتی ہیں اور کبھی قیام میں، راتیں بھی عبادت سے خالی نہیں ہوتیں۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ جس جس "ولی اللہ" کا بھی نام لیتے جائیں، اُسے جو کچھ بھی نصیب ہوا ہے، اُس میں تہجد کی نماز کا بہت بڑا دخل ہے۔ (اللہ پاک یہ دولت ہمیں بھی نصیب فرمائیں) اسی لیے علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا:

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا، بے آہِ سحرگاہی

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اصْرِفْ عَنَّا عَذَابَ جَهَنَّمَ ۖ اِنَّ عَذَابَهَا كَانَ غَرَامًا ۝

چھٹا وصف: خشیتِ الٰہی اور خوفِ آخرت کا غلبہ رہتا ہے

اللہ کے یہ نیک بندے، دن رات اللہ کی عبادت وطاعت میں مصروف رہنے کے باوجود اپنی نیکی اور تقویٰ پر مطمئن اور نازاں نہیں رہتے بلکہ ہر وقت خدا کے خوف اور فکرِ آخرت میں لگے رہتے ہیں اور دُعائیں بھی کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے ربّ! ہمیں جہنم کے عذاب سے بچا لیجیے۔ جہنم بہت بُرا ٹھکانا اور مقام ہے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ۝

ساتواں وصف: خرچ میں بھی اعتدال ہوتا ہے

اللہ والے اگر مال بھی خرچ کرتے ہیں تو اعتدال کے ساتھ خرچ کرتے ہیں "لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا" نہ تو بخل اور تنگی کرتے ہیں (کہ جہاں خرچ کرنا شرعاً ضروری ہو، وہاں خرچ ہی نہ کیا جائے یا ضرورت سے بالکل کم خرچ کیا جائے) اور نہ ہی اسراف اور فضول خرچی کرتے ہیں (کہ بلا ضرورت خرچ کریں یا ضرورت سے زائد خرچ کردیں) بلکہ بڑے اعتدال سے خرچ کرتے ہیں۔ نہ کنجوسی دین میں پسندیدہ ہے اور نہ ہی فضول خرچی۔ دین کے ہر کام میں اعتدال ضروری ہے۔

وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾

آٹھواں وصف: شرک سے کوسوں دُور، پکے توحید پرست ہوتے ہیں

"وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ" اللہ کے ولی مشرک نہیں ہوا کرتے، شرک نہیں کیا کرتے (شرک کی تینوں قسموں: شرک فی الذات، شرک فی الصفات اور شرک فی العبادت سے بری ہوتے ہیں)۔ غیر اللہ کو بالکل نہیں پکارا کرتے، وہ توحید پرست، صحیح العقیدہ اور پکے موحد ہوتے ہیں۔

نواں وصف: قتلِ ناحق سے مکمل اِجتناب کرتے ہیں

"وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ" اللہ والے کسی حُرمت والی جان کو نہ تو خود قتل کرتے ہیں اور نہ ہی ناحق قتل کے جرم میں کسی بھی درجہ میں شریک اور معاون بنتے ہیں۔ البتہ جہاں حق ہو (یعنی قصاص کا معاملہ ہو یا شادی شدہ کو رجم یا ارتداد کی سزا دینی ہو، اسی طرح کُفّار کے ساتھ میدانِ جہاد سجا ہو) تو الگ بات ہے۔

دسواں وصف: زِنا سے اِجتناب

"وَلَا يَزْنُوْنَ ۚ" یہ لوگ بدکار نہیں ہوتے، بدکاریاں نہیں کیا کرتے (بلکہ بدکاری کے اسباب کے قریب بھی نہیں جاتے) عرب معاشرے میں تین گُناہ بکثرت پھیلے ہوئے تھے: ۱۔شرک ۲۔قتلِ ناحق ۳۔زِنا۔ اللہ پاک نے "عبادالرحمٰن" کے عظیم اوصاف میں سے ان تینوں صفات کو بیان فرمایا کہ میرے نیک بندے، ان تینوں گناہوں سے دور رہتے ہیں، کیونکہ "وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ يَلْقَ اَثَامًا ﴿۶۸﴾" جو شخص ان مذکورہ گناہوں کا ارتکاب کرے گا (جو اسی ایک آیت میں خاص طور سے بیان کیے گئے ہیں) ان کے لیے روزِ قیامت دردناک اور دوہرا عذاب ہوگا، اس کے ساتھ ساتھ یہ عذاب دائمی ہوگا۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۷۰﴾

ہاں! جو قتل اور زِنا سے توبہ کرلیں اور ایمان لا کر اپنے اعمال اچھے اچھے کرلیں تو اللہ اُن کی بُرائیاں مٹا کر نیکیاں لکھ دیتے ہیں۔

بُرائیوں کو نیکیوں سے بدلنے کا مطلب

حضراتِ مفسرینؒ نے اس کے کئی مطلب بیان فرمائے ہیں، ہم ان میں سے چند مطلب ذکر کرتے ہیں:

پہلا مطلب

جب بندہ توبہ کر کے ایمان لے آتا ہے تو اس کے نتیجے میں اس شخص کے گزشتہ زمانہ کے سارے گناہ مٹ جاتے اور معاف ہوجاتے ہیں۔ اب ایمان اور اعمالِ صالحہ کے نتیجے میں، سیئات کی جگہ حسنات اور نیک اعمال درج ہونا شروع ہوگئے۔ گناہوں کی جگہ نیکیوں سے نامۂ اَعمال بھرنے لگ جاتا ہے۔ اس طرح اللہ پاک ان کی بُرائیوں کو نیکیوں سے تبدیل کردے گا۔

دوسرا مطلب

ایمان لانے کے بعد جب جب ان لوگوں کو اپنے پچھلے گناہ یاد آئیں گے اور یہ اُن پر ندامت کریں گے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس ندامت کا اجر یوں دیں گے کہ اُن گناہوں کے بدلے میں نیکیاں لکھ دی جائیں گی۔ گویا حقیقت میں بُرائیوں کی جگہ نیکیاں لکھی جائیں گی۔ (معارف القرآن: ۶/ ۵۰۶، آتدبر القرآن: ص۱۲۶)

تیسرا مطلب

بعض علماء نے یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ توبہ سے پہلے وہ جو سیئات کرتے تھے، توبہ کے بعد انہیں حسنات کی توفیق ہوجائے گی، مثلاً پہلے شرک اور بُت پرستی میں مبتلا تھے تو ایمان لانے کے بعد توحید اور اخلاص کی توفیق مل گئی۔ پہلے فسق وفجور میں مبتلا تھے تو اب عفت و احصان حاصل ہوگیا۔ گویا مطلب یہ ہے کہ: ''یبدل اللہ تعالیٰ أعمالھم السیئۃ قبل التوبۃ إلی أعمال صالحۃ بعد التوبۃ'' (آتدبر القرآن: ص۱۲۶)

چوتھا مطلب

بعض علماء نے یہ تفسیر بھی کی ہے کہ پہلے وہ جتنے جائز کام کرتے تھے، لیکن کُفر اور بُری نیت کی وجہ سے اُنہیں ان کا ثواب نہیں ملتا تھا، ایمان اور توبہ کے بعد اب چونکہ مقصد ہی بدل گیا ہے، اس لیے اب وہی کام ان کے لیے نیکیاں بن جائیں گے، مثلاً پہلے وہ جائز نعمتوں کو بُرے اور خراب مقصد کے لیے استعمال کرتے تھے اب ایمان لانے کے بعد انہی نعمتوں کو حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کے لیے استعمال کرتے ہیں تو نیت کی یہی درستگی، ان کے لیے نیکی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ (عباد الرحمٰن: ص۹۷)

وَالَّذِیْنَ لَا یَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ ۙ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝

گیارہواں وصف: نہ باطل مجلسوں میں جاتے ہیں اور نہ ہی جھوٹی گواہیاں دیتے ہیں

اللہ کے نیک بندے نہ تو شرک وکُفر کی محفلوں میں جاتے ہیں، نہ ہی بے حیائی اور گانے بجانے کی مجالس کا حصہ بنتے

ہیں اور نہ ہی فسق و فجور کے کسی اور معاملے میں شریک ہوتے ہیں۔ ان سب چیزوں سے بچنے کے ساتھ ساتھ وہ جھوٹی گواہی بھی نہیں دیا کرتے۔

ہمارے لیے مقامِ عبرت ہے کہ ان سب گندگیوں سے ملوث ہونے کے باوجود خود کو بڑے پارسا اور ولایت کے ساتویں آسمان پر فائز سمجھتے ہیں! اگر اللہ کا قُرب مطلوب ہے تو ان عظیم لوگوں کی پیروی کرنی ہی پڑے گی، سب گناہوں کو چھوڑنا ہی پڑے گا، اسی میں ہماری نجات ہے۔

وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا۝

بارہواں وصف: بے ہودہ مجالس سے سنجیدگی سے کنارہ کش رہتے ہیں

اللہ والے جب لغو مجلسوں اور فضول چیزوں کے پاس گزرتے ہیں تو باوقار طریقے سے گزرتے ہیں، نہ تو لغو مجلسوں اور سوسائٹیوں کا حصہ بنتے ہیں اور نہ ہی ان کی تحقیر اور خود کو افضل و برتر سمجھتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بھی مراتب ہیں، اب اگر کوئی شخص ہر لغو مجلس والوں سے بحث و مباحثہ میں لگ جائے اور انہیں سیدھا کرنے کی کوشش کرے تو وقت کا ضیاع تو ہوگا ہی، بسا اوقات لہجے کی کرختگی اور بے موقع وعظ و نصیحت سے لڑائی جھگڑے اور گالم گلوچ تک بھی نوبت آسکتی ہے۔ اس لیے جہاں فتنے کا اندیشہ ہو تو وہاں (دل میں اُن کی مجلس کو بُرا جانتے ہوئے) چپکے سے اور عزت کے ساتھ گزر جانا ہی مناسب ہے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا۝

تیرہواں وصف: شرعی اَحکام کو خُوب توجّہ سے سنتے ہیں اور پوری بصیرت کے ساتھ اس پر عمل بھی کرتے ہیں

اللہ والوں کے سامنے جب قرآن اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث رکھی جاتی ہیں تو وہ بہرے نہیں بن جاتے، اندھے نہیں بن جاتے (یا تو توجہ ہی نہ دیں یا بے سوچے سمجھے، بس اندھا دُھند عمل شروع کردیں) بلکہ وہ ان نشانیوں کو کان کھول کر سنتے ہیں اور آنکھیں کھلی رکھ کر (بہت سوچ سمجھ کے اور مستند لوگوں سے سیکھ کر) ان احکامات پر عمل کرتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا۝

چودہواں وصف: قریبی متعلقین (کی اصلاح) کے لیے دُعاؤں کا اہتمام اور اُن کے لیے دِینی نمونہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے "عباد الرحمٰن" کا یہ وصف بیان فرمایا کہ وہ اپنے عمل کی درستگی کی کوشش بھی کرتے ہیں اور ساتھ میں اپنے اہل و عیال اور قریبی لوگوں کو بھی حکمت، شفقت اور خیر خواہی کے ساتھ دین کے راستے پر چلانے کی فکر

کرتے ہیں (لٹھ لے کر اندھا دُھند پیچھے پڑ جانا بھی نقصان کا باعث بن جاتا ہے) اُن کی اصلاح کے لیے اللہ پاک سے دُعائیں بھی کرتے ہیں۔ اولاد کی دینی فکر ہی آدمی کے سچے دین دار ہونے کی نشانی ہے۔

اللہ والے اپنے شریکِ حیات اور اولاد کے نیک ہونے کے لیے دُعائیں بھی کرتے ہیں کہ اے اللہ! انہیں دینی، اخلاقی، جسمانی، ذہنی ہر لحاظ سے ایسا بنا دے کہ انہیں دیکھ دیکھ کر ہماری آنکھیں ٹھنڈی ہوتی رہیں، نیز ہمیں اخلاق، کردار، تقویٰ اور دین داری میں اتنا بلند فرما دیجیے کہ ہم اوروں کے لیے عملی نمونہ بن سکیں، وہ ہم سے متاثر ہو کر جب دین پر عمل کریں گے تو ہمارے لیے صدقۂ جاریہ بن جائے گا۔

ہر شخص کو قرآن وسنّت میں موجود یہ دُعائیں مانگنی چاہئیں۔ اولاد کا نیک ہو جانا انسان کے لیے صدقہ جاریہ ہوتا ہے، اگر اولاد بُری اور بے دین ہو جائے تو دُنیا اور آخرت میں رُسوائی کا باعث بن جاتی ہے۔

اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا

پندرہواں وصف: صابر بن کر زندگی گزارتے ہیں

ان آیات میں ''عبادالرحمٰن'' کی آخری صفت یہ ذکر فرمائی گئی ہے کہ وہ پوری زندگی، مصائب، تکالیف، پریشانیوں اور خلافِ توقع امور پر ''صابر'' رہتے ہیں، ربّ کی رضا میں راضی رہتے ہیں، اپنے جذبات کو قابو میں رکھتے ہیں، بڑی سے بڑی مصیبت میں بھی شریعت سے ہٹتے نہیں پاتے۔

سب سے آخر میں ''صبر'' کے تذکرے کی ممکنہ حکمت

سب سے آخر میں ''صبر'' کا ذکر کرنے میں شاید یہ حکمت بھی ہو کہ مذکورہ بالا چودہ اوصاف صحیح معنوں میں تبھی حاصل ہو پائیں گے جب ''صبر'' سے کام لوگے، ''جیسا جیسا صبر ہوگا، ویسا ویسا اجر ملے گا'' ان شاء اللہ!

اُولٰٓئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوْا وَيُلَقَّوْنَ فِيْهَا تَحِيَّةً وَّسَلٰمًا ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ حَسُنَتْ مُسْتَقَرًّا وَّمُقَامًا ۝

خدائی اِنعام

فرمایا کہ جو ہمارے بندے اِن اوصاف کے حامل ہوں گے، اللہ انہیں جنّت کے اعلیٰ درجات اور بالا خانے عطا کریں گے، اور ان کے لیے جنّت میں دعاؤں اور سلام کے ساتھ استقبال کیا جائے گا۔ اللہ بھی سلام بھیجیں گے، جیسا کہ آیت میں ہے: ''سلام قولا من رب الرحیم'' اور فرشتے بھی اُنہیں مبارک باد اور سلام بھیجیں گے۔ ''وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۔ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ'' (الرعد: ۲۳، ۲۴) وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، کیا ہی خوب اور بہترین گھر ہے! ہمیشہ ہمیشہ انہیں بہترین قیام گاہوں میں عیش وعشرت سے رہیں گے۔

(''عباد الرحمٰن'' کے ان اوصاف کی وضاحت کے دوران ''معارف القرآن'' اور حضرت مولانا

مفتی محمود اشرف صاحب عثمانی مدظلہم (اُستاذ الحدیث ومفتی جامعہ دارالعلوم کراچی) کے رسالے "عبادالرحمٰن" سے استفادہ کیا گیا ہے۔مرتب عفا اللہ عنہ)

قُلْ مَا يَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّي لَوْلَا دُعَاؤُكُمْ ۚ فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا ۝

اِنسانوں کوتنبیہ: اللہ پاک تمہاری عبادت کا محتاج نہیں ہے!

سورت کے آخر میں اللہ پاک نے عام لوگوں کو تنبیہ فرمائی کہ اگر تم اللہ کو نہ پکارتے (بلکہ غیر اللہ کو پکارتے رہتے) تو اللہ کو بھی تمہاری کوئی پروانہ ہوتی (یعنی اگر تم اللہ کی بندگی نہ کرو تو اللہ پاک کو بھی تمہاری کوئی پروانہیں ہے) جو مخلوق اپنی تخلیق کا منشا پورا نہ کرے، اللہ کے نزدیک اس کی کیا حیثیت ہوسکتی ہے! کچھ بھی نہیں۔

فَقَدْ كَذَّبْتُمْ فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا ۝

کُفّار کو ڈانٹ

کافروں سے خطاب ہے کہ جب تم نے رسالت اور ہماری عبادت سے منہ پھیر ہی لیا ہے تو یہ تکذیب اب تمہارے گلے کا ہار بن کر رہے گی اور تمہیں جہنّم کے ابدی عذاب تک پہنچا کے چھوڑے گی۔اس تکذیب کے نتیجے میں تمہاری دُنیا بھی خراب ہوگی اور آخرت بھی۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔اس سورت میں کُفّارِ مکہ کے چند مشہور اعتراضات نقل کر کے اُن کے جوابات دیے گئے ہیں۔

۲۔مشرکین کی طرف سے ملنے والی پریشانیوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیاں دی گئی ہیں کہ حضراتِ انبیاء کے ساتھ یہ سب ہوتا آیا ہے، اس لیے آپ فکر نہ کریں۔یہ خود اپنی موت آپ مر جائیں گے۔

۳۔پچھلی قوموں کی تباہی کی طرف اشارہ کر کے "کُفّارِ مکہ" کو تنبیہ کی گئی کہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائیں ورنہ ان کا انجام بھی اچھا نہیں ہوگا۔

۴۔توحید پر دلالت کرنے کے لیے باری تعالیٰ کی "صنائع" کا خوب ذکر کیا گیا تاکہ ان میں غور وفکر کر کے لوگ خدائی رستے پر آجائیں، شرک وبت پرستی چھوڑ دیں۔

۵۔"عبادالرحمٰن" کی تقریباً پندرہ صفات بیان کی گئیں ہیں جو کھرے کھوٹے کو پرکھنے کے لیے "کسوٹی" کا درجہ رکھتی ہیں۔

تمت سورۃ الفرقان بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَةُ الشُّعَرَآء

سورت کا تعارف

یہ سورت مکی ہے، ہجرت سے پہلے نازل ہوئی، ترتیبِ قرآنی کے اعتبار سے چھبیس نمبر (۲۶) پر ہے، جبکہ نزولی ترتیب میں سینتالیس (۴۷) اور بعض روایات کے مطابق ستاون (۵۷) نمبر پر ہے۔ (آسان ترجمہ قرآن) اس کی دوسو ستائیس (۲۲۷) آیات اور گیارہ (۱۱) رکوع ہیں۔

نام اور وجہِ تسمیہ

اس سورت کے دو نام معروف ہیں:

۱۔الشعراء: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں لوگوں کے ذہنوں پر شعروشاعری اور شعراء کا غلبہ تھا، لوگوں کی ذہن سازی کے لیے شعراء لوگ، موجودہ زمانے کے میڈیا جیسی اہم خدمات سرانجام دیتے تھے۔

کفارِ مکہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کاہن، کبھی جادوگر اور کبھی شاعر کہا کرتے تھے، اس سورت کے آخری رکوع میں شعراء اور کاہنوں کی خصوصیات کا ذکر کرکے یہ بات واضح کی گئی ہے کہ ان میں سے کوئی بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں نہیں پائی جاتی، اس لیے انہیں شاعر سمجھنا اور ان کے کلام کو شعروشاعری سمجھنا قطعاً غلط ہے، اسی وجہ سے اسے ''سورۃ الشعراء'' کہتے ہیں۔

۲۔الجامعۃ: مفسرین کے نزدیک شاید یہ پہلی سورت ہے جس میں زمانہ قدیم کی اہم قوموں کے تذکرے کو عبرت کے لیے ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے۔ اس لیے اسے ''الجامعۃ'' بھی کہا جاتا ہے۔ (أنوار القرآن، ص:۱۲۷)

ماقبل سے ربط

پچھلی سورت میں اللہ کی توحید کا بیان تھا، حضور کی رسالت کا بیان تھا، تسلی کا بیان تھا، یہاں بھی یہی بیان ہے، یہ سورت بھی مکی ہے، ہجرت سے پہلے اتری ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع ''ذرائع خبر رسانی کی اہمیت'' ہے۔ پہلے زمانے میں یہ کام شاعر لوگ کیا کرتے تھے، جب کہ آج کل یہ خدمت ''میڈیا'' سرانجام دے رہا ہے۔

عمومی مضامین

اس سورت میں اللہ نے کچھ مضامین بیان فرمائے ہیں:

۱۔سب سے زیادہ تکالیف حضرات انبیائے کرامؑ نے برداشت فرمائی ہیں:

فرمایا کہ دین کے راستے میں مشکلات ومصائب آئیں گی، اس سورت میں جتنے بھی انبیائے کرامؑ کا ذکر کیا گیا ہے، ان سب نے مصائب کا سامنا کیا۔ اس سلسلے میں حضرت موسیٰ، حضرت ابراہیم، حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام کے ساتھ ان کی قوموں کے رویے کا مختصر تذکرہ کیا گیا ہے۔

۲۔دینِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات میں آسانیوں کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بہت تکالیف اُٹھائی ہیں:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اللہ نے بہت سی آسانیاں پیدا فرمائیں جو پہلے انبیائے کرامؑ کے لیے نہیں تھیں، اس کے باوجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مشکلات اٹھائی ہیں، لہٰذا دین کی راہوں پر چلتے ہوئے مشکلات آئیں گی، ان کا صبر واستقامت سے سامنا کرنے والے ہی کامیاب رہتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

طٰسٓمّٓ ① تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ② لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ③ اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ ④

"طٰسٓمّٓ" یہ حروفِ مقطعات ہیں، ان کی وضاحت پہلے ہو چکی ہے (آغاز سورۂ یونس)۔ "تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ②" یہ کھلی کتاب کی آیات ہیں۔

لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ③

اے پیغمبر! پریشان مت ہوئیے! بس دعوت دیتے رہیے!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُمت کے غم میں بہت پریشان رہتے تھے، اپنے آپ کو گھلاتے رہتے تھے، بالکل ایسے جیسا کہ کوئی شخص، کسی کو دُنیوی آگ میں جلتا ہوا دیکھے تو اس سے برداشت نہیں ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی گویا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ ایمان نہ لاکر، اُمت، جہنم کی آگ میں جا رہی ہے تو حضور یہ کیسے برداشت کر لیتے! یہ تو فطری امر ہے، اس لیے آپ اپنے آپ کو اسی غم میں گھلاتے رہتے تھے۔

اللہ نے فرمایا کہ میرے حبیب! آپ اپنے آپ کو اس بات پر ہلاک کر دیں گے کہ یہ مومن نہیں ہوتے! آپ ان کے کُفر سے اتنا افسوس نہ کیجیے کہ جان گھلنے لگے، ان لوگوں کی خاطر اس قدر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ بس مناسب انداز سے تبلیغ کا کام کرتے رہیے۔

اِنْ نَّشَاْ نُنَزِّلْ عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ اٰيَةً فَظَلَّتْ اَعْنَاقُهُمْ لَهَا خٰضِعِيْنَ

کسی کو زبردستی مومن بنانا ہماری منشا ہی نہیں ہے

اگر ہم چاہیں تو ہم ایسی نشانیاں آسمان سے اتار دیں کہ بے اختیار ان کُفّار کی گردنیں جھک جائیں، اور یہ سب بے اختیار مومن ہو جائیں، لیکن ہماری یہ مشیت نہیں، ہماری یہ حکمت نہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ لوگ اپنے اختیار سے خود ہماری نشانیوں میں غور و فکر کریں، اسی میں آزمائش ہے۔ جبراً مومن بنانے میں آزمائش باقی نہیں رہتی۔

پچھلی قوموں کے حالات ہمارے لیے عبرت کا ذریعہ ہیں

اس سورت میں حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کا تذکرہ کثرت سے کیا گیا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ تو کئی رکوع پر مشتمل ہے، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکرِ خیر ہے، نوح علیہ السلام کا ذکرِ خیر ہے، قومِ عاد اور ہود علیہ السلام کا تذکرہ ہے، قومِ ثمود اور صالح علیہ السلام کا ذکر ہے، قومِ شعیب علیہ السلام کا ذکر ہے، قومِ لوط کا ذکر ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ حالات ہیں، سارے واقعات ہم نے بارہا پڑھے اور سنے ہیں، قرآن کریم نے مختلف مقامات میں ہماری موعظت اور نصیحت کے لیے ان قصوں کو بار بار ذکر فرمایا ہے، جو بات بار بار کی جائے وہ دل میں بھی اتر جاتی ہے۔ اللہ کرے ہمیں بھی ان قصص سے عبرت حاصل ہو جائے۔ آمین

وَاِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰٓى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا يَتَّقُوْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ ۝ وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ ۝ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ ۝ قَالَ كَلَّا ۚ فَاذْهَبَا بِاٰيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ۝ فَاْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اَنْ اَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خدائی ہدایات

اللہ پاک نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا کہ ''اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ قَوْمَ فِرْعَوْنَ ؕ اَلَا يَتَّقُوْنَ ۝'' فرعون کی ظالم قوم کے پاس جاؤ، کیونکہ وہ مجھ سے نہیں ڈرتے۔

مقصد میں پیش آنے والی رُکاوٹیں

موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی ''قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اَنْ يُّكَذِّبُوْنِ'' یا اللہ! مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے جھٹلائیں گے۔

''وَيَضِيْقُ صَدْرِيْ وَلَا يَنْطَلِقُ لِسَانِيْ فَاَرْسِلْ اِلٰى هٰرُوْنَ'' ایسی صورت میں طبعی طور پر میرا دل تنگ ہونے لگتا ہے، میری زبان نہیں چلتی، میرے بھائی ہارون کو بھی ساتھ بھیج دیں ''وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْۢبٌ فَاَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْنِ'' پھر مجھ سے اُن کا بندہ بھی قتل ہو گیا تھا، اس لیے مجھے ڈر ہے کہ وہ مجھے اب قتل کر دیں گے۔

رُکاوٹیں دُور کر دی جاتی ہیں

اللہ نے موسیٰ اور ہارون دونوں کو نبی بنا کر فرعون کے پاس بھیجا "فَأْتِيَا فِرْعَوْنَ فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ الْعَالَمِينَ" وہ دونوں وہاں گئے اور دربار میں جا کر فرعون اور اس کے حواریوں کے سامنے اپنی رسالت کا اعلان فرمایا۔

قوم کی آزادی کے لیے جدّوجُہد کرنا انبیائے کرامؑ کا شیوہ ہے

خدائی حکم کی تعمیل میں ان پاکیزہ ہستیوں نے فرعون سے کہا: "أَنْ أَرْسِلْ مَعَنَا بَنِي إِسْرَائِيلَ" کہ بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیجیں، چونکہ فرعون نے ان کو غلامی کی زندگی میں مبتلا کیا ہوا تھا، لہٰذا آپ نے اس سے کہا کہ ان کو آزاد کریں، اور ہمارے ساتھ بھیج دیں۔

قَالَ أَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدًا وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ ﴿۱۸﴾ وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِي فَعَلْتَ وَأَنْتَ مِنَ الْكَافِرِينَ ﴿۱۹﴾

فرعون اور حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی گفتگو

فرعون نے نبوّت کے اعلان کو سُنی اَن سُنی کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر دو ذاتی الزامات لگائے۔ ظاہر ہے کہ ایسے مواقع میں جب کسی پر ذاتی الزام لگتا ہے تو عموماً وہ شخص شرمندہ ہو کر گفتگو میں ڈھیلا پڑ جاتا ہے۔

پہلا الزام: ہمارے نمک خوار ہو کر ہمارے ہی مقابلے میں آ گئے!

فرعون نے کہا: "أَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدًا وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ ﴿۱۸﴾" اے موسیٰ! کیا ہم نے تمہیں بچپن میں پالا نہیں تھا! ہمارے پاس ہی تو تم پل کر جوان ہوئے ہو، اب تمہیں اتنی جرأت ہو گئی ہے کہ تم ہمارے سامنے بولو!

دوسرا الزام: جس قوم میں پلے ہو، اسی کے جوان کو بلاوجہ قتل کر ڈالا! تمہاری بات پر بھروسہ کیسے ہو؟

"وَفَعَلْتَ فَعْلَتَكَ الَّتِي فَعَلْتَ وَأَنْتَ مِنَ الْكَافِرِينَ" "تمہیں اپنا وہ فعل یاد ہے جو تم نے کیا تھا! تمہارے ہاتھ سے ایک بندہ قتل ہو گیا تھا، تم بڑے ناحق شناس ہو کہ میرا ہی کھایا، میرے ہی بندے کو مارا اور اب تم مجھے ہی اپنا تابع بنانے آ گئے!

قَالَ فَعَلْتُهَا إِذًا وَأَنَا مِنَ الضَّالِّينَ ﴿۲۰﴾ فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِي رَبِّي حُكْمًا وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۲۱﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب

فرعون کے دوسرے الزام میں چونکہ ایک گونہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذاتی قصور نمایاں ہو رہا تھا، اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس الزام کو پہلے صاف کیا۔

''قتلِ خطا'' مقامِ نبوّت کے منافی نہیں

فرمایا: ''فَعَلْتُهَآ إِذًا وَأَنَا مِنَ الضَّآلِّيْنَ '' میں نے جان بوجھ کر اس کو قتل نہیں کیا تھا، میں نے تو اس کے قصور پر اُسے محض ایک تھپڑ مارا تھا تا کہ وہ ظلم سے رُک جائے، تھپڑ سے کون مرا کرتا ہے! خلاصہ یہ ہے کہ یہ قتلِ عمد نہیں بلکہ قتلِ خطا تھا، بے خبری میں ہونے والا قتل، نبوّت کے منافی نہیں۔

''فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ فَوَهَبَ لِيْ رَبِّيْ حُكْمًا وَّجَعَلَنِيْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ '' میں تمہارے خوف سے یہاں سے چلا گیا تھا، پھر اللہ نے کرم فرمایا اور مجھے نبوّت سے سرفراز فرمایا۔

وَتِلْكَ نِعْمَةٌ تَمُنُّهَا عَلَيَّ أَنْ عَبَّدْتَّ بَنِيْٓ إِسْرَآءِيْلَ ۝

پرورِش کے احسان کا جواب

اے فرعون! ذرا سوچ! غلام قوم کا بچّہ کہاں اور شاہی دربار کہاں! تمہارے ظلم وستم اور بنی اسرائیلی بچّوں کے قتلِ عام سے ڈر کر ہی میری ماں نے مجھے تابوت میں ڈالا تھا، یہ تو خدا تعالیٰ کا حکیمانہ انتظام تھا کہ جس بچّے کے خطرے سے بچنے کے لیے تم نے ہزاروں بچے قتل کرا دیے تھے، خدا تعالیٰ نے اُسی بچّے کو تمہارے گھر پرورش دلائی ہے، ذرا سوچو کہ اس میں تمہارا کیا احسان ہوا! اس پرورش کی اصلی وجہ تو تمہارے اپنے ظالمانہ کرتوت تھے! احسان جتلانے کے بجائے تمہیں اپنی ناشائستہ حرکات اور بچّوں کے قتلِ عام پر شرمندہ ہونا چاہیے تھا! یہ تمہارا احسان نہیں تھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم نے خود بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہے۔

قَالَ فِرْعَوْنُ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ قَالَ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ إِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ۝

رَبّ کی حقیقت کیا ہے؟

فرعون نے کہا کہ اچھا چلو یہ بتاؤ کہ جس رَبّ کے رسول بن کر تم آئے ہوئے ہو، اس رَبّ کی حقیقت کیا ہے!

زمین و آسمان کا ہر ذرّہ باری تعالیٰ کا منہ بولتا تعارف ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے جواب سے اس طرف اشارہ فرمایا کہ رَبّ کی تعریف اس کی حقیقت سے نہیں بلکہ اس کے اوصاف وکمالات سے ہوتی ہے، رَبّ تعالیٰ کی حقیقت کا ادراک، انسانی ذہن کر ہی نہیں سکتا، فرمایا: ''رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ '' اگر سمجھنا چاہو تو بس اتنی بات سمجھ لو کہ آسمان وزمین اور اس کے درمیانی مخلوقات کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

قَالَ لِمَنْ حَوْلَهٗٓ أَلَا تَسْتَمِعُوْنَ ۝ قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْأَوَّلِيْنَ ۝

فرعون کو یہ جواب پلّے نہ پڑا، اپنے درباریوں سے کہنے لگا کہ میں سوال کچھ کرتا ہوں، موسیٰ جواب کچھ دیتا ہے! شاید موسیٰ کو سوال سمجھ ہی نہیں آیا ہے۔

حضرت موسیٰ نے تاکیداً مزید فرمایا: ''رَبُّكُمْ وَرَبُّ آبَائِكُمُ الْأَوَّلِينَ'' میں تو سوال سمجھ چکا اور جواب بھی دے چکا، مزید سمجھو کہ وہ خدا، تمہارا بھی ربّ ہے (تم خدا نہیں ہو) اور تمہارے آباءواجداد کا بھی ربّ ہے۔

قَالَ إِنَّ رَسُولَكُمُ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ ﴿٢٧﴾

فرعون اپنے درباریوں سے کہنے لگا کہ یہ تمہارا بزعمِ خود رسول، مجنون لگتا ہے۔ میرے دربار میں، میرے سامنے کھڑے ہو کر کسی اور کو خدا بتانا جنونیت نہیں ہے تو اور کیا ہے! نیز میں رَبّ کی ''حقیقت'' کے بارے میں پوچھتا ہوں اور یہ اُس رَبّ کے ''اوصاف'' بتانے لگ جاتے ہیں، سوال سمجھتے ہی نہیں ہیں۔

قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۖ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٢٨﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شاندار جواب دیا کہ کم عقلی کا مظاہرہ تو تم خود کر رہے ہو، اگر رَبّ کو پہچاننا چاہو تو زمین و آسمان، مشرق و مغرب اور ہر مخلوق کی تخلیق میں رَبّ کی وحدانیت اور صناعی چھلکتی ہے، زمین و آسمان کا ہر ذرہ خود اللہ تعالیٰ کا ''تعارف'' ہے، الگ سے ''تعریف'' کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

قَالَ لَئِنِ اتَّخَذْتَ إِلَٰهًا غَيْرِي لَأَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُونِينَ ﴿٢٩﴾

دلیل کا جواب دھمکی سے

فرعون نے لاجواب ہو کر کہا کہ اگر تم میرے علاوہ کسی اور کو خدا کہو گے تو میں تمہیں جیل ڈال دوں گا۔

قَالَ أَوَلَوْ جِئْتُكَ بِشَيْءٍ مُبِينٍ ﴿٣٠﴾ ......تا...... وَأَنْجَيْنَا مُوسَىٰ وَمَنْ مَعَهُ أَجْمَعِينَ ﴿٦٥﴾ ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخَرِينَ ﴿٦٦﴾
إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٦٧﴾ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ﴿٦٨﴾

آیت نمبر ۳۰ سے آیت نمبر ۶۸ تک کا خلاصہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا کہ اگر میں تمہارے سامنے اپنی نبوّت کی کوئی دلیل پیش کر دوں تب بھی نہیں مانو گے؟ فرعون نے کہا کہ اگر تم واقعی سچے ہو تو کوئی نشانی پیش کرو!

دلیلِ نبوّت پیش کی گئی

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے (عصا سے سانپ بننے اور یدِ بیضاء والے) اپنے معجزات پیش کیے، فرعون نے کہا یہ تو بڑا ماہر جادوگر ہے، اور چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے تمہیں یہاں سے نکال دے۔ لہٰذا مشورہ دو کہ اب اس کا کیا کرنا چاہیے!

فرعون کی مرعوبیت

فرعون، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حقانیت اور معجزات سے اس قدر مرعوب ہوا کہ شہر اور ملک اُس کا اپنا، دربار اُس کا اپنا، لیکن صرف ان دو ہی آدمیوں (حضرت موسیٰ و ہارونؑ) جن کے آگے پیچھے کوئی نہیں ہے، سے اس قدر خوف زدہ ہوگیا کہ یہ دو آدمی ہمیں، ہماری اس مملکت سے نکال دیں گے!

معجزہ اور جادو آمنے سامنے

بہر کیف! درباریوں کے مشورے سے طے ہوگیا کہ حضرت موسیٰ کے مقابلے کے لیے جادوگر لائے جائیں گے۔ دن، جگہ اور وقت طے ہوگیا، ہر جگہ اعلان کر دیا گیا، جادوگر بلا لیے گئے، انہیں بھاری انعام اور فرعون کے قُرب کا لالچ دیا گیا۔

جادو ہار جاتا ہے، اور جادوگر ایمان لے آتے ہیں

مقابلہ شروع ہوا تو موسیٰ علیہ السلام کا عصا، سب جادوگروں کی جادوگری کھا گیا، جادوگروں پر یہ حقیقت منکشف ہوگئی کہ موسیٰ کوئی جادوگر نہیں ہے، یہ کوئی خدائی طاقت ہے، سب جادوگر سجدے میں گر گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔

فرعون کی سیاسی چال

یہ دیکھ کر فرعون بڑا گھبرایا کہ کہیں ساری قوم ہی مسلمان نہ ہوجائے، جادوگروں سے کہنے لگا کہ تم لوگوں نے مجھ سے پوچھے بغیر یہ حرکت کیسے کی؟! اجازت لیے بغیر سجدے میں کیوں گر گئے؟ لگتا ہے کہ تم سب موسیٰ کے شاگرد ہو اور مجھے بے عزت کرنے کے لیے تم لوگوں نے مل کر مقابلے کی یہ سازش گھڑی ہے۔ میں تمہارے ہاتھ پاؤں کٹوا کر تمہیں سولی پر لٹکا دوں گا۔

جادوگروں کا ایمانی غیرت سے بھرپور جواب

جادوگروں نے فرعون سے کہا کہ جو کر سکتے ہو، کرلو! ہمیں کوئی فرق نہیں پڑتا، اگر تم ہمیں سولی پر لٹکا بھی دو گے تو ہم اللہ کی خاطر شہید ہوجائیں گے، اللہ کے پاس ہی جائیں گے۔ تمہاری دھونس دھمکیوں سے گھبرانے والے نہیں ہیں۔

زندگی بھر کفر و شرک میں مبتلا بھی نبی کی صحبت سے پکا موحد بن جاتا ہے

یہ بھی پیغمبرانہ معجزہ ہے کہ ساری زندگی جادوگری کے کفر اور فرعون کی خدائی کو تسلیم کر کے شرک میں مبتلا رہنے والے، نبی کے مقابلے میں آنے والے، نبی کا معجزہ دیکھ کر نہ صرف ایمان لے آتے ہیں بلکہ ایمان کا اس قدر گہرا رنگ چڑھتا ہے کہ قوم کے سامنے فرعون کو صاف کہہ دیتے ہیں: تجھ سے جو ہوسکتا ہے، کر لے! ہم اب اپنے حقیقی رب کو چھوڑنے والے نہیں ہیں۔

صحبت کا اثر

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال فرماتے ہیں کہ "نگاہِ مردِ مؤمن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں"، اہل اللہ کی ایک لمحہ کی صحبت، ہزار سالہ بے ریا اطاعت سے بہتر ہے، یہ صحبت، شخصیت میں انقلاب پیدا کر دیتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ایک لحظہ کی صحبت نے جادوگروں کو صاحبِ استقامت ولی بنا دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہجرت کا حکم ملتا ہے

بہر کیف! اس عظیم واقعے کے باوجود بھی جب فرعون باز نہ آیا اور بنی اسرائیلیوں کو آزادی دینے پر راضی نہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا کہ اپنی قوم کو لے کر راتوں رات یہاں سے نکل جاؤ! موسیٰ علیہ السلام قوم کو لے کر چل پڑے۔

قومِ فرعون کی طرف سے تعاقب اور غرقابی

صبح جب فرعون کو پتا چلا تو اُس نے پورے شہر میں اعلان کرا دیا کہ بنی اسرائیلیوں کا پیچھا کیا جائے! ہمارے مقابلے میں یہ تھوڑے سے لوگ اور چھوٹی سی جماعت ہیں، یہ ہمارا مقابلہ کیا کر سکتی ہے! لہٰذا بےفکر ہو کر ان کا پیچھا کرنے کے لیے تیار ہو جاؤ! غرض خوب تیاری کر کے بنی اسرائیلیوں کا پیچھا کرنے نکلے، انہیں تصور بھی نہیں ہوگا کہ اب دوبارہ کبھی اس شہر میں لوٹنا نصیب نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو نجات دی اور وہ دریا میں بنے ہوئے معجزانہ راستوں سے پار ہو گئے جب کہ فرعون اور اس کے لشکر کو بحرِ قلزم میں غرق کر دیا گیا۔

یہ قصے عبرت کے لیے سنائے جاتے ہیں

اس لیے اے مکہ کے لوگو! اپنے نبی کو نہ جھٹلاؤ۔ اس قصے سے عبرت پکڑو! اگر اللہ چاہتا تو تمہیں بھی دُنیا میں سزا دے دیتا، ہم نے تمہیں مہلت دے رکھی ہے، اس مہلت کو اپنا حق نہ سمجھو اور عذاب سے بےفکر نہ ہو جاؤ!

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ۝ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ۝

"ملتِ ابراہیمی" شرک پرستی کا نہیں، شرک بےزاری کا نام ہے

اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ کیا، یہ قصہ خصوصی طور پر اس لیے بھی سنایا گیا کیونکہ مشرکینِ مکہ خود کو "ملتِ ابراہیمی" پر ہونے کا دعویٰ کرتے تھے، تاکہ اس قصہ سے انہیں یہ نصیحت ہو کہ جس نبی کی ملت ہونے کے تم دعویدار ہو، وہ خود شرک اور بت پرستی سے کس قدر بےزار اور متنفر تھے اور تم شرک پرستی کے کس قدر خوگر ہو! "ملتِ ابرہیمی" پر ہونے کا دعویٰ وہی کر سکتا ہے جو بت پرستی سے بیزار ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور قوم کی باہمی گفتگو

فرمایا کہ "اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ" ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم اور اپنے باپ سے کہا کہ تم کس کی پوجا کرتے ہو؟ "قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ" انہوں نے جواب دیا کہ ہم بتوں کی پوجا کرتے ہیں، انہی کے سامنے جھکتے ہیں، سارا دن انہیں کے سامنے "دھرنا" دیے بیٹھے رہتے ہیں۔

قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ۝ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ۝

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معقول سوال

حضرت ابرہیم علیہ السلام نے اُن سے پوچھا کہ "هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ. اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ" یہ بُت جن کے سامنے تم جھکتے ہو کیا یہ تمہاری بات سنتے ہیں! (اگر تم ان کی عبادت کرو تو) کیا یہ تمہیں نفع دیتے ہیں! (اور اگر تم ان کی عبادت نہ کرو تو) کیا یہ تمہیں نقصان پہنچاتے ہیں! کیونکہ ظاہر ہے کہ عبادت کا حق دار وہی ہے جو علم اور قُدرت کاملہ رکھتا ہو۔

قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ۝

قوم کی طرف سے غیر معقول جواب

انہوں نے کہا کہ یہ تو نہیں پتا کہ سنتے ہیں یا نہیں، البتہ چونکہ ہمارے باپ دادا بھی انہیں کی پوجا کرتے آئے ہیں! ہم بھی اُنہی کی دیکھا دیکھی ان بتوں کی عبادت کرتے رہتے ہیں۔

قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۝ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ۝

غور وفکر کی ابراہیمی دعوت

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: "اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ. اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ" تم دیکھو تو سہی! کم سے کم غور تو کرو کہ تم کس کی پوجا کر رہے ہو، تمہارے باپ دادا کس کی پوجا کرتے رہے! اپنے ان خود ساختہ خداؤں کی حقیقت تو سمجھنے کی کوشش کرو! جو نہ بولتا ہو، نہ سُنتا اور دیکھتا ہو، نہ نفع نقصان کا مالک ہو اور نہ ہی اپنی حفاظت کر سکتا ہو، وہ خدا اور مشکل کُشا کیسے ہو سکتا ہے! ذرا بھی نہیں سوچتے!

فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

بُت شکن کا بُت پرستی سے صاف انکار

"فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ" حضرت ابرہیمؑ نے بیزاری کا صاف اعلان فرمایا کہ میں تو ان بتوں کی پوجا نہیں کرتا، یہ تو میرے دشمن ہیں، جب میرے دُشمن ہیں تو تمہارے بھی دُشمن ہیں (نبی کا دُشمن، اُمتی کا دُشمن ہوتا ہے) ان کی

عبادت میں سوائے نقصان اور خسارے کے، کچھ بھی حاصل ہونے والا نہیں۔ میں تو ان سے بے زار ہوں اور صرف اپنے اللہ کی عبادت کرتا ہوں۔

الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ ﴿۷۸﴾ وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ﴿۷۹﴾ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ﴿۸۰﴾ وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓـَٔتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ ﴿۸۲﴾

قوم کی رغبت کے لیے مختصر اً خدائی صفات کا تذکرہ

"الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ" میرا خدا وہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا، جو میرا خالق ہے، جس نے مجھے میرے مصالح تک مجھے ہدایت دی، مجھے اس قدر فہم و شعور عطا کیا کہ میں اپنے نفع نقصان کو سمجھتا ہوں۔ "وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ" میں جب بھوکا ہوتا ہوں تو وہی اللہ مجھے کھانا کھلاتا ہے، مجھے جب پیاس لگتی ہے تو وہی اللہ مجھے پلاتا ہے، "وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ" اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو اگر بیماری کے بعد شفا ملتی ہے تو شفا بھی اُسی اللہ کی طرف سے ہوتی ہے، وہی اللہ ہی مجھے شفا دیتا ہے، "وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ" وہی میرا خدا ہے جو وقت پر مجھے موت دے گا اور وہی قیامت کے دن مجھے زندگی بخشے گا، "وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓـَٔتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ" مجھے اُسی عظیم ذات سے اُمیدیں وابستہ ہیں کہ وہ قیامت کے دن میری بخشش بھی کر دے گا۔

رَبِّ هَبْ لِیْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۸۳﴾ وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۸۴﴾ وَاجْعَلْنِیْ مِنْ وَّرَثَةِ جَنَّةِ النَّعِیْمِ ﴿۸۵﴾ وَاغْفِرْ لِاَبِیْٓ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّآلِّیْنَ ﴿۸۶﴾ وَلَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ ﴿۸۷﴾

پیغمبر کی جامع دُعا

پھر دُعا فرمائی کہ اے اللہ! مجھے حکمت (علم و عمل میں جامعیت اور ترقی) عطا فرما اور مجھے نیک لوگوں میں شامل فرما، اور آنے والی نسلوں میں میرا ذکر جاری فرما دے، یعنی میری نسلیں بھی میرا ذکر خیر کریں کہ ہمارا ابا ابراہیم یہ نیکی کرنے والا تھا، یہ نیکی کرنے والا تھا، مجھے ایسے اعمالِ صالحہ کی توفیق نصیب فرما کہ بعد والے لوگ اعمالِ صالحہ میں میری پیروی کریں (اس طرح کی دُعا کرنا جائز ہے) مجھے جنّت کا وارث بنا، اور میرے باپ کو (ایمان کی توفیق نصیب فرما کر اُسے) بخش دے۔

مشرک باپ کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اِستغفار کیوں کیا؟

اصل بات یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اپنے والد کی زندگی میں ایک وقت تک اُن کے لیے اس نیت سے مغفرت کی دُعا کرتے رہے تھے کہ شاید اللہ پاک اُنہیں ایمان کی توفیق دے دیں، بعد میں جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابراہیمؑ پر واضح ہو گیا کہ ان کا باپ کُفر پر مرا ہے اور وہ اللہ کا دشمن تھا تو حضرت ابراہیمؑ نے اس سے بیزاری کا اظہار فرما دیا۔ اسی بات کو ایک

دوسری آیت میں اس طرح واضح فرمایا گیا ہے: ''وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ '' (التوبة: ۱۱۴) (مزید تفصیل معارف القرآن: ۶/ ۵۳۱ میں دیکھیے)۔

يَوْمَ لَا يَنفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ ۝ إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ۝ وَأُزْلِفَتِ الْجَنَّةُ لِلْمُتَّقِينَ ۝ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِلْغَاوِينَ ۝ وَقِيلَ لَهُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ تَعْبُدُونَ ۝ مِن دُونِ اللَّهِ هَلْ يَنصُرُونَكُمْ أَوْ يَنتَصِرُونَ ۝ فَكُبْكِبُوا فِيهَا هُمْ وَالْغَاوُونَ ۝ وَجُنُودُ إِبْلِيسَ أَجْمَعُونَ ۝ قَالُوا وَهُمْ فِيهَا يَخْتَصِمُونَ ۝ تَاللَّهِ إِن كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ إِذْ نُسَوِّيكُم بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ وَمَا أَضَلَّنَا إِلَّا الْمُجْرِمُونَ ۝ فَمَا لَنَا مِن شَافِعِينَ ۝ وَلَا صَدِيقٍ حَمِيمٍ ۝ فَلَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝

قوم کی تنبیہ کے لیے احوالِ قیامت کا کچھ تذکرہ

پھر حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کو ڈرانے کے لیے قیامت کے دن کے کچھ احوال بھی بیان فرمائے تاکہ شاید قوم راہِ راست پر آجائے۔ فرمایا کہ قیامت کا دن ایسا ہوگا کہ نہ کسی کو اس کا مال نفع دے گا اور نہ بیٹے نفع دے پائیں گے، سوائے اس شخص کے جو اللہ کے پاس سلیم اور تندرست دل لے کر پہنچے۔

''إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ '' کی تفسیر

اس آیت کی دو تفسیریں بیان کی گئی ہیں، جو کہ درج ذیل ہیں:

پہلی تفسیر

''قلبِ سلیم'' سے مُراد ایمان اور نیک اعمال ہیں۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن انسان کو صرف اس کا اپنا ایمان اور نیک اعمال ہی کام آئیں گے، دنیوی مال و دولت اور بیٹے (جن سے امداد کی توقع ہوسکتی ہے) کام نہیں آئیں گے۔ بیٹیاں تو بے چاری ویسے بھی کمزور ہوتی ہیں، ان سے دست و بازو بننے کا احتمال بہت کم ہوتا ہے۔

دوسری تفسیر

''قلبِ سلیم'' سے مراد ''ایمان'' ہے اور اس کا تعلق پچھلی آیت سے بھی ہے۔ یعنی ویسے تو آخرت میں نہ کسی کا مال کام دے گا اور نہ ہی اولاد نفع دے گی، البتہ جو شخص مومن مرا ہو، اس کا مال اور اولاد (یعنی دنیا میں جو مال اُس نے نیک کاموں میں خرچ کیا اور نیک اولاد چھوڑی) قیامت میں بھی اس کے لیے نافع ہوں گی۔

اس سے معلوم ہوا کہ نصوص میں جہاں یہ بات مذکور ہے کہ قیامت میں مال و دولت اور خاندانی تعلقات کام نہ آئیں گے، اس سے مراد یہ ہے کہ غیر مؤمنین کو (چاہے وہ کسی نبی کی آل و اولاد ہی کیوں نہ ہو) کام نہ آئیں گے۔ مسلمان

فوت ہونے والے شخص کے لیے ان شاء اللہ یہ قیامت کے دن بھی نافع ہوں گے۔ اسی تفسیر کو اکثر حضراتِ مفسرین نے اختیار فرمایا ہے۔ (معارف: ۶/ ۵۳۱، ۵۳۲)

بہر کیف! قیامت کے دِن جنّت کو نیک لوگوں کے اور دوزخ کو گنہگار اور گُفّار کے سامنے کر دیا جائے گا۔ اُس دِن باطل معبودوں اور ان کے سب پیروکاروں کو اوندھے منہ جہنّم میں پھینک دیا جائے گا جہاں جا کر ان مشرکین کی آنکھیں کُھل جائیں گی اور وہ، اپنے باطل معبودوں کی حقیقت کو خوب جان لیں گے کہ انہی نے ہمیں گمراہ کیا، کہیں گے کہ کاش! ہمیں ایک موقع مل جاتا تا کہ ہم ان جھوٹے خداؤں کے بجائے سچّے رَبّ کی اطاعت کر لیں! لیکن ظاہر ہے کہ اب موقع ملنے والا نہیں۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً ۭ وَمَا کَانَ اَکْثَرُھُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّکَ لَھُوَ الْعَزِیْزُ الرَّحِیْمُ ۝

ابراہیمی واقعہ محض قصہ گوئی نہیں، قابلِ عبرت ہے!

اللہ پاک فرماتے ہیں کہ ابراہیمؑ کے قصے میں حق کے طلب گاروں کے لیے بڑی عبرت ہے کہ بُت پرست حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مناظرہ کو دیکھیں اور اللہ کی توحید پر ایمان لے آئیں، قیامت کے احوال سے ڈریں اور شرک چھوڑ دیں۔ لیکن "ملّتِ ابراہیمی" کے دعوے دار ہونے کے باوجود، مشرکینِ مکہ، حضرت ابراہیمؑ کی پیروی نہیں کرتے اور ایمان نہیں لاتے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے بُت پرستوں کے مقابلے میں کامیابی عطا فرمائی اور بُت پرست ناکام ہوئے، مشرکینِ مکہ تم بھی بُت پرست ہو، میرے نبی کا مقابلہ کر کے ناکامی تمہارا بھی نصیب ہوگی۔ اللہ اس پر خوب قادر ہے کہ تمہیں بھی دُنیا میں سزا دے دے، لیکن اس نے اپنی حکمت سے مہلت دے رکھی ہے۔

کَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ الْمُرْسَلِیْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَھُمْ اَخُوْھُمْ نُوْحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ ۝ فَاتَّقُوا
اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ ۝ وَمَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ ۝

آدمِ ثانی (حضرت نوح علیہ السلام) بھی قوم کی تکذیب سے نہ بچ سکے

"کَذَّبَتْ قَوْمُ نُوْحِ الْمُرْسَلِیْنَ" قومِ نوح نے بھی نبیوں کو جھٹلایا، ایک نبی کی تکذیب، سارے انبیاء کی تکذیب سمجھی جاتی ہے (کیونکہ سب انبیاء کی دعوت ایک ہی ہوتی ہے، ایک کی دعوتِ حق کا انکار، سب نبیوں کی دعوت سے انکار ہے) جس نے حضرت نوح علیہ السلام کو جھٹلایا، گویا اُس نے سب انبیاء کو جھٹلایا۔ اسی طرح جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی نہیں مانتا، گویا وہ سارے نبیوں کو نہیں مانتا۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو سمجھایا کہ مجھے تم سے کوئی لالچ اور دُنیوی مفاد وابستہ نہیں ہے، مجھ پر ایمان لے آؤ، بچ جاؤ گے، میں رب تعالیٰ کے احکامات، پوری امانت داری کے ساتھ تم تک پہنچا رہا ہوں۔

قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَکَ وَاتَّبَعَکَ الْاَرْذَلُوْنَ ۝

قوم کے دو اِعتراضات

قوم نے پہلے تو یہ اعتراض کیا کہ تمہارے پیروکار اور ساتھی، حقیر اور بے وقعت لوگ ہیں، معاشرے میں ان کی کوئی حیثیت نہیں، جب کہ ہم باعزت اور خاندانی لوگ ہیں۔ ہم ایسے حقیر لوگوں کے ساتھ بیٹھنے کو عار سمجھتے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ ان کا منشا یہ اعتراض بھی تھا کہ اگر تمہاری دعوت واقعی معقول ہوتی تو سمجھ دار لوگ اسے قبول کر لیتے، حالانکہ تمہاری پارٹی کے سارے لوگ ایسے ہیں جنہیں ہم سمجھ دار نہیں کہہ سکتے، معلوم ہوا کہ تمہاری دعوت بھی معقول نہیں، اور یہ لوگ کسی مفاد کی وجہ سے تمہارا ساتھ دے رہے ہیں۔

قَالَ وَمَا عِلْمِيْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ اِنْ حِسَابُهُمْ اِلَّا عَلٰي رَبِّيْ لَوْ تَشْعُرُوْنَ ۝ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝
اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

پیغمبرانہ جواب

۱۔ حضرت نوحؑ نے جواب دیا کہ مجھے ان کے پیشوں اور عزت وذلت سے کیا غرض! دین میں تو یہ تفاوت معتبر ہی نہیں ہے۔ نیز یہ بھی سمجھ لو کہ عزت وذلت کا معیار، خاندانی حسب نسب کو سمجھنا حماقت ہے، عزت وذلت کا اصل مدار اعمال واخلاق پر ہوتا ہے اور چونکہ ہر شخص کے اعمال سے ہم واقف نہیں ہوتے اس لیے ہم یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ حقیقتاً کون شریف اور باعزت ہے اور کون رذیل اور بے وقعت ہے!

۲۔ باقی جہاں تک تمہارا یہ خیال ہے کہ یہ لوگ حقیقتاً ایمان نہیں لائے، تو اس کا حساب کتاب میرے اللہ نے لینا ہے، میں نے اور تم نے نہیں لینا۔ جو جس نیت سے ایمان لائے گا، اپنا حساب دے گا اور جو ایمان نہیں لائے گا، اپنا حساب خود دے گا، میرا فرضِ منصبی صرف یہ ہے کہ تمہیں حقیقت سے آگاہ کر دوں بس! اپنا نفع، نقصان تم خود دیکھ لو گے! اس دعوت میں میرا نہ تو کوئی مفاد وابستہ ہے اور نہ ہی تمہارے ایمان نہ لانے سے میرا کوئی نقصان ہے۔

قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰنُوْحُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمَرْجُوْمِيْنَ ۝

قوم کی دھمکی

جہاں دلیل کا جواب دلیل سے نہ دیا جا سکے، وہاں معاملہ بدزبانی اور دھمکیوں پر اُتر آتا ہے، قومِ نوح بھی عاجز آکر دھمکیوں پر اُتر آئی کہ ”اے نوح! اس دعوت سے باز آجاؤ ورنہ سنگسار کر دیے جاؤ گے۔“

ان سب تکالیف اور جان سے مارنے کی دھمکیوں کے باوجود حضرت نوحؑ، حق گوئی پر ڈٹے رہے اور سالہا سال قوم کو راہِ راست پر لانے کی لگن میں مگن رہے (تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے)۔

قَالَ رَبِّ اِنَّ قَوْمِيْ كَذَّبُوْنِ ۝ فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِيْ وَمَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

قوم سے مایوس ہو کر پیغمبرانہ دُعا

جب قوم نے نافرمانی کی حد کر دی تو حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ پاک سے دُعا کی: "رَبِّ اِنَّ قَوْمِىْ كَذَّبُوْنِ" میری قوم مجھے مسلسل جھوٹا کہہ رہی ہے، میری دعوت پر کان دھرنے کو تیار ہی نہیں۔ "فَافْتَحْ بَيْنِىْ وَبَيْنَهُمْ فَتْحًا وَّنَجِّنِىْ وَمَنْ مَّعِىَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ" اے اللہ! اب بس ہمارے درمیان عملی فیصلہ کر ہی دیجیے۔ جھوٹوں کو ہلاک کر دیجیے اور مجھ پر ایمان والوں کو مجھ سمیت نجات عطا فرمایئے۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِى الْفُلْكِ الْمَشْحُوْنِ ۝ ثُمَّ اَغْرَقْنَا بَعْدُ الْبٰقِيْنَ ۝ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ؕ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

پیغمبر کی دُعا رَدّ نہیں ہوتی

اللہ تعالٰی نے اپنے اولوالعزم پیغمبر کی دُعا قبول کی، نوح علیہ السلام اور مومنین کو نجات ملی اور نہ ماننے والی ساری قوم سیلاب کے عذاب میں غرق کر دی گئی۔ یہ واقعہ بھی اہلِ مکہ کی عبرت کے لیے بیان کیا گیا۔

كَذَّبَتْ عَادُ ِۨالْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَمَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

"قومِ عادؑ" نے بھی تکذیب کے مشن کو جاری رکھا

پھر اللہ پاک نے قومِ عادؑ کا ذِکر فرمایا، کہ قوم عاد نے بھی اپنے نبی، سیّدنا "ہودؑ" علیہ السلام کو جھٹلا کر سارے نبیوں کو جھٹلا دیا، حضرت ہود علیہ السلام نے قوم سے وہی بات فرمائی جو دیگر انبیاء اپنی قوم سے فرماتے آئے کہ اللہ سے ڈرو، میں اللہ کا رسول ہوں، امین ہوں، میری پیروی کرو، میں تم سے اس دعوت کے بدلے پیسے نہیں مانگتا، کوئی مالی مفاد وابستہ نہیں ہے، میری اس محنت کا اجر تو صرف میرا اللہ ہی مجھے دے گا۔

اَتَبْنُوْنَ بِكُلِّ رِيْعٍ اٰيَةً تَعْبَثُوْنَ ۝ وَتَتَّخِذُوْنَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ ۝ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝

"قومِ عادؑ" کی چند بُری اور فضول عادتیں

اس قوم میں شرک اور تکبّر کے علاوہ بھی کچھ عادتیں ایسی تھیں جن کا نہ دنیوی فائدہ تھا اور نہ اُخروی۔ ان آیات میں اس قوم کی ایسی تین عادتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے جو ہمارے لیے بھی قابلِ عبرت ہیں:

۱- اُونچی اُونچی یادگاریں بنایا کرتے تھے

یہ قوم، اونچی اونچی جگہوں پر "یادگار" کے طور پر بلند عمارتیں بنایا کرتے تھے تا کہ دُنیا میں ہمارا نام اونچا رہے،

اونچی اور بلند عمارتیں بنانے میں مقابلہ بازی کیا کرتے تھے، جیسے آج کل دنیا کے کئی ممالک میں مقابلہ چھڑ گیا ہے کہ کس ملک کی بلڈنگ اور ٹاور "بلند ترین بلڈنگ" کا اعزاز لیتا ہے، کبھی دنیا کا سب سے بڑا ٹاور ملائیشیا میں بن گیا، پھر دبئی میں بن گیا، پھر کسی نے کہا کہ سعودیہ میں اتنی منزلہ بلڈنگ بن گئی تو دبئی والوں نے پھر اس سے اونچا ٹاور بنا دیا، قومِ عاد بھی اسی مقابلہ بازی میں مگن رہتی تھی۔

۲۔ ضرورت سے زائد محلات بنایا کرتے تھے

دوسرا کام یہ کرتے تھے کہ رہائشی ضرورت سے زائد محلات بنایا کرتے تھے۔ یہ وبا بھی اب عام ہوتی جارہی ہے کہ ہر پُرفضا مقام پر، ہر معروف شہر اور ملک میں اپنا الگ الگ مکان ہونا چاہیے۔ حالانکہ نبی کریم نے فرمایا: "أَمَا إِنَّ كُلَّ بِنَاءٍ وَبَالٌ عَلَى صَاحِبِهِ إِلَّا مَا لَا، إِلَّا مَا لَا" يَعْنِي مَا لَا بُدَّ مِنْهُ۔" (سنن أبي داود: ۴/ ۵۳۰) یعنی ضرورت سے زائد اور غرضِ صحیح کے بغیر جو بھی تعمیر کی جائے گی، وہ اپنے مالک کے لیے قیامت میں وبال ثابت ہوگی۔

۳۔ طبیعت میں سختی اور بے رحمی تھی

فرمایا جب تم کسی پر گرفت کرتے ہو تو خوب جابر بن جاتے ہو اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ ان کا تکبر تھا جس کی وجہ سے فطری طور پر مزاج میں تیزی اور سختی آجاتی ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو نصیحت فرمائی کہ تمہارے یہی برے اخلاق، اللہ پاک کی ناراضگی کا باعث ہیں۔ اس لیے اللہ پاک اور اس کی گرفت سے ڈرو اور (بری عادتیں چھوڑ کر) ایمان لے آؤ اور میری اتباع کرلو۔ نجات پا جاؤ گے۔

وَاتَّقُوا الَّذِيْٓ اَمَدَّكُمْ بِمَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ۝ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝

خدائی احسانات کا تقاضا بھی اطاعتِ باری ہے

اللہ نے تمہیں مال مویشی دیے، باغات دیے، پانی کے عمدہ چشمے عطا فرمائے، ایک انسان کو اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیے! ان احسانات کا تقاضا تو یہ تھا کہ تم اللہ کی مخالفت نہ کرتے بلکہ مطیع و فرمانبردار بن کر رہتے لیکن تم نے تو سرکشی کو ہی اپنی عادت بنا رکھا ہے! اگر اپنی ان عادتوں سے باز نہ آئے تو مارے جاؤ گے!

قَالُوْا سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَوَعَظْتَ اَمْ لَمْ تَكُنْ مِّنَ الْوٰعِظِيْنَ ۝ اِنْ هٰذَآ اِلَّا خُلُقُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ۝

قوم کا متکبرانہ جواب

اس قدر خیر خواہی کے جواب میں قوم نے کہا کہ "ہم تمہارے وعظ سے متاثر ہونے والے نہیں ہیں، تم سے پہلے بھی

نبوّت کے دعویدار ایسی ہی باتیں کیا کرتے تھے، یہ باتیں عرصے سے چلی آتی ہیں، اس لیے ہم ان باتوں سے ڈرنے والے نہیں، ہم پر کوئی عذاب نہیں آنے والا۔" خلاصہ یہ کہ اپنی وعظ ونصیحت اور دھمکیاں اپنے پاس رکھو۔

فَكَذَّبُوْهُ فَاَهْلَكْنٰهُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

تباہی ان کا مقدّر بنی

غرض جب قوم نے اپنے نبی کی ہر لحاظ سے تکذیب کی اور ان پر حجت تام ہوگئی تو اللہ پاک نے سخت آندھی کا عذاب بھیج کر انہیں تباہ کر کے رکھ دیا، بلند و بالا ٹاور اور بلڈنگیں بھی انہیں اللہ کی گرفت سے نہ بچا سکے۔

مکہ کے کافرو! میرے نبی کے دشمنو! ان واقعات سے عبرت حاصل کرو، وہ نہیں بچ سکے تم بھی نہیں بچ سکتے اس لیے یہ قصے تمہیں سنائے جا رہے ہیں۔ لہٰذا اللہ کی مہلت کو اپنا حق نہ سمجھو بلکہ سیدھے رستے پر آجاؤ!

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ صٰلِحٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّىْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَمَآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

"قومِ ثمود" کو بھی راہِ راست کی طرف بلایا گیا

قوم ثمود نے بھی اپنے نبی کو جھٹلا کر گویا سارے نبیوں کی تکذیب کر دی، ان کے نبی حضرت صالحؑ نے ان سے بھی وہی باتیں کیں جو ہر نبی نے اپنی اُمت سے کی ہیں۔

اَتُتْرَكُوْنَ فِيْ مَا هٰهُنَآ اٰمِنِيْنَ ۝ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّزُرُوْعٍ وَّنَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ ۝ وَتَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا فٰرِهِيْنَ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَلَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ۝

خوشحالی اور عیش وعشرت سب عارضی ہے، اس پر اِتراؤ مت!

حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو سمجھایا کہ اللہ پاک نے بلاشبہ تمہیں دُنیوی نعمتیں عطا کر رکھی ہیں اور ایسی حذاقت عطا فرمائی ہے کہ تم بڑی مہارت کے ساتھ پہاڑوں کو تراش کر گھر بنا لیتے ہو، لیکن یاد رکھو کہ یہ سب نعمتیں عارضی ہیں، لہٰذا انہی پر بھروسہ کر کے حق کی تکذیب نہ کرو، خدا تعالیٰ کے دُشمنوں اور سرکشوں کی باتوں میں مت آؤ، بلکہ اُسی اللہ کی اطاعت کرو جس نے تمہیں یہ نعمتیں عطا کر رکھی ہیں۔ تم نے کیا سمجھ رکھا ہے کہ تمہیں ان نعمتوں میں بے فکری سے رہنے دیا جائے گا؟ تمہارا دنیا میں بس یہی مقصد ہے کہ کھاؤ، پیو، آرام کرو، بس، اور کوئی مقصد نہیں! ایسا نہیں چلے گا، اللہ کی فرمانبرداری کرنی پڑے گی۔

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۝ مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ښ فَاْتِ بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

دعوتِ حق کا جواب: بھلا انسان بھی "نبی" ہوسکتا ہے!

قوم نے کہا: صالح! بھلا تمہیں ہوکیا گیا ہے کہ ایسی بہکی بہکی باتیں کررہے ہو! (نعوذ باللہ) تم اور وہ بھی نبی! کیا انسان بھی نبی ہوتا ہے! لگتا ہے تم پر کسی نے بڑا بھاری جادو کردیا ہے، اس لیے عجیب عجیب باتیں کررہے ہو!

فَأْتِ بِآيَةٍ إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ۝

تمہاری نبوّت کی دلیل کیا ہے؟

قوم نے کہا ہمیں تو تمہارے دعوے پر یقین نہیں ہے۔ اگر بالفرض تم اپنے دعویٰ میں سچے بھی ہو تو اس دعوے کا کیا ثبوت ہے تمہارے پاس؟ نبوّت کی نشانی اور معجزہ دکھاؤ تو ہم مانیں!

قَالَ هَٰذِهِ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُومٍ ۝ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝

اُونٹنی کا منہ مانگا معجزہ عطا ہوتا ہے

قوم کے مطالبے پر اللہ پاک کی طرف سے خلافِ عادت، پہاڑ سے اونٹنی برآمد ہوتی ہے (تفصیل پہلے بیان ہو چکی) حضرت صالحؑ قوم سے کہتے ہیں کہ یہ ہے اونٹنی، جو معجزہ بھی ہے اور میری رسالت کی دلیل بھی ہے، اس کے کچھ حقوق ہیں، جب تک اس کے حقوق کا خیال رکھو گے تو اللہ کی پکڑ سے محفوظ رہو گے۔

ایک حق تو یہ ہے کہ ایک دن یہ اونٹنی پانی پیے گی اور دوسرے دن تمہارے مال مویشی پانی پیا کریں گے۔ دوسرا حق یہ ہے کہ خبردار! برائی اور نقصان پہنچانے کے ارادے سے اسے چھونا بھی مت! ورنہ سب مارے جاؤ گے۔

فَعَقَرُوهَا فَأَصْبَحُوا نَادِمِينَ ۝ فَأَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً ۖ وَمَا كَانَ أَكْثَرُهُم مُّؤْمِنِينَ ۝ وَإِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الرَّحِيمُ ۝

معجزے کی قدر نہ کی، مارے گئے

اتنا عجیب معجزہ دیکھ لینے کے باوجود قوم کے لوگوں نے نہ تو حضرت صالحؑ کو رسول مانا اور نہ ہی اس اونٹنی کے حقوق ادا کیے بلکہ انہوں نے اس اونٹنی کو مار ڈالا، بعد میں انہیں پشیمانی تو ضرور ہوئی لیکن ایسی پشیمانی کس کام کی جو توبہ اور ایمان سے خالی ہو۔ اس ظلم کے نتیجے میں اللہ کے عذاب کے حق دار ٹھہرے، فرشتے کی زبردست چنگھاڑ سے ان کے کلیجے پھٹ گئے اور سب نیست و نابود کردیے گئے۔

اہلِ مکہ کو تنبیہ

قابلِ غور بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے اللہ کی عطا کردہ اونٹنی کو نقصان پہنچایا تو ان کا حشر یہ ہوا، خود سوچو کہ جو شخص اللہ کے

رسول کے ساتھ گستاخی کرے، ان کا مذاق اڑائے تو اس کا انجام کیا ہوگا! اگر کوئی مساجد کی توہین کرے، بیت اللہ کی توہین کرے، حرمین کی توہین کرے تو ان کا کیا حال ہوگا! اس لیے اس واقعے سے عبرت حاصل کرو، یہ قصے عبرت ہی کے لیے سنائے جاتے ہیں۔

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۶۰﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۱﴾ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ﴿۱۶۲﴾ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۱۶۳﴾ وَمَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰى رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۴﴾

''قومِ لوط'' بھی تکذیب کی روش سے باز نہ آئی

قومِ لوط نے بھی رسولوں کو جھٹلایا، جب لوط علیہ السلام کی دعوتِ حق کی تکذیب کی تو گویا سارے رسولوں کی تکذیب پائی گئی۔ حضرت لوط علیہ السلام نے بھی اپنی قوم سے وہی سب کچھ کہا جو دوسرے انبیاء نے اپنی اپنی قوموں سے کہا تھا، حق کی طرف دعوت دی اور اپنے خیر خواہ ہونے کی وضاحت فرمائی۔ سارے انبیاء کی ایک جیسی تقریر اللہ نے قرآن میں نقل کی ہے۔

اَتَاْتُوْنَ الذُّكْرَانَ مِنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۵﴾ وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ عٰدُوْنَ ﴿۱۶۶﴾

ہم جنس پرستی (Homosexuality) خدائی قہر کا ذریعہ ہے

حضرت لوطؑ نے اپنی قوم کو سمجھایا کہ تم کیسی انسانیت سے گری ہوئی حرکتیں کرتے ہو! اپنی حلال بیویوں کو چھوڑ کر ہم جنس پرستی کے مرتکب ہوتے ہو! ایسی خلافِ فطرت، بیچ اور گھٹیا حرکت تو تمہارے سوا دُنیا میں کسی انسان نے نہیں کی۔

آج کل ''Gay'' اور ''Lesbian'' ہونا فخر سمجھا جاتا ہے

کتنے افسوس کی بات ہے کہ جس فعلِ بد کی وجہ سے اللہ پاک نے پوری قوم کو دردناک عذاب سے دوچار کیا، وہی فعل آج کی مہذب دُنیا میں قانونی قرار دیا جا رہا ہے۔ مرد بھی ہم جنس پرست ہیں اور خواتین بھی اسی لعنت میں مبتلا ہیں۔ بہت سے مردوں کی مردوں سے اور بہت سی خواتین کی خواتین سے نہ صرف شادی ہو رہی ہے بلکہ اپنے اس فعل کو فخریہ انداز میں بیان بھی کیا جا رہا ہے۔ جمہوریت کی آڑ میں خدا کی لعنت کا مستحق ہونا کہاں کی عقل مندی ہے! خدائی تعلیمات وتنبیہات کے باوجود بے حیائی اور فحاشی کو قانونی جواز فراہم کر کے خدائے بزرگ و برتر سے جنگ مول لینا کہاں کی سمجھ داری ہے؟ العیاذ باللہ العظیم!

قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ يٰلُوْطُ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُخْرَجِيْنَ ﴿۱۶۷﴾

حضرت لُوط علیہ السلام کو جلا وطن کرنے کی دھمکی دی گئی

پیغمبرانہ دعوت کے جواب میں قوم سرکشی پر اُتر آئی اور اپنے پیغمبر کو دھمکی دی کہ اگر ہمارے افعال پر تنقید کرنے سے باز نہ آئے تو بستی سے نکال دیے جاؤ گے، تمہیں جلا وطن کر دیا جائے گا۔ یہاں رہنا ہے تو اپنے ہونٹ سی کر رہو۔

قَالَ اِنِّيْ لِعَمَلِكُمْ مِّنَ الْقَالِيْنَ ﴿۱۶۸﴾

پیغمبرانہ جواب: مَیں بھی تمہارے اِن افعال سے سخت متنفر ہوں!

حضرت لوطؑ نے جواب دیا کہ خاموش تو وہ رہے جسے کوئی خوف ہو یا جو تمہاری ان حرکتوں کو درست سمجھتا ہو۔ مجھے نہ تو تمہاری دھمکیوں کی پروا ہے اور نہ میں تمہاری گندی حرکتوں کو شرعاً، قانوناً اور اخلاقاً درست سمجھتا ہوں، اس لیے میں حق کی طرف دعوت دیتا ہی رہوں گا۔ تمہاری دھمکیوں سے حق چھوڑنے والا نہیں ہوں۔

رَبِّ نَجِّنِيْ وَاَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ۝ ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ۝ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

تباہی ایسی قوم کا مقدر بنتی ہے

اس قدر سمجھانے کے باوجود قوم جب بدکاری اور بدبختی سے باز نہ آئی، تو حضرت لوطؑ نے دُعا کی کہ اے اللہ! ہمیں ان لوگوں کے اعمال (کے متوقع وبال) سے نجات عطا فرما! بس پھر اللہ کا عذاب آیا، آسمان سے پتھروں کی بارش برسائی گئی، اس عذاب سے صرف وہی لوگ بچے جنہوں نے کلمہ پڑھا، باقی سب ہلاک کر دیے گئے۔ حضرت لوطؑ کی بیوی بھی اس عذاب سے نہ بچ سکی، کیونکہ اس نے کلمہ نہیں پڑھا تھا اور وہ اپنی قوم کے فعلِ بد کو غلط نہیں سمجھتی تھی۔

یہ قصہ بھی اہلِ مکہ کی عبرت کے لیے سنایا گیا ہے تاکہ وہ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب سے باز آ جائیں۔

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْـَٔيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اِنِّيْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝ وَمَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۚ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلٰي رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

حضرت شعیب علیہ السلام کی اپنی قوم کو دعوت الی الحق

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ''اصحاب الایکہ'' تھی۔ ''ایکہ'' درختوں کے جھنڈ اور جنگل کو کہتے ہیں۔ چونکہ جہاں یہ قوم آباد تھی، اس جگہ کے اردگرد جنگل تھے، اس لیے اس قوم کو ''اصحاب الایکہ'' یعنی ''جنگل والے'' کہا جاتا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو وہی دعوت دی جو دیگر انبیاء دیتے آئے ہیں۔ سب پیغمبروں کی دعوت ایک ہی ہوتی ہے۔

اَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُخْسِرِيْنَ ۝ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۝ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ وَاتَّقُوا الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالْجِبِلَّةَ الْاَوَّلِيْنَ ۝

اس قوم کی بڑی خامی ''ناپ تول میں گڑبڑ اور ڈکیتیاں'' تھیں

حضرت شعیبؑ کی قوم، ایک تاجر قوم تھی۔ راہِ حق پر نہ ہونے کے علاوہ ان میں یہ بیماری بھی تھی کہ جب کسی سے کوئی

چیز ناپ تول کر لینی ہوتی تو خوب حساب کر کے سودا لیتے تا کہ مکمل حق وصول کیا جا سکے۔ ہمارا حق رہ نہ جائے۔ لیکن جب کسی کو ناپ تول کر چیز دینی ہوتی تو ناپنے تولنے میں ڈنڈی مار جاتے۔ ان میں دوسری خامی یہ تھی کہ یہ "ڈکیت" تھے، چوری ڈکیتی کرتے رہتے تھے۔ عموماً سرمایہ دار خائن اور غریب لوگ، چور ڈکیت ہوتے تھے۔

ہمارے بعض تاجروں میں بھی یہ خامی موجود ہے

آج کل ہمارے بعض دُکان دار اور تاجر بھی اسی عادتِ بد کا شکار ہیں۔ ان لوگوں نے یا تو تولنے والے باٹ کو کھوکھلا کیا ہوا ہوتا ہے یا پھر کانٹے کے وزن والے پلڑے کے نیچے شاپر میں بجے اور اینٹ کے ٹکڑے باندھ رکھے ہوتے ہیں تا کہ کچھ نہ کچھ چیز بچائی جا سکے یا پھر سودا تولتے ہوئے اتنے زور سے سامان کو پلڑے میں پھینکتے ہیں کہ پلڑا وزن سے جھک جائے، بس فوراً ہی وہ چیز اُٹھا کر گاہک کو دے دی جاتی ہے۔ یہ دونوں خامیاں ہمارے اندر بھی پائی جاتی ہیں۔ اللہ پاک ہدایت نصیب فرمائیں۔ آمین

بہرکیف! حضرت شعیبؑ نے انہیں سمجھایا کہ: کم نہ ناپا کرو، کم نہ تولا کرو، سیدھا سیدھا اور پورا پورا وزن کیا کرو، چوریاں ڈکیتیاں نہ کیا کرو، اپنے پیدا کرنے والے رب سے ڈرو اور راہِ راست پر آ جاؤ!

قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مِنَ الْمُسَحَّرِيْنَ ۝ وَمَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

حضرت شعیب علیہ السلام کی بھی تکذیب کی گئی

اس قوم نے بھی اپنی پیش رو قوموں کی طرح اپنے پیغمبر حضرت شعیبؑ کی تکذیب کی، انہیں جادو کا شکار سمجھا اور ان کی حق باتوں کو جادو کا اثر سمجھا۔ کہنے لگے کہ اگر اپنے نبوت کے دعوے میں سچے ہو تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو تا کہ ہمیں تمہاری سچائی کا یقین آ جائے۔ انبیاء سے کیسے کیسے بے ہودہ مطالبے کیے گئے۔

قَالَ رَبِّيْٓ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ۭ اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً ۭ وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝

اس قوم کو جلا کر خاکستر کر دیا گیا

غرض حضرت شعیب علیہ السلام کے بار بار سمجھانے کے باوجود جب قوم اپنے کرتوتوں سے باز نہ آئی تو اللہ کے عذاب کا شکار ہو گئی۔ اللہ پاک کے حکم سے ان کے علاقے میں ایسی سخت گرمی پڑی کہ نہ کمرے کے اندر چین آتا تھا اور نہ ہی باہر سکون ملتا تھا، جب قوم گرمی سے بلبلانے لگی تو اللہ پاک کے حکم سے ان کے قریبی جنگل میں ایسا بادل نمودار ہوا جیسے ابھی بارش برسانے والا ہو، اس کے نیچے ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے محسوس ہوتے تھے۔ ساری قوم دوڑ کر جب اس

بادل کے نیچے جمع ہوگئی تو اس بادل سے پانی کی بجائے انگارے برسائے گئے جس کے نتیجے میں ساری نافرمان قوم جل کر راکھ بن گئی۔ العیاذ باللہ العظیم!

پانچ معروف اور معذب قومیں

میں بار بار ذکر کر چکا ہوں کہ پانچ معذب قوموں (قومِ نوح، قومِ عاد، قومِ ثمود، قومِ لوط اور قومِ شعیب) کا اللہ نے قرآن میں بار بار ذکر کیا ہے، یہ قومیں سیمپل (Sample) ہیں، اگزیمپل (Example) ہیں، قومیں تو اور بھی بہت سی ہلاک ہوئی ہیں، لیکن یہ پانچ قومیں چونکہ جزیرۃ العرب میں یا اس کے قریب رہتی تھیں اور عرب والوں کے لیے انہیں پہچاننا آسان تھا، ان کے آثار اور کھنڈرات نزدیک تھے، اس لیے قرآنِ پاک میں انہی کی مثالیں دی گئی ہیں۔ ورنہ نبی تو ہر قوم میں آئے، کہا جاتا ہے کہ ہندوستان میں بھی انبیاء آئے ہیں لیکن چونکہ ہم ان کی تاریخ نہیں جانتے اور نہ ہی کسی نص میں ان کا تذکرہ ہے، اس لیے ان کے بارے میں کچھ کہا نہیں جاسکتا۔

ان قوموں کا مسکن کہاں تھا؟

ان پانچ بڑی قوموں میں سے چار قومیں تو جزیرۃ العرب میں آباد تھیں جب کہ پانچویں قوم (قومِ نوح) اس جزیرے سے ذرا باہر آباد تھی۔

قومِ عاد کا مسکن: اس قوم کا مسکن "ملکِ شام" تھا۔ پتھریلے علاقوں میں یہ قوم آباد تھی۔

قومِ ثمود کا مسکن: یہ قوم "یمن" کے قریب معروف صحراء "الربع الخالی" میں آباد تھی۔ اس قوم کا مسکن ریتیلے ٹیلے تھے، ہر طرف ریت ہی ریت تھی۔ اسی طرف قرآن نے اشارہ فرمایا: "وَاذْكُرْ أَخَا عَادٍ إِذْ أَنذَرَ قَوْمَهُ بِالْأَحْقَافِ" اور عربی میں "احقاف" ریت کے ٹیلے کو کہتے ہیں۔

قومِ لوط کا علاقہ: یہ بدبخت قوم موجودہ "اُردن" کے سرحدی علاقے میں "بحرِ میّت" (Dead Sea) کے کنارے آباد تھی، ان کی بستیوں کا نام "سدوم" اور "عمورہ" تھا۔

قومِ شعیب کا وطن: یہ قوم "خلیجِ عقبہ" کے دائیں کنارے، مشرق میں واقع "مدین" نامی شہر میں آباد تھی، یہ لوگ عربی النسل تھے۔ موجودہ سیاسی نقشے میں اگر غور کیا جائے تو اس کے مطابق یہ، موجودہ سعودی عرب کا جنوب مغربی سرحدی علاقہ بنتا ہے۔ (اَز مرتب عفا اللہ عنہ)

تاہم "وکی پیڈیا" میں درج تفصیل کے مطابق بعض محققین اسے "اُردن" کا حصہ جب کہ دوسرے بعض اسے "سعودی عرب" کا سرحدی علاقہ قرار دیتے ہیں۔ (کیونکہ اُردن اور سعودی عرب کی سرحد یہاں متصل ہے، اس لیے ایسا گمان ہونا غیر فطری نہیں) واللہ اعلم بالصواب!

قومِ نوح کا مسکن: اس قوم کا تعلق "وادئ دجلہ و فرات" سے ہے۔ ترکی، ایران اور آرمینیا کی سرحد پر ایک پہاڑی

سلسلہ ہے جس میں ایک پہاڑ ہے جسے عربی میں "جودی" اور اُردو میں "اراراط" کہتے ہیں، یہ بدنصیب قوم اسی پہاڑ کے قریب آباد تھی۔ (تفصیل کے لیے مفتی ابولبابہ شاہ منصور صاحب دامت برکاتہم کی کتاب "کتاب الجغرافیہ" صفحہ ۲۹۳ سے ۲۹۵ تک ملاحظہ فرمائیے)۔

وَإِنَّهُ لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ﴿١٩٢﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ﴿١٩٣﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ ﴿١٩٤﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ ﴿١٩٥﴾ وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ ﴿١٩٦﴾

قرآن اپنا تعارف خود کراتا ہے

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں قرآن کا تعارف کرایا ہے۔ ہم اس تعارف کو سمجھانے کے لیے سوالاً جواباً نقل کر رہے ہیں۔ سوال خود ہماری طرف سے قائم کیے گئے ہیں جن کا جواب ترتیب سے قرآنی آیات میں موجود ہے۔

ہم پوچھتے ہیں کہ اے قرآن! تمہارا تعارف کیا ہے! کہاں سے آئے ہو؟ جواب ملتا ہے: "لَتَنْزِيلُ رَبِّ الْعَالَمِينَ" پوچھتے ہیں کہ قرآن! تجھے کون لے کر آیا؟ جواب آتا ہے: "نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ" اے قرآن! تُو کس پہ نازل ہوا؟ جواب دیا: "عَلٰى قَلْبِكَ" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پہ اُترا۔ قرآن! تو کیوں اُترا؟ کہا: "لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ" اس لیے اُتارا گیا تاکہ آپ اس قرآن کے ذریعے ساری دُنیا کو اللہ سے ڈرا دیں۔

سوال ہوا کہ اے قرآن! تُو کس زبان میں آیا؟ جواب ملا "بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ" یہ فصیح عربی زبان میں آیا۔ اے قرآن! تیرے مضامین کون سے ہیں؟ فرمایا: "وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ" قرآن کے بعض مضامین تو پہلے صحیفوں میں بھی موجود ہیں۔ سوال ہوتا ہے کہ اے قرآن! تیری صداقت کا گواہ کون ہے؟ جواب ملتا ہے: "أَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ آيَةً أَنْ يَّعْلَمَهُ عُلَمٰٓؤُا بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ ﴿١٩٧﴾" کیا اس قرآن کی صداقت کے لیے اتنی دلیل کافی نہیں کہ بنی اسرائیل کے علماء اسے خوب جانتے ہیں!

اسلام لانے والے علمائے بنی اسرائیل تو برسرِ اعلان اس کی حقانیت کی گواہی دیتے ہیں، عبداللہ بن سلام جیسے، اسد اور اُسید جیسے، عدی بن حاتم جیسے، اسی طرح یہود و نصاریٰ کے بڑے بڑے انصاف پسند لوگ، نجاشی جیسے لوگ اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ یہ قرآن اللہ کی سچی کتاب ہے۔ جو لوگ اسلام نہیں لائے وہ بھی خاص خاص لوگوں کے سامنے اقرار کرتے رہتے ہیں کہ واقعی یہ کلام کسی انسان کا نہیں بلکہ رب العالمین کا کلام ہے لیکن اس کے باوجود ضد اور عناد کی وجہ سے اس پر ایمان نہیں لاتے۔

وَلَوْ نَزَّلْنٰهُ عَلٰى بَعْضِ الْأَعْجَمِينَ ﴿١٩٨﴾ فَقَرَأَهُ عَلَيْهِمْ مَّا كَانُوا بِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿١٩٩﴾

یہ لوگ کسی صورت ایمان لانے والے نہیں ہیں

اللہ پاک فرماتے ہیں کہ اگر میں یہ قرآن کسی عجمی شخص پر نازل کرتا اور وہ عجمی، عربی سے قطعاً نابلد ہونے کے باوجود لوگوں کو عربی میں قرآن سناتا (جو واقعی ایک معجزہ ہی ہوتا) تو تب بھی یہ بدبخت ایمان لانے والے نہیں تھے۔

كَذٰلِكَ سَلَكْنٰهُ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ
لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فَيَقُوْلُوْا هَلْ نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ۝ اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ اَفَرَءَيْتَ اِنْ مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ۝
ثُمَّ جَآءَهُمْ مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝ مَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ۝

ان کے دِلوں میں کُفر رَچ بس گیا ہے

فرمایا کہ ان کی حالت ایسی ہوگئی ہے کہ جب تک یہ خدائی عذاب کو اپنی آنکھوں سے آتا نہ دیکھ لیں، تب تک قرآن پر ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ عذاب کے وقت اگر یہ ایمان لائیں یا مہلت مانگیں بھی تو اس وقت یہ سب امور بے کار ہوں گے۔ اور اگر کچھ مہلت مل بھی جائے تو کس کام کی! طے شدہ عذاب تو ان کا مقدر ہی ہے۔ اس خدائی عذاب سے اُنہیں کوئی چیز نہیں بچا سکتی۔

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ۝ ذِكْرٰى ۛ وَمَا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ۝

اِتمامِ حُجت کے بغیر کسی قوم پر گرفت نہیں کی گئی

فرمایا کہ ہم نے جس قوم پر بھی گرفت کی، ابتداء میں ہم نے اُن کے پاس اپنے پیغمبر بھیجے، اُنہوں نے راہِ حق کی طرف بلایا، اِتمامِ حجت ہوئی، ڈرایا گیا، مہلتیں اور ڈھیل دی گئی، اس کے بعد جا کر گرفت ہوئی ہے۔

اے اہلِ مکہ! یہ اِتمامِ حجت تو تمہارے حق میں بھی پایا جا رہا ہے! پیغمبر موجود ہیں، راہِ راست کی طرف تمہیں صبح شام بلاتے ہیں، نافرمانی کی صورت میں اللہ کے عذاب سے ڈراتے ہیں، اِتمامِ حجت کے لیے اور کیا چاہیے! ہم اپنی گرفت میں نہ صورتاً ظالم ہیں اور نہ معناً وحقیقتاً۔ قومیں خود اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ماری جاتی ہیں۔

وَمَا تَنَزَّلَتْ بِهِ الشَّيٰطِيْنُ ۝

شیطانوں اور کاہنوں کا یہ (قرآن) کلام ہو ہی نہیں سکتا

بعض کُفّارِ مکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ کاہن اور قرآنِ پاک کو شیاطین کی طرف سے القاء کردہ کلام کہتے تھے، ان آیات میں اس کی تردید فرمائی گئی کہ یہ دو وجہ سے شیطان کا کلام نہیں ہو سکتا:

وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ۝

۱- یہ کلام، شیطان کے مقاصد کے خلاف ہے

کیونکہ شیطان کا مقصد تو لوگوں کو گمراہ کرنا ہے، شیطان سراسر گمراہی ہے جب کہ یہ کلام تو سراسر ہدایت کا مجموعہ ہے۔ یہ قرآن تو شیطان کے مفادات کے برعکس ہے تو شیطان یہ کلام کیسے نازل کر سکتا ہے! نہ تو اُسے ایسے مضامین کی آمد ہو سکتی ہے اور نہ یہ مضامین اس کی غرض کو پورا کرنے والے ہیں۔

۲۔ شیطان ایسے کلام پر قادر ہی نہیں ہے

شیاطین اور جنات کو آسمانی وحی سننے سے روک دیا گیا ہے، اس لیے وہ نہ تو ایسا کلام سُن سکتا ہے اور نہ ایسا کلام کسی پر نازل کرسکتا ہے۔

انہی دونوں باتوں کو ”وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ۝“ میں بیان فرمایا گیا ہے۔

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِيْنَ ۝

اگر پیغمبر بھی شرک کرے گا تو پکڑا جائے گا

اللہ پاک نے شرک کی شناعت بتانے اور لوگوں کو اس سے باز رکھنے کے لیے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے محمد! شرک کبھی نہ کرنا! اگر آپ نے بھی شرک کیا تو پکڑ ہوگی! بتانا یہ مقصود ہے کہ اگر بالفرض پیغمبرِ خدا سے بھی شرک سرزد ہو جائے (حالانکہ اس کا تصور ہی ممکن نہیں) تو پیغمبر کو بھی معافی نہیں تو اور لوگوں کی تو حیثیت ہی کیا ہے! اس لیے شرک سے دور رہو۔ اللہ پاک، ہر گناہ معاف کر سکتے ہیں لیکن شرک کے گناہ کو ہرگز معاف نہیں کرنے والے۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ فَاِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ ۝ الَّذِيْ يَرٰىكَ حِيْنَ تَقُوْمُ ۝ وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ ۝ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝

”دعوت“ کو خاندان سے شروع کرنے کی حکمت

اس آیت میں دین کی تبلیغ سب سے پہلے اپنے خاندان سے شروع کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس میں حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ خاندان کے لوگ اس بات کے پہلے حق دار ہیں کہ ہر خیر کے کام کی ابتداء انہی سے کی جائے، نیز قریبی واقفیت کی وجہ سے بات سمجھنا سمجھانا آسان ہوتا ہے، قریبی جان پہچان کی وجہ سے خاندان میں جھوٹا بندہ گھپ نہیں سکتا، سب سے پہلے خاندان ہی اس شخص کی حقیقت لوگوں کے سامنے کھولتا ہے، نیز جب قریبی رشتہ دار کسی اچھی تحریک کے حامی بن جائیں تو وہ تحریک بہت جلد پھیلتی اور کافی زیادہ مؤثر ہوتی ہے۔ (معارف القرآن ملخصاً: ۶/ ۵۵۳)

اس کے بعد فرمایا کہ ایمان لانے والوں کے ساتھ شفقت کا معاملہ فرمائیے اور نافرمانوں سے صاف براءت کا اعلان کیجیے۔ ان کی تکالیف اور ایذاؤں سے پریشان نہ ہوں، ہر فعل وقول ہمارے سامنے ہے۔ ہم ہی انہیں اس کی سزا چکھائیں گے۔

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ۝ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۝ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ۝

شیطانی چیلوں کے اوصاف سنو اور اُن پر ”محمد“ کو پرکھ کر دیکھو!

ان آیات میں اللہ پاک نے فرمایا ”هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ“ آؤ میں تمہیں بتاؤں شیاطین کس

کے پاس آتے جاتے ہیں؟ "تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ" ہر بہتان تراش، جھوٹے اور گناہ گار پر شیطان آتے ہیں، شیطان کے ساتھ ان لوگوں کی دوستی ہوتی ہے، شیطان کا ان کے پاس آنا جانا ہے، استاد اور شاگرد میں مناسبت ہونا چونکہ ضروری ہے، اس لیے شیطان کا شاگرد بھی وہی ہوگا جو اپنے استاد کی طرح جھوٹا اور گناہ گار ہوگا، نیز اپنے استاد کی باتیں بڑی توجہ سے سنے گا اور استاد کی طرف سے سنائی گئی نامکمل اور جھوٹی خبروں کو خود سے لیپا پوتی کر کے مکمل کرنے کی کوشش کرے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ شیطان خود بھی جھوٹا اور گناہ گار ہے اور اس کے شاگرد بھی اُسی روش پر چلنے والے اور دروغ گو ہوتے ہیں۔ اب میرے محمد کو دیکھ کر بتاؤ کہ کیا ایسی پاکباز اور شیطان سے بُغض رکھنے والی متقی شخصیت کا شیطان سے دُور دور کا بھی کوئی تعلق ہوسکتا ہے! پھر میرے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر "کاہن" ہونے کا اعتراض کیوں کر ہوسکتا ہے!

وَالشُّعَرَاۗءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۝ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ۝ وَاَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ ۝

شعر کی تعریف

لغت اور اہلِ منطق کی اصطلاح میں ہر خیالی اور غیر تحقیقی مضامین پر مشتمل کلام کو "شعر" کہا جاتا ہے جس کے لیے مسجع مقفّٰی اور وزن دار ہونا ضروری نہیں۔ جب کہ شعراء کی اصطلاح میں موزوں اور مقفّٰی کلام کو شعر کہتے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہنے کا مطلب

اہلِ مکہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو "شعراء" کی اصطلاح میں شاعر نہیں کہتے تھے کیونکہ وہ شعر کے طرز وطریق سے خوب واقف تھے اور یہ بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ محمد کا لایا ہوا یہ کلام، اشعار کا مجموعہ ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ کفارِ مکہ آپ کو اس لحاظ سے شاعر کہتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام اُن کے گمان میں خیالی مضامین (قبر، حشر، معاد، جنّت، جہنّم وغیرہ) پر مشتمل ہوتا ہے۔

عام شعراء کی حقیقت اور اہم اوصاف

اللہ تعالٰی نے ان آیات میں شعراء کے تین اوصاف بیان فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر ہونے کی تردید فرمائی ہے کہ ان لغو اوصاف سے میرا محمد بھی بری ہے اور اس کا عالی کلام بھی ان سے خالی ہے۔

وَالشُّعَرَاۗءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ۝

پہلا وصف: خیالی مضامین کہنا تو گمراہ لوگوں کا طریقہ ہے

فرمایا کہ وزن دار اور مقفّٰی (لیکن بے ہودہ، بے مقصد اور خدا بیزار) شاعری کرنے والے شُعراء کے متبعین تو گمراہ لوگ ہوتے ہی ہیں، خود ایسا خیالی شاعر بھی راہِ حق سے دور بھٹکتا پھرتا ہے۔ (بامقصد شاعری مذموم نہیں ہے لیکن اس میں بھی اس قدر انہماک کہ حقوق اللہ وحقوق العباد ضائع ہونے لگیں تو اس سے بھی روک دیا جائے گا)۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَۙ

دوسرا وصف: ان کا کلام ہوائی باتوں پر مشتمل ہوتا ہے

فرمایا کہ ان کے شعروں کو تو ذرا سنو! خیالی مضامین میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے ہوتے ہیں "اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَۙ" ہر خیالی وادی میں بھٹکتے پھر رہے ہوتے ہیں، جس کی تعریف کرنے پہ آئے تو زمین و آسمان ایک کر دیا، اور جس کی مذمت کرنے پہ آئے تو اس کو انسانیت کے دائرے سے ہی نکال دیا۔

ہمارے طلبہ نے "دیوانِ متنبی" پڑھی ہے، متنبی جب کافر بادشاہ کی تعریف کرنے پر آتا ہے تو زمین آسمان ایک کر دیتا ہے اور جب اس کی مذمت کرتا ہے تو ایسی ایسی خامیاں نکالتا ہے کہ الامان والحفیظ..... توبہ توبہ!

لقد علمت قبل الخصی بأن الرؤوس مقر النهی

فلما انتهینا الی عقله وجدنا النهی کلها فی الخصی

وَاَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَۙ

تیسرا وصف: ان کے قول و فعل میں تضاد ہوتا ہے

فرمایا کہ شاعر لوگ اپنے اشعار میں ایسی باتیں کہہ جاتے ہیں جنہیں وہ خود کرتے نہیں ہیں، صرف بلند و بانگ دعوے ہی ہوتے ہیں۔

خلاصہ یہ ہوا کہ یہ شعری مضامین عموماً خیالی اور غیر تحقیقی ہوتے ہیں جب کہ قرآنی مضامین سب کے سب تحقیقی اور غیر خیالی ہیں۔ لہٰذا اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر کہنا جنونیت تو ہو سکتی ہے، عقل مندی نہیں کہلائی جا سکتی۔

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا وَّانْتَصَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا ؕ وَسَیَعْلَمُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْۤا اَیَّ مُنْقَلَبٍ یَّنْقَلِبُوْنَ۠

بامقصد، تعمیری اور دینی نظم گوئی اس مذمت میں شامل نہیں

گزشتہ آیات میں چونکہ شاعروں کی مذمت بیان کی گئی ہے تو جو صحابہ کرام شاعر تھے جیسے حضرت حسان رضی اللہ عنہ بن ثابت، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن رواحہ اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ وغیرہ، یہ حضرات بڑے پریشان ہوئے کہ شاید قرآنِ پاک میں ہماری مذمت ہو رہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں! یہ تو ان لوگوں کے بارے میں ہے جو اہل ایمان نہیں ہیں، تم لوگ "اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" والے استثناء میں داخل ہو۔

فرمایا کہ جو شاعر ایمان لائے اور اچھے اچھے عمل کیے، ان کے اشعار میں بے ہودگی نہیں، وہ اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے ہیں (یعنی اپنے اشعار کو دینی خدمت اور اشاعت کے لیے استعمال کرتے ہیں کہ یہ بھی ایک طرح سے ذکر اللہ ہی

ہے)(اور اگر ان کے اشعار میں کوئی نامناسب مضمون یا سخت جملے اگر آئے بھی ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مظلوم تھے، ان کی عزت وآبرو اور دینی شعائر پر حملہ کیا گیا جس کی وجہ سے وہ سخت زُبان سے جواب دینے پر مجبور ہوئے، وہ صرف بدلہ اور انتقام لینے کے لیے زُبان سخت رکھتے ہیں، یہ لوگ ان مذموم شعراء میں شامل نہیں ہیں)۔

وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ۝

جو شخص اب بھی (تکذیب اور اِلزام تراشیوں سے) باز نہ آئے، اس کا ٹھکانا جہنّم ہے

فرمایا کہ ہم نے اپنے پیغمبر پر لگنے والا ہر الزام، انتہائی معقول طریقے سے صاف کیا ہے، ہر ہر اِلزام کی حقیقت واضح کی ہے لیکن اس کے باوجود جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت پر ایمان نہیں لائے گا اور حقوق اللہ، حقوق الرسول یا حقوق العباد میں غفلت اور ظلم کا مرتکب ہوگا تو عنقریب اُسے اپنا ٹھکانہ (جہنّم) معلوم ہو جائے گا۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔اس سورۃ کے شروع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی اور کُفّار کے بارے میں زیادہ پریشان ہونے سے منع فرمایا گیا کہ آپ بس بے فکری سے اپنا فرضِ منصبی ادا کرتے رہیے، ہدایت دینا یا نہ دینا محض ہماری عطا ہے۔

۲۔اہلِ مکہ کی عبرت کے لیے تقریباً سات انبیائے کرام (حضرت موسیٰ، حضرت ابراہیم، حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط اور حضرت شعیب) علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کی قوموں کے قصے بیان فرمائے گئے اور ساتھ میں یہ بھی بتایا گیا کہ ان قوموں میں خرابیاں کیا کیا تھیں اور کس وجہ سے یہ قومیں تباہ ہوئی ہیں! لہٰذا ان قصص سے عبرت حاصل کرو اور اپنے نبی کی تکذیب سے باز آ جاؤ! ورنہ تم بھی انہی کی طرح نشانِ عبرت بنا دیے جاؤ گے۔

۳۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زُبانی اللہ پاک نے اپنا عظیم الشان تعارف کرایا ہے اور بتوں کی حقیقت اس طرح واضح فرمائی ہے کہ عقل مند کے لیے حقیقی رب اور خود ساختہ معبودوں کے درمیان واضح فرق سامنے آ جاتا ہے۔

۴۔قرآنِ پاک کا تفصیلی تعارف کرایا گیا اور ساتھ میں کاہنوں اور شاعروں کے اوصاف بتا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کاہن یا شاعر سمجھنے کی صریح تردید فرمائی گئی کہ شعراء اور کاہنوں کا کوئی وصف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میں نہیں پایا جاتا۔

۵۔ایسی شعرو شاعری کی مذمت بیان فرمائی گئی ہے جو محض خیالی، جھوٹ، لغو اور بے ہودہ مضامین پر مشتمل ہو یا جس کا مقصد اطاعتِ باری سے دور کرنا، خدا اور آخرت سے غافل کرنا اور لوگوں کی بے جا مذمت یا بے جا تعریف ہو، وغیرہ وغیرہ۔

اس کے برعکس ایسی شاعری جو مندرجہ بالا معاصی سے پاک ہو اور اس کا مقصد وعظ و نصیحت اور دینی شعائر کی تعریف یا ان کا دفاع ہو تو اچھے اور عمدہ مضامین پر مشتمل ایسی شاعری مرغوب و محمود ہے اس میں کوئی گناہ نہیں بلکہ نیت کے مطابق اجر بھی ملے گا۔ اِن شاء اللہ! تاہم یہ شاعری بھی تب تک محمود ہے جب تک اس میں بے جا اشتغال نہ ہو (کہ حقوق ضائع ہونے لگ جائیں) ورنہ اسے بھی اعتدال میں لانا ضروری ہوگا۔ واللہ اعلم!

۶- اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی واضح کیا گیا کہ قرآنی مضامین اور شاعرانہ مضامین میں زمین و آسمان کا فرق ہے:
کیونکہ قرآن منزل من اللہ اور حق مضامین پر مشتمل ہے۔ قرآن کی دعوت، اس کے مضامین، اس میں موجود واقعات و امثال سب کے سب حق ہیں، جھوٹ کا شائبہ تک نہیں۔ اس کا معجز طرزِ کلام ہی اس کی حقانیت بیان کرنے کے لیے کافی ہے۔

جب کہ شاعرانہ کلام میں عموماً لغویات، بے ہودگی، فحش مضامین، فرضی قصے، فضول مدح و ذم اور نہ جانے کیا کیا لغویات شامل ہوتی ہیں، اس لیے قرآنِ پاک کو شعر و شاعری کے مضامین سے تعبیر کرنا ظلم اور کم عقلی کی انتہا ہے۔

ایسے ظالم لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہی بنے گا۔

تمت سورۃ الشعراء بفضل اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةُ النَّمْلِ

سورت کا تعارف

یہ سورت ہجرت سے قبل مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ قرآنی ترتیب میں ستائیسویں (۲۷) نمبر پر ہے جب کہ نزول کے اعتبار سے اڑتالیسویں (۴۸) نمبر پر ہے، اس سورت میں سات رُکوع اور ترانوے (۹۳) آیات ہیں۔

نام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کے دو نام بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ النمل: ''نمل'' کا معنی ہوتا ہے ''چیونٹی'' اس سورت میں چیونٹی کے قصے کے علاوہ بھی دیگر بہت دلچسپ قصص ہیں۔ چیونٹی اللہ کی ایک چھوٹی سی لیکن بڑی منظم مخلوق ہے۔ چونکہ اس سورت میں ''چیونٹی'' اور اس کی ذہانت کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے، اسی لیے سورۃ کا نام ''سورۃ نمل'' رکھا گیا۔

۲۔ سلیمان: اس سورت کا ایک نام سورۃ ''سلیمان'' بھی ہے، کیونکہ اس میں بطورِ خاص حضرت سلیمان علیہ السلام کا تفصیلی قصہ بیان کیا گیا ہے۔ حضرت سلیمانؑ کا اس قدر تفصیلی قصہ کسی اور سورت میں بیان نہیں فرمایا گیا۔ (اُتدبر بالقرآن: ص۱۳۱)

ماقبل سے ربط

سورۃ الشعراء اور سورۃ النمل دونوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ اور توحید وغیرہ کے مضامین میں باہم مربوط ہیں۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع ''تہذیب وتمدّن کی سربلندی کا بیان'' ہے۔ حضرت سلیمانؑ، ملکۂ سبا اور دیگر قوموں کی تہذیب وتمدن کو اس سورت میں اُجاگر کیا گیا ہے۔

عمومی مضامین

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ''عمدہ تہذیب'' کے چند مخصوص عناصر بیان فرمائے ہیں:

۱۔ نعمتوں کا شکر: اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں پر شکر ادا کرنے کی عادت ڈالو، اُن نعمتوں کو خیر کے کاموں میں

استعمال کرو۔ حضرت سلیمانؑ نے اللہ کی عطا کردہ عظیم الشان نعمتوں کو "خیر" ہی کے کاموں میں استعمال فرمایا تھا۔ چیونٹی کی بات سن کر سلیمان علیہ السلام نے عطا شدہ نعمتوں پر اللہ پاک کا شکر ادا کیا تھا۔

۲۔ علم اور اہل علم کی برتری اور فضیلت کا ذکر ہے۔

۳۔ اس سورت میں عسکری قوت کا ذکر ہے۔

۴۔ ایمان باللہ: اس سورت میں اللہ نے بتایا کہ ایمان ہر ہر فرد کے لیے ہدف ہے، ہر فرد کو ایمان لانا چاہیے، حتّٰی کہ پرندے بھی ایمان لاتے ہیں، "ہدہد" کے ایمان کا تذکرہ اس سورت میں موجود ہے۔

۵۔ نیز اس سورت میں اللہ پاک کی قُدرتِ کاملہ کو بھی خوب واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ ان ساری تہذیبوں اور تمدنی عروج کے پیچھے اللہ پاک کی عظیم الشان "قُدرت" کارفرما ہے، لہٰذا اسباب پر بھروسہ کی بجائے مسبب الاسباب پر ایمان لانا اور اس کی اطاعت کرنا ہی اصل کامرانی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

طٰسٓ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۝ هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

"طٰسٓ" یہ حروفِ مقطعات ہیں جن کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے (آغاز سورۂ بقرہ اور آلِ عمران)۔ "تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَكِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۝" یہ قرآن اور واضح کتاب کی آیات ہیں، انہیں غور اور توجہ سے سنو! یہ واضح کر کر کے ہر بات بتا رہی ہیں۔ "هُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝" ایمان والوں کے لیے ہدایت اور خوشخبری ہے۔

الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝

مومنین کی جامع صفات: عقائد کی درستگی کے ساتھ ساتھ عباداتِ بدنیہ و مالیہ کا اہتمام

ایمان والے وہ ہیں جو نماز کی پابندی کرتے ہیں (بدنی عبادات میں سے بڑی عبادت ہے) اور زکوٰۃ بھی دیتے ہیں (جو مالی عبادات میں سے سب سے بڑی عبادت ہے) اس کے ساتھ ساتھ وہ آخرت پر پورا یقین رکھتے ہیں (گویا وہ عقیدے کے لحاظ سے بھی ہدایت یافتہ ہیں)۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۝

آخرت کے منکر سزا سے نہیں بچ سکیں گے

اللہ پاک فرماتے ہیں کہ جو لوگ آخرت کے انکاری ہیں، ہم نے ان کی بدعملیوں کو اُن کی اپنی نظروں میں ایسا خوبصورت اور عمدہ بنا دیا ہے کہ وہ انہی کو درست سمجھے ہوئے ہیں اور نیک اعمال کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے، راہِ حق سے بھٹکے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ دنیا و آخرت دونوں میں سزا اور عذاب کے مستحق ہیں۔ انہیں نجات ملنے والی نہیں۔

وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ۞

''قرآن'' عالی شان ربّ کا عالی شان کلام ہے

فرمایا میرے حبیب! آپ کو قرآن اُس اللہ کی طرف سے ملا ہے جو بہت حکمتوں والے ہیں، بہت علم والے ہیں، معنی یہ ہوا کہ حکیم ذات کی طرف سے ملنے والے قرآن میں بہت حکمتیں ہیں، علیم ذات کی طرف سے ملا ہے تو اس کلام میں بہت علم ہے، قرآن حکمت کی کتاب ہے، علم کی کتاب ہے، اب وہ حکمتیں اور علم کیا ہیں؟؟ فرمایا کہ اس کے کچھ نمونے ہم آپ کو دکھاتے ہیں، جو انبیاء علیہم السلام کے قصوں کے ضمن میں بیان ہوں گے۔

اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖۤ اِنِّيْۤ اٰنَسْتُ نَارًا ۭ سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِيْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۞ فَلَمَّا جَاۗءَهَا نُوْدِيَ اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞ يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۞

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوّت ملنے کا واقعہ

اس سورت میں سب سے پہلا نمونہ، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بیان فرمایا: ''اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖۤ اِنِّيْۤ اٰنَسْتُ نَارًا'' حضرت موسیٰؑ، مدین سے واپس مصر آرہے تھے، راستے میں تھے، لمبا سفر تھا، پیدل سفر تھا، اس زمانے کے سفر تو اسی طرح ہی ہوتے تھے، جنگل بیابان میں سے گزر رہے تھے کہ آپ مصر جانے کا رستہ بھول گئے۔ سردی کا زمانہ تھا، ٹھنڈ بھی خوب لگ رہی تھی۔ آپ نے ایسے وقت میں ایک جگہ آگ کا الاؤ جلتا دیکھا تو اپنے گھر والوں (اہلیہ محترمہ) سے کہا کہ میں نے آگ جلتی دیکھی ہے، شاید کسی مسافر نے جلا رکھی ہوگی، میں وہاں سے راستے کے بارے میں معلومات لے لوں گا یا کم سے کم کچھ آگ سلگا کر لے آؤں گا تا کہ آپ بھی اِس سخت سردی میں آگ سینک کر حرارت حاصل کر سکیں۔

جب آپؑ قریب گئے تو وہ آگ نہیں تھی، درحقیقت اللہ کا نور تھا، آگ لینے کی کوشش کی تو آگ پیچھے ہٹ گئی اور آواز آئی کہ ''اَنْۢ بُوْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ حَوْلَهَا وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' جو اس آگ کے اندر ہیں (فرشتے) اُن پر بھی برکت اور جو اس آگ کے پاس ہے (حضرت موسیٰؑ) اس پر بھی برکت ہو۔ (اس کی تفسیر میں اور بھی اقوال ہیں) ممکن ہے کسی کو شبہ ہو جاتا کہ اللہ کی ذات آگ کی شکل میں کیسے ظاہر ہوئی! وہ تو رنگ، مکان، زمان سے پاک ہے! تو اس کی وضاحت فرما دی کہ ''وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' کہ یہ نور بذاتِ خود خدا نہیں ہے! اللہ تو ہر جہت، رنگ و شکل سے پاک ہے۔

''يٰمُوْسٰٓى اِنَّهٗٓ اَنَا اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ'' اے موسیٰ! میں اللہ بول رہا ہوں جو غالب ہے، حکمتوں والا ہے۔ اللہ نظر نہیں آئے لیکن بات کی، اب تمہیں ٹیلیفون نے سمجھا دیا کہ بندہ سامنے نہ ہو، نظر نہ آئے پھر بھی بات کر سکتا ہے، اس زمانے میں تو اس کا کوئی تصور نہیں تھا، لیکن قرآن نے بتایا اور آج کے حالات نے اس کی تائید کر دی۔

وَاَلْقِ عَصَاكَ ۭ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَاۗنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ۭ يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۣ اِنِّيْ لَا يَخَافُ لَدَيَّ

الْمُرْسَلُوْنَ ﴿١٠﴾ اِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوْٓءٍ فَاِنِّىْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١١﴾ وَاَدْخِلْ يَدَكَ فِىْ جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ فِىْ تِسْعِ اٰيٰتٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿١٢﴾

معجزات عطا ہوتے ہیں

پھر اللہ نے بتایا کہ یہ تمہارا عصا تمہارے لیے معجزہ ہے "وَاَلْقِ عَصَاكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ ؕ" اپنی لاٹھی نیچے ڈالو! حضرت موسیٰ نے حکم کی تعمیل کی تو وہ عصا بحکم خداوندی سانپ بن گیا، حضرت موسیٰ اس سے ڈرے تو تسلی عنایت ہوئی کہ "يٰمُوْسٰى لَا تَخَفْ ۫ اِنِّىْ لَا يَخَافُ لَدَىَّ الْمُرْسَلُوْنَ ﴿١٠﴾" ڈرو نہیں، یہ آپ کا معجزہ ہے، اور پیغمبری ملتے وقت جو چیز نبوت کی دلیل کے طور پر عطا کی جائے، اُس سے پیغمبر نہیں ڈرا کرتے۔ لہٰذا مطمئن رہیے اور اگر قبطی کے قتلِ خطا کا واقعہ پریشان کر رہا ہو تو اس کی بھی تسلی رکھیں کہ معافی مانگنے اور اعمالِ صالحہ کرنے سے ایسے گناہوں کی معافی مل جایا کرتی ہے۔

اس کے بعد "یدِ بیضا" کا معجزہ عطا کیا، مجموعی طور پر حضرت موسیٰؑ کو نو معجزات عطا کیے، فرمایا کہ اب جاؤ فرعون کے پاس اور اُسے جا کر حق کی تلقین کرو۔

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ اٰيٰتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٣﴾ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ؕ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿١٤﴾

فرعون کو "تکبر" لے ڈوبا

اتنے صریح معجزات دیکھنے کے باوجود فرعون نہ مانا، حقیقت جاننے کے باوجود اس کا تکبر اُسے لے ڈوبا اور بالآخر غرق ہوا۔ (تفصیلی واقعہ پہلے کئی مرتبہ بیان کیا جا چکا ہے)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٥﴾

نعمتوں پر شکر ادا کرنا انبیائے کرام علیہ السلام کا شیوہ ہے

فرمایا: "وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا ۚ" "ہم نے داؤدؑ اور سلیمانؑ کو بھی علم دیا تھا، علومِ نبوت کے ساتھ ساتھ انہیں دیگر علوم اور مہارتیں بھی عطا فرمائی گئی تھیں۔ دین اور دنیا دونوں کا علم دیا گیا تھا، حضرت داؤدؑ کے ہاتھوں لوہا موم بن جایا کرتا تھا، زرہ سازی کی صنعت انہی سے منسوب ہے، اسی طرح اللہ پاک نے حضرت سلیمانؑ کو بے نظیر شاہی عطا فرمائی تھی اور پرندوں کی بولیاں سمجھنے کی صلاحیت بھی دی تھی۔

"وَقَالَا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ فَضَّلَنَا عَلٰى كَثِيْرٍ مِّنْ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٥﴾" حضراتِ انبیائے کرام کی عادت یہی ہے کہ

جب اُنہیں علم ملتا ہے تو وہ اس پر اللہ پاک کا شکر ادا کرتے ہیں۔ حضرت داؤدؑ اور سلیمانؑ نے بھی یہی کیا اور اس فضیلت پر اللہ پاک کا شکر ادا کیا۔ ہمارے لیے بھی یہی تعلیم ہے کہ علم ملنے پر تکبر نہیں، بلکہ عاجزی اور شکر کرنا چاہیے۔

وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۭ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ⑯

حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کی ''وراثت'' مال نہیں، علم ہوتی ہے

''وَوَرِثَ سُلَيْمٰنُ دَاوٗدَ'' داؤد علیہ السلام کے بعد حضرت سلیمانؑ ان کے وارث بنے۔

یاد رکھو! نبیوں کی مال کی وراثت نہیں چلا کرتی، حضور کی متواتر حدیث ہے: ''إنا معشر الأنبياء لا نورث ما ترکنا صدقة'' (کنزالعمال: ۱۲/ ۴۸۸) ہم انبیاء کی جماعت ہیں، ہم نہ وارث بنتے ہیں اور نہ بناتے ہیں، ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے۔ اسی لیے جو لوگ کہتے ہیں کہ بی بی فاطمہؓ کو باغ فدک نہیں دیا گیا، تو ان کے لیے عرض ہے کہ بی بی فاطمہؓ ضرور گئیں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس لیکن ان کے سامنے یہ حدیث نہیں تھی، جب حضرت ابوبکر سمیت کئی صحابہ نے یہ حدیث سنادی تو بی بی فاطمہؓ راضی ہو کر واپس آگئیں۔ آخر حضور کی تربیت یافتہ تھیں، اپنے بابا کی حدیث پر وہ خوش نہیں ہوں گی تو کون خوش ہوگا؟ باقی سارے قصے کہانیاں لوگوں نے گھڑلیں اور بی بی فاطمہ کا سہارا لے کر کتوں کی طرح حضرت ابوبکرؓ کو بھونکا، حضرت عمرؓ کو بھونکا۔ اگر یہ باغ واقعی وراثت ہوتا تو حضرت علیؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں کیوں نہیں لیا! کوئی ایک روایت دکھادیں کہ اس باغ کو حضرت ابوبکرؓ یا حضرت عمرؓ نے اپنے گھر والوں پر استعمال کیا ہو! اگر یہ باغ پیغمبر کی وراثت تھی تو صدیقِ اکبرؓ نے اپنی بیٹی عائشہؓ کا حصہ اس میراث سے کیوں نہ لیا! اگر پیغمبر کی بیٹی فاطمہؓ کو حصہ نہیں دیا تو اپنی بیٹی عائشہؓ کو بھی حصہ نہیں دیا، عمرؓ نے بھی اپنی بیٹی حفصہ کو اس میں سے حصہ نہیں دیا۔ لہٰذا اپنے ایمان خراب نہ کرو، پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو دل و دماغ میں بٹھالو کہ انبیاء کی مادی وراثت نہیں ہوا کرتی، اُن کی وراثت، علم کی وراثت ہوتی ہے۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس وقف باغ کے متولی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے حضرت علیؓ ہی چلے آرہے تھے، حضرت ابوبکرؓ نے بھی ان کا یہ منصب اسی طرح برقرار رکھا اور اس کی آمدنی کو بالکل اسی طرح اہلِ بیت پر ہو بہو خرچ کروایا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے ہوتی آرہی تھی۔

طبقاتِ ابن سعد کی روایت کے مطابق سیّدہ فاطمہؓ، حضرت ابوبکرؓ سے خوش تھیں، یہی وجہ ہے کہ بی بی فاطمہؓ کی ایامِ علالت میں ان کی خدمت کی سعادت حضرت ابوبکر صدیقؓ کی اہلیہ حضرت اسماءؓ بنتِ عمیس کے حصہ میں آئی، حتیٰ کہ آخری وصیت بھی سیّدہ نے حضرت اسماءؓ کو فرمائی تھی اور ایک روایت کے مطابق سیّدہ فاطمہؓ کا جنازہ بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے پڑھایا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب!

بہرکیف! یہ آیت بھی اسی بات کی وضاحت کررہی ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی وراثت مالی نہیں، علمی ہوتی

ہے، روایات میں آتا ہے کہ حضرت داؤدؑ کے انیس (۱۹) بیٹے تھے، اگر انبیاء کی مادی وراثت ہوتی تو پھر یہ سب اولاد کا حق تھی، اس آیت میں صرف سلیمانؑ کی تخصیص کیوں کی گئی! معلوم ہوا کہ مادّی وراثت مراد ہی نہیں بلکہ علوم نبوّت کی وراثت مراد ہے۔ (معارف: ۶/ ۵۶۶)

وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ ۭ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَضْلُ الْمُبِيْنُ ۝

حضرت سلیمان علیہ السلام کی خصوصیات

حضرت سلیمانؑ اس بات پر شکر ادا کرتے ہیں کہ اللہ پاک نے ہمیں پرندوں کی بولیوں کا علم دیا (ہدہد کی وجہ سے پرندوں کی تخصیص کی گئی، ورنہ حضرت سلیمانؑ کو تمام جاندار مخلوق کی بولیاں سکھائی گئیں تھیں، جیسا کہ چیونٹی کی گفتگو سننے اور سمجھنے کا ذکر موجود ہے) حضرت سلیمان علیہ السلام سمجھ جایا کرتے تھے کہ یہ گائے کیا کہہ رہی ہے، یہ بلبل کیا کہہ رہی ہے، مور وغیرہ سب مخلوقات کی باتیں بھی سمجھ جایا کرتے تھے، اللہ نے ان کو پرندوں کی بولیوں کا علم دیا تھا اور دنیا کے تمام ضروری مال واسباب دیے تھے، فرمایا یہ اللہ کا بڑا فضل ہے۔

وَحُشِرَ لِسُلَيْمٰنَ جُنُوْدُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ وَالطَّيْرِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ۝

حضرت سلیمان علیہ السلام کا فقید المثال پروٹوکول

حضرت سلیمان علیہ السلام، انسانوں، جنات اور پرندوں کی جماعتیں بنایا کرتے تھے، ان کو نظم وضبط میں رکھا جاتا تھا، سب ان کے تابع فرمان اور فرمانبردار تھے، تو جب آپ چلتے تھے تو ایک لشکر ساتھ ہوتا تھا، تم یہ وزراء کا پروٹوکول دیکھتے ہو کہ بڑے وزراء کے ساتھ پندرہ بیس گاڑیاں ہوتی ہیں اور چھوٹے کے ساتھ ایک دو گاڑیاں بھلا یہ بھی کوئی پروٹوکول ہے! پروٹوکول تو سلیمان علیہ السلام کا ہوا کرتا تھا، اور وہ پروٹوکول کیسا ہوا کرتا تھا کہ آپ کے ساتھ ساتھ انسان بھی چلتے تھے، جنات بھی چلتے تھے، اوپر پرندے بھی سایہ فگن ہوتے تھے، تخت پر بیٹھتے تھے تو چار سو علماء کے لیے سونے کی کرسیاں ان کے تخت پر ہوتی تھیں۔ ہوا ان کے تابع تھی، جہاں چاہتے، ہوا انہیں ان کے تخت سمیت وہاں پہنچا دیتی تھی۔ ان کے لیے مہینوں کا سفر، گھنٹوں میں سمٹ گیا تھا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت کے محیر العقول واقعات

حضرت سلیمانؑ کے شیشے اور لکڑی سے بنے ایک ہزار محل تھے جہاں حضرتؑ کی تین سو بیویاں اور سات سو باندیاں رہائش پذیر تھیں۔ ان کے لیے جنات نے سونے اور ریشم کے تین ضرب تین میل میں پھیلے قالین بنائے تھے، اس قالین کے درمیان میں حضرت سلیمانؑ کے لیے منبر رکھا جاتا تھا جو سونے کا بنا ہوا تھا۔

آپ کے اردگرد چھ لاکھ سونے اور چاندی کی کرسیاں رکھی جاتی تھیں، سونے کی کرسیوں پر انبیائے وقت علیہم السلام، چاندی کی کرسیوں پر علمائے کرام اور ان کے اردگرد عام لوگ اور جنات بیٹھتے تھے۔

اوپر سے پرندے اس طرح اس تخت پر سایہ کر لیتے کہ کسی پر دھوپ نہ آتی تھی۔ اس پورے قالین کو تمام کرسیوں سمیت صبح کی ہوا اُٹھاتی اور ایک ماہ کی مسافت تک اُڑا کر لے جاتی۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ کے حکم سے پورے قافلے کو تیز وتند ہوا اپنے دوش پر لے لیتی اور نرم ہوا اسے چلاتی رہتی، ہوائی سفر کے دوران بھی آپ پر وحی نازل ہوتی تھی، کوئی بھی بولتا، ہوا اس کے الفاظ آپ کے کانوں تک پہنچا دیتی تھی۔

ایک مرتبہ آپ پرواز کر رہے تھے کہ ایک کاشتکار نے حسرت سے کہا: ''داؤدؑ کی آل کو ملکِ عظیم دیا گیا ہے''، ہوا نے یہ بات آپ کے کانوں تک پہنچا دی، آپؑ نیچے اُترے اور کاشت کار سے فرمایا کہ ایسی چیز کی آرزو نہ کرو جو بس میں نہ ہو، پھر فرمایا: ''ایک بار مقبول سبحان اللہ کہنا آلِ داؤدؑ کے سارے ملک سے بہتر ہے۔''

ایک مرتبہ آپ علیہ السلام کا گزر مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا تو آپؑ نے فرمایا: ''یہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا دارالہجرۃ ہے۔ وہ خوش قسمت ہوگا، جو ان پر ایمان لائے گا، وہ بھی خوش قسمت ہوگا جو ان کی اتباع کرے گا اور وہ بھی خوش قسمت ہوگا جو ان کی فرمانبرداری کرے گا۔'' (تفسیر روح البیان ملخصا)

حَتّٰٓى اِذَآ اَتَوْا عَلٰى وَادِ النَّمْلِ ۙ قَالَتْ نَمْلَةٌ يّٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝

حضرت سلیمان علیہ السلام کا اپنے لاؤ لشکر سمیت چیونٹیوں کی وادی سے گزر

آپ ایک موقع پر اپنے مکمل پروٹوکول کے ساتھ جا رہے تھے کہ راستے میں چیونٹیوں کی ایک بستی پر گزر ہوا۔

چیونٹی کی فطرت وذہانت

یہ چیونٹی اگرچہ چھوٹی سی مخلوق ہے لیکن اللہ کی ذہین ترین مخلوق ہے، اس کی زندگی میں بہت نظم وضبط ہے، یہ اپنے قاعدے اور قانون کی بہت پکی ہے، ہمیشہ لائن میں چلتی ہے، گرمیوں میں خوراک اکٹھا کرتی ہے، اور سردیوں میں اپنے بلوں میں رہ کر اُسی خوراک کے جمع شدہ ذخیرے کو استعمال کرتی ہے، جہاں بھی چلی جائے واپس اپنے بل میں ضرور آتی ہے، اس کا ایک مخصوص دائرہ عمل ہوتا ہے جہاں تک اس نے جانا ہوتا ہے، آگے چلی جائے تو وہاں کی مخلوق سے معذرت کر کے واپس آجاتی ہے، اور بعض ماہرین علم الحیوانات نے لکھا ہے کہ چیونٹیوں میں جھوٹ کی سزا موت ہے، اس پر کئی واقعات لکھے ہیں، اس کی قوت شامہ (سونگھنے کی حِس) بہت تیز ہے، مٹھائی جتنی چھپا کے رکھ دی جائے، مجال ہے جو اس سے بچ جائے۔ ذہین اتنی ہے کہ گندم کا دانا لے کر ایسے نہیں کھاتی، پہلے اس کے دو ٹکڑے اور پھر چار ٹکڑے کرتی ہے، کیونکہ دانہ جب کئی ٹکڑے

ہو جائے تو اُگ نہیں سکتا، تو اس کو بالکل بے کار کر کے پھر کھاتی ہے، تا کہ ایسا نہ ہو کہ لوگ اس دانے کو کاشت نہ کر دیں یا میری بل میں ہی دانہ نہ اُگ جائے۔

ان میں بھی ملکہ ہوتی ہے، ان میں ڈسپلن ہوتا ہے، نظم وضبط ہوتا ہے، اور تم انسان اشرف المخلوقات ہو کر بھی بالکل بے نظم ہو، نہ کوئی لائن نہ کوئی قطار نہ کوئی باری کا انتظار، کافر تو پھر بھی یہ سب کرتے ہیں جبکہ تم مسلمان تو بالکل بے ڈھنگے لوگ ہو، تمہارے یہاں کوئی میرٹ اور شفافیت نہیں ہے، جبکہ اللہ کی اس چھوٹی سی مخلوق میں بھی میرٹ کا اعلیٰ نظام موجود ہے۔

چیونٹی کی اپنی قوم سے گفتگو

جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا گزر اُن کی بستی سے ہوا (ان کی پوری بستیاں ہوتی ہیں) تو ان کی جو ملکہ تھی، اُس نے کہا: "يٰٓاَيُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ۚ لَا يَحْطِمَنَّكُمْ سُلَيْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ۙ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ" او چیونٹیو! سلیمان کا لشکر بہت بڑی تعداد میں آ رہا ہے، جلدی سے اپنی بلوں میں گھس جاؤ، کہیں یہ تمہیں اپنے پیروں تلے روند نہ دیں، سلیمان کے لشکر کو تو پتا ہی نہیں چلے گا، تم مرجاؤ گی، کچلی جاؤ گی!

اب آپ اپنے حکمرانوں کا طرزِ عمل بھی دیکھ لیجیے! جب کوئی مصیبت آجائے تو یہ پہلے اپنے لیے مال واسباب جمع کر لیتے ہیں اور تمہیں تب خبر ہوتی ہے جب مصیبت سر پر آجائے۔ جب کہ یہاں چیونٹیوں کی ملکہ کا طرزِ عمل دیکھیے، یہ اپنی قوم کے لیے بھلائی سوچ رہی ہے۔ اس میں حکمرانوں کے لیے عبرت ہے۔

فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ

چیونٹی کی اس قدر ذہانت پر پیغمبر مسکرا دیے

اللہ تعالیٰ نے چیونٹی کی یہ بات اپنے پیغمبر حضرت سلیمانؑ کو سنوا دی "فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا" سلیمان علیہ السلام اس کی یہ بات سن کر ہنس پڑے کہ اس قدر چھوٹا وجود بھی اتنا زیادہ ذہین اور محتاط ہے! خوش ہو گئے کہ اچھا چیونٹیوں میں بھی ہمارا ذکر ہے، چیونٹیاں بھی ہمیں جانتی ہیں!

اللہ پاک کی عطا کردہ نعمتوں پر شکر ادا فرمایا

"وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ" جب اللہ کی کوئی نعمت آئے تو دل میں بڑائی نہ لانا، جب یہ سوچ ہو گی کہ یہ نعمت اللہ نے دی ہے تو تکبر پیدا نہیں ہوتا، بڑائی نہیں آتی، تو اپنے آپ کو بڑائی سے بچانے کے لیے فوراً یہ دُعا پڑھی "اے میرے رب مجھے دائمی توفیق دیجیے کہ میں ہر آن تیری نعمتوں کا شکر ادا کرتا رہوں، میں تکبر نہ کروں بلکہ تیری نعمت کا شکر ادا کروں، تو نے مجھ پر بھی نعمتوں کی برسات کر دی اور میرے ماں باپ پر بھی نعمتوں کی بارش کر دی، ان نعمتوں کے

بدلے میں مجھے ایسے نیک اعمال کرنے کی توفیق عطا فرما دیجیے جو آپ کے یہاں مقبول ہوں۔ ایسے اعمال کروں جو تیری رضا اور خوشی کا باعث بنیں۔ اور اے اللہ! مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل فرما!

ارے میاں! نعمت جتنی بڑی ہو شکر اتنا زیادہ کرنا چاہیے، اعمال اُتنے زیادہ کرنے چاہئیں، کیونکہ یہ نعمت کا شکرانہ ہوتا ہے۔ اور صرف نیک اعمال کرنا ہی کافی نہیں، اللہ سے انکی مقبولیت کی دعا کرنا بھی ضروری ہے۔

وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ فَقَالَ مَا لِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ ۖ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ۝

ہدہد کی کہانی، قرآن کی زبانی

اب پرندوں کی کہانی بھی سن لو ذرا! سلیمان علیہ السلام کی حکومت میں بڑا ڈسپلن تھا، وہ ہر جماعت کی حاضری لیتے تھے، انسانوں کی بھی حاضری ہوتی تھی، جنات کی بھی حاضری ہوتی تھی، چرند پرند کی بھی حاضری ہوتی تھی۔

اپنی رعایا کی خبر گیری، حاکم کے فرائض میں شامل ہے

حضرت سلیمانؑ اپنے تابع ہر ہر جماعت کی حاضری لیا کرتے تھے، ان کی خبر گیری کیا کرتے تھے حتیٰ کہ پرندوں میں سے کمزور اور چھوٹا پرندہ ہدہد جو ویسے بھی کم یاب ہوتا ہے، وہ بھی ان کی نظروں سے پوشیدہ نہ تھا۔ معلوم ہوا کہ کامل اور بہترین حکمران وہ ہے جو اپنے تابع ہر طبقے اور جماعت کی نگرانی رکھتا ہو۔

حضرت عمرؓ کے بارے میں کُتب میں لکھا ہے کہ فرمایا کرتے تھے: ''لو أن سخلة على شاطئ الفرات أخذها الذئب ليسأل عنها عمر'' (القرطبی: ۱۳/ ۱۶۰) اگر دریائے فرات کے کنارے بکری کے بچے کو بھیڑیا کھا گیا تو اس کی پوچھ گچھ بھی (قیامت کے دن) عمر سے ہوگی۔ یہ ہوتی ہے احساسِ ذمہ داری!

بے ڈھنگا پن، ہرگز توکل میں شامل نہیں ہے

آج کل لوگ ''توکل اور بزرگی'' اسی کو سمجھتے ہیں کہ زندگی میں کوئی نظم وضبط نہ ہو، کہتے ہیں کہ جی ہم تو بس اللہ والے اور فقیر لوگ ہیں، ہمارے ہاں کوئی حاضری نہیں ہوتی۔ ارے میاں! کیا تم سلیمان علیہ السلام سے بڑے اللہ والے ہو! ہر ضروری چیز کا ریکارڈ رکھنا چاہیے، اگر آپ کوئی تعلیمی ادارہ چلاتے ہیں تو ادارے میں طلباء کا ریکارڈ ہونا چاہیے، اساتذہ کا ریکارڈ ہونا چاہیے، وغیرہ ذالک۔ اس کے بہت سے دینی و دُنیوی فوائد ہیں۔

بہر حال سلیمان علیہ السلام کو ایک سفر درپیش ہوا تو ہدہد کی ضرورت پڑی، ہدہد ایک پرندہ ہے، جس کی لمبی چونچ ہوتی ہے، یہ زمین میں چونچ مار کر کیڑے نکال کر کھاتا ہے۔ اللہ نے اسے یہ صلاحیت دی ہے کہ چونچ مارنے سے اسے اندازہ ہو جاتا ہے کہ نیچے زمین میں پانی کتنی گہرائی میں ہے!

بہر کیف! دورانِ سفر ایک بار بیابان جگہ سے گزرے، پانی کی ضرورت محسوس ہوئی تو ہدہد کو تلاش کیا گیا، ''وقال عبد الله بن سلام: إنما طلب الهدهد لأنه احتاج إلى معرفة الماء على كم هو من وجه الأرض لأنه كان نزل في مفازة عدم

فيها الماء ثم كانت الجن تخرجه في ساعة يسيرة تسلخ عنه وجه الأرض ما تسلخ الشاة قاله ابن عباس فيما روى عن ابن سلام ''(تفسیر القرطبی: ۱۳/ ۱۶۰) لیکن جناب ہدہد موجود ہی نہ تھے، غیر حاضر تھے۔

لَأُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗۤ اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ۝

بِلا وجہ غیر حاضری، عتاب کا باعث ہوتی ہے

ہدہد کی بلا اطلاع غیر موجودگی پر حضرت سلیمان علیہ السلام کو غصہ آ گیا، فرمایا کہ کہاں ہے ہدہد؟ آنے تو دو اس کو! ''لَأُعَذِّبَنَّهٗ عَذَابًا شَدِيْدًا اَوْ لَاَاذْبَحَنَّهٗۤ'' اس کی سخت پٹائی لگے گی (اُڑنے کے قابل نہیں چھوڑوں گا) اور ہو سکتا ہے کہ میں اس کو ذبح کر دوں، ''اَوْ لَيَاْتِيَنِّيْ بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ'' ہاں! اگر اس کے پاس اس غیر حاضری کا کوئی واضح اور معقول عذر ہوا تو رعایت ہو سکتی ہے۔ معلوم ہوا کہ جس کسی سے قصور سرزد ہو جائے، اُسے صفائی اور عُذر پیش کرنے کا موقع دیا جانا چاہیے۔ معقول عُذر ہو تو سزا معاف کی جا سکتی ہے۔

فَمَكَثَ غَيْرَ بَعِيْدٍ فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ۝

ہدہد کی آمد اور غیر حاضری کی وجہ

بس تھوڑی دیر گزری تھی کہ ہدہد صاحب تشریف لے آئے، اب اس کو بھی پتا تھا کہ غیر حاضری لگ گئی ہوگی، طالبعلموں کی طرح میں نے بھی کوئی عذر تو بتانا ہے! لیکن اُس نے جھوٹ موٹ کوئی بہانہ نہیں بنایا (خلافًا لكم أيها الطلبة!) بلکہ اس نے صاف صاف کہا: ''اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ'' حضرت میری بات سُن لیں! میں ایک ایسی خبر لایا ہوں جو آپ کے پاس نہیں ہے۔ اس قدر زور دے کر ہدہد نے اسی لیے کہا تا کہ اس کا عُذر واضح ہو جائے۔

پرند بھی جانتے ہیں کہ نبی ''عالم الغیب'' نہیں ہوتے

معلوم ہوا کہ علّام الغیوب صرف اللہ ہے، ہدہد کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ ''عالم الغیب'' اللہ ہے! تم کیسے انسان ہو کہ ہر کسی کو عالم الغیب بناتے ہو؟ ہدہد کا عقیدہ بھی یہی تھا کہ وقت کا نبی ''عالم الغیب'' نہیں ہے، صرف اللہ ہے۔ اس لیے اُس نے کہا کہ ایسی خبر لایا ہوں جو آپ کے پاس نہیں ہے، اور وہ خبر ہے ''قومِ سبا'' کی، جو مصدقہ خبر ہے، پکّی خبر ہے، میں اُن کے حالات و کیفیات دیکھتا رہا، اس لیے آنے میں دیر ہو گئی۔

اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ۝ وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ۝ اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ۝ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ۝

قومِ ''سبا'' کے حالات

ہدہد نے کہا کہ حضرت! ''قومِ سبا'' کی جو حکمران ہے وہ ایک عورت ہے، اس کا نام ''بلقیس'' ہے، اس کے پاس بہت وسائل ہیں، ساری ضروریات موجود ہیں، اس کا ایک بہت بڑا تخت ہے (روایات میں آتا ہے کہ وہ تخت اَسّی (۸۰) ہاتھ لمبا تھا، چالیس (۴۰) ہاتھ چوڑا تھا، تیس (۳۰) ہاتھ اُونچا تھا، اس میں ہیرے جواہرات، سونا چاندی جڑا ہوا تھا)، بہت قیمتی تخت ہے۔

افسوس ہے کہ وہ سب مشرک ہیں!

لیکن افسوس ناک بات یہ ہے کہ ''وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ'' وہ ملکہ خود اور اس کی ساری قوم سورج کی پجاری ہے، اللہ کو چھوڑ کر سورج کو سجدہ کرتے ہیں، ''وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُوْنَ'' شیطان نے ان کو ان کا یہ عمل ایسے مزین کر کے پیش کیا ہے کہ وہ گمراہ ہو کے رہ گئے ہیں۔

پرندے بھی شرک سے نفرت رکھتے ہیں

''اَلَّا يَسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ يُخْرِجُ الْخَبْءَ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تُخْفُوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ'' شیطان نے ان کے ذہنوں میں یہ بات ڈال رکھی ہے کہ اللہ کو سجدہ نہ کرو جو ہر چیز کا خالق ہے، بس اسی سورج کی پوجا کرتے رہو۔

ہدہد نے کہا! بڑے تعجب کی بات ہے کہ یہ لوگ اللہ کو سجدہ نہیں کرتے جو چھپی ہوئی چیزوں کو آسمان اور زمین سے نکال کر لاتا ہے! جس کا علم اور قدرت کامل ہے! میں اسی تعجب میں تھا اور ان کے حالات دیکھ رہا تھا، اسی لیے حاضری سے دیر ہوگئی۔

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝

''عذر'' کی تحقیق ضروری ہے

حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا: اچھا! ''سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ'' ہم تحقیق کریں گے کہ آیا تیری بات واقعی درست ہے یا محض ایک کہانی ہے جو تو نے گھڑ رکھی ہے!

یہ ہمارے پاس طلبہ پڑھتے ہیں، ان میں سے بعض جب گھروں سے تاخیر سے آتے ہیں تو عجیب عجیب کہانیاں گھڑ رکھی ہوتی ہیں، بعض اوقات کچھ کا جھوٹ پکڑا بھی جاتا ہے۔ وفاق المدارس کے عاملہ کے ایک رکن ہیں، جو ہمارے استاذ زادے بھی ہیں، انہوں نے مجھے ایک اجلاس کے موقع پر ظرافت طبع کے لیے ایک طالبعلم کا قصہ سنایا، فرمایا کہ ایک طالبعلم کافی دن ناغہ کرنے کے بعد جامعہ آیا تو اس نے مدرسہ آنے سے پہلے ہی ٹنڈ کروائی، ایک بوتل میں پانی بھرا اور کھجوریں لیے مہتمم صاحب کے پاس آیا کہ حضرت! میں عمرے پہ گیا تھا، یہ کھجور اور زمزم کا ہدیہ قبول فرمالیجیے! طلبہ ایسی ایسی کہانیاں بھی گھڑتے ہیں۔ الامان والحفیظ! تو سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ ہم پہلے تحقیق کریں گے کہ تو سچ بول رہا ہے یا جھوٹ بول رہا ہے!

اِذْهَبْ بِّكِتٰبِيْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَيْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا يَرْجِعُوْنَ۝

ہُدہُد سفیر بن کر جاتا ہے

حضرت سلیمانؑ نے ہُدہُد کو اپنا ایک خط دیا کہ یہ میرا خط لے جا ''اِذْهَبْ بِّكِتَابِيْ هٰذَا'' ساتھ میں سفارت کاری کے آداب بھی سمجھا دیے کہ اُن کے سر پر مسلط نہ ہو جانا بلکہ خط دے کر تھوڑا ہٹ جانا تاکہ اُنھیں اطمینان سے جواب دینے کا موقع مل جائے۔

ہُدہُد نے چونچ یا پنجے میں خط پکڑا، کسی زمانے میں کبوتر خط دے کر آتے تھے، اب تو خطوط کا زمانہ بھی نہ رہا، اب تو میسج اور ای میل کا دور آ گیا، ہم جب طالبعلم تھے تو خط آتا تھا، روز عصر کے بعد مدرسہ میں خطوط تقسیم ہوتے تھے، ہم بھی روز لائن میں لگتے تھے کہ کوئی ہمارا خط بھی آیا ہو، پر کبھی پندرہ دنوں میں ایک بار ہمارا خط آیا ہوتا تھا، تو وہ خطوط کا زمانہ تھا۔

ہُدہُد خط لے کر گیا، اس کے محل میں پہنچا، تو وہ ملکہ اپنی آرام گاہ میں آرام کر رہی تھی، اس کی آرام گاہ میں ایک روشن دان تھا، ہُدہُد وہاں سے اندر گیا اور اس کے سینے پر وہ خط رکھ دیا ''فدخل من کوة وطرح الكتاب على نحرها وهى مستلقية'' (تفسیر الألوسی: ۱۴/ ۴۶۳ بترقیم الشاملة)

اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۝ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ۝

خط کا جامع مضمون

خط کا مضمون بھی قرآنِ پاک نے نقل فرمایا ہے: ''اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمَانَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' یہ خط سلیمان لکھ رہے ہیں، خط کے شروع شروع میں ''بسم اللہ'' لکھی ہوئی تھی۔ ''اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ'' کہ میرے مقابلے میں تکبر مت کرو، فوراً کلمہ پڑھ کر میرے پاس آ جاؤ۔ (معارف القرآن میں اس مقام پر خطوط لکھنے کے جامع آداب مذکور ہیں جو قابلِ مطالعہ ہیں)۔

جب جرأت اور طاقت ہوتی ہے تو بادشاہ یوں خط لکھا کرتے ہیں، ہارون الرشید کو ایک رومی بادشاہ نے خط لکھا کہ اب تک ہماری بادشاہ ایک خاتون تھی جو کمزور تھی، اس لیے خراج دیتی تھی، لیکن اب ہم خراج نہیں دیں گے، جو کرنا ہے کر لو، آپ نے جواب لکھا کہ ''یا کلب روم!'' اور رومی کتے، اس خط کا جواب تو دیکھ لے گا، اور وہ جوابی خط بھجوا دیا، اس کے پیچھے لشکر بھی بھیج دیا، کہ جاؤ اس کی طبیعت صاف کر کے آؤ!

قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْۤ اَمْرِيْ ۚ مَا كُنْتُ قَاطِعَةً اَمْرًا حَتّٰى تَشْهَدُوْنِ۝

ملکۂ ''سبا'' کا اپنی کابینہ سے ہنگامی اجلاس

ملکہ جب اٹھی اور خط پڑھا تو پریشان ہو گئی، خط کا انداز اور مضمون ہی اس قدر جامع اور حاکمانہ تھا کہ اُس نے فوراً اپنی کابینہ کا اجلاس بلوایا۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی کابینہ کے تقریباً تین سو تیرہ (۳۱۳) وزیر تھے، ہر وزیر کے ماتحت دس دس ہزار آدمی تھے،" قال قتادة: ذكر لنا أنه كان لها ثلاثمائة وثلاثة عشر رجلا هم أهل مشورتها كل رجل منهم على عشرة آلاف "(القرطبی: ۱۳/ ۱۷۴)۔

بہرکیف! ان کا اجلاس بلوایا اور ان سے کہا کہ میں کوئی کام تمہارے مشورے کے بغیر نہیں کرتی، لہٰذا مجھے مشورہ دو کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے، یہ خط آیا ہے، اور یہ خط سلیمان نامی بادشاہ کی طرف سے ہے اور اس کا مضمون یہ ہے۔ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے! تمہاری مشاورت کے بغیر میں کوئی حتمی فیصلہ نہیں کرتی۔

قَالُوْا نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ڏ وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ۝

کابینہ کا جواب

جب آپ اپنے ماتحت لوگوں کو عزت دو گے تو وہ تمہاری خاطر جان لڑا دیں گے۔ بلقیس کی عزت افزائی کے جواب میں یہی بات کابینہ کے اراکین نے کہی کہ " نَحْنُ اُولُوْا قُوَّةٍ وَّاُولُوْا بَاْسٍ شَدِيْدٍ ڏ " اگر لڑنا مقصود ہو تو ہم ہر طرح سے حاضر ہیں، ہماری طاقت پر کسی کو شبہ نہیں ہونا چاہیے، ہم بڑے طاقتور اور جنگجو ہیں۔" وَّالْاَمْرُ اِلَيْكِ " تاہم فیصلے کا اختیار اور پاور آپ کے پاس ہے " فَانْظُرِيْ مَاذَا تَاْمُرِيْنَ " جو فیصلہ ہوگا ہمیں قبول ہوگا۔

قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَجَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ۝

ملکہ کا فیصلہ (پہلے سلیمان کی حقیقت معلوم کرلی جائے)

ملکہ بڑی سمجھدار تھی، اس نے کہا کہ جنگیں مسئلے کا حل نہیں ہیں، ڈائیلاگ مسئلے کا حل ہے، اور یاد رکھو جب بادشاہ کسی قوم پر چڑھائی کرتے ہیں تو وہاں فساد برپا کر دیتے ہیں، وہاں کے عزت دار لوگوں کو ذلیل کرتے ہیں، اس لیے ہمیں پہلے دیکھنا چاہیے کہ یہ کوئی معمولی بادشاہ اور لالچی انسان ہے، یا واقعی کوئی نیک انسان اور طاقتور بادشاہ ہے۔

وَاِنِّىْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ فَنٰظِرَةٌۢ بِمَ يَرْجِعُ الْمُرْسَلُوْنَ۝

حضرت سلیمان علیہ السلام کا امتحان

اس کا طریقہ یہ ہے کہ میں اس کے پاس کچھ تحفے اور گفٹ بھجواتی ہوں، دیکھتے ہیں کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ اگر تو وہ بس ان ہدایا پر راضی ہو جاتے ہیں تو معلوم ہو جائے گا کہ یہ صرف ایک بادشاہ ہی ہے۔ اس وقت پھر جنگ کے بارے میں سوچا جائے گا۔ اور اگر واقعی وہ اللہ کے نبی اور رسول ہوں گے تو ایمان کے بغیر کسی چیز پر راضی نہیں ہوں گے۔ ایسی صورت میں ان کی اتباع کی جائے گی، ان کی مخالفت سے بچا جائے گا۔

تاریخی روایات میں ہے کہ اس نے جو تحفے اور ہدایا حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس بھیجے، ان میں کچھ سونے

اور چاندی کی اینٹیں تھیں، ایک سو غلام اور ایک سو باندیاں تھیں (غلاموں کو زنانہ اور کنیزوں کو مردانہ لباس پہنا کر بھیجا) ان کے ساتھ ساتھ بلقیس کا ایک خط بھی تھا جس میں حضرت سلیمانؑ کی جانچ کے لیے کچھ سوالات تھے۔(معارف القرآن:۶/۵۸۱)

مختلف قسم کی اِمداد (Aid) کا مقصد آج بھی یہی ہے

یہ حکومتیں اسی طرح اندازیں لگاتی ہیں، پہلے امداد دیتی ہیں اور دیکھتی ہیں کہ یہ قبول کرتے ہیں یا نہیں، اگر قبول کرلیں تو پھر اپنا ایجنڈا ان پر نافذ کرتے ہیں۔ یہ جو گفٹ اور امدادیں ہوتی ہیں یہ ایجنڈا مسلط کرنے کا ذریعہ ہوتی ہیں، اب تم قادیانیوں کو اقلیتوں سے نکال دو، اب تم ناموس رسالت کا قانون ختم کردو، اب تم کرونا کے بہانے سے نمازیں بند کراؤ، پہلے دہشت گردی کے نام پر مدرسوں کو ذلیل کیا، اب کرونا کے نام پر مساجد اور دینداروں کو پریشان کیا جارہا ہے، تبلیغی جماعت کا زندگی میں پہلی بار کام بند ہے، باقی سارے کام کُھل گئے ہیں، دکانیں کُھل گئی ہیں، مارکیٹیں کُھل گئی ہیں، نہیں کھلے تو مدارس نہیں کھلے، تبلیغی جماعت کا کام نہیں کُھلا...... خیر! بات سے بات نکل ہی آتی ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کو ان کا مقصد معلوم ہوجاتا ہے

قاصد یہ سب ہدایا لے کر حضرت سلیمانؑ کے پاس ابھی پہنچے نہیں تھے کہ آپ کو حق تعالیٰ کی طرف سے ان کے تحفوں کی سب تفصیل معلوم ہوگئی۔ آپ نے جنات سے کہا کہ ان کے آنے سے پہلے ان کے راستے پر سونے اور چاندی کا فرش لگادو (دربار سے تقریباً تیس میل دور تک یہ فرش بچھایا گیا) اور اس فرش کے دونوں اطراف میں عجیب الخلقت مخلوق کو کھڑا کردیا جائے جن کا پیشاب پاخانہ بھی سونے چاندی کے اسی فرش پر ہو۔ اسی طرح دربار کو جواہرات سے مزین کیا گیا۔ حضرت سلیمانؑ کی نشست کے دائیں بائیں سونے کی چار چار ہزار کرسیاں لگائی گئیں۔ (کذا فی معارف القرآن:۶/۵۸۱)

اب وہ تو دو چار سونے کی اینٹیں لے کر آرہے تھے، یہاں پہنچ کر جب انہوں نے دیکھا کہ سونے چاندی کی اتنی طویل سڑک ہے تو وہ خود شرمندہ ہوگئے، کہ اس بادشاہ کو ہم کیا گفٹ دیں جس کے اپنے پاس مال و دولت کی اس قدر فراوانی ہے!

فَلَمَّا جَآءَ سُلَيْمٰنَ قَالَ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ ۡ فَمَآ اٰتٰىنِۦَ اللّٰهُ خَيْرٌ مِّمَّآ اٰتٰىكُمْ ۚ بَلْ اَنْتُمْ بِهَدِيَّتِكُمْ تَفْرَحُوْنَ۝

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدیہ نُمارِشوت کو قبول نہیں فرمایا

بہرحال وہ قاصد آئے، آپ کی حکومت دیکھی، جس سے بہت مرعوب ہوئے، ہدیے پیش کیے تو سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمارے پاس اللہ پاک کا دیا سب کچھ ہے۔ دنیا بھی خوب حاصل ہے اور نبوّت کے ذریعے خدائی قُرب بھی۔ اپنے ہدایا پر خود ہی خوش رہو، ہمیں ضرورت نہیں۔ تم شاید یہ سمجھتے ہو کہ اس ہدیے کی وجہ سے ہم تمہارے کُفر پر نکیر نہیں کریں گے! ایسا ہرگز نہیں۔

اِرْجِعْ اِلَيْهِمْ فَلَنَاْتِيَنَّهُمْ بِجُنُوْدٍ لَّا قِبَلَ لَهُمْ بِهَا وَلَنُخْرِجَنَّهُمْ مِّنْهَآ اَذِلَّةً وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ۝

ایک ہی مطالبہ ہے (توحید پرست بن جاؤ یا پھر ہمارے حملے کے لیے تیار رہو!)

حضرت سلیمانؑ نے بلقیس کے قاصد سے فرمایا کہ اپنے ہدایا واپس لے جاؤ اور جا کر اپنی ملکہ سے کہہ دو! یا تو فوراً آئے اور کلمہ پڑھ لے، اگر وہ نہیں آتی تو میں تمہارے خلاف ایسے ایسے لشکر لے کر آؤں گا کہ تم ان کے مقابل ٹھہر بھی نہ سکو گے اور ہم تم سب کو ذلیل کر کے تمہارے ملک سے نکال دیں گے۔

قاصد واپس گئے اور جا کر اپنے تاثرات پیش کیے، جسے سن کر ملکہ نے اپنی کابینہ سے کہا کہ چلو اب چلتے ہیں، مجھے پہلے ہی اندازہ تھا کہ یہ کوئی عام بادشاہ نہیں بلکہ واقعی عظیم شخصیت ہے۔ اب تو یقین ہو گیا ہے۔ ان سے لڑنا گویا اللہ سے مقابلہ کرنا ہے جس کی ہمیں طاقت نہیں۔

چنانچہ وہ خدمت میں حاضری کی نیت سے اپنا لشکر لے کر چلی، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ان کی آمد کا کچھ پتہ نہ چلا، ایک دِن دور سے گرد و غبار اُڑتا دیکھا تو پوچھا کہ یہ دھول کیسی ہے! تب پتہ چلا کہ ملکہ بلقیس اپنے لشکر کے ساتھ آ رہی ہے (بعض روایات میں ہے کہ اس وقت وہ دربار سے تقریباً تین میل کے فاصلے پر تھی)۔

قَالَ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ۝

بلقیس کی آمد سے پہلے اُس کا تخت کون لائے گا؟

آپ نے اسی وقت اپنے درباریوں سے خطاب فرمایا کہ "اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِيْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ۝" کہ یہ جو چند کلومیٹر کے فاصلے پر لشکر ہے، اس کے یہاں مطیع بن کر پہنچنے سے پہلے پہلے ان کی ملکہ کا مشہورِ زمانہ تخت کون یہاں لے کر آئے گا! تا کہ وہ شاہانہ شوکت کے ساتھ ساتھ پیغمبرانہ معجزہ بھی دیکھ لے جو اس کے ایمان لانے میں مُعین ثابت ہوگا۔

تخت ہی کیوں منگوایا گیا؟

بلقیس کے تمام اموال و دولت میں سے صرف تخت ہی منگوانے کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ بلقیس کی تمام شاہی میں سے اس کا تخت ہی سب سے محفوظ ترین متاع سمجھا جاتا تھا، بلقیس کے اپنے آدمیوں کو اس تخت تک رسائی حاصل نہ تھی۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تخت تک رسائی کئی کمروں سے گزر کر ہو سکتی تھی اور یہ سب کمرے مقفل رہتے تھے۔ اب ظاہر ہے کہ اتنے سخت پہروں کے باوجود مقفل کمروں میں سے دروازہ اور تالا توڑے بغیر تخت نکال کر لے آنا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو اور اس تخت کا کسی بار برداری کے بغیر، لمحوں میں اتنی طویل مسافت طے کر کے سلیمانؑ کے دربار میں آ جانا، حق تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا نتیجہ اور حضرت سلیمانؑ کی مافوق الفطرت شاہی کی دلیل تھا۔ اس طرح بلقیس کو اللہ پاک کی عظیم قُدرت کا جلدی یقین ہو سکتا تھا۔ (معارف:۶/ ۵۸۴)

قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ۝

''مجلس ختم ہونے سے پہلے حاضر کردوں گا'' ایک جنّ کی آفر!

اس مجلس میں ایک بڑا دیو ہیکل اور لحیم شحیم قسم کا جن موجود تھا (تفسیری روایات میں اس کے مختلف نام بھی مذکور ہیں) اُس نے کہا کہ تخت لانے کے لیے میں تیار ہوں اور آپ اپنی اس مجلس سے اُٹھے بھی نہ ہوں گے کہ میں وہ تخت لے کر آجاؤں گا۔ یقین کیجیے کہ میں اس کی طاقت بھی رکھتا ہوں اور امانت دار بھی ہوں (اس تخت کے جواہرات میں خُرد بُرد نہیں کروں گا)۔

حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ نہیں، مجھے اس سے بھی جلدی چاہیے۔

قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۚ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ ۖ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ۚ وَمَنْ شَكَرَ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ رَبِّيْ غَنِيٌّ كَرِيْمٌ ۝

''پلک جھپکنے سے بھی پہلے تخت حاضر ہوگا'' ایک اور صاحب کی صلاحیت!

آپ کے دربار میں ایک اہلِ علم تھا جن کا نام ''آصف بن برخیا'' تھا۔ اُس نے کہا: ''اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ ۚ'' میں یہ تخت آپ کی آنکھ جھپکنے سے بھی پہلے پہلے لے آؤں گا، اور وہ واقعی اتنے سے لمحے میں تخت لے آیا۔

دراصل یہ ان صاحب کی کرامت تھی، اُنہیں ''اسمِ اعظم'' معلوم تھا، چنانچہ انہوں نے اسم اعظم پڑھ کر تخت حاضر کر دیا۔

ولی کی کرامت بھی درحقیقت اُس کے نبی کا معجزہ اور حقّانیت کی دلیل ہوتا ہے

میں اپنے والد گرامی (حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس اللہ تعالیٰ سرہ، بانی جامعہ فاروقیہ شجاع آباد) کے انتقال کے بعد ان کی جگہ مدنی مسجد (المعروف اڈے والی مسجد، شجاع آباد) میں درس قرآن دیا کرتا تھا، وہاں ایک بزرگ تھے، جو ہمارے دادا کے ساتھی تھے، پھر ساری زندگی ہمارے والد صاحب کا درس سنا، پھر میرے درس میں بیٹھنے لگے، ان کا مطالعہ بھی تھا اور تجربہ بھی، ایک دِن انہوں نے مجھ سے سوال کیا کہ اس قصے میں حضرت سلیمان علیہ السلام خود تو وہ تخت لا نہ سکے جب کہ آصف بن برخیا وہ تخت لے آئے، حالانکہ سلیمانؑ نبی ہیں، جبکہ آصف صحابی ہیں، کیا صحابی کا مقام نبی سے بڑھ گیا!

میں نے ان سے کہا کہ جو ولی کی کرامت ہوتی ہے وہ دراصل اس کے نبی کا معجزہ ہوتا ہے، کیونکہ ولی، انسان تب تک بن ہی نہیں سکتا جب تک کہ وہ نبی کے نقش قدم پر نہ چلے۔

نیز اس واقعے میں یہ کہیں بھی ثابت نہیں کہ خود سلیمانؑ کو ''اسمِ اعظم'' معلوم نہ تھا بلکہ ممکن ہے کہ انہوں نے حکمت اسی میں سمجھی ہو کہ یہ عظیم کارنامہ ان کے کسی اُمتی سے ظاہر ہوتا کہ بلقیس پر اور زیادہ اثر پڑے، اس لیے یہ کام خود سر انجام دینے کے بجائے اپنے اصحاب کو اس کام کے لیے فرمایا۔ (معارف: ۶/ ۵۸۵)

بہرحال جب وہ تخت آ گیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس پر اللہ کا شکر ادا کیا، آپ دیکھیں کہ حضرت سلیمان

علیہ السلام نے پہلے چیونٹی والے واقعہ میں اللہ کا شکر ادا کیا، پھر اب اس واقعہ میں ان کے شکر کا ذکر ہے، تو گویا آپ ہر وقت اللہ کا شکر ادا کرتے تھے، اور یہی درس ہے اس واقعہ سے کہ ہر نعمت پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے، تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اللہ کا شکر ادا کیا اور فرمایا کہ "هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ" یہ میرا امتحان ہے کہ میں شکر کرتا ہوں یا اپنے رَبّ کی ناشکری کرتا ہوں۔

قَالَ نَكِّرُوْا لَهَا عَرْشَهَا نَنْظُرْ اَتَهْتَدِيْٓ اَمْ تَكُوْنُ مِنَ الَّذِيْنَ لَا يَهْتَدُوْنَ

بلقیس کے امتحان کے لیے تخت میں تبدیلیاں کر دی گئیں

آپ نے فرمایا کہ اس تخت میں کچھ تبدیلیاں کر دو، ہم ملکہ بلقیس کی ذہانت کا امتحان لینا چاہتے ہیں کہ وہ اس تخت کو پہچان پاتی ہے یا نہیں؟ اگر تو وہ پہچان لیتی ہے تو ثابت ہو گا کہ وہ عقل مند خاتون ہے اور عقل مند کے لیے حق بات سمجھنا اور سمجھانا آسان ہوتا ہے۔ بصورتِ دیگر حق پہچاننے کی امید بہت کم ہوتی ہے۔ چنانچہ حسبِ منشا اس تخت میں کچھ تبدیلیاں کر دی گئیں۔

فَلَمَّا جَآءَتْ قِيْلَ اَهٰكَذَا عَرْشُكِ ۭ قَالَتْ كَاَنَّهٗ هُوَ ۚ وَاُوْتِيْنَا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا وَكُنَّا مُسْلِمِيْنَ

مبہم سوال کا مبہم جواب

جب وہ آئی تو اس سے پوچھا کہ کیا جناب کا تخت ایسا ہی ہے! یہ نہیں کہا کہ آپ کا تخت یہی ہے! کیونکہ اب یہ تبدیل ہو چکا تھا۔ بلقیس نے بھی اسی طرز میں جواب دیا کہ "كَاَنَّهٗ هُوَ" ایسے لگتا ہے کہ گویا یہ وہی ہے، لگتا تو ویسے ہی ہے۔ اس نے یہ نہیں کہا کہ "یقیناً یہ وہی ہے" کیونکہ یہ بالکل وہی تو نہیں تھا، اس میں تبدیلیاں ہو گئی تھی۔ کہنے لگی کہ ہم تو (بذریعہ قاصد) پہلے ہی جان چکے تھے کہ آپ سچے نبی ہیں اور ہم دل سے آپ کے تابع فرمان ہو چکے تھے۔

وَصَدَّهَا مَا كَانَتْ تَّعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ

بلقیس کی ذہانت کی تصدیق

اس آیت میں بلقیس کی سمجھداری کی طرف اشارہ ہے کہ تخت کا معجزہ دیکھنے سے پہلے ہی حق جان لینا اور مان لینا اس کی عقل مندی اور سمجھداری کی دلیل ہے۔ لیکن چونکہ وہ کافر قوم میں پلی بڑھی تھی، اسی لیے ان کی دیکھا دیکھی یہ بھی غیر اللہ کی عبادت میں لگ گئی۔ حق سے بالکل غافل رہی۔ اب جیسے ہی حق سامنے آیا، اپنے باطل معبودوں کی حقیقت اس کی سمجھ میں آ گئی جو ایک عقل مند انسان ہونے کی نشانی ہے۔

قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الصَّرْحَ ۚ فَلَمَّا رَاَتْهُ حَسِبَتْهُ لُجَّةً وَّكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا ۭ قَالَ اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ ڛ قَالَتْ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بلقیس کی ''شیش محل'' آمد کے اَحوال

حضرت سلیمانؑ نے چاہا کہ دینی منصب واضح ہونے کے بعد اب بلقیس کو اپنی دُنیوی شوکت بھی دِکھلانی چاہیے، اس غرض کے لیے ایک محل بنوایا گیا (ممکن ہے کہ انہی کے لیے بطورِ گیسٹ ہاؤس بنوایا ہو) اور اس محل کے صحن (داخلی رستہ) میں پانی کا حوض بنوا کر اس میں دریائی مخلوق (مچھلیاں وغیرہ) ڈلوا دیں اور اس حوض کے اوپر ایسا صاف شفاف شیشہ لگوا دیا جو سرسری طور پر دیکھنے سے نظر بھی نہیں آتا تھا۔

آج کل بھی مختلف پلازوں اور محلات میں ایسا ہوتا ہے کہ نیچے پانی ہوتا ہے اوپر شیشہ ہوتا ہے، آدمی اس پر چل رہا ہو تو لگتا ہے کہ جیسے پانی پر چل رہا ہے، جب محل میں جانے لگے اور راستے میں وہی تالاب آیا تو بلقیس نے اُسے پانی ہی سمجھا اور ''وَكَشَفَتْ عَنْ سَاقَيْهَا'' پانی میں پاؤں رکھنے کے لیے اپنی پنڈلیوں سے کپڑا اُٹھالیا، اس نے سمجھا کہ ہمیں پانی سے گزر کر محل میں جانا پڑے گا۔

اُس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا: ''اِنَّهٗ صَرْحٌ مُّمَرَّدٌ مِّنْ قَوَارِيْرَ'' کہ یہ کیا کر رہی ہیں! یہ تو سب کا سب شیشوں سے بنا ہوا ہے، شیش محل ہے، حوض پر بھی شیشہ پڑا ہوا ہے۔ کپڑے گیلے نہیں ہوتے۔

بلقیس ایمان لے آتی ہے

''قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' اس پر اُسے اپنے عجز پر افسوس ہوا کہ اتنی سمجھدار ہو کر یہ بات بھی نہ سمجھ پائی، نیز اسے یہ بھی یقین ہو گیا کہ یہاں دُنیوی صنعت کاری کے عجائبات ایسے ہیں جو آج تک ہم نے نہ دیکھے اور نہ سُنے، اس طرح وہ ہر لحاظ سے حضرت سلیمانؑ کی عظمت کی قائل ہو گئی اور بے ساختہ کہنے لگی: ''رَبِّ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ'' اے اللہ! میں اب تک شرک کر کے خود پر ظلم کرتی رہی، ''وَاَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمٰنَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' اب میں موحدہ بن کر سلیمان علیہ السلام پر ایمان لاتی ہوں اور انہی کی پیروی کر کے ان کی صحابیہ بن گئی ہوں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ۝ ...الی... وَاَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ۝

''قومِ ثمود'' نے اپنے پیغمبر کی اتباع نہ کی، ماری گئی

اس کے بعد اللہ نے قومِ ثمود کا ذکر کیا، ان کے پاس صالح علیہ السلام آئے، اور انہیں اللہ کی طرف بلایا، یہ ذکر بار بار آ رہا ہے، پچھلی سورت میں بھی تھا اس سے پچھلی سورت میں بھی تھا، تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے۔ قوم نے حق کی دعوت نہ مانی، تباہ اور برباد کر دی گئی۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ۝ ...الی... وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۚ فَسَآءَ مَطَرُ الْمُنْذَرِيْنَ ۝

''قومِ لوطؑ'' نے بھی نافرمانی کی رَوِش نہ چھوڑی، صفحۂ ہستی سے مٹادی گئی

قومِ ثمود کے بعد اللہ پاک نے حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر کیا، انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم اعلانیہ بے حیائی کرتے ہو، مردوں کے ساتھ اپنی شہوت پورا کرتے ہو! انہوں نے کہا کہ لوط علیہ السلام کو اپنی بستی سے نکال دو، یہ بڑا پاک باز بنتا ہے! یہی روش ہر اُس معاشرے کی ہے جہاں جرم، انسان کے رگ و ریشہ میں رچ بس جائے، اگر وہاں کوئی شخص نیکی کا حکم کرے، برائی سے روکے تو آگے سے یہی جواب ملتا ہے کہ تو بڑا نیک بنتا ہے، جانتے ہیں تجھے بھی۔ شقاوت و بدبختی کی انتہا ہوتی ہے کہ جب کسی واعظ کا وعظ سننے کے بعد لوگ نصیحت قبول کرنے کی بجائے اسی پر الزام تراشی شروع کر دیتے ہیں، پھر ہلاکت آیا ہی کرتی ہے، چنانچہ اس بدبخت قوم کے ساتھ بھی یہی ہوا، اللہ نے لوط علیہ السلام اور ان کے گھر والوں کو نجات دی، سوائے ان کی بیوی کے، نافرمان قوم پر پتھروں کی بارش ہوئی جس سے وہ سب ہلاک ہوگئے۔ (یہ قصہ بھی تفصیل سے ذکر ہو چکا ہے، اعادے کی ضرورت نہیں)۔

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۗ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب

سابقہ انبیاء اور ان کی اُمتوں کے کچھ حالات بیان کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے کہ آپ اللہ پاک کا شکر ادا کیجیے کہ آپ کی اُمت اس طرح کے عمومی عذاب سے مأمون کر دی گئی ہے۔ نیز انبیائے سابقین اور اللہ کے نیک صالح بندوں پر سلام بھیجیے۔

آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

کُفّار کو تنبیہ

آیت مبارکہ کے اس حصے میں کُفّار کو تنبیہ ہے کہ ذرا غور تو کرو! کیا معبودیت کے لحاظ سے وہ اللہ بہتر ہے جس کے ایسے ایسے عظیم الشان کمالات و احسانات ہیں کہ تم شمار ہی نہیں کر سکتے! یا وہ خود ساختہ لات و منات بہتر ہیں جنہیں تم خدا کے برابر اور خدائی نظام میں اللہ وحدہٗ لاشریک کا پارٹنر تصور کرتے ہو!

ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ ہی بہترین انتخاب ہے، اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں۔ لہٰذا عبادت بھی صرف اُسی ایک ہی خدا کی کرنی لازم ہے۔ در در سجدے کرنے کے بجائے ایک ہی در کے پابند بن جاؤ۔ نجات تمہارا مقدر ہوگی۔

پارہ نمبر ۲۰

یہ پارہ، سورۃ ”النمل“ کے بقیہ حصے، سورۃ ”القصص“ مکمل اور سورۃ ”العنکبوت“ کے ابتدائی حصے پر مشتمل ہے۔

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ۚ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۗ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ۝

توحیدِ باری کے معقول اور ناقابلِ تردید دلائل

۱۔ آسمان و زمین کا خالق اور اس کارخانۂ عالَم کا صانع کون؟

فرمایا کہ کیا وہ ذات جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا، آسمان سے بارش برسائی، پُر رونق درخت، پھل، پھول اگائے، جو تم خود اُگا ہی نہیں سکتے تھے، اُس ذات نے تمہارے لیے یہ سب کیا۔ کیا وہی ذات خدا ہے یا اس کے ساتھ کوئی اور بھی خدائی میں شریک ہے! افسوس کہ یہ لوگ پھر بھی اپنے بُتوں کو خدائے بزرگ و برتر کے برابر قرار دیتے ہیں۔

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۗ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

۲۔ نہروں اور پہاڑوں پر کس کی حکمرانی ہے؟

وہ کون ذات ہے جس نے زمین بچھا دی، جس نے نہریں چلا دیں، جس نے پہاڑ گاڑ دیے، جس نے دو دریاؤں کے درمیان غیر محسوس آڑ اور روکاوٹ پیدا کر دی کہ وہ آپس میں ملتے نہیں ہیں۔ کیا ہے کوئی اللہ کے سوا یہ سب کرنے والا! افسوس کہ یہ لوگ ایسی واضح بات بھی نہیں سمجھتے۔

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۗ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝

۳۔ مشکل کُشا کون ہستی ہے؟

بھلا وہ کون ہستی ہے جو بے سہارا کی پکار سنتا بھی ہے اور اس کی مشکل بھی دور کرتا ہے، اسی نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہوا ہے، پچھلی قوموں کے بعد تمہیں اس کا جانشین بنایا ہے۔ ان امور کے سرانجام دینے میں اور کوئی ہستی شریک ہے! افسوس ہے تم پر کہ یہ احسانات یاد ہی نہیں رکھتے ہو!

اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ۗ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ۗ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝

۴-ہادی وبشیر کون ہے؟

کون ہے جو تمہیں بر و بحر کے اندھیروں میں راستے بتاتا ہے! کون ہے جو بارش کی خوشخبری دینے والی ٹھنڈی ہوائیں بھیجتا ہے!

اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝

۵-زندگی، موت کا خالق اور مخلوقات کا رازِق کون؟

بھلا کون ذات ہے جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا! کون ہے جو تمہیں دوبارہ پیدا کرے گا! کون ہے جو تمہیں آسمان وزمین سے رزق دیتا ہے، کیا کوئی ہے اللہ کے علاوہ؟ کوئی ہے تو بتاؤ؟ کوئی ہے تو دلیل پیش کرو! اس کا معبود ہونا اور یہ سب اُمور سرانجام دینے کی اہلیت رکھنا ثابت کرو!

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ۝ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْهَا بَلْ هُمْ مِّنْهَا عَمُوْنَ۝

"عالم الغیب" کون ہستی ہے؟

فرمایا زمین وآسمان میں کوئی ایک ذی روح، کوئی فرشتہ، کوئی جن، کوئی انسان، کوئی نبی اور کوئی رسول ایسا نہیں جسے "علم غیب" حاصل ہو۔ غیب کا علم صرف علام الغیوب کے پاس ہے۔ یہ اُسی ذات جل جلالہٗ کی صفت ہے۔ لہٰذا اس فکر میں مت پڑو کہ قیامت کب قائم ہوگی یا ہوگی بھی یا نہیں! سب ہوگا، یقیناً ہوگا اور ہمارے علم کے مطابق ہی ہوگا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَآؤُنَا اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ۝ لَقَدْ وُعِدْنَا هٰذَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَا اِلَّا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ۝

منکرین کا قدیم اعتراض

کافرلوگ اعتراض کرتے ہیں کہ ہمارے آباء واجداد مرکھپ گئے، ہم بھی مرکر مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہمیں قبروں سے اُٹھایا جائے گا! ہم تو آج تک بس ایسے قصے کہانیاں سنتے ہی آئے ہیں، کبھی عملی مظاہرہ دیکھا تو نہیں!

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ۝

مجرم قوموں کے انجام سے عبرت پکڑو اور باز آجاؤ!

فرمایا کہ تم سے پہلے گزرنے والی جن قوموں نے ہمارے انبیاء کی اتباع نہیں کی بلکہ تمہارے جیسے بے تکے سوال

وجواب میں رہے، نشانِ عبرت بنا دیے گئے۔ تم لوگ ذرا چل پھر کر دیکھو تو سہی! اُن لوگوں کے علاقے بھی تو تم سے زیادہ دور نہیں! لہٰذا عبرت پکڑو اور لغویات سے باز آ جاؤ، پیغمبر کی اتباع میں آ جاؤ!

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ۞ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۞ قُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ رَدِفَ لَكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ تَسْتَعْجِلُوْنَ ۞ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۞ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۞ وَمَا مِنْ غَآئِبَةٍ فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۞

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور اپنی کامل قدرت سے آگاہی

اللہ پاک نے ان آیات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ ان لوگوں کی اُلٹی سیدھی باتوں سے پریشان نہ ہوا کریں۔ یہ لوگ تو غافل ہیں کہ عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں۔ اللہ چاہے تو دُنیا میں ان پر عذاب نازل کر دے (جیسا کہ میدانِ بدر میں مکہ کے جگر گوشے پیوندِ خاک کر دیے گئے، گزشتہ قوموں کی تاریخ بھی ان کے سامنے ہے) اللہ تعالیٰ سے دُنیا جہاں کی کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں، ان کُفّار کے ظاہر و باطن سے بھی اللہ خوب واقف ہے اور خدائی ریکارڈ میں بھی ان کے کرتوت درج ہیں۔ عذاب کا واقع ہونا عقلاً بھی ممکن ہے، مشاہدہ بھی ہے اور کُتبِ سابقہ بھی اس کی تائید کرتی ہیں۔ پھر انکار کا کیا مطلب! یہ تو محض اس کا فضل و کرم ہے کہ وہ لوگوں پر جلدی گرفت نہیں فرماتا، لیکن لوگ احسان مند ہونے کے بجائے ناشکرے ہی رہتے ہیں۔

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۞ وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۞

قرآن، حق و باطل پرکھنے کا معیار ہے

فرمایا یہ قرآن بنی اسرائیل کو وہ باتیں بھی بتاتا ہے جن میں ان کا آپس میں اختلاف ہے۔ جن مسائل میں بنی اسرائیل کے علماء کسی ایک رائے پر متفق نہ تھے، قرآن نے آ کر ان کا محاکمہ کر دیا اور صحیح فیصلوں کی طرف ہدایت دے دی۔ جو کلام، علماء کے مسائل کا فیصلہ کرے، وہ کلام خود کتنا عالی مرتبت اور ذیشان ہوگا! قرآن اہل ایمان کے لیے خاص ہدایت اور اللہ کی طرف سے خاص رحمت ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ بِحُكْمِهٖ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ ۞ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّكَ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِيْنِ ۞

اللہ کی مدد اہلِ حق کے ساتھ ہوتی ہے

فرمایا کہ ان کُفّار کی باتوں اور حرکتوں سے آپ پریشان نہ ہوں! آپ اپنے رب پر بھروسہ کیجیے، یقیناً آپ ہی حق

پر ہیں۔ ان کو ہدایت دینا آپ کے بس میں نہیں ہے، ہدایت دینے والی ذات اللہ کی ہے۔ اللہ خود ہی ان کے درمیان قیامت میں فیصلہ فرمائیں گے کہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی صاف معلوم ہو جائے گا۔

اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ۝ وَمَآ اَنْتَ بِهٰدِى الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ ؕ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝

ایمان کے بغیر زندگی، زندگی ہی نہیں بلکہ موت ہے

فرمایا: ''اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى'' اس آیت کا سیاق و سباق دیکھیں، آگے پیچھے کُفّار کا تذکرہ چل رہا ہے، نہ قبر کا تذکرہ ہے اور نہ مُردوں کا تذکرہ ہے! فرمایا کہ جن لوگوں نے دینِ حق کو قبول نہیں کیا، وہ اپنی فطری صلاحیت ہی کھو چکے ہیں، حق سے محروم دل لیے، یہ محض چلتے پھرتے لاشے ہیں، ان کے کان حق سننے سے محروم اور بہرے ہیں۔

بہرا پھر بھی اشاروں سے بات سمجھ لیتا ہے لیکن یہ تو ایسے بدبخت ہیں کہ جب آپ انہیں حق کی بات سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں تو یہ پیٹھ موڑ کر کھسک جاتے ہیں۔ (بہرا آدمی جب پیٹھ موڑے جا رہا ہو تو اسے بلانا اور متوجہ کرنا کس قدر دُشوار ہے!) لہٰذا اے پیغمبر! ان کافروں کو مردہ ہی سمجھو، ان کافروں کو بہرہ سمجھو، یہ قرآن کا اسلوب ہے، قرآن نے جابجا کافروں کو گونگا بھی کہا، بہرہ بھی کہا، اندھا بھی کہا اور مردہ بھی کہا۔

اسی اسلوب میں یہاں بھی فرمایا کہ میرے حبیب! آپ مُردوں کو نہیں سُنوا سکتے یعنی آپ کافروں کو حق نہیں منوا سکتے، آپ بہروں کو نہیں سنوا سکتے جب وہ پیٹھ پھیر کر جا رہے ہوں، یہاں بھی بہروں سے مراد کافر ہیں۔

''سماعِ موتیٰ'' کے مسئلے سے اس آیت کا تعلق ہی نہیں

مُردوں کے سننے یا نہ سننے سے اس آیت کا کوئی تعلق ہی نہیں ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ مردوں کے سماع کا مسئلہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جس پر ہماری شریعت کے بنیادی عقائد کا انحصار ہو، کچھ لوگ جن کو آتے ہی صرف یہی دو چار مسائل ہیں وہ سارا دن یہی راگ الاپتے رہتے ہیں کہ ''نہیں سنتے، نہیں سنتے، نہیں سنتے'' او بھائی! مُردے سنتے ہیں یا نہیں سنتے، اس سے تمہیں کیا تکلیف ہے!

''وَمَآ اَنْتَ بِهَادِى الْعُمْيِ عَنْ ضَلٰلَتِهِمْ'' یہاں بھی اندھے سے مراد کافر ہیں، اللہ نے ایک جگہ فرمایا: ''فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ'' (الحج:۴۶) کہ ان کی آنکھیں اندھی نہیں، بلکہ سینے میں موجود دل اندھے ہو چکے ہیں۔ اچھا پھر آپ سنواتے کس کو ہیں! فرمایا: ''اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ يُّؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ مُّسْلِمُوْنَ'' آپ ایمان والے کو منوا سکتے ہیں، کافر کو نہیں منوا سکتے، اگر مردوں کا مسئلہ ہوتا تو آیت کا مطلب ہوتا کہ آپ کافر مُردوں کو تو نہیں سنوا سکتے البتہ مومن مُردوں کو سنوا سکتے ہیں، حالانکہ قرآن کا مقصد یہ بیان کرنا نہیں ہے۔ لہٰذا یہ آیت کُفّار کی کیفیت اور گمراہی بیان کر رہی ہے، سماعِ موتیٰ کے مروّج مسئلہ کا اس سے تعلق ہی نہیں ہے۔

نوٹ:- "سماعِ موتیٰ" کے مسئلے کی جامع تفصیل دیکھنے کے لیے تفسیر معارف القرآن (۶/ ۶۰۲) ملاحظہ فرمایئے۔

وَاِذَا وَقَعَ الۡقَوۡلُ عَلَيۡهِمۡ اَخۡرَجۡنَا لَهُمۡ دَآبَّةً مِّنَ الۡاَرۡضِ تُكَلِّمُهُمۡ ۙ اَنَّ النَّاسَ كَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوۡقِنُوۡنَ۝

"دابۃ الارض" کا خروج

اس آیت میں اللہ پاک نے قیامت کی ایک بڑی نشانی بیان فرمائی: "وَاِذَا وَقَعَ الۡقَوۡلُ عَلَيۡهِمۡ" جب قیامت کا وعدہ پورا ہونے کا وقت آئے گا تو اس وقت اللہ پاک، زمین سے ایک جانور نکالیں گے جو لوگوں سے باتیں کرے گا، اس کی گفتگو کیا ہوگی! بعض مفسرینِ کرام فرماتے ہیں کہ وہ عام انسانی انداز میں گفتگو کرتا ہوگا، جب کہ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس کی گفتگو یہی ہوگی جو قرآن نے بیان کی: "اَنَّ النَّاسَ كَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوۡقِنُوۡنَ" وہ اللہ پاک کی طرف سے لوگوں کو یہی بتاتا پھرے گا کہ "آج سے پہلے بہت سے لوگ ہماری نشانیوں پر یقین نہیں رکھتے تھے۔" آج اپنی آنکھوں سے نشانیوں کو پورا ہوتا دیکھتے رہیں۔ اب ایمان اور توبہ کا وقت ختم ہوگیا۔

قُربِ قیامت میں ایسی بڑی بڑی نشانیاں ظاہر ہوں گی، ان میں ایک نشانی دجال کا نکلنا ہے، ایک نشانی عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے زمین پر تشریف لانا ہے، ایک نشانی حضرت امام مہدی (محمد بن عبداللہ) علیہ السلام کا آنا، یاجوج ماجوج کا نکل پڑنا ہے، سورج کا مغرب سے طلوع ہونا ہے، اس عجیب الخلقت جانور کا زمین سے نکلنا ہے۔

روایات میں آتا ہے کہ یہ عجیب وغریب جانور، کوہ صفا سے نکلے گا (باقاعدہ کسی جانور سے پیدائش نہیں ہوگی) اور مٹی جھاڑتا ہوا "مطاف" میں آجائے گا۔ اس کی عجیب شکل وصورت ہوگی، بہت سے لوگ اس کو دیکھ کر مسجدِ حرام سے بھاگ جائیں گے، جو جماعت ثابت قدم رہے گی، ان کے چہروں کو روشن ستاروں کی طرح منوّر کردے گا۔ پھر یہ وہاں سے نکل کر پوری روئے زمین کا گشت کرے گا، کافر اور مومن میں فرق واضح کرتا جائے گا، کوئی بھی اس سے چھپ نہیں سکے گا۔ اس کا خروج، قیامت کی بالکل قریب ترین علامتوں میں سے ایک ہے۔ (یہ علامتیں کُتبِ حدیث میں مفصل موجود ہیں، من شاء فلیراجع، مختصر تشریح معارف القرآن ۶/ ۶۰۵ میں بھی موجود ہے)۔

وَيَوۡمَ نَحۡشُرُ مِنۡ كُلِّ اُمَّةٍ فَوۡجًا مِّمَّنۡ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمۡ يُوۡزَعُوۡنَ۝ حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوۡ قَالَ اَكَذَّبۡتُمۡ بِاٰيٰتِىۡ
وَلَمۡ تُحِيۡطُوۡا بِهَا عِلۡمًا اَمَّاذَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ۝ وَوَقَعَ الۡقَوۡلُ عَلَيۡهِمۡ بِمَا ظَلَمُوۡا فَهُمۡ لَا يَنۡطِقُوۡنَ۝

قیامت کے دِن مجرموں کی کیفیت

فرمایا کہ قیامت والے دِن ہر ہر اُمّت میں سے (سابقہ اُمتوں میں سے بھی اور موجودہ اُمّت میں سے بھی) مجرموں کو الگ کردیں گے، ان سب کو جمع کرکے اکٹھے ہمارے پاس لایا جائے گا۔ بعض مفسرینؒ فرماتے ہیں "یوزعون" کا مطلب ہے کہ اُنہیں دھکے دے دے کر ہمارے پاس لایا جائے گا (العیاذ باللہ العظیم)۔

ہم ان کے جرائم اُن کے سامنے رکھیں گے، ان کو اُن کی تکذیب اور دیگر کرتوت یاد دلائیں گے اور ان جرائم کی

پاداش میں ان پر سزا کا فیصلہ سنائیں گے۔ جرم کے ٹھوس شواہد ہونے کی وجہ سے ان مجرموں کے پاس اپنے حق میں بولنے کو کچھ بھی نہیں ہوگا۔

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ ۚ وَكُلٌّ أَتَوْهُ دٰخِرِينَ ۝ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۚ صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِي أَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ إِنَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَفْعَلُونَ ۝

جب ''صور'' پھونکا جائے گا

فرمایا: ''وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ'' جب صور (قولِ راجح کے مطابق نفخۂ اُولیٰ مُراد ہے، معارف القرآن) پھونکا جائے گا تو آسمان وزمین کی ہر جان دار شئے پر گھبراہٹ طاری ہو جائے گی۔ جو زندہ ہوں گے، گھبرا جائیں گے۔ اس گھبراہٹ سے صرف وہی محفوظ رہیں گے جن کو اللہ پاک محفوظ رکھنا چاہے گا۔ نیز گھبراہٹ سے اِدھر اُدھر کوئی نہیں بھاگ سکے گا (جیسا کہ دنیا میں ایسے موقعوں پر ہر کوئی اپنی اپنی جائے پناہ تلاش کرتا ہے) بلکہ وہ سب کے سب اللہ کے سامنے جھکے جھکے حاضر ہوں گے۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ ''الا من شاء اللہ'' سے مراد چار مشہور فرشتوں (حضرت جبرائیل، میکائیل، اسرافیل اور ملک الموت) کے ساتھ ساتھ وہ فرشتے ہیں جو اللہ کے عرش کو تھامے ہوئے ہوں گے۔ یہ فرشتے، اُس دِن کی گھبراہٹ سے محفوظ ہوں گے، بعد میں ان پر بھی موت طاری ہوگی۔ جب کہ بعض مفسرینِ کرامؒ فرماتے ہیں کہ اس دِن کی پریشانی سے حضراتِ شہدائے کرام بھی محفوظ ہوں گے۔ (معارف القرآن: ۶/ ۶۱۰)

یہ حالت تو جان داروں کی بیان ہوئی۔ آگے بے جان چیزوں کی حالت بیان فرمائی کہ: ''وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ'' آپ پہاڑوں کو دیکھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہمیشہ اسی طرح جمے رہیں گے، کبھی حرکت نہ کریں گے! حالانکہ اُس دِن وہ ایسے اُڑتے پھرتے ہوں گے جیسے بادل پھرتے ہیں۔

ان پہاڑوں کو مضبوطی دینے والا بھی اللہ ہے اور وہ جب چاہے، ان کی ایسی حالت بنا دے، اللہ پاک تمہارے سب اعمال کی خوب خبر رکھتا ہے۔

قیامت میں پہاڑوں پر کیا گزرے گی؟

قیامت میں اِن پہاڑوں پر مختلف مراحل گزریں گے۔ ابتدائی حالت یہ ہوگی کہ زلزلہ آئے گا تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے: ''وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوشِ'' (القارعۃ) یہ پہاڑ، دُھنی ہوئی رُوئی کے گالوں کی طرح ہو جائیں گے۔ پھر ایک اور حالت ہوگی کہ ''وَبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا ۝ فَكَانَتْ هَبَاءً مُّنْبَثًّا ۝'' (الواقعۃ) روئی کے گال تو پھر بھی اکٹھے ہوتے ہیں، ان پر ایسی حالت آئے گی کہ ان کا ذرہ ذرہ الگ الگ ہو جائے گا۔ پھر ایک حالت آئے گی کہ اللہ اِن ذرات کو بھی اڑا دیں

گے: ''وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا'' (طٰہٰ) میں یہی حالت بیان ہوئی ہے۔ پہاڑوں کا یہ غبار چونکہ ساری زمین پر چھایا ہوگا تو ہوائیں انہیں اُٹھا کر اوپر لے جائیں گی، ساری زمین پر حاوی ہونے کی وجہ سے دیکھنے والوں کو یوں لگے گا کہ یہ ذرات آپس میں جمے ہوئے اور بے حرکت ہیں، حالانکہ وہ ہواؤں کے زور پر اِدھر اُدھر تیزی سے حرکت کرتے ہوں گے۔ جیسے بادلوں کی کثرت دیکھ کر یہی خیال ہوتا ہے، حالانکہ وہ دھواں ہی ہوتا ہے جس میں جماؤ نہیں ہوتا ''تَحْسَبُهَا جَامِدَةً'' میں بادلوں کی اسی حالت کا بیان ہے۔ (معارف: ۶/ ۶۱۱) پہاڑوں کی ان حالتوں میں سے کچھ تو نفخۂ اولیٰ کے وقت ہوں گی اور کچھ حالتیں نفخۂ ثانیہ کے وقت ہوں گی۔

تفسیر روح المعانی میں ''تَحْسَبُهَا جَامِدَةً'' کی یہی تفسیر بیان فرمائی گئی ہے:

وترى الجبال رأي العين ساكنة والحال أنها تمر في الجو مر السحاب التي تسيرها الرياح سيراً حثيثاً، وذلك أن الأجرام المجتمعة المتكاثرة العدد على وجه الالتصاق إذا تحركت نحو سمت لا تكاد تبين حركتها۔ (تفسير الألوسي، ۱۵/ ۶۰، بترقيم الشاملة)

نیز پہاڑوں کی ان کیفیتوں کو اس طرح بیان فرمایا گیا ہے:

وحكى في "البحر" أن أول الصفات ارتجاجها ثم صيرورتها كالعهن المنفوش ثم كالهباء بأن تتقطع بعد أن كانت كالعهن ثم نسفها بإرسال الرياح عليها ثم تطييرها بالريح في الجو كأنها غبار ثم كونها سراباً۔ (تفسير الألوسي: ۱۵/ ۶۱، من الشاملة)

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَهُمْ مِّنْ فَزَعٍ يَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ ۝ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ ۭ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

جیسے اعمال لاؤ گے، ویسا بدلہ پاؤ گے

فرمایا جو شخص دُنیا میں نیکی کر کے آئے گا (ایمان بنیادی شرط ہے، ایمان کے بغیر کی گئی نیکی، آخرت میں کام نہ آئے گی) تو اسے اس کے اعمال کا اچھا بدلہ (نیکی کے اجر میں بھی اضافہ ہوگا اور جنّت بھی نصیب ہوگی) ملے گا اور قیامت کی گھبراہٹ اور خوف سے بھی محفوظ رہے گا، ورنہ وہاں تو کلیجے منہ کو آئیں گے۔ اور جو شخص بُرائیاں لائے گا اس کو اوندھے منہ جہنّم میں ڈالا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ تمہارے دُنیوی اعمال ہی کی سزا ہے جو تمہیں دی جا رہی ہے۔

اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِيْ حَرَّمَهَا وَلَهٗ كُلُّ شَيْءٍ ۡ وَّاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ۝ وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ۝

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرضِ منصبی: خود بھی دِین پر رہیں اور لوگوں کو بھی حق کی دعوت دیتے رہیں

میرے نبی! آپ اعلان کر دیں کہ مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اس شہر کے رب (جمہور کے نزدیک اس سے مکہ مکرمہ

مراد ہے، مکہ کی فضیلت بتانے کے لیے یہ تخصیص کی گئی ہے، ورنہ اللہ پاک تو آسمانوں وزمینوں کے رب ہیں) کی عبادت کروں، جس نے اس شہر کو محترم بنایا ہے اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ عقائد و اعمال ہر لحاظ سے اللہ کا مطیع و فرمانبردار رہوں۔

اور مجھے اللہ نے یہ بھی حکم فرمایا ہے: "وَأَنْ أَتْلُوَ الْقُرْآنَ" میں تمہیں قرآن پڑھ پڑھ کر سناؤں، مجھے خدائی احکام کی تبلیغ کا حکم بھی دیا گیا ہے، جو شخص اس تبلیغ کی وجہ سے ہدایت اختیار کرے گا تو اسی کو نفع ہوگا اور جو گمراہ ہوگا تو اپنا نقصان کرے گا، میرا اس میں کوئی ذاتی نفع یا نقصان نہیں ہے۔ میرا کام صرف انجام سے باخبر کردینا ہے اور بس! باقی تم جانو اور تمہارے کرتوت جانیں!

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ سَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ فَتَعْرِفُونَهَا ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝

اللہ پاک کے سب وعدے برحق ہیں

آپ یہ بھی کہہ دیجیے کہ سب خوبیاں، عظمت، قدرت حکمت اللہ ہی کے لیے ہیں۔ عنقریب وہ اللہ تمہیں اپنی نشانیاں (قیامت وغیرہ کے احوال جن سے تم فی الحال انکاری ہو) دکھائے گا، پھر تم اِن علامات کو خوب اچھی طرح جان بھی جاؤ گے (لیکن اُس وقت کا جاننا کس کام کا!) میرا اللہ تمہارے کسی بھی عمل سے غافل نہیں ہے، تمہارے سب اعمال واقوال کا تمہیں پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔سورت کی ابتدا میں حضرت موسیٰؑ کو نبوّت اور معجزات ملنے کا ذِکر ہے۔ نیز پیغمبر کی اتباع نہ کرنے پر قبطیوں، قومِ ثمود اور قومِ لُوط کی ہلاکت بیان کرکے اہلِ مکہ کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اپنے نبی کی مخالفت سے باز آجاؤ ورنہ تمہارا انجام بھی یہی ہوگا۔

۲۔اللہ پاک نے حضرت سلیمانؑ کی سلطنت کا ذِکر کرکے ہر صاحبِ اقتدار کو اس بات کی طرف متوجہ فرمایا ہے کہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ کیسے رہنا ہے! ان میں نظم وضبط کیسے پیدا کرنا ہے! نعمتِ خداوندی پر شُکر کرنا ہے اور تکبّر سے دور رہنا ہے۔ "ہدہد" جیسے معمولی پرندے کی خبرگیری اس بات کی علامت ہے کہ حاکم کو اپنی کمزور ترین رعایا اور اس کی ضروریات بارے بھی ویسے ہی فکرمند رہنا چاہیے جیسا کہ دیگر طبقات کا حق ہے۔ اسی لیے نبی کریم نے ارشاد فرمایا: "كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ الْإِمَامُ رَاعٍ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِي أَهْلِهِ وَمَسْئُولٌ (وَهُوَ مَسْئُولٌ) عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِي بَيْتِ زَوْجِهَا وَمَسْئُولَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا وَالْخَادِمُ رَاعٍ فِي مَالِ سَيِّدِهِ وَمَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ" (صحیح البخاری: ص۷)۔

۳۔حضرت سلیمانؑ نے اللہ پاک کی عطا کردہ نعمتوں پر خوب شُکر ادا کیا اور فرمایا: "رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ" لہٰذا جس شخص کو بھی اللہ پاک دینی یا دُنیوی نعمتوں سے نوازیں تو وہ اس پر شُکر ادا کرے اور حضرت سلیمانؑ کی اس مبارک دُعا کو اپنا وظیفہ بنالے۔

۴- حضرت سلیمانؑ نے "بلقیس" کو حق پر لانے کے لیے اپنے دینی و دُنیوی کمالات کو خوب ظاہر فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اپنے کسی دینی شرف و کمال کو اس نیت سے لوگوں کے سامنے ظاہر کرنے کی گنجائش ہے کہ لوگ حق قبول کرلیں۔ شرط یہ ہے کہ اس اظہار میں عجب، حُبّ جاہ اور اشرافِ نفس وغیرہ ہرگز شامل نہ ہو۔

۵- اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اپنی قُدرتِ کاملہ کو مختلف انداز میں خوب خوب بیان فرمایا اور بار بار "ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ" کا سوال کرکے عقلِ انسانی کو جھنجوڑا گیا کہ اس جیسا صاحبِ کمال کوئی اور ہوسکتا ہے! اتنی سی بات بھی سمجھ نہیں آتی!

۶- آخر میں کُفّار کے مشہور شبہات کو مختلف انداز میں نقل کرکے ان کے عقلی، نقلی جوابات دیے گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی کہ آپ ان کے کُفر پر ہرگز پریشان نہ ہوں، کسے ہدایت ملتی ہے اور کسے نہیں، یہ سب میرے اختیار میں ہے۔ ان کے اعتراضات کی قطعاً پرواہ مت کیجیے اور پوری دلجمعی سے دعوت کا کام کرتے رہیے اور خود بھی دین پر ثابت قدم رہیے۔

اسی ضمن میں قیامت کے کچھ احوال بھی بیان فرمائے گئے ہیں کہ قیامت میں سب کچھ واضح ہوجائے گا اور سب لوگوں کو اپنے اعمال کی حقیقت اور انجام معلوم ہوجائے گا۔

تمت سورۃ النمل بعون اللہ سبحانہ وتعالیٰ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُوْرَةُ الْقَصَص

سورت کا تعارف

یہ مکی سورت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما رہے تھے تو مکہ مکرمہ اور جحفہ (رابغ) کے درمیان یہ سورت نازل ہوئی، قرآنی ترتیب میں یہ سورت اٹھائیسویں (۲۸) نمبر پر ہے، جبکہ نزول کے اعتبار سے اس کا انچاس (۴۹) نمبر ہے۔ نو (۹) رُکوع اور اٹھاسی (۸۸) آیات پر مشتمل ہے۔

وجہِ تسمیہ

اس سورت کا نام "القصص" رکھا گیا ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون و قارون کا قصہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

ماقبل سے ربط

سورۂ نمل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اجمالی طور پر ذکر کیا گیا تھا، جبکہ سورۂ قصص میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تفصیلی قصہ ذکر کیا جا رہا ہے۔

مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع "اللہ رَبُّ العزّت کے وعدے پر مکمل یقین اور ایمان رکھنے کا بیان" ہے۔ نیز فرعون اور قارون کا قصہ ذکر فرما کر اللہ رَبُّ العزّت کے وعدہ کی تکمیل کے نمونوں کو بیان کیا ہے، نیز یہ بھی بتایا کہ حق کی راہ میں ہر طرح کی رکاوٹ بالآخر ختم ہو کر رہ جاتی ہے، سب سے بڑی رکاوٹ اقتدار اور دولت ہوتی ہے، فرعون کی ہلاکت سے اقتدار اور قارون کی ہلاکت سے دولت کی رکاوٹ کے دور ہو جانے کا ذکر فرمایا ہے۔

عمومی مضامین

اس سورت میں اللہ رَبُّ العزّت نے عمومی طور پر درج ذیل مضامین کو بیان فرمایا ہے:

۱۔ فرعون کا قصہ، جسے اللہ رَبُّ العزّت نے عظیم الشان سلطنت نصیب فرمائی، لیکن اس نے تکبّر کیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کے درپے ہو گیا، تو اللہ عزوجل نے اسے ہلاک کر دیا۔

۲- قارون کا قصہ، جسے اللہ رَبّ العزّت نے بے شمار مال و دولت سے نوازا، لیکن اس نے ناشکری کی، اللہ رَبّ العزّت کے احسانات کو بھول گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور تورات کا انکار کیا، تو اللہ رَبّ العزّت نے اسے ہلاک کر دیا۔

۳- اس سورت میں اللہ رَبّ العزّت نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ آپ کو آپ کے شہر میں فتح یاب کر کے لوٹائیں گے، (اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍ ...... الخ)۔

۴- اللہ رَبّ العزّت کی توحید اور ذات باری تعالیٰ سے تعلق کی مضبوطی کا بیان بھی اس سورت میں شامل ہے۔

۵- اس سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ تفصیلی طور پر ذکر فرما کر دراصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا مقصود ہے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات طیبہ کے ساتھ کئی مشابہتیں ہیں، تو اس سورت میں اللہ رَبّ العزّت نے ان مشابہتوں کا بھی ذکر فرمایا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ میں مماثلت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات کے ساتھ جن اُمور میں مماثلت رکھتی ہے، ذیل میں اس کی کچھ مثالیں ذکر کی جاتی ہیں:

۱- حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پالا اپنے دور کے جابر اور ظالم حاکم فرعون سے پڑا تھا جو کہ اقتدار والا تھا، مال و اسباب سے لیس تھا، اور موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت پر کمر بستہ ہو کر اس نے آپ کے خلاف مہم جوئی کرنے کی کوشش کی، حضور علیہ السلام کا پالا بھی ابوجہل اور اپنے علاقے کے ظالم اور جابر قوتوں کے ساتھ رہا۔

۲- حضور علیہ السلام کو مکہ سے ہجرت پر مجبور کیا گیا، موسیٰ علیہ السلام کو بھی ہجرت پر مجبور کیا گیا، حضور علیہ السلام نے مکہ چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت کی، جبکہ موسیٰ علیہ السلام نے مصر چھوڑ کر مدین کی طرف ہجرت کی۔

۳- حضور علیہ السلام سے اللہ کا وعدہ تھا کہ آپ کو آپ کے شہر میں واپس لائیں گے، موسیٰ علیہ السلام سے بھی ایک طرح کا اللہ کا وعدہ تھا کہ آپ کو مصر میں واپس لائیں گے، حضرت موسیٰ علیہ السلام ہجرت کے آٹھ یا دس سال بعد مصر واپس تشریف لائے اور اللہ نے آپ کو وہاں غلبہ عطا فرمایا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہجرت کے آٹھ سال بعد مکہ میں فاتح بن کر تشریف لائے، اور دسویں سال میں آپ کو اللہ نے پورے عرب کی حکومت عطا فرما دی۔

تو یہ کئی طرح کی مماثلتیں ہیں جن میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام مشترک ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

طٰسٓمّٓ ۞ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۞ نَتْلُوْا عَلَیْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۞

"طٰسٓمّٓ" یہ حروف مقطعات میں سے ہے، ان کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے (آغاز سورۂ یونس)۔ "تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۞" یہ (جو مضامین آپ پر وحی کیے جاتے ہیں) واضح کتاب یعنی قرآن کی آیات ہیں۔ جن میں ہم ایمان

والوں کے نفع کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے حالات و واقعات ٹھیک ٹھیک بیان کریں گے، (کیونکہ ان قصوں کے بیان کرنے سے غرض عبرت کا حصول اور ان سے نبوّت پر استدلال کرنا ہے اور یہ غرض ایمان والوں کے ساتھ ہی خاص ہے۔ (بحوالہ معارف القرآن للشیخ المفتی محمد شفیع رحمہ اللہ)۔

إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ﴿٤﴾ وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ﴿٥﴾ وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُم مَّا كَانُوا يَحْذَرُونَ ﴿٦﴾

فرعون کی سرکشی اور اس کے مظالم

فرعون نے سرزمین مصر میں سرکشی اختیار کر رکھی تھی، اس نے وہاں کے باشندوں کو مختلف گروہوں میں بانٹ دیا تھا، اس طرح کہ ایک فریق یعنی قبطیوں کو معزز بنا رکھا تھا اور دوسرے فریق یعنی بنی اسرائیل کو کمتر درجہ پر رکھا، پھر بنی اسرائیل کو کمزور سمجھ کر ان پر مظالم ڈھائے، ان کے (نومولود) بچوں کو قتل کروا دیتا تھا، جبکہ ان کی عورتوں (لڑکیوں) کو زندہ رہنے دیتا تھا، تاکہ ان سے خدمت لی جا سکے، حقیقت یہ ہے کہ فرعون بڑا فسادی تھا۔

بنی اسرائیل پر اللہ ربّ العزّت کے احسانات

ادھر فرعون اور اس کے سرداروں نے بنی اسرائیل پر ظلم کے پہاڑ توڑے ہوئے تھے جبکہ دوسری طرف اللہ ربّ العزّت کی منشا اور ارادہ کچھ اور تھا، اللہ ربّ العزّت فرماتے ہیں کہ ہماری منشا یہ تھی کہ ہم ان طاقتوروں، وڈیروں، حکمرانوں اور ظالموں پر، ان کمزور لوگوں کو غالب کر دیں جن پر ظلم ڈھایا جا رہا تھا، اور ان کمزور لوگوں پر اپنا خاص فضل و کرم اور احسان فرما کر ان کو زمین (مصر) کا مالک اور وارث بنا دیں۔

اور مزید ان پر یہ انعام بھی کریں کہ ان کو اقتدار عطا کر دیں، اور فرعون اور اس کے لشکروں کو وہ چیز (زوال سلطنت) دکھا دیں جس سے وہ ڈر رہے تھے، اور جس سے بچاؤ کرنے کے لیے اس نے بنی اسرائیل کے ہزاروں بچے قتل کر دیے تھے، تو انہوں نے اپنا کام کیا اور اللہ ربّ العزّت نے اپنی تدبیر کی، اور ان کی تدبیر پر اللہ کی تقدیر غالب آ گئی۔

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ ۖ فَإِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَأَلْقِيهِ فِي الْيَمِّ وَلَا تَخَافِي وَلَا تَحْزَنِي ۖ إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكِ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٧﴾ فَالْتَقَطَهُ آلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُونَ لَهُمْ عَدُوًّا وَحَزَنًا ۗ إِنَّ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا كَانُوا خَاطِئِينَ ﴿٨﴾ وَقَالَتِ امْرَأَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّي وَلَكَ ۖ لَا تَقْتُلُوهُ عَسَىٰ أَن يَنفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٩﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تفصیلی واقعے کا آغاز

بچپن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حفاظت کا وعدہ اور اس کی عملی صورت

ہوا یوں کہ جب موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی، تو چونکہ یہ وہی زمانہ تھا جب فرعون نجومی کی پیشین گوئی کی وجہ سے بنی اسرائیل کے نومولود بچوں کو پے در پے قتل کروا رہا تھا، اس لیے ان کی جان کو بھی خطرہ لاحق تھا، تو اللہ ربّ العزّت نے ان کی والدہ (جن کا نام ایارخا، بارخت یا یوحانذ تھا) کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ سردست آپ ان کو دودھ پلاتی رہیے، جب آپ کو خطرہ محسوس ہو تو بلا خوف و خطر ان کو صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دیجیے، اور ان کے ضائع ہونے کا کوئی ڈر یا ان کے فراق کی کوئی فکر نہ رکھیے گا اور نہ ہی غمگین اور پریشان ہونے کی ضرورت ہے، کیونکہ میرا وعدہ ہے کہ ہم اس بچے کو آپ کی گود میں واپس پہنچا دیں گے، اور پھر اپنے وقت پر ان کو رسول بھی بنائیں گے۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ان کو دودھ پلاتی رہیں، اور جب ان کو بات پھیلنے کا اندیشہ لاحق ہوا تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صندوق میں بند کر کے دریائے نیل میں ڈال دیا، وہ صندوق پانی کے بہاؤ پر تیرتا ہوا جب کنارے پر لگا تو وہاں فرعون کے کارندوں نے اسے اٹھا لیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہی بچہ فرعونیوں کے لیے غم اور پریشانی کا باعث بن گیا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اٹھا کر فرعون، ہامان اور اس کے لشکر نے اپنے حق میں بڑی غلطی کی، کیونکہ بے شمار اسرائیلی بچوں کو ایک شبہ کی بنا پر قتل کرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو زندہ رہنے دیا اور انجام کار وہی بچہ ان کے زوال کا سبب بنا۔ (تفسیر عثمانی)

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صندوق سے نکال کر فرعون کے سامنے لایا گیا تو فرعون کی بیوی حضرت آسیہ نے آپ کو دیکھتے ہی فرعون سے کہا کہ یہ بچہ تو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنے گا، یعنی اس کو دیکھ کر جی خوش ہوا کرے گا، لہٰذا اس بچے کو قتل مت کرنا، ہو سکتا ہے کہ یہ (بڑا ہو کر) ہمیں کچھ فائدہ پہنچا دے یا ہم اسے اپنا بیٹا ہی بنا لیں، اور ان لوگوں کو اس بات کی خبر ہی نہ تھی کہ یہ وہی بچہ ہے جس کے ہاتھوں فرعون کی سلطنت ختم ہو گی۔

وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فٰرِغًا ؕ اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝
وَقَالَتْ لِاُخْتِهٖ قُصِّيْهِ ؗ فَبَصُرَتْ بِهٖ عَنْ جُنُبٍ وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ
فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰۤى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نٰصِحُوْنَ ۝ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا
تَحْزَنَ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

وعدۂ خداوندی کی تکمیل کا بیان

ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے اہلکاروں نے اٹھا کر فرعون کے سامنے پیش کر دیا جبکہ ادھر موسیٰ علیہ السلام

کی والدہ کا دل (مختلف قسم کے اوہام اور خیالات کی وجہ سے) سخت بے قرار ہوگیا، بے قراری اتنی شدید تھی کہ اگر اللہ ربّ العزّت ان کا دل مضبوط نہ کرتے تو وہ یہ سارا واقعہ بیان کر کے موسیٰ علیہ السلام کا حال سب پر ظاہر کر دیتیں۔ لیکن اللہ نے انہیں ہمت اور حوصلہ عنایت فرمایا اور ان کے دل کو مضبوط کیے رکھا، اس لیے انہوں نے بمشکل اپنے دل کو سنبھالا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے اپنے دل کو تو بمشکل سنبھال لیا لیکن انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کا سراغ لگانے کی کوششیں شروع کر دیں، چنانچہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی بہن (یعنی اپنی بیٹی) سے کہا کہ ذرا موسیٰ علیہ السلام کا سراغ تو لگاؤ، تو وہ اپنی والدہ کے کہنے پر سراغ حال کے لیے گھر سے نکلیں اور پوچھتے پوچھتے فرعون کے محل تک پہنچ گئیں، وہاں پہنچ کر انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو دور سے یا غیر محسوس طریقے سے دیکھا جبکہ ان لوگوں کو یہ خبر نہ تھی کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کی بہن ہیں اور اس کا پتا کرنے آئی ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے محل میں موجود سب خواتین نے اپنا اپنا دودھ پلانے کی کوشش کی، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہر ایک کا دودھ پینے سے انکار کر دیا، جب موسیٰ علیہ السلام کی بہن وہاں پہنچیں تو معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کسی دائی کا دودھ نہیں پیتے، جب انہوں نے یہ حال دیکھا تو موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے ان سے کہا کہ کیا میں تمہیں ایسے گھرانے کا پتا بتاؤں جو تمہارے اس بچے کی پرورش بھی کریں اور اس کے خیر خواہ بھی ہوں، انہوں نے اس مشورہ کو غنیمت سمجھا اور اس گھرانے کا پتہ پوچھا تو انہوں نے اپنی والدہ کا پتہ بتلایا، جس پر وہ بلوائی گئیں، اور موسیٰ علیہ السلام ان کی گود میں دیے گئے، انہوں نے فوراً دودھ پینا شروع کر دیا، جس پر انہیں دودھ پلانے کی ذمہ داری مستقل طور پر دے دی گئی، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ، فرعون اور اس کی اہل خانہ کی اجازت سے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے گھر لے آئیں۔

غرض اس طرح اللہ ربّ العزّت نے اپنے وعدہ کے موافق موسیٰ علیہ السلام کو ان کی والدہ کے پاس واپس پہنچا دیا تاکہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور بچے کے فراق کا غم نہ رہے، اور تاکہ یہ بات مکمل یقین کے ساتھ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہوتا ہے لیکن افسوس کہ اکثر لوگ اس کا یقین نہیں رکھتے۔

تفسیر ابن کثیر میں مذکور ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب سینے سے لگایا تو انہوں نے فوراً دودھ قبول کر لیا، اس پر سیدہ آسیہ فرعون کی بیوی نے کہا کہ آپ ہمارے محل میں رہ کر انہیں دودھ پلائیں، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ میرا خاوند اور بچے بھی ہیں، جن کی خدمت کی ذمہ داری میری ہے، اس لیے میں محل میں تو نہیں رہ سکتی، البتہ میں اپنے گھر میں رہ کر دودھ پلا سکتی ہوں، حضرت آسیہ نے اس کی نہ صرف اجازت دی، بلکہ معقول اجرت، انعام اور احسان کے طور پر کپڑے اور نقدی وغیرہ بھی پیش کی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بچے اور انعامات لے کر خوشی خوشی گھر واپس آئیں، ان کا خوف وخطرہ، امن واطمینان میں بدل گیا، انہیں عزّت اور رزق بھی نصیب ہوا۔ حدیث پاک میں ہے:

مثل الذی یعمل ویحتسب فی صنعتہ الخیر کمثل ام موسی ترضع ولدھا وتاخذ اجرھا۔

ترجمہ:- اس شخص کی مثال جو نیک عمل کرے اور اپنے نیک عمل میں ثواب کی امید رکھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرح ہے، جو اپنے بچے کو دودھ بھی پلاتیں اور اس پر اجرت بھی وصول کرتیں۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَدَخَلَ الْمَدِيْنَةَ عَلٰى حِيْنِ غَفْلَةٍ مِّنْ اَهْلِهَا فَوَجَدَ فِيْهَا رَجُلَيْنِ يَقْتَتِلٰنِ ۖ هٰذَا مِنْ شِيْعَتِهٖ وَهٰذَا مِنْ عَدُوِّهٖ ۚ فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِىْ مِنْ شِيْعَتِهٖ عَلَى الَّذِىْ مِنْ عَدُوِّهٖ ۙ فَوَكَزَهٗ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ ۖ قَالَ هٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ عَدُوٌّ مُّضِلٌّ مُّبِيْنٌ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِىْ فَاغْفِرْ لِىْ فَغَفَرَ لَهٗ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَنْعَمْتَ عَلَىَّ فَلَنْ اَكُوْنَ ظَهِيْرًا لِّلْمُجْرِمِيْنَ ۝

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جوانی کا ایک واقعہ

ان آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہجرت کا پس منظر بیان کیا جا رہا ہے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جوان ہو گئے، تو اللہ ربّ العزّت نے انہیں حکمت یعنی نبوّت اور علم عطا فرمایا۔

اسی زمانے میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا، واقعہ یہ پیش آیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر مصر میں کہیں باہر سے ایسے وقت میں پہنچے کہ وہاں کے اکثر باشندے بے خبر، غفلت کی نیند سو رہے تھے، یہ وقت یا تو دوپہر کا وقت تھا جب لوگ قیلولہ کے لیے سو جاتے ہیں یا یہ وقت کچھ رات گئے کا تھا۔ (کذا فی معارف القرآن بحوالہ درمنثور) تو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر میں پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ دو آدمی لڑ رہے ہیں، ایک ان میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برادری کا تھا جنہیں اسرائیلی یا سبطی کہتے ہیں، جبکہ دوسرا فرعون کی برادری کا تھا جنہیں قبطی کہتے ہیں، تو جو بنی اسرائیلی اور سبطی تھا، اس نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو ان سے اپنے مدمقابل کے خلاف مدد طلب کی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہلے اس قبطی کو سمجھایا لیکن جب وہ باز نہ آیا تو آپ علیہ السلام نے اسے ایک مکا (گھونسا) مارا، مکا لگتے ہی خلاف توقع وہ قبطی مر گیا، آپ علیہ السلام اس غیر متوقع نتیجے سے بہت پچھتائے، اور کہنے لگے کہ یہ تو شیطانی حرکت ہے، اس لیے فوراً ذات باری تعالیٰ کی طرف رجوع کیا، اللہ ربّ العزّت سے استغفار اور توبہ کی، اور کہنے لگے: ”رَبِّ اِنِّىْ ظَلَمْتُ نَفْسِىْ فَاغْفِرْ لِىْ فَغَفَرَ لَهٗ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ“ اے میرے پروردگار! مجھ سے قصور ہو گیا، میں اپنے اوپر زیادتی کر بیٹھا، آپ مجھے معاف کر دیجیے، سو اللہ ربّ العزّت نے آپ کو معاف کر دیا۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بارگاہ خداوندی سے معافی مل گئی تو آپ نے اللہ ربّ العزّت سے عہد کیا کہ اے میرے پروردگار! چونکہ آپ نے مجھ پر بہت انعامات فرمائے ہیں اس لیے میں آئندہ کسی مجرم کی مدد نہیں کروں گا۔ (یہاں مجرموں سے مراد وہ لوگ ہیں جو دوسروں سے گناہ کا کام کرانا چاہیں، کیونکہ کسی سے گناہ کرانا بھی جرم ہے۔ بحوالہ معارف القرآن)۔

فَاَصْبَحَ فِی الْمَدِیْنَةِ خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِی اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ یَسْتَصْرِخُهٗ ؕ قَالَ لَهٗ مُوْسٰۤی اِنَّكَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۸﴾ فَلَمَّاۤ اَنْ اَرَادَ اَنْ یَّبْطِشَ بِالَّذِیْ هُوَ عَدُوٌّ لَّهُمَا ۙ قَالَ یٰمُوْسٰۤی اَتُرِیْدُ اَنْ تَقْتُلَنِیْ كَمَا قَتَلْتَ نَفْسًۢا بِالْاَمْسِ ۖۗ اِنْ تُرِیْدُ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ جَبَّارًا فِی الْاَرْضِ وَ مَا تُرِیْدُ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْمُصْلِحِیْنَ ﴿۱۹﴾

مذکورہ واقعے کا دوسرا حصہ

اس واقعے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر ہی میں تھے، لوگوں میں اس واقعے کا چرچا ہو چکا تھا لیکن کسی کو یہ علم نہیں تھا کہ اس قبطی کو کس نے قتل کیا ہے۔ کیونکہ اس واقعے کا واحد عینی شاہد وہ اسرائیلی شخص تھا، البتہ چونکہ اسی کی حمایت میں یہ واقعہ ہوا تھا اس لیے اس نے اظہار نہیں کیا، لیکن موسیٰ علیہ السلام کو اندیشہ رہا، یہاں تک کہ رات گزر گئی۔

اگلے دن صبح موسیٰ علیہ السلام ڈرتے ڈرتے باہر نکلے تو اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ وہی اسرائیلی شخص جس کی پکار پر گزشتہ کل موسیٰ علیہ السلام مدد کے لیے گئے تھے، وہ کسی اور قبطی سے لڑ رہا تھا، اس نے پھر آپ سے مدد طلب کی، موسیٰ علیہ السلام کو یہ دیکھ کر غصہ آیا، اور اس سے فرمایا: ''اِنَّكَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۸﴾ '' تو کھلا گمراہ ہے، کہ روز کسی نہ کسی سے لڑ پڑتا ہے۔

اس شخص کو ڈانٹنے کے بعد آپ علیہ السلام نے اس قبطی کو روکنے کا ارادہ کیا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اس اسرائیلی دونوں کا دشمن تھا، کیونکہ آپ علیہ السلام بھی بنی اسرائیل میں سے تھے، اور قبطی یعنی فرعونی قوم کے افراد بنی اسرائیلیوں پر ظلم ڈھایا کرتے تھے، اور مذکورہ واقعہ میں بھی زیادتی اسی فرعونی کی جانب سے تھی، چنانچہ جب آپ اس فرعونی کو روکنے کی غرض سے اس کی طرف لپکے تو چونکہ اس سے پہلے اس اسرائیلی کو (جس کی کل مدد کی تھی) ڈانٹ پلا چکے تھے، اس لیے اس کو یہ شبہ ہوا کہ شاید آج مجھے سزا دیں گے، تو وہ گھبرا کر کہنے لگا کہ اے موسیٰ! کیا آج آپ مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں جیسے آپ نے کل ایک آدمی کو قتل کیا تھا، یہ بات اس فرعونی نے سن لی اور اس نے فوراً جا کر فرعون کو خبر پہنچا دی، فرعون اپنے آدمی کے مارے جانے سے پہلے ہی نہایت غصہ میں تھا، یہ سن کر مزید آگ بگولا ہو گیا، اس نے فوراً اپنی کابینہ کو مشورہ کے لیے اکٹھا کیا، مشورہ میں طے پایا کہ موسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا جائے۔

وَ جَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَقْصَا الْمَدِیْنَةِ یَسْعٰی ؗ قَالَ یٰمُوْسٰۤی اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِیَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّیْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِیْنَ ﴿۲۰﴾ فَخَرَجَ مِنْهَا خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ ؗ قَالَ رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۱﴾

موسیٰ علیہ السلام کے ایک خیر خواہ کا آپ کو اطلاع اور مشورہ دینا

جس مجلس میں آپ علیہ السلام کو قتل کرنے کا فیصلہ ہوا، اس مجلس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک محب اور خیر خواہ بھی موجود تھا، وہ فوراً وہاں سے نکلے اور قریبی راستہ پر دوڑتے ہوئے قاتلوں کے پہنچنے سے پہلے ہی آپ کے پاس پہنچ گئے اور آ کر کہنے لگے کہ اے موسیٰ: ''اِنَّ الْمَلَاَ یَاْتَمِرُوْنَ بِكَ لِیَقْتُلُوْكَ فَاخْرُجْ اِنِّیْ لَكَ مِنَ النّٰصِحِیْنَ ﴿۲۰﴾ '' فرعون اور اس کے درباری آپ کے قتل کا مشورہ کر رہے ہیں، اس لیے آپ جلد از جلد یہاں سے چلے جائیے، میں آپ کا خیر خواہ ہوں۔

موسیٰ علیہ السلام نے جب اس کی بات سنی تو اسی وقت وہاں سے خوف اور وحشت کی حالت میں چھپتے چھپاتے نکل کھڑے ہوئے، اور ہجرت کا آغاز فرمادیا، چونکہ راستہ معلوم نہیں تھا، اس لیے اللہ رَبّ العزّت سے دُعا کی "رَبِّ نَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝" "اے میرے پروردگار! مجھے ان ظالم لوگوں سے نجات عطا فرمادیجیے، (اور امن کی جگہ پہنچادیجیے)۔

وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْیَنَ قَالَ عَسٰی رَبِّیْٓ اَنْ یَّهْدِیَنِیْ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ۝ وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْیَنَ وَجَدَ عَلَیْهِ اُمَّةً مِّنَ النَّاسِ یَسْقُوْنَ ۬ وَوَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمُ امْرَاَتَیْنِ تَذُوْدٰنِ ۚ قَالَ مَا خَطْبُكُمَا ؕ قَالَتَا لَا نَسْقِیْ حَتّٰی یُصْدِرَ الرِّعَآءُ ٚ وَاَبُوْنَا شَیْخٌ كَبِیْرٌ ۝ فَسَقٰی لَهُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓی اِلَی الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ۝

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جانب مدین ہجرت

سورت کے عمومی مضامین میں اس بات کا ذکر کیا جاچکا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات طیبہ میں کئی لحاظ سے مماثلتیں ہیں، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تفصیلی واقعہ کو ذکر کرنے کا ایک مقصد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا بھی ہے، چنانچہ اس رکوع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہجرت کا واقعہ ذکر فرما کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جارہی ہے کہ اللہ کے دین کی خاطر آپ کو بھی اپنے شہر سے ہجرت کرنی پڑسکتی ہے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مصر سے مدین کی جانب ہجرت کرنا پڑی، لہٰذا آپ اس کے لیے خود کو ذہنی طور پر تیار رکھیے۔ اس لیے اب ہجرت کا واقعہ بیان کیا جارہا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ رَبّ العزّت سے دُعا کر کے ایک سمت کو چل پڑے، جو مدین کی جانب جاتا تھا، تو چونکہ آپ علیہ السلام بے سروسامانی کی حالت میں مصر سے نکلے تھے اور راستہ کا علم بھی نہیں تھا اس لیے اس اضطرار کی حالت میں اللہ رَبّ العزّت کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے: "عَسٰی رَبِّیْٓ اَنْ یَّهْدِیَنِیْ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ۝" "امید ہے کہ میرا رَبّ مجھے سیدھے راستے پر چلائے گا، (اور کسی امن والی جگہ پہنچادے گا)۔ اللہ رَبّ العزّت نے آپ کی دُعا قبول فرمائی اور آپ مدین پہنچ گئے، جو ملک شام کے ایک شہر کا نام ہے، یہ علاقہ فرعونی حکومت سے خارج تھا، اور مصر سے آٹھ منزل کی مسافت پر واقع تھا۔

کنویں پر موجود لڑکیوں کا واقعہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب مدین پہنچے تو وہاں ایک کنویں کے پاس سے آپ کا گزر ہوا، جس پر لوگ جمع تھے اور اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے تھے، اور ان لوگوں سے ایک طرف دو نوجوان لڑکیاں الگ تھلگ کھڑی تھیں جن کے پاس بکریاں بھی تھیں، لیکن وہ اپنی بکریوں کو پانی نہیں پلا رہی تھیں، موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے دریافت کیا کہ "مَا خَطْبُكُمَا" "کیا وجہ ہے کہ تم اپنی بکریوں کو پانی نہیں پلا رہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ ہمارا معمول یہ ہے کہ ہم اس وقت تک اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلاتے جب تک یہ سارے مرد اپنے جانوروں کو پانی پلا کر گھر نہ چلے

جائیں، جب یہ مرد اپنے جانوروں کو ہٹا کر لے جاتے ہیں تو ہم باقی بچا کھچا پانی اپنے جانوروں کو پلاتے ہیں، جس کی وجہ یہ تھی کہ پانی پلانے کے لیے ایک پتھر ہٹانا پڑتا تھا جو بہت بھاری تھا اور اسے دس آدمی مل کر اٹھاتے تھے۔ اور ہم جانوروں کو پانی پلانے اس لیے آتی ہیں کہ ہمارے والد بزرگوار بوڑھے ہیں، وہ آ نہیں سکتے، اور گھر پر اور کوئی کام کرنے والا نہیں ہے، لہٰذا مجبوری میں ہمیں ہی آنا پڑتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام خود خالی پیٹ تھے، کھانے کے لیے درختوں کے پتوں اور سبزی کے علاوہ کچھ نہیں تھا، پاؤں سے جوتا بھی ٹوٹ کر نکل چکا تھا، اور بھوک کی وجہ سے اللہ کے اس محبوب بندے کا پیٹ کمر سے مل چکا تھا، اس کے باوجود جب آپ علیہ السلام کو ان لڑکیوں کی صورتحال کا علم ہوا تو آپ علیہ السلام کو ان پر رحم آ گیا، چنانچہ آپ نے اکیلے وہ بھاری پتھر ہٹایا جس کو دس آدمی مل کر اٹھاتے تھے، اور ان کی بکریوں کو پانی پلا دیا، پانی پلانے کے بعد آپ ایک درخت کے سائے تلے بیٹھ گئے، اور اللہ رَبّ العزّت سے دُعا کی کہ اے میرے پروردگار! (اس وقت) جو نعمت بھی آپ میرے پاس بھیج دیں گے، میں اس کا سخت ضرورت مند اور محتاج ہوں۔

حصولِ روزگار کا قرآنی وظیفہ

بزرگان و مشائخ فرماتے ہیں کہ بے روزگار آدمی کے لیے یہ قرآنی دُعا (رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ۝) نہایت اکسیر ہے، جس شخص کا کوئی روزگار نہ ہو، گھر نہ ہو یا شادی نہ ہوتی ہو تو وہ یہ دُعا پڑھے۔

فَجَآءَتْهُ اِحْدٰىهُمَا تَمْشِیْ عَلَى اسْتِحْیَآءٍ ؗ قَالَتْ اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْكَ لِیَجْزِیَكَ اَجْرَ مَا سَقَیْتَ لَنَا ؕ فَلَمَّا جَآءَهٗ وَقَصَّ عَلَیْهِ الْقَصَصَ ۙ قَالَ لَا تَخَفْ ٚ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۝

موسیٰ علیہ السلام کی دُعا کی قبولیت اور حضرت شعیب علیہ السلام سے ملاقات

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ دُعا کی تو اللہ رَبّ العزّت نے ان کی دُعا قبول فرمالی، اور اس کی صورت یہ ہوئی کہ جب وہ لڑکیاں اپنے گھر لوٹ کر گئیں تو ان کے والد نے معمول سے جلدی آ جانے کی وجہ دریافت کی، تو انہوں نے پورا قصہ بیان کر دیا، تو ان کے والد نے کہا کہ اچھا جاؤ اور اس اجنبی کو بلا کر لاؤ، تو ان میں سے ایک لڑکی حیا اور شرم کا پیکر بن کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئی، غالباً اس کا نام صفورہ تھا، اس نے آ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ ”اِنَّ اَبِیْ یَدْعُوْكَ لِیَجْزِیَكَ اَجْرَ مَا سَقَیْتَ لَنَا ؕ“ میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں تا کہ آپ کو آپ کی محنت کا صلہ دے سکیں، لہٰذا آپ میرے ساتھ تشریف لے آیئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ویسے ہی امن والی جگہ اور کسی رفیق کی ضرورت تھی، لہٰذا اس خاتون کے ساتھ چل پڑے، لیکن اس خاتون سے کہا کہ آپ میرے پیچھے چلیں، تا کہ کسی اجنبی خاتون کے کسی عضو پر میری نظر نہ پڑے، اور پیچھے سے راستہ بتاتی رہیں، غرض اس طرح ان کے والد کے پاس پہنچ گئے۔

اس لڑکی کے والد جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلوایا تھا، حضرت شعیب علیہ السلام تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب ان کے پاس پہنچے تو ان کو سارا قصہ سنایا اور سارا حال بیان کر دیا، تو انہوں نے آپ کو تسلی دی اور فرمایا کہ ''لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ'' اندیشہ نہ کیجیے، آپ ظالم لوگوں سے بچ آئے ہیں، کیونکہ یہ ان کا ملک نہیں ہے، بلکہ ان کی عملداری سے خارج ہے۔

قَالَتْ اِحْدٰىهُمَا يٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کے درمیان مندرجہ بالا گفتگو ہوئی تو ان کی بیٹیوں میں سے اسی بیٹی نے کہا: ''يٰۤاَبَتِ اسْتَاْجِرْهُ'' اے ابا جان! آپ ان کو ملازم رکھ لیجیے، کیونکہ ہم عورت زاد ہیں، گھر سے باہر نکل کر کام کرنا ہمارے لیے مناسب نہیں، جبکہ آپ عمر رسیدہ ہیں، اور آپ کو کام کاج کے لیے آدمی کی ضرورت ہے، لہٰذا آپ ان کو ملازم رکھ لیجیے۔ ''اِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْاَمِيْنُ'' کیونکہ ایک اچھے ملازم کی صفات اس میں موجود ہیں۔

قرآن کی روشنی میں اچھے ملازم کی صفات

اچھا ملازم کون ہوتا ہے اور ایک اچھے ملازم میں وہ کون سی صفات ہونی چاہئیں جن کی بنیاد پر کسی کو ملازم رکھا جائے؟ تو اللہ ربّ العزّت نے اس آیت میں اس کا میرٹ بتایا کہ جب کسی کو ملازم رکھنا ہو تو ان دو چیزوں کا لحاظ رکھنا چاہیے:

۱۔ پہلی صفت ''القوی'': ملازم طاقتور ہو، یعنی جس کام کے لیے اس کو ملازمت پر رکھ رہے ہوں اس کو انجام دینے کی اس میں قوت اور طاقت بھی ہو، باہمت ہو، باصلاحیت ہو۔

اس خاتون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طاقت کا مشاہدہ اس وقت کیا تھا جب آپ نے دس بندوں سے اٹھائے جانے والے پتھر کو اکیلے اٹھا لیا تھا۔

۲۔ اور دوسری صفت ''الامین'': وہ امانتدار ہو، خائن نہ ہو، کرپٹ نہ ہو، چور نہ ہو۔

اس خاتون نے موسیٰ علیہ السلام کی امانت اس وقت ملاحظہ کی تھی جب آپ نے اس کے ساتھ چلتے وقت اسے فرمایا تھا کہ تم پیچھے چلو تا کہ تمہارے کسی عضو پر، میری نظر نہ پڑ جائے، اور مجھے پتھر پھینک کر راستہ کی راہنمائی کرو۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی کا حُسنِ انتخاب

سیّدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے کہ لوگوں میں تین شخص سب سے زیادہ سمجھدار ثابت ہوئے:

۱۔ سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، انہوں نے بوقت وصال خلافت کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا۔

۲۔ عزیز مصر، جس نے اپنی بیوی سے کہا تھا کہ اس بچے کو اچھے انداز سے ٹھکانا دیں، یہ ہمارے لیے نفع کا ذریعہ ثابت ہوگا یا ہم اس کو بیٹا بنالیں گے۔

۳۔ وہ خاتون جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملازم رکھنے کا مشورہ دیا تھا۔ (تفسیر ابن کثیر)

شریعت کی روشنی میں مزدوروں کے حقوق

لوگ مزدور ڈے/لیبر ڈے مناتے ہیں، حالانکہ ان کو مزدوروں کے حقوق تک معلوم نہیں ہوتے، اور نہ ہی مزدوروں کے فرائض کا ان کو ادراک ہوتا ہے۔ شریعت اسلامیہ نے دیگر طبقات سے تعلق رکھنے والے افراد کی طرح مزدوروں کے حقوق بھی بیان کیے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے: "عن عبد الله بن عمر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أعطوا الأجير أجره قبل أن يجف عرقه" کہ مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اسے دے دو۔ (سنن ابن ماجہ ۳/۵۱۰)

ایک روایت میں ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: قال الله: ثلاثة أنا خصمهم يوم القيامة، رجل أعطى بي ثم غدر، ورجل باع حرا فأكل ثمنه ورجل استأجر أجيرا فاستوفى منه ولم يعط أجره۔ (صحیح بخاری شریف: ۱/۱۸۱)

ترجمہ:- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ ربّ العزّت کا ارشاد نقل فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت نے اعلان فرمایا ہے کہ تین لوگ ایسے ہیں جن سے میں بروزِ قیامت خود نمٹوں گا:

۱- ایک وہ شخص جس نے میرے نام پر کسی سے کوئی عہد کیا اور پھر عہد سے مکر گیا۔
۲- دوسرا وہ شخص جس نے کسی آزاد مرد یا عورت کو بیچا اور اس سے حاصل شدہ رقم کھا گیا۔
۳- تیسرا وہ شخص جس نے کسی مزدور کو مزدوری پر رکھا، اور اس سے کام تو پورا لیا لیکن اجرت نہیں دی۔

قَالَ اِنِّیۡۤ اُرِیۡدُ اَنۡ اُنۡكِحَكَ اِحۡدَى ابۡنَتَیَّ هٰتَیۡنِ عَلٰۤى اَنۡ تَاۡجُرَنِیۡ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ ۚ فَاِنۡ اَتۡمَمۡتَ عَشۡرًا فَمِنۡ عِنۡدِكَ ۚ وَمَاۤ اُرِیۡدُ اَنۡ اَشُقَّ عَلَیۡكَ ؕ سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ۞ قَالَ ذٰلِكَ بَیۡنِیۡ وَبَیۡنَكَ ؕ اَیَّمَا الۡاَجَلَیۡنِ قَضَیۡتُ فَلَا عُدۡوَانَ عَلَیَّ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوۡلُ وَكِیۡلٌ ۞

حضرت شعیب علیہ السلام کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی بیٹی کے نکاح کی پیشکش

جب حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹی نے یہ بات کی، تو حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: "قَالَ اِنِّیۡۤ اُرِیۡدُ اَنۡ اُنۡكِحَكَ اِحۡدَى ابۡنَتَیَّ هٰتَیۡنِ عَلٰۤى اَنۡ تَاۡجُرَنِیۡ ثَمٰنِیَ حِجَجٍ ۚ فَاِنۡ اَتۡمَمۡتَ عَشۡرًا فَمِنۡ عِنۡدِكَ ۚ وَمَاۤ اُرِیۡدُ اَنۡ اَشُقَّ عَلَیۡكَ ؕ سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰلِحِیۡنَ ۞" کہ چونکہ تمہیں گھر اور رفیق کی ضرورت ہے، جبکہ ادھر میں بیٹی والا ہوں اور مجھے اس کے رشتے کے لیے ایک نیک فرد کی ضرورت ہے، لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کو تمہارے ساتھ بیاہ دوں، اور میری شرط یہ ہے کہ تم آٹھ سال میری نوکری کرو، گویا یہ آٹھ سالہ نوکری اور خدمت ہی نکاح کا مہر

ہوگا، جبکہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ آٹھ سالہ نوکری مہر کا مقدمہ تھا، مہر کے معاملات آگے طے ہوئے تھے، اس لیے کہ مہر کا مال ہونا ضروری ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے مزید فرمایا کہ اگر تم دس سال پورے کردو تو یہ تمہاری طرف سے احسان ہوگا، میری طرف سے کوئی جبر نہیں، اور میں اس معاملہ میں تم پر کوئی سختی بھی نہیں برتوں گا تم اگر ہمارے ساتھ رہنے پر رضامند ہوئے تو مجھے ان شاء اللہ خوش معاملہ پاؤ گے، اور ہمارا نبھاؤ، ہمارا اخلاق اور ہمارا چال چلن آپ کے لیے ان شاء اللہ خوشی اور اطمینان کا باعث ہوگا۔

لڑکی والوں کا خود سے لڑکے والوں کو رشتے کی پیشکش کرنا دُرست ہے

اس آیت کی روشنی میں حضرات مفسرین فرماتے ہیں کہ اگر لڑکی والے ازخود لڑکے والوں کو رشتہ کی پیشکش کردیں تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے، جیسا کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ازخود پیشکش کی تھی۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ لڑکیوں کے اولیاء کو چاہیے کہ اگر کوئی نیک اور صالح مرد ملے تو اس بات کا انتظار نہ کریں کہ اسی کی جانب سے نکاح کے معاملہ کی بات چیت کا آغاز ہو، بلکہ ازخود پیشکش کردینی چاہیے۔ (معارف القرآن)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معاہدے پر رضامندی کا اِظہار

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت شعیب علیہ السلام کی بات سن کر رضامندی کا اظہار کیا اور کہنے لگے کہ یہ بات میرے اور آپ کے درمیان پکی ہوچکی ہے، اور میں ان دو مدتوں میں سے جس مدت کو بھی پورا کروں مجھ پر کوئی جبر نہیں ہوگا، اور ہم جو یہ معاملہ کی بات چیت کررہے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کا گواہ ہے، لہٰذا اس کو حاضر ناظر جان کر عہد پورا کرنا چاہیے۔

حدیث پاک میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی شرمگاہ کی عفت اور اپنے پیٹ کے کھانے کے لیے اپنے آپ کو ملازم بنایا۔ (مسند احمد، سنن ابن ماجہ)

اس عہد و پیمان کے بعد بعض حضرات کے نزدیک حضرت موسیٰ علیہ السلام آٹھ سال وہاں رہے، جبکہ دیگر بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ آپ نے پورے دس سال مکمل کیے، جیسا کہ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ انہوں نے زیادہ مدت یعنی دس سال پورے کیے، کیونکہ انبیاء کی شان ہی یہی ہے کہ معاملات میں ایثار و قربانی سے کام لیتے تھے اور فریق ثانی کے فائدہ کا لحاظ کرتے تھے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی عادت شریفہ تھی کہ حقدار کو اس کے حق سے زائد عطا فرمادیا کرتے تھے۔

بہرحال یہ مدت پوری کرنے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام کی اجازت سے اپنی بیوی کو لے کر مصر یا شام کی جانب روانہ ہوگئے۔

موسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت میں مماثلت

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت میں واضح مماثلت پائی جاتی ہے، جیسے حضرت موسیٰ

علیہ السلام نے مصر سے مدین کی جانب ہجرت کی، اور مدین میں آٹھ یا دس سال گزار کر واپس مصر تشریف لے آئے، اسی طرح جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت کی، اور وہاں آٹھ سال رہنے کے بعد دوبارہ مکہ میں فاتح بن کر تشریف لے آئے۔

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَسَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا ۚ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ مِّنَ النَّارِ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ ۝ فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوْدِیَ مِنْ شَاطِئِ الْوَادِ الْاَیْمَنِ فِی الْبُقْعَةِ الْمُبٰرَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ اَنْ یّٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مصر واپسی کا تذکرہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام آٹھ یا دس سال گزارنے کے بعد جب مصر واپس تشریف لے جارہے تھے تو راستے میں آپ کی اہلیہ کو دردِ زہ شروع ہو گیا، تو چونکہ سردی بہت زیادہ تھی، اس لیے آگ کی ضرورت پڑی، چنانچہ آپ نے آگ کی تلاش میں نظریں دوڑانا شروع کر دیں، اور آپ کو دور ایک بلند مقام پر آگ نظر آ گئی، آپ نے اپنے اہل خانہ سے فرمایا کہ آپ یہاں ہی ٹھہرے رہیں، میں نے آگ دیکھی ہے، میں وہاں سے آگ لے کر آتا ہوں، یا شاید وہاں سے راستہ کی کچھ خبر ہی مل جائے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں پہنچے تو دیکھا کہ عجیب آگ ہے، جتنا اسے لینے کے لیے آگے بڑھتے ہیں آگ اتنا ہی پیچھے چلی جاتی ہے، اسی کشمکش و پیچ میں تھے کہ اسی آگ سے آواز آئی "یّٰمُوْسٰۤى اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝" اے موسیٰ! میں رب العالمین ہوں (یہ میری تجلی ہے)۔

وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ یُعَقِّبْ ۚ یٰمُوْسٰۤى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ ۫ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ ۝ اُسْلُكْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ۫ وَّاضْمُمْ اِلَیْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ فَذٰنِكَ بُرْهَانٰنِ مِنْ رَّبِّكَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَاۡئِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا فٰسِقِیْنَ ۝

"عصا" اور "ید بیضاء" کا معجزہ اور نبوّت ملنے کے بیان میں

پھر آواز آئی کہ اپنا عصا زمین پر ڈال دو، جیسے ہی انہوں نے عصا زمین پر ڈالا تو وہ سانپ بن کر چلنے لگا، جب موسیٰ علیہ السلام نے اسے دیکھا تو ڈر گئے، اور پشت پھیر کر بھاگنے لگے، اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا، آواز آئی کہ اے موسیٰ کہ ڈرو نہیں، یہ سانپ تو آپ کا معجزہ ہے، اسے اٹھاؤ، جب اٹھایا تو وہ دوبارہ لاٹھی بن گئی۔

اس کے بعد دوسرا معجزہ عنایت فرمایا، اللہ ربّ العزّت نے حکم فرمایا کہ "اُسْلُكْ یَدَكَ فِیْ جَیْبِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ ۫ وَّاضْمُمْ اِلَیْكَ جَنَاحَكَ مِنَ الرَّهْبِ" اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال کر نکالو، وہ بلا کسی مرض کے نہایت روشن ہو کے نکلے گا، آپ نے ایسا ہی کیا اور ہاتھ روشن ہو گیا، پھر اسے دوبارہ اپنے گریبان میں ڈالا تو وہ پہلے کی طرح ہو گیا۔

پھر اللہ ربّ العزّت نے فرمایا کہ یہ دونوں تمہاری نبوّت کی نشانی اور دلیل ہیں، لہٰذا اب فرعون کے پاس جاؤ اور اسے جا کر دعوت ایمان دو، کیونکہ وہ بڑا نافرمان ہے۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ۝ وَاَخِیْ هٰرُوْنُ هُوَ اَفْصَحُ مِنِّیْ لِسَانًا فَاَرْسِلْهُ مَعِیَ رِدْاً یُّصَدِّقُنِیْۤ اِنِّیْۤ اَخَافُ اَنْ یُّكَذِّبُوْنِ ۝ قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِاَخِیْكَ وَ نَجْعَلُ لَكُمَا سُلْطٰنًا فَلَا یَصِلُوْنَ اِلَیْكُمَا ۚۛ بِاٰیٰتِنَاۤ ۚۛ اَنْتُمَا وَ مَنِ اتَّبَعَكُمَا الْغٰلِبُوْنَ ۝

بارگاہِ خداوندی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست

جب اللہ ربّ العزّت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوّت سے سرفراز فرما کر فرعون اور اس کی قوم کی طرف جانے کا حکم فرمایا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہایت عاجزانہ طور پر بارگاہ خداوندی میں عرض کی: ''رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ ۝'' اے میرے پروردگار! میں جانے کے لیے حاضر ہوں مگر آپ کی خاص مدد کی ضرورت ہے، کیونکہ مجھ سے ان کے ایک آدمی کا قتل ہو گیا تھا، تو مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ مجھے قتل نہ کر دیں۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ میری زبان بھی زیادہ رواں نہیں ہے، کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں لکنت تھی، جس کی وجہ یہ تھی کہ موسیٰ علیہ السلام نے بچپن میں انگارا اپنی زبان پر رکھ لیا تھا، اس لیے دوسرے مقام پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا بھی منقول ہے'' واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی '' (سورۂ طٰہٰ) تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ اے میرے پروردگار! میری زبان زیادہ رواں نہیں ہے، جبکہ میرا بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح اللسان ہے، لہٰذا آپ اس کو میرا معاون بنا دیجیے، اور میرا مددگار بنا کر انہیں بھی میرے ساتھ رسالت عطا کر دیجیے، تاکہ وہ میری بات کی تائید اور تصدیق کر سکے، کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ فرعون اور اس کے درباری میری تکذیب کریں گے۔

درخواست کی منظوری کا اعلان

اللہ ربّ العزّت نے ان کی درخواست منظور فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ٹھیک ہے۔ ہم آپ کے بھائی کو بھی نبوّت دے کر آپ کا دست و بازو بنا دیتے ہیں، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر حضرت ہارون علیہ السلام کو نبوّت ملی، حضرات مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑا اپنے بھائی پر احسان کرنے والا کوئی نہیں، کیونکہ انہوں نے ان کے لیے سفارش کی اور سفارش قبول ہو گئی۔ سورۂ طٰہٰ میں اللہ ربّ العزّت نے فرمایا: '' قد اوتیت سؤلک یموسیٰ '' اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بھائی اپنے بھائی کا دست راست اور مضبوطی کا باعث ہوتا ہے، کیونکہ اللہ ربّ العزّت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: '' سنشد عضدك باخیك '' ہم آپ کے بھائی کے ذریعہ آپ کا بازو مضبوط کر رہے ہیں۔
بہرحال اللہ ربّ العزّت نے حضرت ہارون علیہ السلام کو نبوّت دیتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ ہم تم دونوں

کو ایک خاص شوکت اور ہیبت عطا کریں گے جس سے ان لوگوں کو تم پر دسترس نہ ہو سکے گی۔ لہٰذا ہمارے معجزے لے کر ان کے پاس جاؤ، ہمارا وعدہ ہے کہ تم دونوں اور تمہارے متبعین ان لوگوں پر غالب رہیں گے۔

فَلَمَّا جَاءَهُم مُّوسَىٰ بِآيَاتِنَا بَيِّنَاتٍ قَالُوا مَا هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى وَمَا سَمِعْنَا بِهَٰذَا فِي آبَائِنَا الْأَوَّلِينَ ۝ وَقَالَ مُوسَىٰ رَبِّي أَعْلَمُ بِمَن جَاءَ بِالْهُدَىٰ مِنْ عِندِهِ وَمَن تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۖ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ۝

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کی فرعون کے دربار آمد

اللہ ربّ العزّت نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا قبول فرمالی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام کو لے کر فرعون کے دربار پہنچے، اور وہاں پہنچ کر فرعون اور اس کے درباریوں کو دین حق کی دعوت دی اور معجزات کی شکل میں واضح نشانیاں بھی دکھائیں۔

فرعون نے ان کی بات سن کر اور معجزات دیکھ کر کہا کہ یہ تو محض ایک جادو ہے، اور ہم نے تو ایسی بات پہلے کبھی نہیں سنی۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی ہٹ دھرمی دیکھی تو کہنے لگے: "رَبِّي أَعْلَمُ بِمَن جَاءَ بِالْهُدَىٰ مِنْ عِندِهِ وَمَن تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۖ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ۝" میرے پروردگار کو خوب معلوم ہے کہ ہم میں اور تم میں سے ہدایت والے کون ہیں اور ظالم کون ہیں، ہر ایک کو اس کا انجام جلد معلوم ہو جائے گا، یقیناً ہدایت والوں کا انجام ہی سب سے اچھا ہوگا جبکہ ظالم اور فاسق لوگ کبھی کامیاب نہ ہو سکیں گے۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ مَا عَلِمْتُ لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرِي فَأَوْقِدْ لِي يَا هَامَانُ عَلَى الطِّينِ فَاجْعَل لِّي صَرْحًا لَّعَلِّي أَطَّلِعُ إِلَىٰ إِلَٰهِ مُوسَىٰ وَإِنِّي لَأَظُنُّهُ مِنَ الْكَاذِبِينَ ۝ وَاسْتَكْبَرَ هُوَ وَجُنُودُهُ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ إِلَيْنَا لَا يُرْجَعُونَ ۝

فرعون کی شانِ خداوندی میں سنگین گستاخی

فرعون نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واضح دلائل دیکھ لیے تو اسے اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں ہمارے معتقدین ان کی طرف مائل نہ ہو جائیں، لہٰذا لوگوں کو جمع کر کے کہنے لگا: اے اہل دربار مجھے تو اپنے سوا تمہارا کوئی اور رب نظر نہیں آتا، پھر مذاق اڑاتے ہوئے اپنے وزیر ہامان سے کہا: اے ہامان! ہمارے لیے آگ جلا کر اس میں مٹی کی اینٹیں بنواؤ، پھر ان پختہ اینٹوں سے میرے لیے ایک بہت بلند محل بنواؤ، (بعض حضرات نے اس کی بلندی تقریباً تیرہ سو فٹ ذکر کی ہے)۔ میں اس محل پر چڑھ کر موسیٰ کے خدا کو دیکھوں گا، کیونکہ میں تو موسیٰ (علیہ السلام) کے اس دعویٰ کو کہ کوئی اور خدا بھی ہے، جھوٹ ہی سمجھتا ہوں۔

کیا یہ محل واقعۃً تعمیر کیا گیا تھا؟

فرعون کے اس حکم نامے کے بعد یہ محل بنایا گیا تھا یا نہیں، اس میں حضرات مفسرین کے دونوں اقوال ہیں۔ بعض

حضرات فرماتے ہیں کہ فرعون نے یہ بات صرف طنز کرنے اور مذاق اڑانے کی غرض سے کی تھی، حقیقت میں یہ محل تعمیر نہیں کیا گیا تھا، جبکہ دیگر بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ محل حقیقتاً تعمیر کیا گیا تھا، اور جب یہ محل مکمل ہوگیا، تو اللہ ربّ العزّت نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بھیجا، جنھوں نے اس محل پر اپنا ایک پر مارا، جس سے اس محل کی اینٹ سے اینٹ بج گئی، اور فرعونی فوج کے ہزاروں آدمی اس کے نیچے دب کر مر گئے۔ (مستفاد از معارف القرآن بحوالہ تفسیر قرطبی)

فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ ۚ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِیْنَ ۝ وَجَعَلْنٰهُمْ اَىِٕمَّةً یَّدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ لَا یُنْصَرُوْنَ ۝ وَاَتْبَعْنٰهُمْ فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ هُمْ مِّنَ الْمَقْبُوْحِیْنَ ۝

فرعون اور اس کے لشکروں کا عبرتناک انجام

فرعون نے جب پیغام خداوندی اور دین حق کی دعوت کا ایسا مذاق اڑایا تو اللہ ربّ العزّت نے اسے اور اس کے لشکروں کو دنیا میں بھی اپنے عذاب کا نشانہ بنایا، اور اسے اور اس کے لشکروں کو دریا میں غرق کر دیا۔ اور آخرت میں بھی ان کے متعلق فرمایا کہ یہ قیامت میں بے یار و مددگار رہ جائیں گے، ان کا کوئی ساتھ دینے والا نہیں ہوگا۔ یوں دنیا میں بھی لعنت کا شکار ہوئے اور قیامت میں بھی بے حال لوگوں میں سے ہوں گے۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآىِٕرَ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ۝

نزولِ تورات عمومی عذابوں کے خاتمے کا ذریعہ بن گئی

مذکورہ آیت میں قوموں کی ہلاکت کے بعد تورات کے نزول کا بیان ہے۔

سیّدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ روئے ارض پر نزول تورات کے بعد اللہ ربّ العزّت نے عمومی طور پر نہ آسمانی عذاب نازل فرمائے اور نہ ہی زمینی عذاب، سوائے اس بستی والوں کے جن کی شکلیں موسیٰ علیہ السلام کے بعد بندر کی صورت میں بدل گئی تھیں۔ نزولِ تورات کے بعد کفّار کی سزا کے لیے حق تعالیٰ نے اہل زمین کو کفّار سے جہاد و قتال کا حکم دیا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِیِّ اِذْ قَضَیْنَاۤ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِیْنَ ۝ وَلٰكِنَّاۤ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَیْهِمُ الْعُمُرُ ۚ وَمَا كُنْتَ ثَاوِیًا فِیْۤ اَهْلِ مَدْیَنَ تَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِیْنَ ۝ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَیْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اَتٰىهُمْ مِّنْ نَّذِیْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ۝

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کی ایک دلیل

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ذکر کرنے کے بعد اللہ رَبّ العزّت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت کی ایک دلیل بیان فرمائی۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق تعالیٰ سے شرف کلام کے واقعات، مدین کے سفر کے قصے، حضرت موسیٰ اور حضرت شعیب علیہ السلام کے معاملات اور کوہ طور کے یہ واقعات اور حالات اہل مکہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے سننے کو ملے ہیں، جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں موجود نہیں تھے، اس کے باوجود آپ کا ان واقعات کو اس قدر جزئیات کے ساتھ بیان فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ رَبّ العزّت نے ان واقعات کی خبر دی ہے، لہٰذا ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے نبی اور رسول ہیں۔

وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۝ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ۚ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ۝ قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝ فَاِنْ لَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكَ فَاعْلَمْ اَنَّمَا يَتَّبِعُوْنَ اَهْوَآءَهُمْ ؕ وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۝

پیغمبر کیوں بھیجے جاتے ہیں؟

اللہ رَبّ العزّت فرماتے ہیں کہ اگر ہم رسول نہ بھیجتے اور ان کفّار اور مشرکین پر ان کے بُرے اعمال کی وجہ سے کوئی مصیبت آجاتی، تو یہ کہنے لگ جاتے کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے ہمارے پاس کوئی پیغمبر کیوں نہیں بھیجا تاکہ ہم آپ کے احکام کی اتباع کرتے اور ہم بھی ایمان لے آتے۔ اس لیے ہم نے ان کے پاس پیغمبر بھیجے تاکہ ان پر حجت تام ہو جائے اور حق سے منہ پھیرنے کا کوئی بہانہ باقی نہ رہے۔

مشرکین کی ہٹ دھرمی اور اعتراضات

مشرکین مکہ کے پاس جب اللہ رَبّ العزّت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجا اور ان کی ہدایت کے لیے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر قرآن جیسی مقدس کتاب نازل فرمائی تو ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لاتے اور قرآنی تعلیمات پر عمل پیرا ہوتے لیکن انہوں نے ضد اور ہٹ دھرمی شروع کر دی اور کہنے لگے کہ آپ کو کوئی ایسی کتاب کیوں نہ ملی جیسی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملی تھی، یعنی مکمل کتاب یک بارگی کیوں نہ دے دی گئی۔

اللہ رَبّ العزّت نے ان کے اعتراض کا جواب دیا کہ جو کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی، یہ تو اس کے بھی منکر تھے بلکہ یہ تو قرآن اور تورات دونوں کے متعلق کہا کرتے تھے کہ یہ دونوں جادو ہیں (معاذ اللہ)۔ لہٰذا تورات کو لے کر قرآن پر اعتراض کرنا سوائے ایک حیلہ اور شرارت کے کچھ نہیں ہے۔

پھر اللہ رَبّ العزّت نے ان کے اس حیلہ کا بھی جواب ارشاد فرما دیا۔

فرمایا کہ اے میرے نبی! آپ ان سے کہہ دیجیے کہ تم اگر قرآن کو نہیں مانتے تو اللہ رَبّ العزّت کے پاس سے کوئی اور کتاب لے آؤ، جو ان دونوں سے بہتر ہو، میں بھی اسی کی پیروی کرنے لگ جاؤں گا، لیکن اگر یہ لوگ آپ کی یہ بات نہ مانیں تو آپ سمجھ لیجیے کہ ان کے ان اعتراضات اور سوالات کا منشا اور مقصد حق کی تلاش نہیں، بلکہ اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرنا ہے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ ان لوگوں سے بڑا ظالم کوئی نہیں ہے جو اللہ کی کتاب پر اپنی نفسانی خواہش کو ترجیح دیں، اور ایسے ظالموں پر اللہ ہدایت کے دروازے بند فرما دیتے ہیں۔

وَلَقَدْ وَصَّلْنَا لَهُمُ الْقَوْلَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ۝

قرآن پاک مکمل یکبارگی نازل کیوں نہیں ہوا؟

اس آیت میں اللہ رَبّ العزّت نے مشرکین مکہ کے اس اعتراض (کہ قرآن بھی تورات کی طرح ایک ہی بار مکمل کیوں نہیں نازل کیا گیا) کا تشفی بخش جواب دیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ رَبّ العزّت ایک ہی بار میں مکمل قرآن پاک نازل کرنے پر بھی قادر ہیں، مگر اللہ نے ان مشرکین کی مصلحت کا لحاظ کرتے ہوئے قرآن پاک کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا تا کہ یہ لوگ بار بار تازہ بہ تازہ قرآن سن کر نصیحت حاصل کریں۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ۝ وَاِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖٓ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَآ
اِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِيْنَ۝ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ
وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۝ وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۡسَلٰمٌ
عَلَيْكُمْ ۡلَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ۝

اہلِ کتاب کے انصاف پسند لوگ قرآن پر ایمان لاتے ہیں

اہلِ کتاب کے وہ لوگ جو انصاف پسند ہیں، وہ قرآن پر ایمان لاتے ہیں، اور محض ضد اور عناد کی وجہ سے اسلام قبول کرنے سے نہیں رکتے، بلکہ جب ان کے سامنے کوئی قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے تو یہ اس کی حقانیت کی تصدیق کرتے ہیں اور اپنی زبان سے اقرار کرتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، یہ ہمارے رب کا کلام ہے۔ بلکہ ہم تو اس کے آنے سے پہلے بھی اس قرآن کو مانتے تھے۔

مذکورہ بالا اہلِ کتاب کا اِنعام اوران کی صفات

ایسے اہلِ کتاب جواپنی کتاب پر بھی ایمان لائے اور پھر نزول قرآن کے بعد اس پر ایمان لائے، ان کوان کے صبر کی وجہ سے دہرا اجر ملے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا کہ: تین قسم کے لوگ ایسے ہیں جنہیں قیامت کے دِن ہرنیکی کا دُہرا اجر ملے گا:

۱۔"رجل من اھل الکتاب آمن بنبیہ ثم آمن بی" ان میں سے ایک وہ یہودی یا عیسائی ہے جواپنے نبی پر بھی ایمان لایا اور پھر مجھ پر بھی ایمان لایا۔ صحابہ کرام میں سے ایسے افراد میں حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ، جو اہل کتاب کے بہت بڑے عالم تھے اور مسلمان ہوگئے، حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ، جو حاتم طائی کے بیٹے تھے اور پہلے عیسائی مذہب پر تھے لیکن بعد میں مسلمان ہوگئے۔ اسی طرح حضرت اسد اور حضرت اسید رضی اللہ عنہما جو پہلے یہودی مذہب پر تھے لیکن بعد میں مسلمان ہوگئے، وغیرہ شامل ہیں۔

۲۔ دوسراوہ شخص جس نے کسی باندی کوتعلیم دی، اس کوادب سکھایا، پھراس کو آزاد کردیا اور اس سے شادی کرلی، اس کواپنا برابر کا حصہ دار بنالیا، تو اس کے لیے بھی دہرا اجر ہے۔

۳۔ اور تیسراوہ شخص جوغلام ہے، ملازم ہے، نوکر ہے، اوراس نے اپنے مالک کا حق بھی پورا ادا کیا اور اللہ کا حق بھی پورا ادا کیا تو اس کے لیے بھی دہرا اجر ہے۔ (صحیح البخاری، ص:۵۶)

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿۵۶﴾

ہدایت دینے کا اختیارصرف اللہ کے پاس ہے

پھر اللہ ربّ العزّت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا، اے میرے میرے حبیب! ہدایت آپ کے ہاتھ میں نہیں ہے، بلکہ میرے ہاتھ میں ہے، لہٰذا ایسا نہیں ہوسکتا کہ جسے آپ چاہیں اسے ہدایت عطا فرمادیں۔

یہ آیت تب نازل ہوئی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا جناب ابوطالب کا انتقال ہوگیا تھا، اور آپ کی شدید خواہش کے باوجود انہوں نے کلمہ نہیں پڑھا، اوراسی حالت میں ان کا انتقال ہوگیا، جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت غم لاحق ہوا۔ تو اللہ ربّ العزّت نے یہ آیت نازل فرمادی۔

اس واقعے کی تفصیل یہ ہے کہ جب جناب ابوطالب کی وفات کا وقت قریب ہوا، تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ چچا جان کلمہ پڑھ لو تا کہ میں قیامت کے دِن اللہ کے ہاں آپ کی سفارش کرسکوں، کیونکہ انہوں نے اپنی زندگی میں آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بہت خدمت کی تھی، آپ کو مشرکین مکہ کے ظلم وستم سے ہر ممکن بچانے کی کوشش کی تھی، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بے حد محبت بھی تھی، جس کی وجہ سے آپ کی بڑی تمنا تھی کہ یہ کسی طرح اسلام قبول کرلیں اور ایمان لے آئیں۔

بہرحال جب آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اسلام قبول کرنے اور کلمہ پڑھنے کی دعوت دی تو وہ تردد کا شکار ہوئے، کیونکہ کفار مکہ کے بڑے بڑے سردار بھی وہاں موجود تھے، انہوں نے کہا: کیا تو مرتے وقت عبدالمطلب کا دین چھوڑ دے گا؟ تو جناب ابوطالب نے انکار کردیا، اور بعض روایات میں آتا ہے کہ انہوں نے یہ شعر پڑھے:

دعوتنی وزعمت انك صادق
وصدقت فیه وکنت ثمه امیناً
ولقد علمت بان دین محمد
خیر من ادیان البریة دیناً
لو لا الملامة او حذار مسبة
لوجدتنی بذالك سمحاً مبیناً

جن کا مفہوم یہ ہے کہ آپ نے مجھے دین اسلام کی طرف دعوت دی اور مجھے پتا ہے کہ آپ اپنی اس بات میں سچے اور امین ہیں، اور مجھے یہ بھی پتا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین، دنیا کے تمام دینوں سے بہتر ہے، اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ مکہ کی عورتیں مجھے میرے مرنے کے بعد طعنہ دیں گی کہ ابوطالب موت سے ڈر گیا تو میں ضرور اسلام قبول کرلیتا۔ پھر ان کی روح پرواز کرگئی، آپ علیہ السلام کو بہت صدمہ پہنچا، پھر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۝

کفّار کو ایمان لانے سے کون سی چیزیں روکتی ہیں؟

کفارِ مکہ میں سے بعض لوگ کہتے تھے کہ اگر ہم ایمان لے آئیں اور آپ کے ساتھ ہو کر اس دین پر چلنے لگیں تو ہمیں کچھ خطرات لاحق ہوجائیں گے، ایک خطرہ تو یہ ہے کہ ہم گھر سے بے گھر ہوجائیں گے اور دوسرا خطرہ یہ ہے کہ ہمیں معاشی تنگی بھی لاحق ہوجائے گی، اور تیسرا خطرہ یہ ہے کہ تکالیف اور پریشانیاں بہت آئیں گی۔ تو اللہ ربّ العزّت نے یہ آیت نازل فرما کر کفار کے ان اندیشوں کا جواب دیا، اور فرمایا کہ ہم نے ان کو امن اور امان والے حرم میں جگہ دی ہے، جہاں کسی قسم کے جانی اور مالی نقصان کا اندیشہ نہیں ہے، کیونکہ حرم کا سب احترام کرتے ہیں، اور وہاں ہر قسم کے پھل کھنچے چلے آتے ہیں، لہٰذا رزق کی پریشانی اور تنگی کا بھی اندیشہ نہیں ہے۔

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍۢ بَطِرَتْ مَعِيْشَتَهَا ۚ فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ مِّنْۢ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِيْلًا ؕ وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِيْنَ۝

اصل خطرہ جان یا مال کی پریشانی نہیں، بلکہ کفر اور شرک کا ارتکاب ہے

کفار کے ان اندیشوں کا جواب دینے کے بعد اللہ ربّ العزّت نے ان کو اصل خطرہ کی جانب متوجہ فرمایا، جس کا

حاصل یہ ہے کہ بہت سے لوگ اور بہت سی بستیاں ایسی ہیں جن میں بسنے والے نہایت خوشگوار حالات میں زندگی بسر کرتے تھے، ان کو جان یا مال کی کوئی پریشانی لاحق نہیں تھی، ہر قسم کی نعمت انہیں حاصل تھی، لیکن انہوں نے ان نعمتوں پر شکر ادا کرنے کے بجائے تکبّر کیا اور کفر اور شرک کا ارتکاب کیا تو اللہ نے انہیں ہلاک کر دیا، اور آج بھی ان کے گھر اجڑے اور ویران پڑے ہیں، جو ان کے بعد کبھی آباد نہیں ہوئے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ مال و دولت اور رزق کی تنگی اصل خطرہ نہیں، بلکہ کفر اور شرک میں مبتلا رہ کر زندگی بسر کرنا اصل خطرہ ہے۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۚ وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ۝

قوموں کی ہلاکت سے متعلّق ضابطۂ خداوندی

کُفّارِ مکہ کو ایک شبہ یہ بھی ہوتا تھا کہ اگر ان سابقہ اقوام کی ہلاکت کی وجہ ان کا کُفر اور شرک میں مبتلا رہنا ہے تو ہم بھی تو ایک مدت سے کُفر کرتے آ رہے ہیں، ہم کو ہلاک کیوں نہیں کیا گیا؟ تو اللہ رَبّ العزّت نے ان کے اس شبہ کا جواب دیتے ہوئے قوموں کی ہلاکت سے متعلق اپنا قانون بھی ارشاد فرما دیا، جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ رَبّ العزّت کسی بھی بستی یا قوم کو اس وقت تک ہلاک نہیں کرتا جب تک ان میں اپنے کسی پیغمبر کو نہ بھیج دے، اور پیغمبر بھیجنے کے بعد بھی فوراً ان کو ہلاک نہیں کرتے بلکہ اس وقت تک ان کو مہلت دیتے ہیں جب تک وہ سرکشی اور عناد میں حد سے تجاوز نہ کر جائیں۔

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَزِيْنَتُهَا ۚ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۝

کُفّار و مشرکین کے ایمان نہ لانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ چونکہ یہ آخرت پر یقین نہیں رکھتے تھے لہٰذا دنیا کی محبت ان کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، جس کی وجہ سے یہ اسلام قبول کرنے سے گریزاں رہتے تھے، تو اللہ رَبّ العزّت نے اس آیت میں دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کے ہمیشہ باقی رہنے کو بیان فرما کر انہیں غور و فکر کی دعوت دی کہ دنیا میں جو کچھ تمہیں دیا گیا ہے وہ سب تو زندگی برتنے کا سامان ہے، جو تمہاری زندگی کے خاتمہ کے ساتھ ختم ہو جائے گا، لیکن جو اجر اور ثواب اللہ رَبّ العزّت کے پاس ہے، وہ اس سے کئی گنا بہتر بھی ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا بھی۔ لہٰذا اچھی طرح غور و فکر کر لو۔

اَفَمَنْ وَّعَدْنٰهُ وَعْدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيْهِ كَمَنْ مَّتَّعْنٰهُ مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ هُوَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْمُحْضَرِيْنَ۝

مومن اور کافر برابر نہیں ہو سکتے!

اللہ رَبّ العزّت فرماتے ہیں کہ وہ شخص جس سے ہم نے جنّت کا وعدہ کیا ہے اور وہ جنّت میں یقیناً جائے گا (یعنی مومن شخص)، کیا اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کو ہم نے دنیوی زندگی کا کچھ روزہ فائدہ دے رکھا ہے اور قیامت کے دِن وہ ان لوگوں میں سے ہوگا جو گرفتار کر کے لائے جائیں گے (یعنی کافر شخص)۔ یہ دونوں ہرگز برابر نہیں ہو سکتے۔

وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ ۗ مَا كَانَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ ۗ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ وَرَبُّكَ يَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۝ وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۗ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُوْلٰى وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَلَهُ الْحُكْمُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

اللہ کی توحید کے چند دلائل

اللہ ربّ العزّت کی توحید کے کچھ دلائل بیان کیے جارہے ہیں: جن میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ ہر چیز کا خالق ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے، اور پھر اپنی مخلوقات میں سے اور احکام میں سے جو چاہتا ہے منتخب کرتا ہے (اور انبیاء کے ذریعہ نازل فرماتا ہے، معارف القرآن)۔ لوگوں کا اس میں کوئی اختیار نہیں ہے۔

توحید باری تعالیٰ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ اس کا علم بالکل کامل ہے، وہ سینوں میں پوشیدہ امور اور اعلانیہ کیے جانے والے افعال اور باتوں کا مکمل علم رکھتا ہے۔

وہ شرک سے پاک ہے، دنیا اور آخرت میں حقیقی تعریف کے لائق اسی کی ذات ہے، سارے فیصلے اسی کے اختیار میں ہیں، اور سب نے اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ الَّيْلَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِضِيَآءٍ ۗ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ ۗ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

قدرتِ خداوندی کے نمونے

اللہ ربّ العزّت کی قدرت کے بے شمار نمونوں میں سے ایک نمونہ رات اور دِن کا یہ مرتب نظام ہے، رات اپنے وقت پر آتی ہے اور دِن اپنے وقت پر شروع ہوتا ہے، اللہ ربّ العزّت کے علاوہ کوئی اس نظام کو سنبھالنے والا نہیں ہے، اگر اللہ دِن کو روک دے تو کوئی رات نہیں لا سکتا اور اگر اللہ رات کو روک دے تو کوئی دِن نکالنے پر قادر نہیں ہے۔

دن اور رات کا یہ مرتب نظام اللہ ربّ العزّت کی خاص رحمت ہے کہ اس نے رات کو سکون کا ذریعہ بنایا، اور دِن کو روزی اور معاش کا ذریعہ بنایا، لہٰذا اس رحمت پر اللہ ربّ العزّت کا شکر ادا کرو۔

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ ۠ وَاٰتَيْنٰهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَآ اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِي الْقُوَّةِ ۗ اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ۝ وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝

قارون کا عبرت ناک انجام

قارون کون تھا؟

قارون، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برادری بنی اسرائیل میں سے تھا، اور بعض روایات کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچازاد بھائی تھا۔ یہ ان ستر لوگوں میں سے ایک تھا جن کا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ ربّ العزّت کی مناجات کے لیے انتخاب کیا تھا، نیز یہ تورات کا حافظ اور بہترین قاری تھا، اور دوسرے بنی اسرائیل سے زیادہ اسے تورات یاد تھی، مگر درحقیقت یہ منافق تھا، اور اس کی منافقت کی وجہ دنیا کے مقام ومرتبہ کی حرص تھی، کیونکہ پورے بنی اسرائیل کی سرداری حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس تھی تو اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حسد پیدا ہو گیا تھا، اور کہتا تھا کہ میں بھی تو ان کی برادری کا بھائی اور قریبی رشتہ دار ہوں، جب اسے نبوّت، حکومت اور سرداری مل گئی تو مجھے کیوں نہیں ملی؟

اللہ ربّ العزّت نے اسے بے پناہ دولت سے نوازا تھا، قرآن میں اللہ ربّ العزّت نے اس کی دولت کے بارمیں ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے پاس اتنی دولت تھی کہ اس کے خزانے کی چابیاں ایک طاقتور جماعت اٹھا کر چلتی تھی، لیکن اس نے اس دولت پر اللہ ربّ العزّت کا شکر ادا کرنے کے بجائے تکبّر کرنا شروع کر دیا، اور اپنے آپ کو قوم سے برتر سمجھنے لگا۔

قوم کی قارون کو سمجھانے کی کوشش

جب بنی اسرائیل نے قارون کے یہ طور طریقے اور طرزِ عمل دیکھا تو اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ تکبّر نہ کیا کر، کیونکہ اللہ ربّ العزّت تکبّر کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے، اور جو مال تجھے اللہ ربّ العزّت نے عنایت کیا ہے اس میں سے آخرت کی تیاری کا بھی کچھ سامان کر، اور جیسے اللہ نے تجھ پر احسان کیا ہے اسی طرح تو بھی اللہ کے بندوں کے ساتھ حسن سلوک کیا کر۔

قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِيْ ؕ اَوَلَمْ يَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ اَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَّاَكْثَرُ جَمْعًا ؕ وَلَا يُسْئَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۝

قارون کا تکبّر اور اللہ ربّ العزّت کی اس پر تنبیہ

جب قوم نے قارون کو تبلیغ کی اور اسے سمجھایا کہ اللہ ربّ العزّت کے دیے گئے مال میں سے اس کی مخلوق پر خرچ کیا کر، تو اس نے تکبّر کرتے ہوئے جواب دیا کہ یہ مال و دولت مجھے میری ذاتی ہنرمندی سے ملا ہے، اس میں اللہ کا کوئی احسان نہیں ہے، تو اللہ ربّ العزّت نے اسے تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ ربّ العزّت نے اس سے پہلے اُمتوں میں ایسے کئی لوگوں کو ہلاک کر دیا ہے جو نہ صرف مالی قوت میں اس سے کہیں بڑھ کر تھے بلکہ ان کا مجمع اور تعداد بھی اس سے زیادہ تھی۔
تو جب اللہ ربّ العزّت ان کو ہلاک کرنے پر قادر ہے تو وہ اسے ہلاک کرنے پر بھی بطریق اولیٰ قادر ہے۔

فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ

حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿۷۹﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا
الصّٰبِرُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْاَرْضَ ۫ فَمَا كَانَ لَهٗ مِنْ فِئَةٍ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۗ وَمَا كَانَ مِنَ
الْمُنْتَصِرِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَاَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهٗ بِالْاَمْسِ يَقُوْلُوْنَ وَيْكَاَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ
عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ ۚ لَوْلَآ اَنْ مَّنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا ۗ وَيْكَاَنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۲﴾

قارون کی ہلاکت کا واقعہ

قارون کی سرکشی اور تکبر دِن بدن بڑھتا رہا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اس کی قوم اس کو سمجھاتی رہی لیکن اس نے ان کی نہ مانی، جس پر اسے اللہ رب العزت کے عذاب نے آ پکڑا اور وہ ہلاک ہوگیا، اس کی ہلاکت کے مکمل واقعہ کی تفصیل درج ذیل ہے:

تفسیر صاوی حاشیہ جلالین میں مذکورہ واقعہ کچھ یوں مرقوم ہے کہ قارون بنی اسرائیل کا سب سے بڑا عالم وقاری، خوبصورت اور مالدار شخص تھا، موسیٰ علیہ السلام کے خلاف سرکشی کرتے ہوئے اپنے حواریوں سمیت الگ ہوگیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام قرابت داری کی وجہ سے بار بار اس کے پاس جاتے جبکہ یہ صرف آپ کو ستاتا رہتا۔

قارون نے ایک ایسا محل تیار کیا تھا جس کا دروازہ سونے کا تھا اور دیواروں پر سونے کے ٹکڑے خوبصورتی کے لیے جڑے گئے تھے، بنی اسرائیل میں سے کچھ لوگ صبح شام اس کے پاس آتے، گپ شپ کرتے، اس کے پاس کھاتے پیتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زکوٰۃ کے حکم پر اس نے اپنے حواریوں کو جمع کرلیا اور کہنے لگا کہ تم ہر بات میں موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت کرتے ہو، اب وہ تم سے تمہارے مال بھی لینا چاہتا ہے، تو تمہارا کیا خیال ہے؟ انہوں نے کہا کہ تم ہمارے بڑے ہو، جو چاہو ہمیں حکم کرو، اس نے کہا کہ میرا حکم یہ ہے کہ فلاں بدکار خاتون کو لے آؤ اور اسے مال و دولت دے کر موسیٰ علیہ السلام پر تہمت لگانے کے لیے تیار کرو۔

چنانچہ قارون نے اس خاتون کو بلا کر اسے ایک ہزار دینار، ایک ہزار درہم، سونے کی پلیٹ اور اپنے خاندان کی خواتین میں شامل کرنے کی لالچ دے کر تہمت پر تیار کرلیا۔ اگلے دِن مجمع عام میں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام زانی کی سزا بیان کر رہے تھے تو قارون نے تہمت لگادی اور ثبوت میں اس خاتون کو آگے کردیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے قسم دے کر سوال کیا، کہ کیا میں نے تمہارے ساتھ یہ فعل کیا ہے؟ تو اللہ نے اسے ہدایت نصیب فرمائی، اس نے کہا کہ قارون نے مجھے لالچ دیا تھا، اس پر موسیٰ علیہ السلام سجدہ میں گر گئے اور بددعا کی، جواب میں وحی آئی کہ میں نے زمین کو آپ کا فرمانبردار بنا دیا، آپ زمین کو جو چاہیں حکم دیں، وہ تعمیل ارشاد کرے گی۔ آپ علیہ السلام نے لوگوں سے کہا کہ جو قارون کا ساتھی ہے اس کے ساتھ رہے، اور جو میرا ساتھی ہے وہ یہاں سے الگ ہوجائے۔ اس اعلان کے بعد قارون کے ساتھ صرف دو آدمی باقی رہے، موسیٰ علیہ السلام نے زمین کو حکم دیا کہ ان کو پکڑ لے، ان کے پاؤں زمین میں دھنس گئے، پھر حکم دیا کہ انہیں پکڑ لے، تو

وہ گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے، پھر حکم دیا تو ان کا آدھا بدن زمین میں دھنس گیا، پھر حکم دیا تو گردن تک زمین میں چلے گئے، یہ منظر دیکھ کر لوگ گڑگڑا رہے تھے، قارون اللہ کے واسطے اور رشتہ داری کے واسطے دے رہا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام سخت جلال میں تھے اور قارون کی جانب ذرا بھی التفات نہیں فرما رہے تھے، پھر آپ علیہ السلام نے زمین کو حکم دیا کہ انہیں اپنے اندر لے کر بند ہو جا، چنانچہ وہ مکمل طور پر زمین میں دھنس گیا، اور اب تک زمین میں دھنسایا جا رہا ہے۔

اس کی ہلاکت پر بعض بنی اسرائیل نے تبصرے کیے کہ قارون کو ہلاک کر کے موسیٰ علیہ السلام اس کی دولت پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں، موسیٰ علیہ السلام کو جب اس بات کا علم ہوا تو آپ نے بددُعا کی جس سے اس کا محل، خزانے اور مال و دولت سب زمین میں دھنس گئے۔

بعض اہل علم نے فرمایا کہ کافروں میں واحد قارون ہے جسے زمین سلامت رکھے ہوئے ہے اور اس پر دھنسنے کا عذاب آج بھی جاری ہے۔ (اعاذنا اللہ من غضبہ وعقابہ!)

قارون کے انجام سے قوم کو نصیحت

جب قوم نے اپنی آنکھوں سے قارون کا یہ انجام دیکھا تو وہ لوگ جو پہلے اس کے مال و جائیداد کو للچائی ہوئی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس جیسا بننے کی تمنا کرتے تھے، تو ان سب نے اجتماعی توبہ کی اور کہنے لگے کہ واقعی رزق کی فراخی یا تنگی کا مدار خوش نصیبی یا بدنصیبی پر نہیں بلکہ یہ تو اللہ ربّ العزّت کی مشیت ہے کہ جسے چاہتا ہے روزی میں فراخی نصیب فرما دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے تنگی سے دیتا ہے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۝
مَنْ جَاۗءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ جَاۗءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى الَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝

دارِ آخرت کا ثواب کن لوگوں کے لیے ہے؟

اللہ ربّ العزّت فرماتے ہیں کہ آخرت کا ثواب ہم صرف انہی لوگوں کو عطا کریں گے جو تکبّر نہیں کرتے اور زمین میں فساد نہیں پھیلاتے، یعنی ظاہری اور باطنی گناہوں سے اپنی حفاظت کرتے ہیں۔

ثواب اور عقاب کا اُخروی ضابطہ

پھر اللہ ربّ العزّت نے ثواب وعقاب کا اخروی ضابطہ بیان فرمایا، جس میں اللہ ربّ العزّت کی رحمت خوب آشکارا ہوتی ہے۔ فرمایا کہ جو شخص کوئی نیک عمل کرے گا تو اسے اس سے بہتر بدلہ ملے گا، جس کی وضاحت جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک حدیث مبارکہ میں فرمائی ہے کہ ایک نیکی پر کم از کم دس گنا اجر ملے گا اور اخلاص کی زیادتی کے ساتھ ستر گنا سے لے کر سات سو گنا تک اجر بارگاہ خداوندی سے ملے گا۔

جبکہ دوسری طرف اگر کسی سے کوئی برائی سرزد ہو جائے تو اسے صرف اتنی ہی سزا ہوگی جتنی برائی اس نے کی ہے۔

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰى مَعَادٍؕ قُلْ رَّبِّیْۤ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰى وَ مَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۝

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ ربّ العزّت کا وعدہ

چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم کے مطابق مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی لیکن آپ کو مکہ مکرمہ سے بے انتہا محبت تھی جس کی وجہ سے آپ کو مکہ کی یاد ستاتی رہتی تھی اور آپ غمگین رہا کرتے تھے، تو اس آیت مبارکہ میں اللہ ربّ العزّت نے آپ کو تسلی دی اور وعدہ فرمایا کہ آپ کا رب آپ کو مکہ ضرور واپس لے جائے گا، اور اس وقت آپ غالب اور صاحب سلطنت ہوں گے۔ چنانچہ اللہ ربّ العزّت نے اپنا یہ وعدہ پورا فرمایا، اور آٹھ سال بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم فاتح بن کر مکہ مکرمہ تشریف لائے۔

بعض حضرات کے نزدیک اس آیت میں "معاد" سے مراد جنّت ہے، اگر یہ بھی مراد ہو تو کوئی حرج نہیں، دونوں مصداق ہو سکتے ہیں۔

سورت کا اِجمالی درس

۱۔ سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ نہایت تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔
۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور نبوّت کا اثبات بھی کیا گیا ہے۔
۳۔ اللہ ربّ العزّت کی قدرت کے دلائل ذکر فرما کر توحید باری تعالیٰ کا اثبات کیا گیا ہے۔
۴۔ قارون کی ہلاکت کا واقعہ اور اسباب بیان کیے گئے ہیں۔
۵۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی اور کفّار و مشرکین کو تنبیہ کی گئی ہے۔

تمت سورۃ القصص بحمد اللہ وعدہ


نقوشِ قرآن
نقوشِ اسلام
نقوشِ علم
مکتبہ رشیدیہ